برزخ

مکمل

ایم اے راحت

والدہ مرحومہ کے نام

جنہوں نے کہا تھا اگر یہ چاہو کہ مرنے کے بعد بھی
لوگ تمہیں یاد رکھیں تو کچھ ایسی چیزیں لکھو جو پڑھی جائیں
یا ایسا کام کرو جو لکھنے کے قابل ہو۔

شاہ عالم کے چار بیٹے تھے جن میں علی نواز کا نمبر تیسرا تھا...... اس سے چھوٹا داراب
بال تھا۔ ان بچوں کی عمروں میں صرف ڈیڑھ ڈیڑھ سال کا فرق تھا اور یہ بلونگڑے ایک
دوسرے سے لپٹے ہوئے پروان چڑھ رہے تھے...... شاہ عالم خانہ خیل کے سرداروں میں تو
نہیں تھا، لیکن اس کے اجداد خانہ خیل کے صاحب حیثیت لوگ رہے تھے اور بستی کی پرانی
روایتوں میں انہیں نیک نام اور عزت دار تصور کیا جاتا تھا...... ان کی حیثیت بھی مستحکم
تھی...... خانہ خیل کے ایک زرخیز حصے میں جو ڈھلانوں کی شکل میں تھا...... خانہ خیل کا سب
سے قدیم خوبانیوں کا باغ تھا جس کی دور دور تک شہرت تھی...... یہاں سے خشک اور تازہ
خوبانیاں ملک کے بیشتر حصوں میں جاتی تھیں اور یہ خاندان خوبانیوں کا تاجر کہلاتا تھا......
بہترین کاروبار چل رہا تھا اور اب ان باغوں کا مالک شاہ عالم تھا۔

خانہ خیل کے پرسکون ماحول میں ہلچل پیدا ہوئی...... جس کا محرک زمان ملنگی تھا...... وہ
اس علاقے میں داخل ہوا، اس طرح جیسے کوئی سرکش راجہ کسی سرزمین پر حملہ کر کے اسے
فتح کرے اور اس پر قبضہ جمالے...... زمان ملنگی نے بھی خانہ خیل پر قبضہ کر لیا...... اس کے
ساتھ خطرناک لوگوں کا لشکر تھا۔

زمان ملنگی کے ہاتھ بہت لمبے تھے...... خانہ خیل میں داخل ہو کر اس نے سب سے پہلا
کام یہ کیا کہ سرکاری زمین پر اپنی طویل و عریض حویلی بنائی...... بستی والے اسے نہیں
جانتے تھے، لیکن اس کے ساتھ پولیس کی جیپیں آئی تھیں...... بڑے بڑے افسر آئے تھے اور

کسی کو جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس بارے میں کچھ معلوم کر سکتا...... سب سے پہلے اس
سرکاری زمین پر ایک احاطہ بنایا گیا، جس میں وہ پورا لشکر سما گیا...... پھر زور شور سے تعمیر
ہوئی اور تھوڑی ہی عرصے کے بعد حویلی کھڑی ہو گئی...... لوگ متجسس تھے، لیکن زمان ملنگی
کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم ہو رہا تھا...... سب کے ذہنوں میں تجسس تھا، لیکن
صورت حال کچھ ایسی ہی تھی کہ وہ اپنے اس تجسس کو دفع نہیں کر سکتے تھے...... بعد میں زمان
ملنگی کے بارے میں مختلف کہانیاں علم میں آئیں...... کہا جاتا تھا کہ وہ ایک خطرناک ڈاکو
تھا...... جسے عام معافی دے دی گئی تھی اور شاید ڈاکوؤں کا پورا گروہ یہاں آکر آباد ہو گیا تھا،
لیکن سرکاری سرپرستی میں اور جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو، اس کے خلاف عام لوگ کچھ
نہیں کر سکتے...... رفتہ رفتہ زمان ملنگی نے ہاتھ پاؤں نکالنا شروع کر دیئے...... آس پاس کی
زمینوں پر عجیب و غریب وارداتیں ہونے لگیں...... کبھی فصلیں جل جاتیں...... کبھی کچھ اور
ہو جاتا...... خراب موسم نے ایک بار خانہ خیل کے لوگوں کو شدید مشکل میں گرفتار کر دیا تو
زمان ملنگی نے آگے بڑھ کر ہر ایک کی مدد کی اور لوگوں کے خیالات اس کی جانب سے اور نرم
پڑ گئے، لیکن پھر ان تباہ شدہ زمینوں کو زمان ملنگی نے خریدنا شروع کر دیا...... اس کے
ہرکارے، ہر چھوٹے بڑے زمیندار سے ملتے، انہیں پیش کش کی جاتی اور جس نے یہ پیش
کش قبول نہ کی تو اس پر سختی کی جانے لگی۔

بستی کے لوگوں نے داد فریاد بھی کی...... ہتھیار بھی اٹھائے، لیکن زمان ملنگی کے گروہ
کے سامنے کچھ نہ چل سکی اور بیشتر افراد ان کوششوں میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے...... فریاد
لے کر جاتے تو صرف ان ہی کے پاس جو خود زمان ملنگی کے دوست تھے اور اس کے اردگرد
بکھرے رہتے تھے...... قصہ مختصر رفتہ رفتہ ساری زمینیں زمان ملنگی کی ملکیت بنتی چلی گئیں اور
زمینداروں کو کچھ حاصل نہ ہو سکا...... ہاں وہ لوگ جو اپنی ہی زمینوں پر زمان ملنگی کے کام
کرنے پر تیار ہو جاتے تھے...... بس ذرا سکون کی زندگی گزار لیتے تھے۔

شاہ عالم بستی خانہ خیل کا تقریباً سب سے بڑا زمیندار تھا اور ماضی میں اس کے آباؤ

اجداد یہاں کی سرداری کر چکے تھے...... یہ الگ بات ہے کہ بعد میں یہ سرداری نظام معطل ہی
ہو کر رہ گیا تھا اور سب کچھ سرکار کی تحویل میں چلا گیا تھا، چنانچہ یہ سلسلہ تو بے شک ختم ہو گیا،
لیکن صدیوں کی جو روایت چلی آ رہی تھی وہ اب بھی بزرگوں کے سینوں میں محفوظ تھی۔
شاہ عالم نے اپنی زمینیں زمان ملنگی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا
کہ یہ زمینیں اس کی پشتی زمینیں ہیں اور یہ فروخت کرنے کے لئے نہیں...... زمان ملنگی
خاموش ہو گیا، لیکن پھر اچانک ہی شاہ عالم بستی سے غائب ہو گیا...... گھر میں کہرام مچ
گیا...... دوستوں اور شناساؤں نے اسے ہر جگہ تلاش کیا...... زمان ملنگی سے بھی تذکرہ کیا گیا
اور اس نے بڑی دلسوزی سے اسے تلاش کرنے کی پیش کش کی اور اپنے آدمیوں کو جگہ جگہ
دوڑایا، لیکن شاہ عالم کا کہیں پتہ نہیں چلا...... گھر والے بے سکون ہو گئے تھے...... ویسے اس
کی غیر موجودگی سے گھر کے معاملات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد
شاہ عالم واپس آ گیا...... وہ اپنے بائیں ہاتھ سے محروم ہو چکا تھا...... اس کا بایاں ہاتھ شانے
کے پاس سے غائب ہو چکا تھا اور شاید زبان مفلوج...... کیونکہ اس نے کبھی کسی کو اپنی گمشدگی
کے بارے میں کچھ نہیں بتایا...... ایک عجیب سی چپ لگ گئی تھی اسے...... بہت عرصے تک
وہ اپنے بچوں کے درمیان خاموشی سے وقت گزارتا رہا، جبکہ خوبانیوں کے وہ باغ جو ایک
خوبصورت ڈھلان پر تھے اور جن پر اس نے بہت محنت کی تھی، نہ صرف اس نے بلکہ اس کے
آباؤ اجداد نے بھی...... ان باغوں میں زمان ملنگی کے آدمی نظر آنے لگے اور یوں محسوس ہوا
جیسے اب زمان ملنگی ان کا مالک بن بیٹھا ہو، لیکن بچپن کے شاہ عالم کے شناسا درخت اس کی
غیر موجودگی سے افسردہ ہو گئے اور سوکھنے لگے...... اس بات کو زمان ملنگی نے شدت سے
محسوس کیا اور پھر شاید خفیہ طریقے سے شاہ عالم ہی سے گفتگو کی گئی اور اسے آمادہ کیا گیا کہ وہ
ان درختوں کی پیاس بجھا دے۔

زمان ملنگی اپنے مخالفوں کو اپنے ہر کام پر آمادہ کرنے کے لئے شاید کوئی طلسمی عمل کرتا
تھا کیونکہ کچھ ہی عرصے کے بعد شاہ عالم نے دوبارہ ان باغوں میں جانا شروع کر دیا...... ایک

ہاتھ نہ جانے کہاں بھول آیا تھا لیکن دوسرے ہاتھ سے اس نے ان درختوں کی پھر سے آبیاری شروع کر دی، یہ الگ بات ہے کہ زمان ملنگی کے ساتھی اس کے ہمراہ ہوا کرتے تھے۔ پہلے تو ایک بڑے زمیندار کی طرح شاہ عالم بہت کم وہاں جاتا تھا اور دوسرے لوگ کام کیا کرتے تھے، لیکن اب وہ مستقل ان باغوں میں جا کر درختوں کی دیکھ بھال کا کام کرنے لگا تھا..... بے شمار افراد نے شاہ عالم کے بارے میں سوچا تھا..... سوچتے تو وہ اپنے بارے میں بھی تھے، لیکن ان کی چھوٹی چھوٹی زمینیں تھیں جن کا انہیں کچھ معاوضہ بھی مل گیا تھا..... شاہ عالم کو شاید معاوضے میں کچھ دینا ہی پڑا تھا..... جیسے اپنا ہاتھ..... لیکن وہ تھوڑا تھوڑا سا کچھ سمجھنے لگے تھے۔

شاہ عالم اپنے گھر والوں کو بھی کبھی کچھ نہیں بتاتا تھا..... بس ایک عجیب سی خاموشی اس کے چہرے پر منجمد ہو گئی تھی..... بہت دن اسی طرح گزر گئے..... لوگ یہ بھول گئے کہ کبھی زمیندار تھے..... اپنے طور پر زندگی گزارتے تھے..... اب تو تقریباً وہ سب ہی اپنا سب کچھ کھو بیٹھے تھے اور بہرحال زندگی سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے، چنانچہ زندہ رہنے کا یہی طریقہ تھا کہ کبھی زمان ملنگی کے سامنے گردن نہ اٹھائیں..... زمان ملنگی ایک طرح سے حویلی خانہ خیل کا مالک بن چکا تھا اور وہاں موجود لوگ پسماندہ تر ہوتے جا رہے تھے۔

پہاڑوں کی ایک وسیع و عریض دنیا تھی..... انتہائی محدود وسائل..... ذریعہ سفر تھا نہ کوئی ذریعہ فریاد..... زندگی گزارنے کی چیز ہوتی ہے اور یہ انسان کی خوبی ہے کہ جب حالات اس کے گرد احاطہ کر لیتے ہیں اور اس کے پاس ذرائع ختم ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے ماحول کو ہی اپنی تقدیر کا حصہ بنا لیتا ہے..... سو یہی ہونے لگا تھا..... عام لوگوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا تھا..... بے آب و گیاہ پہاڑوں کے درمیان آباد بستیوں میں مسائل کے کھیت تھے اور ان کے درمیان رہنے والے ایسی ہی مصیبتوں کے شکار! کون کسی کی دادرسی کرتا اور کون کسی کے بارے میں سوچ کر دکھ اٹھاتا..... ہر شخص اپنے اپنے دکھ کا شریک تھا..... زندگی کسی نہ کسی شکل میں گزر ہی جاتی ہے، سو گزر رہی تھی، لیکن اگر کوئی دیکھنے والی نگاہ ہوتی تو شاہ عالم کے

چہرے پر وہ ایک عجیب سا سکوت ٹھنڈا ہوا دیکھ لیتی، جس میں نہ جانے کون کون سے طوفان چھپے ہوئے تھے۔

پھر ایک دن شاہ عالم اپنے احاطے میں بیٹھا اپنے کھیل میں مگن بچوں کو دیکھ رہا تھا..... چہرے پر ویرانی چھائی ہوئی تھی کہ اچانک ہی اس کی نگاہیں علی نواز پر جم گئیں اور ان میں کچھ عجیب سے نقوش نمایاں ہوگئے۔

بہت چھوٹا تھا علی نواز..... ایک معصوم سا بچہ..... جو ان تمام چیزوں سے محروم ہو گیا تھا جو اس کی ملکیت..... اس کا مستقبل تھیں..... لیکن نہ جانے کیوں شاہ عالم اسے گھورتا رہا بہت دیر تک گھورتا رہا..... اس کی ایک ایک حرکت کو نگاہوں میں محفوظ کرنے لگا اور اس کے بعد اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے ویران سے سکوت میں کچھ تبدیلی نمودار ہو گئی..... نہ جانے کون سے احساس نے اسے اس تبدیلی پر مجبور کر دیا تھا..... ویسے تو اب حویلی خانہ خیل کی زندگی ہی بدل گئی تھی..... وہ دن گزر گئے تھے جب محنت کش اپنی محنت کا صلہ اپنی زمینوں سے پاتے تھے، لیکن اب زمینیں ہی نہیں رہی تھیں..... وہ اب زمان ملنگی کی ملکیت تھیں اور وہ لوگ اس کی زمینوں پر مزدور تھے..... اس کے غلام تھے..... اس کے گوالے تھے..... اس کے گھوڑے تھے اور وقت پڑنے پر اس کے مرغے بھی تھے..... سب کچھ ہی کرنا پڑتا تھا انہیں زمان ملنگی کے لئے..... زمان ملنگی کے لئے نہیں بلکہ زندہ رہنے کے لئے، اب ان کے بچے آرام کی زندگی نہیں گزارتے تھے..... بھوکے ننگے رہ کر زندگی کے بے رس پھلوں سے تھوڑا سا رس کھینچ کر وہ سانسیں لے رہے تھے..... اب یہاں کوئی بھی خوشحال نہیں تھا..... پھر نہ جانے کیا ہوا..... دوسری ہی صبح شاہ عالم علی نواز کو اپنے ساتھ لے کر اپنے باغوں کی جانب چل پڑا..... وہ علی نواز کو باغوں میں لے جا کر چھوڑ دیتا تھا..... علی نواز کا وہاں بالکل دل نہیں لگتا تھا..... باقی تینوں بھائیوں کے ساتھ تو وہ بلونگڑوں کی طرح لوٹ لپٹ کر لیا کرتا تھا، لیکن یہاں کھیتوں پر اکیلی زندگی اسے عجیب سی لگتی تھی..... وہ روتا رہتا اور گھنٹوں اس کا باپ اپنے روتے ہوئے بچے کو بہلاتا رہتا..... یہاں تک کہ علی نواز خاموش ہو جاتا، لیکن ایک دن

جب اس کا باپ درختوں پر کام کر رہا تھا...... ننھے سے علی نواز نے کوئی چیز اٹھا کر باپ کو دینا چاہی تو شاہ عامل کی آنکھوں میں جنون ابھر آیا...... اس نے وہ چیز لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دی، لیکن معصوم بچہ کچھ نہیں سمجھ پایا تھا...... نہ جانے شاہ عامل اس سے کیا چاہتا تھا...... بہت عرصے کے بعد شاہ عامل نے زبان کھولی...... اس کے حلق سے بھیڑیئے جیسی غراہٹ نکلی۔

''ایسا دوبارہ نہ کرنا...... میں تجھے اس لئے یہاں نہیں لایا کہ تو ملنگی کی غلامی کرے...... ان زمینوں کو پہچان لے...... ان باغوں کو پہچان لے...... یہ ہمارے ہیں...... انہیں واپس لینا ہوگا...... یہ کام تو کرے گا علی نواز''۔

معصوم بچہ باپ کو دیکھتا رہا...... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا...... شاہ عامل دوبارہ خاموش ہو گیا...... وقت کی رفتار بدستور تھی...... زمان ملنگی کا ماضی کچھ بھی ہو...... حال شاندار جا رہا تھا...... اس نے زندگی کو جو رنگ دینا چاہا تھا، وہ اسے حاصل ہو چکا تھا...... یوں بھی وہ سرخ و سپید رنگت...... بلند و بالا قد و قامت کا مالک تھا اور سردار بھی لگتا تھا...... اب اس کی سرداری مستحکم ہو گئی تھی...... شان و شوکت اس کے غلام تھے، لیکن ہر سردار کی طرح وہ جانتا تھا کہ اس شان و شوکت کو برقرار رکھنے کے لئے جاگنا ضروری ہے...... آنکھیں بند ہوئیں تو ماحول بدلنے میں وقت نہیں لگے گا، چنانچہ خانہ خیل کا یہ سرکش اس کی نگاہ میں تھا...... اس کے حواری خوب متحد تھے...... وہ خانہ خیل کے لوگوں کو زندہ رہنا سکھا رہے تھے...... انہیں بتا رہے تھے کہ سردار کیا ہوتا ہے اور اس کے غلام کس طرح زندگی گزارتے ہیں اور خانہ خیل کے لوگ سب کچھ سیکھ رہے تھے...... ان میں شاہ عامل بھی تھا۔

اس رات برف کا طوفان آیا ہوا تھا...... سرد ہواؤں کے ساتھ برف کے ذرات اڑتے پھر رہے تھے...... یہ موسم بے حد سخت اور پریشان کن ہوتا تھا...... ہر گھر تاریک ہو جاتا تھا...... آتش دان سلگ اٹھتے تھے اور ہر وہ رخنہ بند کر دیا جاتا تھا جہاں سے سرد ہوا کی برچھیاں اندر داخل ہو سکتی تھیں...... ایسے موسم میں شاہ عامل خاموش کھڑا باہر کے موسم کو دیکھ رہا

تھا...... گھر کا ہر فرد سو چکا تھا...... وہ کچھ لمحے سوچتا رہا...... پھر اس نے کمبل سر پر اوڑھا، شانے اور سینہ ڈھکا اور اس کے بعد خاموشی سے احاطے کے دروازے کی جانب چل پڑا...... پھر رات کی تاریکیوں میں وہ ایک لمبا سفر طے کر کے ایسی جگہ پہنچا جہاں کسی کا اصطبل تھا اور اس اصطبل میں صرف ایک گھوڑا بندھا نظر آ رہا تھا...... شاہ عامل کی شاید اس گھوڑے سے شناسائی تھی، کیونکہ توانا گھوڑے نے اسے دیکھ کر منہ سے ہلکی ہلکی محبت بھری آوازیں نکالی تھیں...... شاہ عامل نے گھوڑے کی رسی کھولی اور اسے لئے ہوئے خاموشی کے ساتھ اصطبل سے باہر نکل آیا...... پھر دبے دبے قدموں چلتا ہوا خاصی دور تک سفر کرتا رہا اور اس کے بعد گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار ہو گیا...... خراب موسم کی پرواہ کئے بغیر گھوڑا بھی اس سے کچھ زیادہ ہی ہوئیت کا ثبوت دے رہا تھا...... کچھ وقت کے بعد اپنے گھر کے احاطے کے سامنے گھوڑے کو کھڑا کر کے وہ اندر داخل ہو گیا...... پھر اس نے وہ کمبل جو اپنے شانوں پر اوڑھ رکھا تھا، نیچے جھکایا اور دوسرے بچوں کے ساتھ سوتے ہوئے علی نواز کو کمبل میں لپیٹا اور اسے کندھے سے لگائے ہوئے باہر نکل آیا...... علی نواز تھوڑا سا منمنایا تھا لیکن گہری نیند میں تھا اور شاید باپ کا لمس بھی پہچانتا تھا...... سو اس نے منمنا کر آنکھیں بند کر لیں...... شاہ عامل اسے کاندھے سے لگائے ہوئے احاطے سے باہر نکلا...... کمبل میں اچھی طرح لپیٹ کر اسے گھوڑے پر اپنے ساتھ بٹھایا اور اس کے بعد گھوڑے کو آہستہ آہستہ بستی کے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا...... کچھ وقت کے بعد وہ کھلے میدانوں میں سفر کر رہا تھا...... گھوڑے کی ننگی پشت پر اس خراب موسم کا سفر آسان بات نہیں تھی اور پھر گھوڑا بھی کسی غیر کا تھا...... نہ جانے کیوں شاہ عامل کو وہ پہچانتا تھا کہ اس کے اشارے پر وہ دوڑتا چلا جا رہا تھا...... جن راستوں پر گھوڑا سفر کر رہا تھا وہ غالباً گھوڑے اور شاہ عامل دونوں کے اس قدر شناسا راستے تھے کہ نہ تو گھوڑے نے کوئی ٹھوکر کھائی نہ شاہ عامل کو کوئی دھوکہ ہوا...... اڑھائی گھنٹے تک گھوڑے کا یہ سفر جاری رہا، جبکہ رفتار بھی خاصی تیز تھی...... موسم بے شک راستہ روک رہا تھا، لیکن گھوڑا سمجھ رہا تھا کہ پشت پر بیٹھے ہوئے شخص کو یہ سفر کرنا ہی ہے...... پھر ایک سوئی ہوئی بستی نظر آئی...... یہاں

کا موسم اتنا خراب تو نہیں تھا جتنا حویلی خانہ نیل کا لیکن بہر حال یہ رات کا وہ حصہ تھا جب لوگ نیند کی آغوش میں مست ہوتے ہیں...... گلیوں کے کتے بھی چوکیداری کے ابتدائی فرائض انجام دینے کے بعد پنجوں پر منہ رکھ کر سو رہے تھے...... گھوڑا سست روی سے چلتا ہوا اس بستی کے ایک مکان کے سامنے رک گیا...... شاہ عالم نے علی نواز کو سنبھال کر گھوڑے سے اتارا...... سہمے ہوئے بچے نے راستے بھر کوئی سوال نہیں کیا تھا، جبکہ گھوڑے کے سفر کو طے کرتے ہوئے اور خاص طور سے سرد موسم میں جاگ جانا فطری عمل تھا، لیکن جب وہ نیچے اترا تو علی نواز کی آواز ابھری۔

"ابا کہاں آئے ہیں ہم؟"۔

"تو جاگ رہا ہے؟" شاہ عالم نے سوال کیا تھا۔

"ہاں ابا! میں تو اسی وقت جاگ گیا تھا جب تم گھوڑے پر سوار ہوئے تھے"۔

"میں تجھے بتاتا ہوں" پھر شاہ عالم نے دروازے کی زنجیر زور زور سے بجائی اور بہت دیر تک دروازہ بجنے کے بعد اندر لالٹین کی روشنی نظر آئی جو دروازے کے رخنوں سے جھانک رہی تھی...... کسی نے لالٹین زمین پر رکھ کر دروازہ کھولا...... دروازہ کھولنے والا انتہائی دیو ہیکل شخص تھا...... اس نے تاریکی میں کھڑے ہوئے شاہ عالم کو دیکھا اور کہا۔

"کون؟"۔

"غلام خیر...... میں ہوں شاہ عالم؟"۔

"ارے شاہ عالم! تو اس وقت...... اندر آ...... اندر آ میرے بھائی! خیر تو ہے" غلام خیر کی گونج دار آواز ابھری...... وہ انتہائی طاقت ور اور توانا شخص معلوم ہوتا تھا...... شاہ عالم اندر داخل ہو گیا۔

"یہ کون ہے تیرے ساتھ؟"۔

"علی نواز ہے"۔

"کیا ہوا؟ مجھے جلدی بتا...... تو نے تو میرا دل ہولا دیا ہے...... اتنی رات گئے جبکہ مجھے

پتہ چلا ہے کہ حویلی خانہ نیل کا موسم بہت خراب ہے...... برف کا طوفان آیا ہوا ہے"۔

"ہاں اور مجھے ابھی واپس بھی جانا ہے"۔

"مگر بات کیا ہے؟ تو مجھے یہ تو بتا دے"۔

"علی نواز کو تیرے پاس لایا ہوں"۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں لیکن کوئی خاص بات ہے کیا؟"۔

"ہاں خاص بات ہے جس کی تفصیل میں تجھے بعد میں بتاؤں گا...... غلام خیر لیکن چند الفاظ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ غور سے سن لے...... میں نے تجھے حالات تھوڑے بہت بتائے تھے...... تفصیل سے بتانے کا موقع نہیں مل سکا تھا مجھے...... میرا ایک ہاتھ جس کے لئے تو فکر مند تھا، جس طرح گم ہوا ہے اس کی تفصیل میں کسی وقت بعد میں بتاؤں گا لیکن یہ بات سن لے کہ مجھے یہ ہاتھ واپس چاہئے"۔

"اندر تو آ...... برف کی طرح سرد ہو رہا ہے...... پورے بدن پر برف جمی ہوئی ہے" غلام خیر نے کہا۔

"یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی...... میرے وجود میں جو آگ روشن ہے، یہ برف یا یہ سرد ہوائیں اس آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتیں"۔

"ٹھیک ہے اندر تو آ" یوں لگتا تھا جیسے اس گھر میں اور کوئی نہ رہتا ہو اندر کے کمرے میں آتش دان سلگ رہا تھا اور کمرہ خوب گرم ہو رہا تھا...... معصوم علی نواز دونوں کی صورتیں دیکھ رہا تھا...... غلام خیر نے اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیا بات ہے...... تیری اس وقت کی آمد میری سمجھ میں نہیں آئی"۔

"بتا تو چکا ہوں کہ علی نواز اب تیرے پاس رہے گا اور تجھے لوہے کے اس ٹکڑے کو فولاد بنانا ہے...... ایک ایسا فولاد جو زمان ملنگی کو سر سے پاؤں تک چیر کر پھینک دے...... زمان ملنگی کی داستان تیری بستی سے دور نہیں ہے...... میں علی نواز کو اس کے مقابلے پر لانا چاہتا ہوں اور یہ کام صرف تو ہی کر سکتا ہے...... میں اپنا ہی بچہ تیرے سپرد کر رہا ہوں...... بول کیا میری

یہ خواہش پوری کر دے گا؟"۔

غلام خیر نے علی نواز کو دیکھا پھر اپنے دوست کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔

"ساری زندگی یہ آرزو کرتا رہا شاہ عامل کہ تو مجھ سے کوئی کام لے تو میں تیرا وہ قرض ادا کروں جو ہمیشہ میرے شانے جھکائے رکھتا ہے...... آج قدرت نے مجھے تیری خدمت کا کوئی موقع دیا ہے تو تو اس کے لئے مجھ سے سوال کر رہا ہے"۔

"اپنے بدن کی ساری طاقت اس کے وجود میں اتار دے اور اس کے دل کو آتش بنا دے غلام خیر! میں اس بچے کی صلاحیتوں سے واقف ہوں...... بہت سوچ سمجھ کر میں نے اس کا انتخاب کیا ہے اور بہت غور کر کے میں نے لوہے کا یہ ٹکڑا منتخب کر کے تیرے حوالے کیا ہے، اب اس سے زیادہ نہ میرے پاس کہنے کے لئے کچھ وقت ہے اور نہ الفاظ...... مجھے واپسی کی اجازت دے کیونکہ دن کی روشنی میں مجھے بستی میں ہونا چاہئے"۔

"مگر دوسرے بچے؟"۔

"میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا...... کسی بات کی فکر نہ کر اور خیال رکھنا اس کی ہوا باہر نہ پھیلنے پائے"۔

"تو مطمئن رہ! مگر اب تو مجھ سے کب ملاقات کرے گا؟"۔

"جب بھی موقع ملا...... میرا مقصد تو تیرے علم میں آ ہی چکا ہے" پھر اس نے علی نواز سے کہا...... "علی نواز! میرے بچے! غلام خیر اب تیرا سب کچھ ہے...... اس کے ساتھ تو جو کچھ بھی سیکھے گا سمجھ لینا یہ تجھے تیرے باپ کی ہدایت ہوگی...... غلام خیر باقی کچھ اور نہیں کہوں گا"۔

"باقی اور کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تجھے...... زندگی سے زیادہ پیارا ہے تو" پھر غلام خیر اسے باہر تک چھوڑنے آیا اور شاہ عامل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپسی کا سفر کرنے لگا"۔

یہ رات اس کے لئے بڑی نیک اور مبارک ثابت ہوئی تھی کہ جو خیال اس کے دل میں

پہلے کچھ عرصے سے پل رہا تھا...... آج اس کی تکمیل ہو گئی تھی...... گھوڑے کو اس کی جگہ تھان پر باندھ کر شاہ عامل نے اپنے دوست جانور کا شکریہ ادا کیا جس نے اس بھیانک رات میں اس کے کام میں اس کا ساتھ دیا تھا اور ذرا بھی حیل وحجت نہیں کی تھی...... اس کے بعد وہ واپس آیا اور اپنے گھر کے احاطے میں داخل ہو گیا...... صبح کو بیوی نے جب علی نواز کو نہ پایا تو متوحش ہو گئی، لیکن شاہ عامل نے اسے تسلیاں دے کر کہا۔

"زلیخا! اس کے بارے میں ذرا بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں وہ بالکل محفوظ ہے تجھے بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا میں نے...... لیکن یہ ضروری تھا...... سمجھ رہی ہے نا تو ہمیں جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے ان میں یہ بہت ضروری ہے"۔

وفا پرست عورت نے اس کے بعد کوئی سوال نہیں کیا اور خاموش ہو گئی...... شاہ عامل کے شناساؤں کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ علی نواز کہاں چلا گیا...... اصل میں شاہ عامل نے تحمل اور بردباری سے کام لیا تھا...... عقل و دانش کے ساتھ سوچ کر اس نے جو فیصلے کئے تھے اب ان پر رفتہ رفتہ عمل درآمد کر رہا تھا، جو لمحات اس پر گزرے تھے اور جس کے تحت وہ اپنے ایک بازو سے محروم ہو چکا تھا، اس نے وہ بھلائے نہیں تھے، بلکہ ایک ایک لمحے کا حساب اپنے دل میں رکھا تھا، لیکن چشم بینا سے اس نے دیکھا تھا کہ کھلم کھلا کسی بھی طرح زمان ملنگی کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا، سوائے اس کے کہ اپنے بچوں کا قتل عام دیکھے...... اپنی بیوی کو خون میں نہائے ہوئے اور اپنے گھر کو جلتا ہوا دیکھے...... بہت عرصے سے...... اجداد کے زمانے سے، یہ سب کچھ اس کا تھا...... بات صرف خوبانیوں کے ان باغوں تک ہی محدود نہیں تھی...... وہ تو چھین لئے گئے تھے، لیکن صدیوں کے جمع کئے اثاثے اب بھی اس کے پاس محفوظ اور مدفون تھے اور وہ اپنے طور پر جو فیصلے کر رہا تھا ان میں انتہائی ذہانت کار فرما تھی۔

سو پھر لوگوں کو پتہ بھی نہیں چل سکا، لیکن ایک دن شاہ عامل کی بیوی زلیخا اپنے باقی تینوں بچوں کے ساتھ بستی سے باہر گئی...... لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور ان پر کوئی پابندی نہیں تھی، چونکہ اس دوران شاہ عامل نے ذرا بھی سرکشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، بلکہ واپس

آنے کے بعد اس نے اپنے باقی ماندہ اثاثے باقاعدہ ان کاغذات پر منتقل کر دیئے تھے......
جن کی زمان ملنگی کو ضرورت تھی اور اس کے بعد زمان ملنگی کی ہدایت پر باغبانوں نے ان
خراب ہو جانے والے باغوں کی دیکھ بھال کر کے انہیں پھر سے تر و تازہ کر دیا تھا...... اس
دوران زمان ملنگی نے اپنے مخصوص عمل سے کام لیتے ہوئے اس پر گہری نگاہ رکھی تھی اور
اسے یہی اطلاعات ملی تھیں کہ بالآخر شاہ عالم دوسرے زمینداروں کی طرح بالکل سیدھا
ہو گیا ہے اور اب اس کے اندر سرکشی کا عنصر باقی نہیں رہ گیا، لیکن ایک دن شاہ عالم خود بھی
بستی سے غائب ہو گیا اور جب ملنگی کو اس کا علم ہوا تو اس نے اس کے مکان کی تلاشی لی......
ساز و سامان جوں کا توں تھا...... باقی سب کچھ بھی موجود تھا...... بس نہ تو اس کے اہل خاندان
تھے اور نہ وہ خود، قرب و جوار کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ اس کی بیوی
اپنے تینوں بچوں کے ساتھ پہلے ہی کہیں چلی گئی تھی...... کہاں، اس بات کا بستی والوں کو علم
نہیں تھا اور پھر خود شاہ عالم بھی غائب ہو گیا تھا، لیکن کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ شاہ عالم اور
اس کے بیوی بچوں نے کتنا طویل سفر طے کر لیا ہے اور ایک ایسے شہر میں پہنچ گئے ہیں جس
کے بارے میں یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے...... وہ اثاثے جو شاہ عالم خاموشی سے اپنے
قدیم گھر سے نکال لایا تھا، اتنے معاون تھے کہ شاہ عالم ایک بار پھر ایک اعلیٰ درجے کی زندگی
کا آغاز کر سکے...... اس نے اپنا حلیہ بدل لیا اور ایک خوبصورت مکان میں رہنے لگا، جو اس نے
اس شہر میں خرید لیا تھا...... بیوی اور بچوں کی حالت بھی بدل دی گئی...... بچوں کو سکول میں
داخل کرا دیا گیا تھا...... اصل میں بستی حویلی خانہ خیل کا اپنا ایک مزاج تھا اور وہاں کی زندگی
وہاں سے متعلق تھی، لیکن اس جگہ میں صورت حال بالکل مختلف تھی...... جیسا دیس ویسا
بھیس کے مصداق شاہ عالم نے ذہانت سے کام لے کر اپنے بچوں کی تعلیم کا آغاز بھی کر دیا
اور اپنے گھر کا رہن سہن بھی بدل دیا، لیکن جو آگ اس کے سینے میں سلگ رہی تھی وہ اسے
اندر ہی اندر جھلساتی رہی...... وہ سب کچھ کرتا رہا...... بچے جوان ہو گئے تھے...... اس دوران
خفیہ طریقے سے اس کا تعلق غلام خیر سے بھی رہا...... غلام خیر جس بستی میں رہتا تھا، وہاں

اس نے پہلوانی کا آغاز کر دیا تھا...... زمانہ قدیم سے خاندانی پہلوانی تھا...... بہت سے پٹھوں کو
تربیت دیا کرتا تھا...... بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان اس کے اکھاڑے سے تربیت حاصل
کر چکے تھے، لیکن علی نواز کی بات ہی کچھ اور تھی...... وہ ایک شخص تھا اور غلام خیر اس
شخص کی تکمیل ایک ایسے دوست کی حیثیت سے کرتا تھا جن کی دوستی کی مثالیں دی جاتی
ہیں...... کھلے ماحول میں اور پھر غلام خیر کی نگرانی میں علی نواز نے جو شخصیت نکالی تھی...... وہ
بے مثال تھی...... قد چھ فٹ سے اونچا پہنچ چکا تھا...... بدن کا حسن دیکھنے کے قابل تھا اور
قدرت نے اسے چہرے کا حسن بھی بخشا تھا کہ دیکھنے والے نگاہ نہیں ہٹا پاتے
تھے...... بڑی بڑی روشن آنکھیں...... دودھ جیسا سفید اور سرخی مائل چہرہ...... گھنے گہرے
سیاہ بال اور اونچے سے بلند قامتی، جس طرف نکل جاتا، لوگ رک رک کر دیکھا کرتے تھے۔
لیکن جہاں شاہ عالم کے باقی تین بیٹے شہری زندگی میں تعلیم و تربیت حاصل کر کے ایک الگ
ہی شخصیت کے مالک بن گئے تھے، وہاں وہ ایک سیدھا سادا دیہاتی تھا اور جس ماحول میں اس
نے تربیت پائی تھی، روپ رنگ بھی اسی جیسا ڈھالا تھا...... وہاں کے لحاظ سے وہ ایک بے مثال
شخصیت کا حامل تھا، لیکن جس بستی میں اس نے پرورش پائی تھی وہ مشکلات کی بستی تھی اور
وہاں زندگی سے صحیح معنوں میں آشنا ہونا ناممکن ہی تھا، مگر جس بات کی آشنائی کے لئے اسے
وہاں بھیجا گیا تھا...... وہ اس کے رگ و پے میں موجود تھی اور شاہ عالم نے درحقیقت بڑے
صبر و سکون سے وقت گزرنے کا انتظار کیا تھا، لیکن یہ بھی دلچسپ بات تھی کہ اپنے ساتھ
ساتھ وہ اپنے دشمن کی خیریت کا بھی خواہاں تھا اور یہ معلومات رکھتا تھا کہ زمان ملنگی کس عالم
میں ہے...... جیتا جاگتا ہے...... بیمار تو نہیں ہوا...... دنیا سے منہ موڑنے کا ارادہ تو نہیں ہے
اس کا...... ادھر زمان ملنگی بھی خاصا تبدیل ہو چکا تھا...... زندگی کی تمام خواہشوں کی تکمیل
کے بعد انسان کے اندر جو ایک آسودگی...... ایک فراخ دلی پیدا ہو جاتی ہے، وہ اس کے اندر
بھی پیدا ہو گئی تھی...... یہ الگ بات تھی کہ جس انداز میں جینے کا خواہش مند تھا...... وہ انداز
آج تک برقرار تھا...... اس کی اپنی نسل بھی چل رہی تھی...... جن لوگوں کو تکلیف پہنچا چکا تھا

وہ لوگ تو اب یہ بھی بھول چکے تھے کہ ان کے ساتھ اس بستی میں کوئی ایسا ظلم ہوا تھا جس نے ان کے خاندان ہی ویران کر دیئے...... پھر وہ وقت آ گیا کہ جب غلام خیر نے یہ محسوس کیا کہ وہ جس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا تھا...... اس مقصد کی تکمیل ہو گئی ہے...... وہ تمام پتہ معلوم کرنے کے بعد شہر چل پڑا...... اس کے ساتھ دنیا سے ناواقف علی نواز بھی تھا...... ہر چیز کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھتا ہوا۔

غلام خیر نے اسے تمام باتوں سے آشنا رکھنا تھا...... بارہا اس کا دل چاہا کہ اپنے بھائیوں سے ملے...... انہیں دیکھے لیکن اس کا موقع نہیں تھا...... جس کام کی وہ تکمیل کرنا چاہتا تھا اس کے لئے یہ طویل مجاہدہ کرنا ضروری تھا...... شہری آبادی میں داخل ہونے کے بعد بوکھلائے ہوئے سیدھے سادے دیہاتی نوجوان کو لے کر غلام خیر شاہ عالم کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو شاہ عالم باہر ہی کیاریوں کو پانی دے رہا تھا...... بیٹے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سکتہ میں رہ گیا...... غلام خیر ساتھ تھا دونوں آگے بڑھے اور ساکت کھڑے ہوئے شاہ عالم کو دیکھتے رہے...... پھر غلام خیر نے مسکرا کر کہا...... "کیا تو یہ کہے گا کہ میں نے تیری خواہش کے مطابق اپنا فرض پورا کر دیا یا کوئی اور بات تیرے دل میں ہے؟" شاہ عالم دوڑ کر اپنے بیٹے سے لپٹ گیا...... اسے اپنا قد بہت چھوٹا محسوس ہوا اور وہ چٹان بہت مضبوط، جس پر زندگی کی سب سے بڑی آرزو کا بوجھ تھا...... پھر وہ ان دونوں کو اندر لے گیا...... عزت واحترام سے انہیں بٹھایا...... ماں تو بیٹے کو دیکھ کر دیوانی ہو گئی، لیکن تینوں بھائیوں کا مزاج کچھ بدلا ہوا تھا...... پہلی بات تو یہ کہ شہری زندگی میں وہ ایسا اٹھان نہیں حاصل کر سکے...... جیسا علی نواز کا تھا، نہ انہوں نے وہ شکل وصورت پائی تھی بلکہ اب وہ تعلیم یافتہ گھرانے کے مخصوص قسم کے افراد معلوم ہوتے تھے جبکہ ان کے سامنے ایک شاندار شخصیت موجود تھی...... ایک طویل عرصے کے بعد علی نواز نے اپنے بھائیوں کو دیکھا تھا...... بچپن کا وہ دور اس کے ذہن میں تھا

جب وہ سب ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھیلا کودا کرتے تھے، لیکن آج تین اجنبی چہرے اس کے سامنے تھے جنہوں نے اس سے بس واجبی سی محبت کا اظہار کیا اور صاف محسوس ہو گیا کہ ان کے اور علی نواز کے درمیان کافی فاصلے پیدا ہو چکے ہیں، حالانکہ علی نواز اپنے گھر سے بچھڑا ہوا تھا...... اسے اپنی ماں...... بھائی اور گھر بھی یاد تھا، اس نے بھی ایک نئی جگہ دیکھی تھی، لیکن شاہ عالم جب بھی اسے ملتا...... اسے سب کے بارے میں بتاتا رہتا...... یہ بھی بتایا تھا شاہ عالم نے کہ اس کے تینوں بھائیوں کی شادیاں طے کر دی گئی ہیں، لیکن انتظار کیا جا رہا تھا کہ علی نواز جب ان کے درمیان واپس آئے گا تو ان کی شادیاں کی جائیں گی"۔

زلیخا نے کہا...... "میں تم سے پہلے بھی کہتی رہی ہوں شاہ عالم کہ سب سے چھوٹے بیٹے داراب سے پہلے علی نواز ہے اور اس کے لئے بھی کوئی رشتہ تلاش کر لو، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا"۔

"ہاں زلیخا! اس کی وجہ تھی...... میں نے بہت غور کیا ہے...... ہو سکتا ہے تم اسے میری خود غرضی سمجھو لیکن میں نے علی نواز کو پہلے اپنے اہم مقصد کے لئے مخصوص کر دیا تھا...... اس مقصد کی تکمیل اس کا اولین کام ہے...... بڑی آس لگائی ہے میں نے اس سے...... جب یہ اس مقصد کی تکمیل کر لے گا تو پھر میں اس کی شادی کر دوں گا"۔

"تو کیا باقی لڑکوں کی شادیاں بھی اپنے کام کے وقت تک نہیں کرو گے تم؟"۔

"نہیں...... میں فوراً ہی علی نواز کو اس کام کے لئے آمادہ نہیں کرنا چاہتا...... گھر سے طویل عرصے تک دور رہا ہے...... وہ اب ذرا گھر بھی دیکھ لے...... ان لوگوں کے درمیان وہ ٹوٹے رشتے استوار ہو جائیں...... جو دراصل ٹوٹے نہیں بلکہ ان میں وقفہ آ گیا تھا"۔

زلیخا نے دبی دبی آواز میں کہا...... "تم نے محسوس نہیں کیا شاہ عالم کہ باقی تینوں لڑکے اسے عجیب عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، جبکہ علی نواز کے انداز میں ایسی بات نہیں ہے...... اس کی آنکھوں میں تو محبت کے سوتے پھوٹتے ہیں...... یہ تینوں تو ایک دوسرے کی محبت سے سرشار رہے ہیں، لیکن وہ ہر طرح سے محروم رہا ہے...... یہ کیفیت

تم کرا دو شاہ عالم"۔

"تم اس کی فکر نہ کرو زلیخا! سب ٹھیک ہو جائے گا...... خون، خون کو کبھی فراموش نہیں کرتا، لیکن یہ ایک فطری عمل ہے کیونکہ وہ ان تینوں سے الگ پروان چڑھا ہے...... رفتہ رفتہ یگانگت ہو ہی جائے گی"۔

"تو اب کیا ارادہ ہے؟"۔

"بس اتنے عرصے خوشیوں سے محروم رہنے کے بعد میں بھی چاہتا ہوں کہ میرے گھر میں بھی شہنائیاں گونجیں...... میں بھی خوشیوں کے وہ لمحات دیکھ لوں جو ایک انسان کی زندگی کی خواہش ہوتی ہے...... اس میں شک نہیں زلیخا کہ وقت نے ہمارے راستے بدل دیئے، لیکن اب بہت وقت گزر چکا ہے...... ویسے اب لوگ ہمیں جس حیثیت سے جانتے ہیں وہی ہمارے لئے بہتر ہے"۔

"یقیناً لیکن میں تو بس علی نواز کے بارے میں کہہ رہی تھی...... تمہاری کسی بات پر میں کبھی اعتراض نہیں کرتی شاہ عالم لیکن علی نواز کو محروم نہیں رہنا چاہئے...... اس نے تو پوری زندگی ہی مجھ سے دور رہ کر گزار دی ہے...... اب جب وہ میرے سامنے آیا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ زمانے کی ساری خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال دوں"۔

شاہ عالم کے چہرے پر غم کے تاثرات ابھر آئے تو زلیخا نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا...... "خدانخواستہ میں تمہاری کسی بات پر اعتراض نہیں کر رہی...... میری تو صرف اتنی سی خواہش ہے کہ علی نواز کو اس کا حق ملنا چاہئے" شاہ عالم نے نگاہیں اٹھا کر بیوی کی جانب دیکھا...... پھر کچھ لمحے خاموش رہ کر بولا...... "تمہارے، اپنی اولاد پر حق سے کوئی اعتراض نہیں کروں گا...... زلیخا اگر میں نے زندگی میں تمہارے ساتھ وفا کی ہے تو اس کے صلہ میں بس یہ تھوڑا سا وقت مجھے اور دے دو...... میرا مقصد پورا ہو جائے گا...... میری آرزو پوری ہو جائے...... اس کے بعد میں تم سے اور کچھ نہیں مانگوں گا...... زلیخا آج تک یہ تصور تمہارے ذہن میں رہا ہو گا کہ میں خانہ خیل میں کچھ عرصہ کے لئے کہاں غائب ہو گیا تھا اور

واپس آیا تو اپنے ایک ہاتھ سے محروم تھا...... زلیخا میرا وہ ہاتھ زمان ملنگی کے پاس محفوظ ہے، میں اسے سود کے ساتھ واپس چاہتا ہوں...... زمان ملنگی کے دونوں ہاتھ میری طلب ہیں زندگی میں بہت کم چیزوں کی آرزو کی ہے، لیکن اس وقت سے اب تک اس آرزو میں جیتا رہا ہوں اور میں نے تم سے تمہارے چار بیٹوں میں سے ایک بیٹا مانگا ہے...... مجھے یہ بیٹا قرض دے دو زلیخا"۔

زلیخا پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہ عامل کو دیکھتی رہی...... پھر اس نے کہا "تمہاری مہربانی ہے شاہ کہ میرے بیٹے کو تم میری ملکیت سمجھتے ہو لیکن بے فکر رہو...... تمہارے راستے میں کبھی مزاحم نہیں ہوں گی بس کبھی کبھی دل میں ممتا اُمڈ آتی ہے"۔

شاہ عامل نے زلیخا کے شانے کو تھپکی دی اور کہا...... "علی نواز کی ہر خوشی میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے...... اللہ نے چاہا تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہو گی...... بس ایک تھوڑا سا کام ہو جانے دو"۔

"مجھے اعتراض نہیں ہے اور بات یہ تھی بھی نہیں...... میں تو صرف جذباتی طور پر سوچ رہی تھی...... یہ تینوں لڑکے آپس میں گھلے ملے رہتے ہیں، جبکہ علی نواز ابھی تک ان میں اجنبی اجنبی ہے"۔

"میری نگاہ میں اس کا سب سے بڑا مقام ہے"۔

"معافی چاہتی ہوں شاہ! عورت ہوں...... جذباتی ہو کر کچھ کہہ گئی...... اگر تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہو تو مجھے معاف کر دو"۔

شاہ عامل نے تینوں بیٹوں کے لئے جو رشتے طے کئے تھے، ان کی تکمیل میں مصروف ہو گیا...... اپنے دوست غلام خیر کو بھی اس نے اپنی مدد کے لئے طلب کر لیا تھا...... یہی وہ پرانا ساتھی تھا جو بستی خانہ خیل چھوڑنے کے بعد بھی اس کا شناسا تھا، ورنہ تمام قدیم شناساؤں سے اس نے رشتے توڑ لئے تھے۔

"غلام خیر نے کہا...... اور چونکہ مجھے تمہارے اندر کی کیفیت معلوم ہے شاہ عامل اور یہ

ر تم نے جس قدر طویل جہاد کیا ہے...... میری بھی آرزو ہے کہ اس کی تکمیل ہو اور تمہیں ئی حاصل ہو...... اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابھی تم علی نواز کو اپنے بیٹے کی حیثیت سے اس دنیا کے سامنے نہ لاؤ...... کون جانے کہاں ہے زمان کو اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں اور وہ ہوشیار ہو جائے...... اصولی طور پر تو تمہیں اس وقت تک اسے دنیا کی نگاہوں سے دور رکھنا تھا...... جب تک تمہارے مقصد کی تکمیل نہ ہو...... سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"۔

شاہ عامل نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا...... "ہاں ٹھیک کہتے ہو واقعی ٹھیک کہتے ہو لیکن اب کیا کروں؟"۔

"دیکھو وہ اتنے دن یہاں رہ لیا ہے...... اس کے بعد اسے میرے ساتھ واپس بھیج دو...... بہتر یہ ہوگا کہ اگر بھائیوں کی شادی میں وہ شریک ہو تو میرے بیٹے کی حیثیت سے"۔

شاہ عامل نے کچھ سوچا، پھر بولا! "حالانکہ یہ ایک بہت ہی مشکل کام ہوگا...... میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جب علی نواز کو اس کے مقصد کی تکمیل کے لئے روانہ کروں تو اس بات کا انتظار کرتا رہوں کہ وہ کامیاب ہو کر واپس آئے تو بیٹوں کی زندگی کا آغاز کروں...... عجیب سی الجھن پیدا ہو گئی ہے...... مجھے مشورہ دو کہ اس سلسلے میں کیا کروں؟"۔

"نہیں...... بھائی آپس میں مل لئے ہیں...... ماں کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا ہے...... یہ ضروری بھی تھا اور ان تینوں بھائیوں سے عالم جوانی میں اس کا تعارف بھی تاکہ جب وہ اپنے مقصد کی تکمیل کر کے لوٹے تو اس کے لئے یہ سب کچھ اجنبی نہ ہو، بلکہ اسے اپنے گھر کی چار دیواری کا احساس ہو...... یہاں تک تو صورت حال غلط نہیں ہے...... بس اس کے بعد کے حالات کا تمہیں ایک منصوبہ بنانا ہے...... ایک موثر اور جامع منصوبہ۔

غلام خیر کا یہ مشورہ بالکل نیا اور اجنبی تھا اور پھر جب شاہ عامل نے اپنی بیوی سے اس بارے میں مشورہ کیا تو خصوصی طور پر علی نواز کو شامل رکھا تھا...... ماں کی دلی کیفیت تو بالکل مختلف تھی لیکن علی نواز نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"میں اس مشورے سے اتفاق کرتا ہوں..... اپنے بھائیوں سے میں نے ملاقات کر لی..... اس کے بعد میرا واپس اپنی بستی میں چلے جانا ضروری ہے..... بھائیوں کی شادی میں آپ مجھے ایک مہمان کی حیثیت سے بلا لیجئے"۔

شاہ عالم کو دکھ تو بہت ہوا تھا، لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا..... غلام خیر کے مشورے نے صورت حال ہی بدل دی تھی، لیکن علی نواز بھی اس سے اتفاق کرتا تھا..... پھر جب وہ غلام خیر کے ساتھ واپس اپنی بستی جا رہا تھا تو اس نے کہا۔

"کچھ عجیب عجیب سا لگتا ہے مجھے..... نجانے کیوں..... علی شاد..... علی ضغیم اور علی داراب مجھ سے دور دور رہتے ہیں، بلکہ میں نے تو ہمیشہ انہیں اپنے خوابوں میں بسائے رکھا ہے"۔

علی شاد..... علی ضغیم اور علی داراب نے ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: "وہ بے شک ہمارا بھائی ہے لیکن کس قدر اجنبی اجنبی لگتا ہے"۔

"بالکل دیہاتی..... میں تو مستقبل کے بارے میں سوچتا ہوں..... کیا مستقبل میں وہ ہمارے ساتھ ہی رہے گا؟"۔

"پتہ نہیں! بابا شاہ نے اسے اپنے دوست کے حوالے کیوں کر دیا تھا..... اگر ایسی ہی دوست نوازی کرنی تھی تو پھر اب اسے یہاں کہاں جگہ حاصل ہو سکے گی؟"۔

"یہ تو مشکل ہے کہ ہم اپنے بابا شاہ کو اسے دور رکھنے پر آمادہ کر سکیں"۔

"خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا"۔

شاہ عالم اگر دل میں کچھ الجھا ہو تو وہ الگ بات ہے، لیکن اس نے کبھی اظہار نہیں کیا..... تینوں بیٹوں کی شادیوں کی تیاریاں ہونے لگیں..... مہمانوں کو مدعو کیا گیا اور پھر تینوں دلہنیں رخصت ہو کر ان کے گھر آ گئیں..... علی نواز بھی تقریب میں شامل تھا اور غلام خیر بھی لیکن بہت سی نگاہوں نے حسین و جمیل علی نواز کے وجود کا طواف کیا تھا، البتہ شادی کے بعد تینوں دلہنوں کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے درمیان کوئی چوتھا شخص بھی ایسا ہے جو

ان کے اپنوں میں شامل ہے۔

غلام خیر کی بات کا شاہ عالم نے خاصا خیال رکھا تھا..... اس کے بعد کچھ عرصہ بیت گیا..... پھر منصوبے کے مطابق غلام خیر علی نواز کو لے کر واپس آ گیا اور اس کے بعد کچھ نئی کہانیوں نے جنم لیا..... تینوں بھائیوں کو جب یہ پتہ چلا کہ علی نواز ان تینوں کا بھائی ہے تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا، لیکن تینوں بھائیوں کے دلوں میں ایک عجیب سا خوف بیٹھ گیا لیکن ان سب نے ایک ہی بات کہی تھی کہ علی نواز اگر ان کا بھائی ہے تو ان کے درمیان دونوں چہروں کا اتنا فرق کیوں ہے؟ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو کسی طرح کا تنازعہ بن جاتی، لیکن بس ایک عجیب سی گھٹن، ایک عجیب سی رقابت کا احساس تینوں بھائیوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا..... سب کچھ ہونے کے باوجود انہیں اپنی شخصیت علی نواز کے مقابلے میں ہلکی لگتی تھی..... وہ صحیح صورت حال سمجھ ہی نہیں پائے تھے اور شاید شاہ عالم نے انہیں اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ اپنے راز میں شریک کرتا..... خود وہ بھی اپنے تینوں بیٹوں کی اس کیفیت کو محسوس کر رہا تھا، لیکن بہر حال علی نواز تو اس کی آرزوؤں کا سنگ میل تھا..... اس کی الگ ہی حیثیت تھی..... غلام خیر سے ایک بار پھر تفصیلی مشورہ ہوا اور اس کے بعد شاہ عالم نے اپنے بیٹے کو تمام تفصیلات بتاتے ہوئے کہا..... "تمہیں ابتداء ہی سے بتایا گیا ہے علی نواز کہ کبھی ہم بھی بستی خانہ خیل کے زمیندار تھے، نہ صرف میں بلکہ وہاں دوسرے بہت سے لوگ چھوٹے چھوٹے زمیندار جن کی اپنی زمینیں تھیں، ہل تھے، بیل تھے، اناج کی سنہری بالیاں تھیں..... ان کے آنگن میں ہنستے ہوئے بچے اور گیت گاتی ہوئی لڑکیاں تھیں اور اس کے بعد بستی خانہ خیل میں زمان ملنگی داخل ہوا اور اس نے ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیا..... ہمیں انسان سے جانور بنا دیا..... یوں سمجھ لو علی نواز کہ زمان ملنگی میرے لئے نفرت کا تاج محل ہے..... آج تم بڑے ہو گئے ہو..... آج یہ نفرت میں تمہیں سونپتا ہوں..... بے شک لوگ اپنے بیٹے کو جائیداد دیتے ہیں، گھر دیتے ہیں..... گھر کی وہ تمام خوشیاں دیتے ہیں..... زمینیں دیتے ہیں..... یہ زمینیں تمہاری تھیں لیکن زمان ملنگی نے اسے ہم سے چھین لیا..... میرے پاس

اس کے لئے یہ نفرت کو تاز ل ہے جو آج میں تمہیں سونپتا ہوں علی نواز..... میرا ایک بازو اس کے پاس ہے..... مجھے اس کے دونوں بازو درکار ہوں گے..... میرے اپنے بازو میں یہ طاقت نہیں کہ میں اس سے اپنا سوکھا ہوا ہاتھ چھین لوں، لیکن اب یہ ذمہ داری میں تمہارے حوالے کرتا ہوں..... ہو سکے تو میری یہ خواہش پوری کر دو..... یہی میری زندگی کا مقصد ہے"۔

"میں اس مقدس نفرت کو ایک پاکیزہ وراثت کی طرح اپنے دل میں رکھتا ہوں شاہ بابا" علی نواز نے جواب دیا۔

"تو پھر جاؤ اور اپنے عمل اور ذہانت سے وہ راستہ منتخب کرو جو تمہیں زمان ملنگی تک لے جائے..... یہ سارا فیصلہ تمہیں خود کرنا ہے"۔

"تو پھر اجازت چاہتا ہوں"۔

اور جب تم اس کام کی تکمیل کے بعد واپس آؤ گے تو ان مضبوط دیواروں کا حصار تمہارا ہر طرح تحفظ کرے گا..... یہاں تک پہنچ جانا اس کے بعد میں اپنی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے عمل کا راستہ بھی تمہارے لئے کھول دوں گا..... یہ میرا تم سے وعدہ ہے"۔

باپ سے رخصت ہونے کے بعد علی نواز نے غلام خیر سے کہا"۔

"بابا غلام مجھے اس کے لئے آپ کا مشورہ درکار ہوگا..... میں شاید خود اتنی ذہانت اپنے دل اور دماغ میں نہیں رکھتا کہ آسانی سے یہ کام کر سکوں"۔

"تمہارا وہاں داخل ہونا از حد ضروری ہے اور سنو! ہماری بستی حویلی خانہ خیل سے اتنے فاصلے پر نہیں ہے کہ اگر زمان ملنگی تمہارے بارے میں معلومات کرنا چاہے تو اسے پتہ نہ چل سکے..... وہاں میں اپنی ذمہ داری قبول کروں گا..... تم عارضی طور پر مجھے اپنا چچا بنا سکتے ہو..... کوئی عارضی کہانی گھڑ لینا اگر بات مجھ تک پہنچی تو میں خود سنبھال لوں گا، جس طرح بھی بن پڑے تم زمان ملنگی کے گھر تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اس کے بعد اپنے کام کا وہاں سے آغاز کر دو..... یہ تمام باتیں گرہ میں باندھ کر علی نواز اپنی آبائی بستی کی جانب چل پڑا..... انسان کی

انسانی صفات سے الگ رکھ کر تشکیل دی جائے تو اس کہانی میں ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ہم زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص غیر انسانی صفات رکھتا ہو۔ علی نواز کو بہت چھوٹی سی عمر میں باپ نے اپنے مقصد کے لئے چن لیا تھا۔ غلام خیر شاہ عالم کا بہت اچھا دوست تھا کہ اس نے علی نواز کے سینے میں باپ کے انتقام کا تصور زندہ رکھا۔ لیکن زندگی کی خواہشیں ہوتی ہیں، جو راستے ہوتے ہیں، جو تصور ہوتا ہے وہ اپنے طور پر پروان چڑھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علی نواز اپنے باپ سے مخلص تھا، لیکن اپنی سوچیں بھی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں..... دنیا میں رہنے والے اگر ذہنی طور پر نارمل ہوں تو شعور پر پہنچنے کے بعد اپنے طور پر بھی سوچتے ہیں..... اس وقت تو خیر علی نواز کے دل میں کوئی خاص تصور نہیں تھا۔ جب تک اس نے شہر کی آبادی میں اپنا گھر نہیں دیکھا تھا لیکن اب وہاں سے ہٹنے کے بعد اور تنہائی ملنے کے بعد اس نے اپنے مقصد کے بارے میں سوچا تھا..... باپ نے اپنے تینوں بیٹوں کو جو عیش و عشرت اور جو زندگی مہیا کی تھی..... علی نواز نے اس دوران سوچا کہ آخر اسے اس زندگی سے کیوں محروم کر دیا گیا ہے..... آخر اس مقصد کے لئے اس کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا ہے..... باقی تین بیٹے بھی تو اسی باپ کی اولاد ہیں..... ان کی رگوں میں بھی تو وہی خون گردش کر رہا ہے..... ہر چند کہ باپ نے اپنا مقصد واضح کر دیا تھا، لیکن ایک چھوٹا سا احساس بار بار علی نواز کے ذہن میں اُبھر رہا تھا اور ایک عجیب سی کشمکش دل میں پیدا ہو گئی تھی..... وہ خوشیاں ماں کا قرب اور زندگی کے وہ حسین لمحات جو علی شاد..... علی سہراب اور علی ضیغم کو مہیا تھے، اس کی زندگی سے کیوں چھین لئے گئے..... بارہا اپنے آپ کو سمجھایا کہ باپ کے ساتھ بھی ناانصافی ہوئی ہے اور جو کچھ کہہ کر شاہ عالم نے اسے یہاں بھیجا ہے وہ بہرحال ایک حیثیت رکھتا ہے، لیکن بس انسانی احساس یونہی ہوتا ہے..... عقل کچھ اور مشورے بھی دیتی ہے..... اب یہ الگ بات ہے کہ عقل کے مشوروں کو جذبات کے طوفان میں اڑا دیا جائے..... بستی خانہ خیل تو اب ایک اجنبی سی جگہ ہی ہو گئی تھی اس کے لئے بچپن میں بھی اتنا اندازہ نہیں لگایا تھا اس نے البتہ خوبانی کے وہ باغ اسے یاد تھے جہاں اس کا

باپ اپنے ساتھ اسے کام پر لے جاتا تھا، لیکن وہ بھی اپنے مقصد کے تحت! شاہ عالم کی سوچوں میں نہ جانے کیا کیا کچھ تھا...... خانہ خیل کی وہ چھوٹی سی ندی جو خانہ خیل اور بیرونی بستیوں کے درمیان حد فاصل بنی ہوئی تھی، اسی طوفانی رفتار سے بہہ رہی تھی..... ندی پر کئی جگہ عارضی پل بنے ہوئے تھے، جن کی سرکاری دیکھ بھال نہیں ہوتی تھی، البتہ بستی والے خود ہی ان کی مرمت وغیرہ کرلیا کرتے تھے۔ یہ پل جس سے گزر کر بستی کے قلب میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔ تیسرا پل کہلاتا تھا..... باقی دو پل اتنے فاصلے پر تھے کہ اگر ان سے ندی عبور کی جاتی تو بستی تک پہنچنے کے لئے خاصا راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا، چنانچہ معلومات کے مطابق علی نواز بھی اسی پل کی جانب چل پڑا..... خوبصورت ندی جو اس جگہ سے زیادہ گہری نہیں تھی۔ اسے اس قدر دلکش لگی کہ پل عبور کرنے کے بجائے وہ ندی کے اُتھلے پانی میں اتر گیا۔ جگہ جگہ چٹانیں اُبھری ہوئی تھیں..... ایک اونچی سی چٹان سے رسیوں سے بنا وہ پل گزرتا تھا جو بستی کے قلب میں چلا جاتا تھا..... یہ پل خاصا استعمال میں رہتا تھا اور پچھلے کئی دنوں سے اس کے مخدوش ہونے کی خبریں مل رہی تھیں... سوچا یہ گیا تھا کہ کسی مناسب وقت اس کی مرمت کرلی جائے، لیکن ابھی اس کام پر عمل نہیں ہوا تھا..... اس وقت جب علی نواز پل کے عین نیچے پتھر کی بڑی چٹان کے پاس ندی کے شیریں پانی سے اپنے اس طویل سفر کی گرد صاف کر رہا تھا کہ اس نے پل کے آخری سرے پر کچھ آوازیں محسوس کیں اور پھر اس پالکی کو دیکھنے لگا جسے چار کہار اٹھائے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے..... وہ آہستہ آہستہ جھولتے پل سے گزر رہے تھے اور خاصے فاصلے سے کچھ اور افراد چلے آرہے تھے۔ علی نواز نہیں جانتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں، لیکن جھولتے پل سے گزرنے والوں کو وہ دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے کچھ چیخیں سنائی دیں اور اس نے نگاہ اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا جو عقب میں تھے۔ تین آدمی دوڑے چلے آرہے تھے۔ غالباً وہ کچھ دیکھنے اور کہنا چاہتے تھے، لیکن کہار پالکی کو سنبھالے ہوئے پل عبور کرتے رہے۔ تبھی علی نواز کی نگاہ اس پل کے ایک رسے پر پڑی۔ موٹا رسا ٹوٹ چکا تھا اور چار کہاروں اور پالکی کے بوجھ سے

آخری سفر طے کر رہا تھا..... علی نواز کو اور کچھ تو نہ سوجھا اس نے جلدی سے اس پل پر کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور ٹوٹنے والے رسے کے دونوں سروں کو پکڑ لیا۔ عین اسی وقت رسہ ٹوٹ گیا لیکن علی نواز کے آہنی ہاتھ بھاری وزن سنبھالنے کے لئے تھے، اس نے بازوؤں کی پوری قوت صرف کی..... کہاروں کو اندازہ بھی نہ ہوسکا کہ وہ کتنے خوفناک حادثے سے بچ گئے ہیں..... اگر یہ دو طاقتور ہاتھ اس رسے کو نہ سنبھال لیتے تو رسہ اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا اور کہار پالکی سمیت دریا میں آپڑتے اور جو کچھ بھی ہوتا، وہ ایک الگ بات تھی، لیکن خاص طور سے پالکی میں جو کوئی بھی تھا وہ شاید نہ بچ پاتا..... کہار آرام سے پل پر سے گزر گئے اور دوڑنے والے جو اس طرف آرہے تھے، راستہ کاٹ کر ندی کے نچلے حصے میں اتر گئے..... ڈھلان عبور کرکے وہ پانی کے قریب پہنچ گئے، پھر ان میں سے ایک پُرشکوہ شخص کی آواز اُبھری۔

"ارے چھوڑ دو جوان! آؤ..... ہمارے پاس آؤ ..... تم نے جو احسان ہم پر کیا ہے اس کا ہم کوئی بھرپور صلہ نہیں دے سکتے..... چھوڑ دو رسہ وہ لوگ گزر چکے ہیں"۔ تب علی نواز نے رسہ چھوڑ دیا اور اپنے بازوؤں کو سہلاتا ہوا ان کی جانب بڑھ گیا..... شاندار شخصیت کے ایک شخص نے تعریفی نگاہوں سے علی نواز کو دیکھا اور بولا۔

"پل کے نیچے تم کیا کر رہے تھے؟"۔

"اپنے چہرے کی گرد دھو رہا تھا جناب"۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"۔

"علی نواز"۔

"کہاں جارہے تھے؟"۔

"حویلی خانہ خیل"۔

"نوجوان تم نے اس وقت ہماری بیٹی کی زندگی بچا کر جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اس پر ہم تمہارے احسان مند ہیں..... حویلی خانہ خیل میں تم جس کے بھی مہمان ہو، وہ بھی ہمارے

ہے قابلِ عزت ہے۔ یہ مخدوش پل یقین اس وقت ٹوٹ جائے گا۔ ہمیں اندازہ نہیں تھا، لیکن تم نے جس طاقت کے ساتھ ان کہاروں کو اپنے اوپر سے گزار دیا وہ قابلِ تحسین ہے۔ آؤ دریا عبور کریں۔ بعد میں تم سے تفصیلی بات چیت ہوگی"۔

علی نواز نے گردن خم کی اور اس کے بعد دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گیا۔۔۔ پالکی اور کہار تھوڑے فاصلے پر دوڑے چلے جا رہے تھے۔ دوسرے کنارے کی ڈھلان عبور کرنے کے بعد اس شخص نے پوچھا۔

"کیا حویلی خانہ نیل میں تم اس کے مہمان ہو؟"۔

"ابھی یقین نہیں ہے کہ لیکن میں حویلی خانہ نیل کے مالک زمان مانگی کا مہمان بننا چاہتا ہوں"۔

شاندار شخصیت کے مالک نے اسے خوشگوار حیرت سے دیکھا اور کہا۔

"زمان مانگی کے مہمان بننا چاہتے ہو؟"۔

"ہاں!"۔

"آئے کہاں سے ہو؟ اپنی بستی کا نام بتاؤ؟"۔

"میری بستی کا نام سراہ ہے"۔

"اوہو سراہ بستی تو یہاں سے زیادہ دور نہیں" لیکن زمان مانگی کے پاس تم کس لئے جا رہے ہو۔

"یہ بات میرے علم میں ہے کہ سردار زمان خانہ نیل کے قرب و جوار کی تمام زمینوں کا مالک ہے اور میں ایک بے روزگار شخص، اس بستی میں سردار مانگی کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اس سے نوکری کی درخواست کروں اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ مہمان نواز ہے اور ضرورت مندوں کی مدد بھی کرتا ہے۔۔۔۔" پرشکوہ شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی مسکرانے لگے تھے، پھر حویلی تک کا باقی سفر خاموشی سے طے ہوا۔۔۔ حویلی کے دروازے پر پہنچ کر پرشکوہ شخص نے کہا۔

"یہ انعام زمان مانگی ہے اور یوں سمجھ لو کہ تم اپنی محنت سے جو خواہش لے کر چلے تھے، وہیں خود بخود ہو گئی ... سنو فضل خان! اس نوجوان کو مہمان خانے میں ٹھہراؤ ان کی عزت اور احترام کے ساتھ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ہمارا مہمان ہی نہیں بلکہ محسن بھی ہے اور محسنوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہی اس کے ساتھ بھی ہو تو جاؤ علی نواز ہمارے مہمان ہو... بعد میں ہم تمہاری ملازمت کا مسئلہ بھی حل کر دیں گے۔"

❀ ❀ ❀

علی نواز کی آنکھوں میں جو کیفیت تھی، اگر اسے الفاظ کی شکل دے دی جاتی تو اس کا نام انتقام، صرف اور صرف انتقام بنتا! ویسے وہ یہ سوچ رہا تھا کہ تقدیر جب راستوں کا تعین کرتی ہے تو طریقہ کار بھی خود ہی منتخب کر لیتی ہے...... یہ صرف اتفاقات نہیں کہلائے جاتے بلکہ یہ راستے ہوتے ہیں صحیح سمت کی جانب...... اسے مہمان خانے میں عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرا دیا گیا اور وہ یہاں سے حویلی کے معاملات کا جائزہ لیتا رہا...... زمان ملنگی بے شک بہت تبدیل ہو چکا تھا، لیکن وہ اور اس کے ہر کارے جانتے تھے کہ سرکشوں کے سر نیچے رکھنے کے لئے کیا عمل کئے جانے چاہئیں، چنانچہ چھوٹے موٹے واقعات ہوتے رہا کرتے تھے...... چار پانچ دن گزر گئے چھٹے دن اس وقت جب وہ مہمان خانے کے باہر ایک درخت کی جڑ میں پڑے ہوئے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھا رہا تھا، زمان ملنگی نے اسے دیکھا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ علی نواز نے پتھر اٹھا کر ایک جانب ڈال دیئے اور درخت کے نیچے بنا ہوا تھا تولہ صاف کرنے لگا تبھی زمان ملنگی نے کہا۔

"نہیں جوان...... یہ طاقتور ہاتھ مالی کا کام کرنے کے لئے نہیں ہیں"۔

علی نواز کھڑا ہو گیا تو زمان ملنگی مسکرا کر بولا...... "ہاتھ سامنے لاؤ" جب علی نواز نے دونوں ہاتھ سامنے کئے تو زمان ملنگی نے چھو کر انہیں دیکھا...... پھر بولا۔

"بندوق چلانا جانتے ہو؟"۔

"نہیں سردار!"۔

"گھوڑے کی سواری کر لیتے ہو؟"۔

"جی سردار! میں گھوڑے کی پشت سے اجنبی نہیں"۔

"چنگیزا ادھر آ!" زمان ملنگی نے دور سے گزرتے ہوئے خادم کو آواز دی اور بڑی بڑی مونچھوں والا چنگیزا ادھر آ گیا۔

"جی سردار!"۔

"اسے بندوق چلانا سکھا، سمجھا...... پستول، بندوق، خنجر تمام ہتھیار چلانا سکھاؤ اسے"۔

"ٹھیک ہے سردار!" چنگیزا نے کہا...... زمان ملنگی نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا...... چنگیزا نے اپنے کام کا آغاز کر دیا...... نشانہ بازی کی مشق کے لئے وہ اسے بستی سے دور خوبانیوں کے باغوں کی ڈھلانوں کے پاس لے گیا اور علی نواز کو وہ سب کچھ یاد آ گیا جو اس کے اور اس کے باپ کے ساتھ پیش آیا تھا...... خوبانیوں کے یہ درخت اس کے اپنے تھے اور شاہ عالم نے ان درختوں کو بھی اپنی اولاد کی طرح پروان چڑھایا تھا...... یہاں آ کر اس کا عزم تازہ ہو گیا...... ابھی دن ہی کتنے گزرے تھے...... زمان ملنگی کی شخصیت معمولی نہیں تھی...... اس پر ہاتھ ڈالنا بھی آسان کام نہیں تھا...... ساری باتوں کے ساتھ ساتھ علی نواز خود کو اپنا کام سرانجام دینے کے بعد یہاں سے بچا کر بھی لے جانا چاہتا تھا، چنانچہ جلد بازی کا کوئی کام کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا...... اتنا ہی کیا کم تھا کہ وہ دشمن کی شہ رگ کے قریب آ بیٹھا ہے اور اب دشمن کی گردن اس کی پہنچ سے زیادہ دور نہیں...... چنگیزا نے بندوق اس کے ہاتھ میں تھمائی اور تمام ابتدائی باتیں بتانے لگا، لیکن چند ہی روز کی مشق کے بعد چنگیزا خود بھی حیران رہ گیا تھا...... ایک روز اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نوازے میں نہیں مانتا کہ تو بندوق پکڑنا نہیں جانتا تھا...... تو تو اچھے اچھے نشانہ بازوں کے کان کتر رہا ہے"۔

"میرا چاچا ہمیشہ سے میری تعریفیں کرتا رہا ہے...... چنگیزا! اس کا کہنا تھا کہ جو بات ایک دفعہ مجھے بتا دی جاتی ہے دوبارہ بتانے کی ضرورت نہیں پیش آتی"۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں"۔
ایک ماہ کے بعد زمان ملنگی نے چنگیزا سے علی نواز کے بارے میں پوچھا تو چنگیزا نے کہا۔
"سردار! اس کی مشق دیکھو گے حیران رہ جاؤ گے...... وہ تو بہت ہی ذہین لڑکا ہے......
ہر کام لمحوں میں سیکھ لیتا ہے"۔
تو تو کیا سمجھتا ہے چنگیزا ہماری پرکھ معمولی ہوتی ہے! ہم نے اس کے ہاتھ دیکھے تھے اور
ہمارا پورا تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ وہ معمولی لڑکا نہیں ہے اور پھر زمان ملنگی جسے کچھ بنانا
چاہے اور وہ نہ بن سکے"۔
اب زمان ملنگی نے اسے اپنے خاص ساتھیوں میں شامل کر لیا...... رقموں کی وصولیابی
کے لئے زمان ملنگی کو آس پاس کی بستیوں میں جانا پڑتا تھا اور یہ وصولیابی جائز اور قانونی نہیں
تھی، بلکہ طاقت کے بل پر قرب و جوار کی آبادیوں کو خراج دینے پر مجبور کیا جاتا تھا...... بہت
سے ایسے واقعات ہوئے تھے جہاں گولیاں چلنے تک نوبت آ گئی تھی...... زمان ملنگی کے ساتھ
جہاں اور بہت سے لوگ ہوا کرتے تھے وہاں اس کا وجیہہ و شکیل باڈی گارڈ علی نواز بھی ہوتا
تھا...... پھر ایک خوبصورت موسم میں جب کہ برف پوش پہاڑوں کی برف منجمد ہو گئی تھی
اور سبزہ زمین کے سینے سے آنکھیں مچا کر جھانکنے لگا تھا...... زمان ملنگی نے شکار کا پروگرام
بنایا...... وہ ہر سال اس موسم میں وادی گوکا شکار کھیلنے جاتا تھا...... ان علاقوں میں یہ حسین
وادی اپنی مثال آپ تھی اور سرداروں نے اسے مشترک ملکیت قرار دیا تھا...... اس وادی میں
گھنے جنگل بھی تھے اور ان گھنے جنگلوں میں درندے بھی پائے جاتے تھے...... دل والے کچھ
وقت ان درندوں کے درمیان آ کر گزارتے تھے اور زمان ملنگی بھی دل والوں ہی میں سے تھا،
لیکن اپنی لاڈلی صنوبر کے بغیر وہ یہاں نہیں آتا تھا، جس طرح قدیم زمانے کے جادوگروں کی
زندگی پرندوں میں ہوا کرتی تھی اور پرندوں کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو جادوگر خود بخود
مر جایا کرتے تھے، اسی طرح زمان ملنگی نے اپنی زندگی بھی حسین صنوبر میں سمو دی تھی......
بے مثال حسن کی مالکہ صنوبر اس کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی اور زمان ملنگی کبھی اسے زیادہ

عرصے اپنی آنکھوں سے دور نہیں رکھتا تھا۔
باپ کی لاڈلی اور چہیتی بیٹی گو مقامی رسم و رواج کے مطابق پردے میں رہا کرتی تھی،
لیکن اسے اتالیقوں کے ذریعے جس حد تک بھی ممکن تھا...... تربیت دی گئی تھی...... وہ
کتابیں بھی پڑھ لیا کرتی تھی اور دنیا کے علوم سے بھی واقف تھی...... زمان ملنگی نے اس بار
بھی معمول کے مطابق شکار پر اسے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا...... وادی گوکا کے مناظر بے حد
بھیانک تھے، لیکن جنگل میں منگل جسے کہا جا سکتا ہے...... زمان ملنگی کی آمد سے وہی سماں پیدا
ہو گیا تھا...... بے شمار ملازمین...... ملازمائیں موجود تھے اور ایک وسیع حصہ میں خیمہ گاہ بنائی
گئی تھی جہاں درمیان میں صنوبر کے لئے بھی خیمہ لگایا گیا تھا...... شکار کا موسم تھا، چنانچہ شکار
کھیلنا شروع کیا گیا اور جہاں درندوں کی شامت آئی وہاں معصوم ہرن...... نیل گائے وغیرہ
بھی مصیبت میں گرفتار ہو گئے...... زمان ملنگی کی خیمہ گاہ کے سامنے اکثر گوشت بھننے کی خوشبو
اڑتی رہتی تھی...... ماحول بہت حسین تھا...... لق و دق میدانوں پر جب کہر کی دھند لاہٹوں
سے چاند جھانکتا تو چاندنی ایک نئی ہی شکل میں زمین پر بکھر جاتی تھی...... اس حسین ماحول میں
صنوبر نوخیزیت کی عمر سے نکل کر جوانی کے رموز پانے لگی تھی...... اپنی دوستوں کے ساتھ
باہر نکلتی تو یوں دل چاہتا تھا...... اس کا کہ ان حسین وادیوں کا ایک حصہ بن جائے تاکہ ان کا
حسن کبھی نگاہوں سے روپوش نہ ہو سکے...... اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ خانہ خیل کے مختلف
نواحات میں گئی تھی، لیکن اس وقت جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھے...... وہ اسے دیکھ کر
مسحور ہو گئی تھی...... غالباً یہ دل میں امنگوں کا دور تھا اور آگے بڑھتے ہوئے وقت کے ساتھ
ساتھ جذبات کی شکل بھی تبدیل ہوتی جا رہی تھی...... شاید یہی وجہ تھی کہ ان مسحور کن
ہواؤں میں اسے اس قدر جاذبیت محسوس ہو رہی تھی...... جذبات کی تحریر کو پڑھنا آسان
نہیں ہوتا...... وہ تو صرف رگ و پے میں ایک سرور کی شکل میں بہتے ہیں اور یہی کیفیت اس
وقت ماحول کی مناسبت سے صنوبر کے دل میں جاگ رہی تھی...... خاموش اور پراسرار
وادیوں میں چاندنی کے کھیت کا سفر کرتی وہ اس ٹیلے کے پاس پہنچی...... ہمراہ لڑکیاں مدہم مدہم

آواز میں سرگوشیاں کر رہی تھیں...... یہ آواز دھیمی اس لئے رکھی گئی تھی کہ کہیں اور نہ سن لی جائے...... کچھ پابندیاں تو بہر طور ہوتی ہیں...... چاہے جگہ کوئی بھی ہو لیکن پھر اس ٹیلے کے عقب میں پہنچ کر وہ سب کی سب دم بخود رہ گئیں...... کوئی وہاں موجود تھا اور جو موجود تھا وہ اس ٹیلے کے عقبی حصے میں زمین پر بیٹھا آنکھیں بند کئے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور ان کی آہٹیں سن کر اچانک ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا...... صنوبر سب سے آگے تھی اور ٹیلے کے عقب سے اچانک نکلی تھی...... اس لئے اس شخص سے فاصلہ بھی بہت مختصر سا تھا...... صنوبر کا سانس رُک گیا...... اس نے سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا اور اس شخص نے اسے...... پہلا لمحہ خوف کا تھا...... دوسرا حیرت کا اور تیسرے لمحے کی تفصیل شاید صحیح الفاظ میں بیان نہ کی جا سکے...... یوں محسوس ہوا جیسے مقناطیس کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے سامنے ہو، آگے بڑھ کر گلے لگ جانے کی خواہشوں کے ساتھ لیکن کچھ رکاوٹیں مانع تھیں...... ایک لمحے میں دونوں کے دل و دماغ پر جو اثر ہوا وہ صدیوں کی روایت سے الگ نہیں بلکہ صدیوں ہی کی روایت کی بندشوں میں جکڑا ہوا تھا...... پہلے جذبات کا ریلہ آیا پھر راستے میں اخلاق کی چٹان اور اس کے بعد محجوبیت! دونوں کی آنکھیں پھیل گئیں...... نوجوان نے رُخ تبدیل کر لیا کہ جانتا تھا زمان ملنگی پردے کا پابند ہے اور یقیناً یہ اس کی حرم یا وہ لڑکیاں جن کے بارے میں سب کو تھوڑا بہت علم تھا اور دوسری جانب صنوبر کی بھی یہی کیفیت! ہوش کی واپسی میں وقت نہ لگا اور اس نے فوراً ہی رُخ بدل لیا...... زمان ملنگی کو علم ہو گا تو ناراض ہو گا، صنوبر لڑکیوں کے ساتھ واپس تو پلٹ آئی لیکن کچھ وہیں بھول آئی...... نجانے کیا؟ جس کا اسے کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا...... بس قدموں کی لغزش بتاتی تھی کہ کوئی اجنبی بات ہو گئی ہے۔

"یہ کون تھا؟" صنوبر کی ایک ساتھی لڑکی نے پوچھا۔

"علی نواز!" دوسری لڑکی بولی۔

"کون علی نواز؟"۔

"سردار کا شکاری ساتھی ہے"۔

"تم کیسے جانتی ہو؟"۔

"مجھے معلوم ہے...... کوئی بتا رہا تھا" صنوبر کے کان یہ سب کچھ سن رہے تھے، لیکن آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ بڑا عجیب سا تھا...... نجانے کہرلی ہواؤں نے دل کے کون سے حصے کو دبا لیا تھا کہ ایک دُکھن...... ایک میٹھی میٹھی دُکھن اس میں نمودار ہوئی تھی...... خیمہ گاہ میں واپس آ کر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بڑی عجیب بات ہوئی...... ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہاں کوئی ہے" پھر اس کے بعد وہ خاموشی سے اپنے خیمے میں چلی گئی اور بستر پر لیٹ گئی، لیکن نہ جانے کیسے کیسے احساسات کے ساتھ پروں سے بھرا ہوا نرم تکیہ سینے پر دبانے سے جو لمس حاصل ہوا، وہ بڑا لذت آمیز تھا اور دل کی اس میٹھی میٹھی دُکھن میں ہلکی ہلکی کمی پیدا ہو گئی...... اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن بیچارہ علی نواز تو آنکھیں بھی بند نہیں کر پا رہا تھا...... اس کے دل و دماغ میں ایک طوفان ایک ہیجان برپا تھا...... وہ حسین سراپا کہ اس کی خوشبو اس وقت بھی اس کے ذہن میں اتری ہوئی تھی...... دلکش آنکھیں اسے دیکھتی ہوئی یوں کہ جیسے دل میں جا لینا چاہتی ہوں اور علی نواز ایک عجیب سی بے کلی اور بے بسی کا شکار ہو گیا، لیکن سورج کی روشنی ذمہ داریوں کا اعلان کرتی تھی...... منصب جو کوئی بھی ہو، مقصد پانے کے لئے وہ تمام ادائیگیاں ضروری ہوتی ہیں جو لازم کر دی جائیں...... سو دن کا معمول وہی کا وہی...... درندوں کی موت...... معصوم جانوروں کا شکار اور اس کے بعد جھکتی ہوئی شام...... بڑا اچھا پروگرام جا رہا تھا اور زمان ملنگی بے حد خوش تھا کہ اس بار شکار کے موسم میں اتفاق سے اس طرف کوئی اور شکاری ٹولی نہیں آئی...... شاید وقت کی بات بھی تھی...... اب سے کچھ وقت کے بعد شکار گاہوں میں سرداروں کی آمد شروع ہو جائے گی اور پہاڑوں سے اترنے والے بندوقوں کی گولیوں کا شور برپا کر دیں گے۔

اس دن اتفاق سے ایک اور واقعہ بھی پیش آیا شام کی دھندلائیوں میں جب زمان ملنگی

اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپسی کا سفر کر رہا تھا تو ایک خونخوار تیندوے نے راستہ روکا...... بے وقوف جانور جنگل میں شاید اپنے حریفوں پر حاوی ہوتا چلا آیا تھا...... سو انہیں خاطر میں نہ لایا، لیکن جب بندوق کی گولی نے اس کا شانہ زخمی کر دیا تو اس نے بھاگنے کی ٹھانی اور کرب کے عالم میں دوڑتا ہوا تاریکیوں میں روپوش ہو گیا، چونکہ فضا میں دھندلکے گہرے ہو گئے تھے...... اس لئے زمان ملنگی کے ساتھی اسے تلاش نہ کر سکے۔

ملنگی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

"ہو سکے تو اسے تلاش کرو زخمی جانور بہت خطرناک ہوتا ہے" ساتھیوں نے کوششیں کیں...... چاروں طرف گھوڑے دوڑائے...... کچھ دور تک تو زمین پر خون کے دھبے ملتے رہے لیکن اس کے بعد وہ بھی رات کی تاریکی میں گم ہو گئے...... تیندوا دوبارہ نظر نہیں آ سکا تھا...... تب وہ خیمہ گاہ واپس پہنچ گئے اور اس کے بعد معمولات کا عمل شروع ہو گیا...... کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا...... جس مقصد کے لئے وہ لوگ یہاں آئے تھے اس میں انہیں کامیابیاں ہی حاصل ہو رہی تھیں اور زمان ملنگی اپنے سارے پروگرام سے بڑا مطمئن تھا...... تمام کام معمول کے مطابق شروع ہو گئے...... کھانا وغیرہ کھایا گیا...... پھر ملنگی کی طرف سے سب کو آرام کی اجازت دے دی گئی...... موسم بہت خوشگوار تھا اور فضا میں وہی کہر کے ساتھ ساتھ چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

آج بھی صنوبر اپنی ان سہیلیوں کے ساتھ چہل قدمی کے لئے نکلی...... یہاں اس سیر گاہ میں آ کر زمان ملنگی نے پابندیاں نرم کر دی تھیں اور کوئی ایسی بات نہیں تھی...... وہ اپنے ساتھ آنے والوں سے بھی مطمئن تھا اور ماحول سے بھی، لیکن صنوبر کی آنکھوں میں نہ جانے کیسے کیسے تصورات رچے ہوئے تھے...... ساتھی لڑکیوں سے وہ اپنے دل کی بات نہیں کہہ سکتی تھی، لیکن قدم بے اختیار اسی ٹیلے کی جانب اُٹھ رہے تھے اور دل میں ایک ہوک سی تھی...... وہ حسین وجود پھر نظر آئے...... یہ احساس دل میں تھا لیکن آج وہ موجود نہیں تھا اور اسے نہ پا کر صنوبر کی آنکھوں میں اُداسیوں کے سائے اتر آئے...... پھر ماحول میں دلکشی نہ

رہی اور تھوڑی سی سیر و سیاحت کے بعد وہ واپس پلٹ پڑی...... اس کی خاموشی کو محسوس بھی کیا جا رہا تھا، لیکن باادب لڑکیاں اظہار نہیں کر سکتی تھیں...... خود علی نواز بھی جان بوجھ کر اس طرف نہیں گیا تھا، حالانکہ دل چیخ چیخ کر اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ پھر مطلوب نظر کی جانب جائے، ہو سکتا ہے تقدیر پھر سے مہربان ہو جائے...... سارا دن ہی کھویا کھویا رہا تھا اور اپنے آپ سے جنگ کرتا رہا تھا...... یہاں آنے کا مقصد تو بالکل مختلف ہی ہے...... یہ سب کچھ بالکل ناجائز ہے...... معلومات اس قدر محدود بھی نہیں تھیں...... یہ جانتا تھا کہ زمان ملنگی کی بیٹی بھی آئی ہوئی ہے اور خیمہ گاہ کے درمیان اس کا قیام ہے...... البتہ یہ بالکل نہیں جانتا تھا کہ وہ لڑکی زمان ملنگی کی بیٹی ہی تھی جو ایک لمحے میں اس پر افسوں کر گئی تھی...... اپنے مقصد سے ہٹنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا اور دن بھر کی کشمکش کے بعد وہ اس حد تک دل پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ چاہت کے باوجود آج اس سمت نہ نکلا بلکہ اپنے خیمے ہی میں وقت گزارا، لیکن دل کی آواز کانوں میں دھمک رہی تھی اور وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

صنوبر اپنی کاوشوں میں ناکام ہو کر واپس خیمہ گاہ میں آ گئی...... راستے متعین تھے اور اس کا خیمہ درمیان میں تھا، لیکن گزرگاہ باقاعدگی سے بنائی گئی تھی تاکہ اسے کوئی دقت نہ ہو اور یہ اس کا معمول تھا کہ رات کو سیر گاہ میں چہل قدمی ضرور کرتی تھی اور زمان ملنگی کی طرف سے اس کی اجازت اسے حاصل تھی...... دونوں ساتھی لڑکیوں کو اس نے ان کے خیموں میں جا کر آرام کرنے کے لئے کہا اور خود تھکے تھکے قدموں سے اپنے خیمے کی جانب بڑھ گئی...... وہ اپنے اُداس دل کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ سب کچھ تو ٹھیک نہیں...... یہ تو برے راستے ہیں...... ہمارے لئے بالکل ناجائز...... دل اگر کسی کو طلب کرنے لگے تو برائی کی چھاپ لگ جاتی ہے...... خاندانوں کی ناک کٹ جاتی ہے اور خاندان والوں کی گردنیں......؟ ایسا نہیں سوچنا چاہئے...... وہ جو کوئی بھی ہے بہر حال ہم میں سے نہیں ہے" ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ اپنے خیمے میں داخل ہوئی اور جونہی خیمے میں قدم رکھا...... اچانک ہی ایک گوشے سے خوفناک غراہٹ بلند ہوئی

اور پھر ایک بھیانک چیخ...... دوسری بھیانک چیخ خود صنوبر کی تھی کیونکہ اس نے اس زخمی تیندوے کو دیکھ لیا تھا جو اس کے بستر کے قریب اپنے زخمی وجود کو لئے پناہ گزین تھا اور کسی کی مداخلت پر غرایا تھا...... یہ بھی بہتر تھا کہ اس نے دیوانگی میں حملہ نہیں کر ڈالا تھا...... غالباً خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس پر نقاہت سوار تھی، لیکن صنوبر کے لئے یہ ایک انتہائی بھیانک واقعہ تھا اور اس کے حلق سے پے در پے چیخیں نکل رہی تھیں...... وہ بری طرح خیمہ گاہ کے دروازے تک بھاگی تو کسی سے ٹکرا گئی اور خوف سے کانپتی ہوئی اس سے لپٹ گئی......

غالباً کوئی پتھریلی چٹان تھی...... یقینی طور پر کوئی انسانی بدن اس قدر ٹھوس اور مضبوط نہیں ہو سکتا تھا...... وہ اس بدن سے لپٹ گئی...... آنے والے کے ہاتھ میں مشعل تھی اور وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، لیکن پھر اندر سے تیندوے کی غراہٹیں شدید ہو گئیں اور اس کے بعد وہ غراتا ہوا باہر نکلا تو مشعل بردار نے صنوبر کو اپنی پشت پر کر لیا...... ایک ہاتھ سے صنوبر کا بدن سنبھالے اور دوسرے ہاتھ سے مشعل...... وہ تیندوے سے نبرد آزما ہو گیا...... آگ کا شعلہ تیندوے کے چہرے پر لگا تو وہ غرا کر واپس پلٹا اور قلابازی کھا گیا...... تبھی کئی مشعل بردار دوڑتے ہوئے آ گئے...... باہر موسم سے لطف اندوز ہونے کے لئے وہ معمول کے مطابق گروہ بنا کر بیٹھ گئے تھے اور باتیں ہو رہی تھیں کہ رات کے سناٹے میں چیخ کی دلدوز آواز نے انہیں حواس باختہ کر دیا اور خود زمان ملنگی جواب خیمے میں آرام کرنے کو لیٹ چکا تھا، بیٹی کی آواز پہچان کر دیوانوں کی طرح دوڑا اور جب اس کے خیمے میں پہنچا تو اس نے عجیب ہی منظر دیکھا...... صنوبر علی نواز کے بدن سے چمٹی ہوئی تھی اور علی نواز ہاتھ میں مشعل لئے تیندوے کو اس تک پہنچنے سے روک رہا تھا...... فوراً صورت حال زمان ملنگی کی سمجھ میں آ گئی اور وہ احتیاطی تدابیر کرنے لگا...... پہلے آگے بڑھ کر بیٹی کو تسلیاں دے کر علی نواز کے بدن سے جدا کیا اور پھر علی نواز کو ہدایات دینے لگا...... علی نواز دیوانہ وار اندر داخل ہوا اور تیندوے پر حملہ آور ہو گیا...... زخمی درندہ اپنی زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار تھا، لیکن مقابلے میں علی نواز جیسا قوی ہیکل آدمی تھا...... علی نواز نے اسے گردن سے پکڑا...... مشعل پھینکی

دبوچ کر بیٹھ گیا...... اس نے درندے کے دونوں پنجے پکڑ کر مخالف سمت موڑے اور
ے دبوچ گھٹنا رکھ کر اسے زمین پر رگڑنے لگا...... تیندوا بھی کم طاقتور نہیں تھا...... وہ
ن کی گردن پر
ی نواز کو خود پر سے اٹھانے کی کوشش میں مصروف تھا، لیکن مدمقابل دوہری کیفیت کا شکار
سنسنی خیز تصور تو صنوبر کے لپٹ جانے کا تھا، پھر تیندوے کی شر انگیزی کہ اس
ی پہلا
ن کی مطلوب نگاہ پر بری نگاہ کیوں ڈالی...... غالباً یہ اس کی قوت بدن نہیں تھی بلکہ
تیندوے کا زخمی اور کمزور وجود بھی تھا، جو خون بہہ جانے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہا تھا کہ
یک قوی ہیکل شخص کا مقابلہ کر سکے...... سو رفتہ رفتہ تیندوے کے حواس بھی جواب دے
گئے اور پھر علی نواز نے اسے اس طرح زمین پر رگڑا تھا کہ اس کا چہرہ ہی خراب ہو گیا...... دیکھنے
والے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے...... بندوقیں تن گئی تھیں، لیکن ان بندوقوں کی زد میں علی
نواز بھی تھا...... اس لئے وہ گولی نہ چلا سکے...... ہاں ایک مرد آہن کی دلیری اور طاقت کا وہ بھی
بیان رہے تھے...... یہاں تک کہ تیندوے نے دم توڑ دیا...... علی نواز نے اس کے دونوں
پنجے توڑ دیئے اور اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا...... تو زمان ملنگی آگے بڑھا اور اس نے علی نواز کو
پکڑ کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ ختم ہو گیا؟"۔

علی نواز نے ایک گہری سانس لے کر زمان ملنگی کو دیکھا...... پھر پر ادب لہجے میں کہا۔

"ہاں...... وحشی جہنم رسید ہو گیا"۔

"آؤ باہر آؤ" زمان ملنگی نواز کا بازو پکڑ کر باہر لے آیا اور باہر آ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

"ہو سکتا ہے تیندوے میں زندگی باقی ہو...... اس کی کھوپڑی میں گولیاں اتار دو اور اسکے بعد اسے باہر کھلی جگہ گھسیٹ کر لے جاؤ...... میں ابھی آتا ہوں" اور وہ علی نواز کو لے کر ایک جانب بڑھ گیا، جبکہ تمام خیمہ گاہ میں افراتفری مچ گئی تھی...... جو لڑکیاں وہاں موجود تھیں، وہ سہمی ہوئی تھیں اور خود صنوبر ان ہی میں سے ایک کے خیمے میں چلی گئی تھی...... زمان ملنگی

نے کہا۔

"علی نواز! تم نے ایک بار پھر میری بیٹی کی زندگی بچائی ہے...... بہت احسانات کر رہے ہو مجھ پر...... غالباً یہ وہی زخمی تیندوا تھا، جسے ہم نے زخمی کیا تھا...... وہ ہماری غیر موجودگی میں خیمہ گاہ میں آگھسا اور دیکھا کیسا اتفاق ہے...... اس نے ہماری بیٹی ہی کے خیمے میں پناہ لی"۔

"جی...... عالی مرتبت...... میں نے آقا زادی کی چیخ سنی تو میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ زنان خانے کے آداب کا خیال کروں یا پھر گرفتارِ بلا کی مدد کو پہنچوں...... سو اگر مجھ سے گستاخی ہوئی ہے تو اس کے لئے شرمسار ہوں"۔

"نہیں علی نواز...... ہم تم پر اعتبار بھی کرتے ہیں اور ناز بھی کرتے ہیں، بلکہ ابھی اور اسی وقت ہم تمہیں یہاں بھی اور حویلی میں بھی زنان خانے کا نگران مقرر کرتے ہیں...... تم جیسے مستعد آدمی کی ہمیں اشد ضرورت ہے...... ہم تمہاری دلیری...... دیانت...... نیک نفسی اور ایمانداری کی قدر کرتے ہیں...... تمہارا شکریہ! جبکہ ہم نے زندگی میں کبھی کسی کا شکریہ نہیں ادا کیا، لیکن بات معمولی نہیں...... ہماری بیٹی ہمیں زندگی سے زیادہ پیاری ہے"۔

اور اس کے بعد باقی معاملات جاری رہے...... درحقیقت زمان ملنگی دل سے علی نواز کی قدر کرنے لگا تھا...... بات چھوٹی سی تھی لیکن دو ایسے وجود تھے جن کے لئے یہ بات چھوٹی نہیں تھی...... رات گزر گئی...... حالات پر سکون ہو گئے...... پہرا سخت ہو گیا، لیکن ادھر علی نواز کے دل میں یہ تصور تھا کہ آخر تقدیر صنوبر کو بار بار اس کے قریب کیوں لا رہی ہے اور ادھر صنوبر اپنے احساس کے بوجھ میں دبی ہوئی تھی...... اس کا بدن ڈھلا جا رہا تھا...... وجود کے وہ نازک حصے جو اس چٹان سے پیوست ہو گئے تھے...... ابھی تک اس کا لمس محسوس کر رہے تھے...... آہ مجھے کیا ہو رہا ہے، کیا کروں؟" "میں کیا کروں؟"۔

صنوبر کی صرف یہی سوچ تھی اور ان سوچوں کا کوئی جواب آسان نہیں ہوتا...... گزرنے والا ہر لمحہ نجانے کیسے کیسے احساسات کا شکار تھا اور خود علی نواز بھی ان تمام احساسات سے دور نہیں تھا...... دل و دماغ نے کچھ اور ہی طلب کرنا شروع کر دیا تھا...... بس ایک

نگاہ...... محبوب کو دیکھ لیا جائے...... زندگی سیراب ہو جاتی ہے اور چونکہ زمان ملنگی نے اب اسے زنانے خیموں کا نگران مقرر کر دیا تھا، اس لئے اسے رہنا بھی وہیں پڑتا تھا...... گویا اب اس کے قدم صنوبر کے خیمے تک بھی پہنچ سکتے تھے...... روک ٹوک باقی نہیں رہی تھی، لیکن وہ اپنے اندر اپنے احساس سے جنگ کر رہا تھا...... مقصد تو کچھ اور ہی ہے یہاں آنے کا...... اگر اس چکر میں پڑ گیا تو باپ کی زندگی بھر کی خواہش پوری نہ ہو پائے گی...... وہ اپنے باپ کی خواہش سے مخلص تھا...... زمان ملنگی کو صرف ایک ہی نگاہ سے دیکھا جا سکتا تھا...... انتقام کی نگاہ سے! بجائے اس کے کہ اپنا فرض پورا کیا جائے...... وہ یہاں عشق کے جال میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا...... اپنے آپ پر نفرین کرتا اور سوچتا کہ یہ سب غلط ہے...... اس انداز میں نہیں سوچنا چاہئے...... اپنا کام انجام دے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے، لیکن شاید یہ بھی مشکل ہی ہو رہا تھا...... کئی بار اس نے اپنے قرب و جوار میں آہٹیں محسوس کی تھیں...... کئی بار صنوبر کے خیمے کا پردہ ہٹایا تھا اور اس میں صنوبر کو دیکھا تھا...... لیکن قریب جانے کا کوئی جواز نہیں تھا...... رخ بدل لیا تھا اور اس کے بعد لرزتا رہتا تھا...... خود صنوبر کی بھی ہمت اس کے قریب آنے کی نہیں پڑی تھی...... اس قدر دلیر نہیں تھی لیکن یہ قربت مزید آگ بھڑکا رہی تھی...... یہاں تک کہ سیر و شکار سے زمان ملنگی کا دل اکتایا اور واپسی کی ٹھانی گئی...... پھر اس کے بعد بستی خانہ خیل کی وہی حویلی اس کا مسکن بنی، لیکن تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ اب علی نواز کو اندرونی حصہ میں رہنا پڑتا تھا...... اس جگہ جہاں سے صنوبر تک رسائی آسان تھی...... وہ اپنے آپ سے جنگ کر رہا تھا اور یہ جنگ دونوں طرف جاری تھی...... علی نواز ذہنی طور پر اس قدر طاقتور نہیں تھا کہ خود آگے بڑھ کر صنوبر کے قریب پہنچتا...... ہاں عیش میں پلی ہوئی لڑکی بہت سی نازک راہوں کو عبور کر کے ایک رات اس تک پہنچ گئی اور علی نواز کے سامنے جا کھڑی ہوئی...... علی نواز سحر زدہ رہ گیا تھا...... صنوبر کے تصور ہی میں ڈوبا ہوا تھا کہ یہ تصور حقیقت بن کر نگاہوں کے سامنے آ گیا...... صنوبر خاموشی سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور علی نواز پتھرا گیا تھا...... خاصا وقت اسی طرح گزر گیا...... پھر صنوبر نے مترنم آواز میں کہا۔

"کیا تم پتھر کے مجسمے ہو؟"۔

"نہیں"۔

"تو بولتے کیوں نہیں"۔

"کیا بولو؟"۔

"میں تمہارے پاس آئی ہوں"۔

"آپ کو نہیں آنا چاہئے تھا"۔

"کیوں؟"۔

"میں غلام ہوں"۔

"نہیں...... غلام تو کوئی نسل نہیں ہوتی"۔

"میں مانتا ہوں لیکن میں زمان ملنگی کا نمک خوار ہوں"۔

"یہ الفاظ کیوں کہہ رہے ہو؟"۔

"اس لئے کہ میں زنان خانے کا محافظ ہوں"۔

"مطلب؟"۔

"جب کسی کو کسی جگہ کی حفاظت سونپ دی جاتی ہے تو وہ ذاتی تصورات ختم کر دیتا ہے"۔

"میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں" صنوبر شاید دیوانی سی ہو گئی تھی۔

علی نواز نے سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا...... پھر بولا: "یہ آپ کی بڑائی ہے لیکن میں اس قابل نہیں ہوں"۔

"تم بار بار میری زندگی بچاتے رہے ہو...... مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ اس وقت جب میں پالکی میں آ رہی تھی...... تم نے مجھے پل پر سے گرنے سے بچایا تھا...... پل ٹوٹ گیا تھا اور تم اس کے نیچے کھڑے ہوئے تھے...... یہ بات تو بہت بعد میں مجھے معلوم ہوئی"۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ اس پالکی میں آپ ہیں...... بس وہ تو انسانی ہمدردی تھی"۔

"اور پھر تم نے مجھے درندے سے بچایا"۔

"وہ میرا فرض تھا"۔

"پتھر کے مجسموں سے نکلی ہوئی آواز مختلف ہوتی ہے...... تم اپنے آپ کو پتھر ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہو...... دیکھو میں نے فرزانگی کی حدیں عبور کر لی ہیں...... کیا تم ہمت نہیں کر سکتے؟"۔

"نہیں"۔

"لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا...... میں تم سے محبت کرتی ہوں...... میں کوئی بری لڑکی نہیں ہوں...... لیکن میری سوچ کی گھٹن اب میرے وجود میں پھٹنے والی ہے...... میں نے یہ الفاظ اپنے منہ سے نکال کر عورت کی روایت کو پامال کیا ہے، لیکن یہ سوچ کر کہ دل میں جو کچھ ہے تمہارے سامنے کہہ دوں اور تم سے جواب طلب کروں"۔

"میرے پاس کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ میں غلام ہوں اور غلاموں کو غلاموں ہی کی مانند رہنا چاہئے"۔

"لیکن میں غلام ہوں نہ پتھر...... میں نے اپنی نسوانیت کو ریزہ ریزہ کیا ہے...... اس کا صلہ اس کا جواب چاہتی ہوں تم سے...... اور تمہیں جواب میں میری محبت کا اقرار کر کے یہ صلہ دینا ہوگا"۔

شاید یہ میرے لئے کبھی ممکن نہ ہو۔

"ناممکن کو ممکن بناؤ علی نواز...... کوشش کرو...... اگر اپنے دل میں میرے لئے کوئی گنجائش پاؤ تو۔

"آپ آسمان ہیں میرے لئے...... میں زمین کی پستیوں میں رہنے والا انسان ہوں...... آسمان تک پرواز میرے لئے ممکن نہیں"۔

"تو پھر صرف یہ کہو...... صنوبر اپنے طور پر کوشش کرو...... میں تم سے انحراف نہیں کروں گا"۔

علی نواز نے رُخ تبدیل کر لیا...... اس کے بعد صنوبر جو کچھ کہتی رہی، اس نے اپنے کان

اس کی جانب سے بند کر لئے..... البتہ جب صنوبر واپس پلٹی تو اس نے کہا۔

"سمجھے! میں ہر رات تمہارے پاس آؤں گی اور تم سے اس وقت تک اپنی محبت کا جواب مانگتی رہوں گی، جب تک تم اس کا اقرار نہ کرلو..... اور اس کے بعد وہ چلی گئی، لیکن بات صرف اس قدر ہی نہیں تھی کہ علی نواز کی دلی تمنا اس طرح پوری ہوگئی تھی، بلکہ اس کے پس پردہ بھی بہت کچھ تھا اور یہ پردہ اس جگہ سے کچھ فاصلے پر تھا..... جہاں اس وقت علی نواز موجود تھا اور پردے کے عقب میں خود زمان ملنگی تھا جو رات کے اس حصے میں کسی کام سے ادھر نکل آیا تھا اور اس نے حیران نگاہوں سے صنوبر کو علی نواز کے پاس آتے ہوئے دیکھا تھا..... پہلے غصہ کی شدید لہر اُبھری..... اس کے بعد اس نے صنوبر اور علی نواز کے مکالمے سنے اور پتھرا کر رہ گیا..... صنوبر اس کی زندگی، اس کی روح، اس کی آنکھوں کی بینائی..... اس کے سارے وجود کا مرکز اور اس کے یہ الفاظ! ساری باتیں اپنی جگہ..... زمان ملنگی کا اپنا ایک مقام..... ایک وقار تھا..... یہ اَلگ بات ہے کہ ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اس کا تاریک ماضی بھی تھا، لیکن جب تاریکیاں روشنیوں میں بدل جاتی ہیں تو انسان ان کے بارے میں سوچنا بھی بھول جاتا ہے..... اب زمان ملنگی چیز ہی کچھ اور تھا..... تب اس نے اس دلکش، خوبرو جوان پر غور کیا اور اسے احساس ہوا کہ غلطی خود اس سے ہوئی ہے..... اسے آب و آتش کو یکجا نہیں کرنا چاہئے تھا..... یہ غلطی سو فیصدی ہی اس کی ہے، لیکن اب کیا کیا جائے..... لڑکھڑاتے قدموں سے وہ اپنی خواب گاہ میں واپس آیا اور بستر پر لیٹ کر سوچ میں ڈوب گیا..... اندر سے مختلف کیفیات اُبھرتی آرہی تھیں..... اس نے سوچا کہ خاموشی سے علی نواز کو کسی ویرانے میں لے جا کر قتل کردے..... خود اپنے ہاتھوں سے اور قتل کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا..... اس قتل کی خبر کسی کو کانوں کان نہ ہونے دے، لیکن شاید طویل عرصے سے وحشت و درندگی سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور اب دل میں خوف خدا بھی جاگا تھا، چنانچہ بہت عرصے سے اس نے اپنے مظالم کا سلسلہ بند کر رکھا تھا اور بستی خانہ خیل میں ہر سرکش پر قابو پانے کے بعد مطمئن ہو گیا تھا..... اگر علی نواز کی طرف سے ایک

بھی دلداری یا لگاوٹ کا ہوتا تو وہ لمحوں میں علی نواز کو زندگی سے محروم کر دیتا، لیکن وہاں
کی پاسداری تھی...... اظہار غلامی تھا...... وہ سب کچھ تھا جو علی نواز کو مکمل طور سے بے
ظاہر کر رہا تھا اور ایک بے قصور شخص کی زندگی لینا بہر حال ایک تکلیف دہ کام ہوتا
وہ بھی بہت سے ماضی کے احساسات کے ساتھ، اس وقت تو علی نواز نے صنوبر کو
دیکھا تھا، جب اس نے اس کی پالکی کو چٹانوں پر گرنے سے بچایا تھا اس وقت بھی کچھ
نہیں کیا جا سکتا تھا جب علی نواز نے زخمی تیندوے سے صنوبر کی زندگی بچائی تھی...... یہ
واردات کب اور کہاں ہوئی؟ یقینی طور پر شکار گاہ میں، لیکن صنوبر اس کی لخت دل یہ کس
نیت میں پھنس گئی...... نہیں صرف علی نواز کو راستے سے ہٹا دینے سے صنوبر کے سینے میں
روشن مشعل نہیں بجھ سکتی...... اس مشعل کو بجھانے کے لئے بہت سوچنا پڑے گا...... بہت
غور کرنا پڑے گا...... وہ بیٹی کی اس حرکت سے سخت بددل ہوا تھا، لیکن اب عمر کے ساتھ
ساتھ تجربہ بھی بڑھ گیا تھا۔

نوجوانی کی عمر ایسے حادثوں سے دوچار ہو جاتی ہے اور پھر دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو بھیانک المیے رونما ہوں یا پھر اپنی ناک خطرے میں پڑ جائے...... یہ رات زمان ملنگی کے لئے سوچوں کی رات تھی...... کبھی وہ اس قدر آتش مزاج تھا کہ ہر قدم سوچے سمجھے بغیر اٹھا لیتا تھا، لیکن یہ کبھی کی بات ہے...... اب کی بات کچھ اور تھی...... دل کی گہرائیوں میں بیٹی کے پیار کے ایسے شدید جذبے تھے کہ وہ ان سے نہیں لڑ سکتا تھا...... آج تک اس کی صورت دیکھ کر جیتا رہا تھا...... اس کی معصوم معصوم خواہشوں کو پورا کرنا وہ زندگی کا مقصد سمجھتا تھا...... اب اپنی ذات پر ضرب آئی ہے تو کس کا انتخاب کرے...... اپنا یا نور عین کا...... کیا عجب حادثہ ہوا ہے جہاں تک علی نواز کا تعلق ہے تو سچی بات ہے کہ وہ بے قصور ہے، بلکہ وہ بہت قابل اعتبار ثابت ہوا ہے، مگر کیا کروں...... میں کیا کروں؟ وہ شدید الجھنوں کا شکار تھا...... جنون کے عالم میں اس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر میز کی دراز سے پستول نکالا...... اس کے چیمبر میں گولیاں داخل کیں...... پھر اس کے نال پر سائلنسر لگایا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل آیا...... اِدھر اُدھر تلاش کر کے اس نے علی نواز کو دیکھا...... سر پکڑے ہوئے رائفل ایک دیوار سے لگائے بیٹھا ہوا تھا...... شیر کا شیر...... چوڑے چکلے بدن کا مالک خوبصورت اتنا کہ دیکھنے سے دل میں خود بخود محبت پیدا ہو جائے...... اگر میں اس کو خون میں نہلا دوں تو مجھے کیا ملے گا...... سوائے اس کے کہ میرے گناہ میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے گا...... وہ تو اس کی خوش بختی ہے کہ بات اس طرح میرے کانوں تک پہنچی...... ورنہ میں تو یہ سوچتا کہ وہ خود بھی شریک گناہ ہے، لیکن یہ سب کچھ...... میرے خدا! کیا کروں میں کیا کروں؟ واپس پلٹا اور

اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا...... دوسری جانب علی نواز کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی...... صنوبر اتنے صاف الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کر دے گی...... اس نے سوچا بھی نہیں تھا...... بات اگر خاموشی سے ٹل جائے تو بہتر ہو گا...... میں اپنا کام کر کے نکل جاؤں...... اس کے بعد اگر زخمی دل نے زیادہ ہی کرب میں مبتلا کیا تو کوئی گوشہ دیکھ لوں گا، لیکن اب...... اب کیا کروں" یہی سوچیں دامن گیر تھیں...... سورج نکلا تو وہ اپنی آرام گاہ میں آ گیا اور بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں...... دل و دماغ جل رہے تھے...... آنکھیں سلگ رہی تھیں...... پورا وجود سنسنی کا شکار تھا...... عام حالات میں سہ پہر کو ایک بجے تک سوتا تھا، لیکن آج نیند کا کوئی تصور ذہن میں نہیں تھا...... دو بجے ہلکا پھلکا کھانا کھایا اور اس کے بعد چہل قدمی کے لئے نکل گیا...... دل کو قرار دینا چاہتا تھا، لیکن قرار اب اس کے بس کی بات نہیں تھی...... سارا دن مارے مارے پھرنے کے بعد آخری طور پر اس نے ایک ہی فیصلہ کیا کہ اپنا کام مکمل کرے اور یہاں سے نکل جائے...... ورنہ جب تک یہاں رہے گا...... یہ روگ دیمک کی طرح اسے کھاتا رہے گا...... سو اس رات اس نے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا...... باپ نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بہ حرف نہ سہی لیکن زمان ملنگی کو زندگی سے محروم کر کے باپ کی خواہش پوری کر سکتا تھا، چنانچہ ایک ایسی جگہ منتخب کر لی اس نے جہاں سے وہ زمان ملنگی کی خواب گاہ کی عقبی کھڑکی کا نشانہ لے سکے...... اس سے پہلے بھی کئی بار اس نے زمان ملنگی کو دیکھا تھا...... یہ کھڑکی حویلی کے ایک ایسے حصے میں کھلتی تھی جسے مال خانہ کہا جاتا تھا...... یہاں ساز و سامان کا انبار تھا...... اوپر کی منزل پر ایک ایسی جگہ موجود تھی جہاں سے زمان ملنگی کی کھڑکی کا جائزہ لیا جا سکے اور اسی جگہ سے اس نے رائفل کی نال باہر نکالی اور منتظر ہو کر بیٹھ گیا...... رات گئے جب تمام لوگ سو جاتے تھے، تب اس کی ڈیوٹی کا آغاز ہوتا تھا...... یہ وقت ایسا تھا کہ لوگ جاگ رہے تھے...... زمان ملنگی کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی خواب گاہ میں آتا تھا اور خاصی دیر تک جاگتا رہتا تھا...... اس کھڑکی سے وہ صاف نظر آیا کرتا تھا...... غرض یہ کہ وہ انتظار کرتا رہا...... فیصلہ کر لیا تھا اس نے کہ زمان ملنگی کو گولی مارنے کے بعد وہ

خاموشی سے مال خانے سے باہر نکل کر حویلی کے بیرونی احاطے کی دیوار کود کر باہر چلا جائے گا اور اس کے بعد یہاں نہیں رکے گا...... دل چاہے کچھ بھی کہے، بدن چاہے کسی طرح بغاوت کرے لیکن یہ کام کرنے کے بعد یہاں سے نکل جانا ضروری ہوگا اور وہ انتظار کرتا رہا...... وقت کا ہر لمحہ دماغ سے دہکتا ہوا گزر رہا تھا اور اس کی نگاہیں اس کھڑکی کا جائزہ لے رہی تھیں...... پھر اسے زمان ملنگی نظر آیا جو روشنی جلا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا...... اس کا چہرہ سامنے تھا...... یہاں سے اس کی پیشانی کا بآسانی نشانہ لیا جا سکتا تھا اور نشانے بازی میں علی نواز بے مثال ہو چکا تھا...... سو لمحہ لمحہ گزرتا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنے طور پر اپنے آپ کو تیار کیا اور نشست باندھنے لگا، لیکن کہانیاں ایسے ہی بنتی ہیں اور یہ سب کچھ حقیقتوں کا حصہ ہوتا ہے...... کہانی کہہ لیا جائے...... کہانی حقیقت ہی کا دوسرا نام ہوتی ہے...... اسے زمان ملنگی کے عقب میں صنوبر نظر آئی تھی...... دبے قدموں آگے بڑھ رہی تھی اور اس کے بعد وہ جھکی اور اس نے عقب سے زمان ملنگی کی گردن میں بانہیں ڈال دیں...... زمان ملنگی نے چونک کر چہرہ اٹھایا تھا اور علی نواز کا دل خون ہو گیا تھا...... یہ حسین بانہیں...... یہ دلنشین انداز! ایک بیٹی کے باپ سے پیار کا ایسا اظہار تھا کہ علی نواز لرز کر رہ گیا...... اب اگر یہ پیشانی داغدار ہو جائے تو صنوبر کے دل پر کیا گزرے گی...... ہر چند کہ اسے علم نہ ہو پائے گا کہ اس کے باپ کا قاتل اس کا محبوب ہے، لیکن اس کا دل کس قدر ملول ہو جائے گا...... محبت کا یہ طوفان تو علی نواز کے سینے میں بھی محفوظ تھا...... اس کی راتیں بھی بے کل ہو گئی تھیں...... اس کا دل بھی اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، لیکن وہ اس جنجال سے نکل جانا چاہتا تھا...... محبت اور فرض کی جنگ میں فرض پورا کر کے محبت کو دفن کرنے کی ہمت کرنا چاہتا تھا...... اگرچہ صنوبر کا ہر تصور اس کے لئے جاں بخش تھا، لیکن کیا کیا جائے؟! ایک فیصلہ تو کرنا ہی ہوگا اور اس وقت اس کا دل نہ مانا...... صنوبر کے دل پر یہ داغ لگانا میرے لئے ممکن نہیں...... آہ کیا کروں میں کیا کروں...... اس نے رائفل ہٹائی اور پھر ٹوٹے ہوئے وجود کو لے کر مال خانے کا زینہ طے کرتا ہوا اپنی آرام گاہ میں آ گیا اور ایک گوشے میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

ادھر دوسرا کھیل جاری تھا...... زمان ملنگی اپنے ماضی کو یاد کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ زمانہ قدیم میں تو وہ بڑے سے بڑے قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرتا تھا...... پہلے کر لیا کرتا تھا، پھر سوچتا تھا...... کبھی پشیمانی بھی ہوتی تھی لیکن اس نے پشیمانیوں کو کبھی دل میں جگہ نہیں دی تھی...... اب یہ کیا ہو رہا ہے...... محبت کس طرح انسان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیتی ہے...... میں اپنی بیٹی تو بیٹی...... اس بدبخت کو بھی کچھ نہیں کہہ پاتا، جو میری عزت کا گاہک بن چکا ہے...... اس سے پہلے تو میں نے انسانوں کو کبھی اس قدر اہمیت نہیں دی تھی...... اس تبدیلی کو اپنے وجود سے کیسے مٹاؤں...... کیسے زمان ملنگی کو آواز دوں جو بیٹی کی محبت میں گرفتار ہے...... تب ہی اس کے دل میں ایک خیال گزرا...... یہ محبت بدبخت کیسی چیز ہے...... صدیاں گزر گئیں...... اس کا وجود فنا نہیں ہوتا...... کبھی یہ اولاد کے لئے دل میں جاگتی ہے اور کبھی محبوب کا تصور بن جاتی ہے...... محبت کے ہاتھوں کس قدر مجبوریاں اٹھانا پڑتی ہیں انسان کو...... اپنی سوچوں میں اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ صنوبر کی آمد کی خبر بھی نہ ہو سکی...... ہاں جب صنوبر کی بانہوں کا ہار اس کے گلے میں حائل ہوا تو اس نے چونک کر گردن اٹھائی اور صنوبر کے روشن چہرے کو خود پر جھکے پایا...... ایک لمحے کے لئے دل میں شعلہ بھڑکا لیکن جو بانہیں...... جو لمس...... جو سانسیں اس سے ٹکرا رہی تھیں...... انہوں نے اس کو پگھلا دیا...... ایک لمحے میں کیفیت بدل گئی...... تاہم دل میں دھن تھی جو آواز بن کر ابھری۔

"صنوبر ادھر آؤ...... میرے سامنے بیٹھو"۔

"آج آپ کئی بار میرے سامنے آئے بابا جان...... لیکن آپ نے مجھ پر توجہ نہیں دی...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"۔

"ہاں، تم اس وقت کیسے آ گئیں میرے پاس" زمان ملنگی نے بیٹی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک مشکل میں پڑ گئی ہوں بابا جانی" صنوبر کی لطیف آواز ابھری اور زمان ملنگی جواب دیئے بغیر اسے گھورنے لگا...... صنوبر کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں...... کچھ لمحے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"بہت سوچتی رہی ہوں بابا جان...... پھر مجھے ایک واقعہ یاد آیا...... آپ کو بھی یاد دلاؤں" زمان ملنگی نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا...... صنوبر پر خیال لہجے میں بولی۔

"ہم شاہ چراغ کے عرس پر گئے تھے بابا جان...... وہ تو یاد ہوگا نا آپ کو؟"۔

"ہاں"۔

"اور وہاں آپ نے مجھے ایک بات کہی تھی...... شاہ چراغ کے مزار پر"۔

"کیا؟"۔

"آپ نے کہا تھا بابا جان...... کہ بے شک میں اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہوئی ہوں لیکن اس کے بعد آپ کے وجود کا حصہ بن چکی ہوں...... آپ نے کہا تھا بابا جان...... بات اچھی ہو یا بری...... کیسی بھی ہو آپ سے بڑا ہمدرد میرا اس روئے زمین پر دوسرا نہیں ہو سکتا...... سو دل کی بات کبھی آپ سے نہ چھپاؤں اور جو کچھ بھی مجھ پر گزرے میں آپ سے کہہ دوں اور میں نے شاہ چراغ کے مزار پر یہ قسم کھائی تھی بابا جان کہ آپ کو اپنی زندگی کے ہر راز میں شریک رکھوں گی"۔

زمان ملنگی کے بدن میں جھنجھناہٹ ہونے لگی...... بیٹی اس قدر معصوم تھی اور اس کے ان الفاظ سے اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہنے جا رہی ہے وہی زمان ملنگی کی تشویش اور پریشانی ہے...... سو وہ انتظار کرنے لگا...... صنوبر نے کہا:

"بابا جان ایک عجیب سی بات ہو گئی ہے...... بابا، میں نے کبھی زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے لئے مجھے آپ سے شرمندہ ہونا پڑے یا کوئی بات آپ سے چھپانی پڑے تو ہوا یوں ہے بابا جان کہ وہ جو شخص ہے نا جسے آپ نے زنان خانے کا نگران مقرر کیا ہے اور جس کا نام علی نواز ہے، تو بابا جانی ہوا یہ کہ شکار گاہ میں...... میں اپنی دوستوں کے ساتھ رات کی سیر کو نکلی تھی اور میں نے اسے ایک ٹیلے کے عقب میں بیٹھے ہوئے دیکھا...... ہمیں دیکھ کر وہ شرمساری سے کھڑا ہو گیا تھا، لیکن بابا جانی مجھے یوں لگا جیسے کچھ ستارے ٹوٹ کر میرے آنچل میں گر پڑے ہوں اور ان میں سے ہر ستارے کی شکل اس جیسی ہو...... وہ تو چلا گیا بابا!

راتوں کو بے کل ہو گئی...... پھر اس کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ اس نے تیندوے [illegible] پہلی عمر میں
[illegible] میری زندگی بچائی...... بابا جانی اس وقت بھی وہ مجھے اچھا لگا اور اس کے بعد سے یوں ہو رہا ہے کہ ہر دن...... ہر رات میں وہ مجھے یاد آتا ہے...... بابا جانی میں ان یادوں سے مجبور ہو کر اس کے پاس گئی اور میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے اچھا لگتا ہے...... وہ کہنے لگا کہ وہ غلام ہے اور غلاموں کو یہ عزت اور یہ منصب نہیں ملنا چاہئے...... بابا جانی اس کے بعد سے میں اب تک پریشان ہوں...... میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہاؤں...... [illegible] سارے بدن میں اینٹھن ہوتی ہے...... بابا جانی مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں نے آپ سے شاہ چراغ کے مزار پر دیا ہوا قول نبھایا ہے...... میری رہنمائی کیجئے...... مجھے مشورہ دیجئے"۔

زمان ملنگی زمین بوس ہو گیا...... بیٹی کس قدر معصوم ہے...... جوانی کے ہر مزے سے نا آشنا...... وہ بات کہہ رہی ہے اپنے باپ سے...... جو ہواؤں سے بھی چھپائی جاتی ہے...... جو اپنے احساس سے بھی چھپائی جاتی ہے...... یہ سادہ لوحی نہیں تو اور کیا ہے! سو اس نے سوچا کہ ہمت کرے...... ہو سکتا ہے یہ لمحات اس کی مشکل کا حل بن جائیں...... کچھ دیر غور کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور یہ سب کچھ مجھ سے کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں محسوس ہوئی"۔

"میں نے سوچی تھی یہ بات بابا جانی کہ ایسے کسی احساس پر مجھے شرمانا چاہئے، لیکن کیا آپ اس بات سے انکار کریں گے؟ کیا اب آپ یہ بات کہہ دیں گے کہ آپ نے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ کہا تھا"۔

"کیا مطلب؟"۔

"آپ نے کہا تھا نا بابا جانی، کہ دل کا ہر راز آپ کو بتا دوں...... آپ میرے صحیح رہنما ہیں"۔

"ہوں...... میری رہنمائی قبول کرو گی؟"۔

"کیوں نہیں بابا جانی...... آپ مجھے بتائیے"۔

"دیکھو...... ہم بستی خانہ خیل کے سب سے بڑے لوگ ہیں...... انسانوں کی ایک تفریق ہوتی ہے...... ایک معیار ہوتا ہے ہر شخص کا...... غلام غلامی کے لئے ہوتے ہیں اور آقا حکومت کے لئے...... کسی غلام کی زندگی میں شامل ہو کر تم خود کو غلاموں میں شامل کرنا چاہتی ہو...... لوگ کیا کہیں گے...... وہ بے شک تمہیں اچھا لگتا ہے...... بہت خوبصورت...... بہت توانا جوان ہے وہ...... لیکن غلام ہے...... یہ فرق ہم نہیں ختم کر سکتے"۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی بابا جانی...... یہ غلاموں کی شکلیں بدلی ہوئی کیوں نہیں ہوتیں...... ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں ہونا چاہئے...... یہ ہم سے ہر حال میں کمتر ہونے چاہئیں بابا جانی...... یہ ہم جیسے کیوں ہوتے ہیں...... اگر وہ ہم جیسے ہوتے ہیں تو پھر بابا جانی ہم یہ تفریق کیسے کر سکتے ہیں"۔

"تجربہ میرا زیادہ ہے یا تمہارا؟"۔

"آپ کا بابا جانی!"۔

"تو جو کچھ میرے تجربے نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ جب غلاموں کو اپنے برابر لا کر کھڑا کیا جاتا ہے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے...... عزت، آبرو اور پھر قدرت نے لڑکیوں کی زبانوں پر تالے لگائے ہوتے ہیں...... وہ اپنے جذبات کے اظہار میں کبھی بے لگام نہیں ہوئیں...... ویسے بھی انہیں...... ماں باپ کی عزت کے لئے پہلے سوچنا چاہئے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہئے...... تم ایک بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو صنوبر اور جس شخص کے بارے میں تم کہہ رہی ہو، وہ ہمارا ایک ادنیٰ غلام ہے"۔

صنوبر گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گئی...... کچھ لمحے غور کرتی رہی، پھر بولی۔

"ہر چند کہ یہ تمام باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں بابا جانی لیکن آپ کہہ رہے ہیں اس لئے غلط نہیں ہوں گی...... البتہ جب بھی کبھی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی میں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا ہے...... ماں تو کوئی صحیح بات نہیں بتا سکتیں کیونکہ انہیں خود دنیا کا تجربہ نہیں ہے...... میرے ساتھ جو یہ سب کچھ پیش آیا ہے، بابا جانی...... آپ کو

یقین ہوگا کہ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتی...... یہ سب کچھ جو میرے ساتھ پیش آیا ہے ہاں...... اس میں میرا کوئی قصور نہیں...... بس نہ جانے کیوں مجھے یوں لگا جیسے وہ شخص میرے لئے اجنبی نہیں، جیسے بابا جانی میرے وجود کو صدیوں سے اسی کی تلاش تھی...... پتا نہیں کیوں...... خیر یقیناً میری یہ باتیں آپ کو اچھی نہیں لگ رہی ہوں گی، لیکن میرا آپ سے وعدہ تھا اور آپ ہی کا حکم تھا اب مجھے یہ بتائیے میں کیا کروں...... ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ کے سوا بھلا مجھے اور کون مشورہ دے سکتا ہے"۔

"کیا یہ بات تم نے کسی دوسرے کو بھی بتائی ہے...... کسی کو اپنا رازدار بنایا ہے تم نے؟"۔

"نہیں بابا جانی...... بھلا ایسے کیسے ہو سکتا تھا...... آپ کے سوا میرا اور کوئی رازدار بھی نہیں ہے اور نہ ہی مجھے کسی اور رازدار کی ضرورت ہے"۔

زمان ملنگی کا دل پگھل کر موم ہو گیا...... معصوم سی بچی سے وہ کیا کہتا جس نے ایک عجب سی الجھن ذہن میں ڈال دی تھی۔

"گویا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہیں اس بارے میں مشورہ دوں؟"۔

"ہاں بابا جانی...... ضروری ہے"۔

"تمہیں خود کو سمجھانا چاہئے...... یہ غور کرنا چاہئے کہ تمہارے بابا جانی کی عزت تمہارے اس عمل سے خاک میں مل جائے گی"۔

صنوبر نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا اور پر خیال لہجے میں بولی...... آج ہی سے اس مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں بابا جانی!

"ہاں میری بیٹی...... ایسا ہی کرو" زمان ملنگی نے کہا اور وہ مطمئن انداز میں واپس چلی گئی، لیکن زمان ملنگی کے دل کی دنیا تہہ و بالا ہو گئی تھی...... وہ انتہائی پریشان ہو گیا تھا...... معصوم بچی، بالکل ننھی سی...... دنیا سے ناواقف...... کیا ہو گیا اسے...... جوانی کے احساسات، اگر دل و دماغ پر حاوی بھی نہ کئے جائیں تب بھی فطرت کا کھیل تو جاری رہتا ہے اور یہ بچی ایک ہی مشکل کا شکار ہو گئی ہے، لیکن وہ ذلیل غلام...... وہ تو کسی بھی قابل نہیں ہے......

ٹھیک ہے۔۔۔ شریف زادہ ہے۔۔۔ خوبصورت ہے۔۔۔ تندرست و توانا ہے۔۔۔ قابل دید ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ زمان ملنگی۔۔۔ وہ الفاظ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، جن کا مفہوم ایک غلام کی برتری ہو۔۔۔ اس کے دل میں نفرت کا طوفان اُمڈ رہا تھا، لیکن ایک ایسے شخص کے خلاف جس کے الفاظ وہ سن بھی چکا تھا۔۔۔ بلاشبہ ظلم و ناانصافی اس کا شعار رہا تھا، لیکن یہ پرانی بات تھی۔۔۔ عمر نے تحمل بھی دیا تھا اور تھوڑی سی شرافت بھی نجانے کہاں سے دل میں آ بسی تھی۔

وہ کسی بھی طرح علی نواز کو موردِ الزام قرار نہیں دے سکتا تھا، لیکن کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔۔۔ دوسرے دن اس نے علی نواز سے تنہائی میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"علی نواز۔۔۔ تم بہت نیک۔۔۔ ایماندار اور محنتی انسان ہو۔۔۔ خانہ خیل میں ہمارا بہت کچھ ہے، لیکن ڈھلانوں پر خوبانیوں کے باغات نہ جانے کیوں اُجڑتے جا رہے ہیں، حالانکہ وہاں بہت سے لوگ کام کرتے ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان پر محنت نہیں کرتے۔۔۔ صحیح طور پر ان کی دیکھ بھال نہیں ہوتی۔۔۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم جیسا کوئی ذمہ دار شخص وہاں کام کرنے والوں کی نگرانی کرے۔۔۔ اس کے لئے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے کیا تم وہاں رہ کر خوبانیوں کے اس باغ کی دیکھ بھال کر سکتے ہو؟"۔

"آپ کا حکم ہے تو پھر سوال کیسا" علی نواز نے جواب دیا۔

"بس تو پھر چلے جاؤ میں کچھ لوگوں کو تمہارے ہمراہ کر دیتا ہوں۔۔۔ وہ وہاں موجود لوگوں کو بتا دیں گے کہ تم ان کے نگران ہو۔۔۔ میں ان درختوں کو سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتا ہوں"۔

سو علی نواز کو چند لوگوں کی ہمراہی میں روانہ کر دیا گیا، لیکن علی نواز بھی بے وقوف نہیں تھا۔۔۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ حویلی سے اس کی علیحدگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے یا پھر وہ صرف اتفاق ہے، لیکن وجہ کچھ بھی ہو۔۔۔ وہ خود بھی اس چیز کو ناپسند نہیں کر رہا تھا۔۔۔ یہاں حویلی میں رہ کر اس کا دل عجیب و غریب احساسات کا شکار رہتا تھا۔۔۔ نہ جانے کیا کیا طلب اس

کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔۔۔ غلام خیر نے کہا تھا۔

"جب انسان آسائشوں کا شکار ہو جاتا ہے تو کسی قابل نہیں رہتا۔۔۔ جسم کی توانائی اور ذہن کی نشوونما کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پرمشقت زندگی اپنائی جائے اور اگر کبھی اسے دل کو گھیرنے لگیں تو کدال اٹھا کر زمین کھودنے میں مصروف ہو جاؤ۔۔۔ ذہن بٹ جاتا ہے اور فاسد خیالات دل سے نکل جاتے ہیں"۔ یہ مناسب تھا میرا منصب تو کچھ اور ہی ہے۔

میں یہاں زمان ملنگی کی بیٹی سے عشق کرنے نہیں آیا بلکہ ملنگی کو موت کی نیند سلانے آیا ہوں، جس طرح میری انگلی رائفل کے ٹریگر پر اس وقت نہیں دب سکی جب زمان ملنگی میرے نشانے پر تھا تو آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔۔۔ میں اس احساس میں ڈوبا رہوں گا کہ وہ صنوبر کا باپ ہے۔۔۔ ہر چند کہ صنوبر اب میرے وجود پر چھا گئی ہے، لیکن میں اس لئے یہاں نہیں آیا۔۔۔ مجھے اپنا کام کرنا ہے، ہو سکتا ہے خوبانیوں کے وہ باغ جو میرے باپ کی ملکیت تھے اور جنہیں غاصبانہ طور پر زمان ملنگی نے میرے باپ سے چھین لیا تھا اور میرے باپ کے انکار کی بنا پر اس کو اپنے بازو سے محروم کر دیا تھا۔۔۔ یہ عین ممکن ہے کہ وہی باغ زمان ملنگی کا مقتل بنے اور میں وہیں پر اپنے باپ کا انتقام لے سکوں، چنانچہ وہ خوشی سے چل پڑا تھا۔۔۔ زمان ملنگی کے آدمیوں نے وہاں کام کرنے والوں سے علی نواز کا تعارف کروایا اور علی نواز کو باغ کے اس چھوٹے سے گھر میں رہنے کی اجازت مل گئی جو باغ کے رکھوالوں کے لئے تھا۔۔۔ علی نواز اپنے اجداد کی اس زمین پر آباد ہو گیا، جس سے اس کا مٹی کا رشتہ تھا۔۔۔ ان درختوں سے اسے ایک عجیب سی محبت کا احساس ہوا۔۔۔ بچپن میں باپ کے ساتھ یہاں چند بار آیا تھا۔۔۔ ماضی کے مٹے مٹے نقوش اس کے ذہن کے پردوں پر ابھر آئے تھے، لیکن وہ کشمکش اسے بے چین کئے رہتی تھی، جس کا تعلق دوہرے احساس سے تھا۔۔۔ ایک طرف عمر کی طلب اور دوسری طرف فرض کا احساس۔۔۔ نجانے کیا کیا سوچیں ذہن میں آتی رہتی تھیں۔۔۔ کام کی تکمیل تو خیر ہو ہی جائے گی۔۔۔ راستے آسان نہ ہوتے تو پھر مشکل راستوں کو اختیار کیا جائے

گا لیکن اس کے بعد رد عمل کے طور پر صنوبر کے دل پر کیا گزرے گی...... یہ تو پتہ چل جائے گا کہ علی نواز نے زمان ملنگی کو قتل کر دیا ہے اور اس قتل کی وجہ شاہ عالم تھا جس کی زمینیں زمان ملنگی نے ہتھیالی تھیں اور جسے اس نے اس کے بازو سے محروم کر دیا تھا، لیکن جب یہ بات عام ہوگی تو صنوبر پر کیا اثرات ہوں گے...... اسی طرح کشمکش میں وقت گزرتا رہا...... اب تو صنوبر کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، حالانکہ رات کی تنہائیوں میں وہ نجانے کیسی کیسی شکلیں اختیار کر کے اس کے سامنے آ جایا کرتی تھی۔

دوسری جانب زمان ملنگی اپنے عمل کا رد عمل بھی دیکھ رہا تھا...... معصوم بچی آج بھی اس کی نگاہوں میں وہ ننھا سا پھول تھی جسے پہلی بار دیکھ کر اس نے سینے سے لگایا تھا تو اس کے سارے وجود میں سکون کی لہریں دوڑ گئی تھیں...... وہ آج تک اس کے وجود کا سکون بنی ہوئی تھی اور زمان ملنگی اس بات سے انکار نہیں کرتا تھا کہ اس کی فطرت میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اس کی وجہ صنوبر ہی ہے...... اس نے ہر ہر طرح صنوبر پر نگاہ رکھی تھی، لیکن بیٹی نے باپ کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دیا تھا ...... اس کے بعد اس نے اپنی زبان سے کبھی علی نواز کا نام بھی نہیں لیا تھا...... کوئی لغزش نہیں ہوئی تھی، اس سے لیکن زمان ملنگی کی نگاہیں اس کے چہرے کا جائزہ ضرور لیتی رہتی تھیں اور اس بات سے وہ بے خبر نہیں تھا کہ صنوبر کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں...... ان آنکھوں میں بے خوابی جھلکتی ہے...... اس کے سارے وجود میں ایک کرب تڑپتا ہے اور اس کی یہ شکل و صورت زمان ملنگی کا دل ہلا دیتی تھی...... تب ایک دن اس نے پھر بیٹی سے پوچھا...... "کیا تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے...... اگر تم چاہو تو میں ڈاکٹر کو دکھا دوں؟"۔

"نہیں بابا میں ٹھیک ہوں"۔

"تو پھر یہ بتاؤ کہ تمہاری صحت کیوں خراب ہوتی جا رہی ہے؟"۔

"پتہ نہیں بابا میں تو خود نہیں جانتی ہاں بس نیند نہیں آتی، بہت کوشش کرتی ہوں لیکن سوتے سوتے جاگ جاتی ہوں اور پھر اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں...... شاید یہی وجہ ہے" زمان

ہی ایک سرد آہ بھر کر رہ گیا تھا، لیکن پھر ایک شام اس نے جب جھٹ پٹے فضاؤں میں اتر رہی تھی...... صنوبر کو حویلی سے نکلتے ہوئے دیکھا، اپنی ایک ساتھی لڑکی کو اس نے اپنے ہمراہ لے لیا تھا...... زمان ملنگی چونکہ ان دنوں صنوبر پر خصوصی نگاہ رکھتا تھا، اس لئے صنوبر کا یہ عمل اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکا...... اس نے خاموشی کے ساتھ صنوبر کا تعاقب کیا اور اسے خوبانیوں کے باغ کی جانب جاتے ہوئے دیکھا...... زمان ملنگی شدید احساسات کا شکار تھا اس کی آرزو تھی کہ وہ ایک بار، صرف ایک بار علی نواز کے انداز میں لغزش دیکھ لے تاکہ اسے سبق سکھانے کا جواز مل جائے...... وہ اپنی عدالت میں فرد جرم عائد کر سکے......

صنوبر خوبانیوں کے باغ میں داخل ہو گئی...... اس نے باغ کے کنارے اپنی دوست لڑکی کو چھوڑ دیا اور پھر اس چھوٹے سے گھر کی جانب چل پڑی جس میں علی نواز رہتا تھا...... زمان ملنگی ...ہا سے اس کا تعاقب کر رہا تھا...... اس کے لئے ہر طرح کے کام کرنے والے ہزاروں افراد موجود تھے، لیکن یہ کام ہی ایسا تھا کہ اسے خود آگے بڑھ کر کرنا پڑ رہا تھا...... گھر میں علی نواز موجود تھا...... وہ صنوبر کو دیکھ کر ششدر رہ گیا...... صنوبر نے کالی چادر اپنے چہرے سے اتاری اور آگے بڑھ کر علی نواز کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم نے مجھے پہچان تو لیا نا" علی نواز خاموش کھڑا ہوا تھا...... صنوبر پھر بولی۔

"اور میں نے آج وہ کام کیا ہے جو زندگی میں پہلے کبھی نہیں کیا ...... بابا جانی کبھی مجھے ...کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے، لیکن آج میں نے وہ سب کچھ کر لیا ہے جس کے لئے شاید میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی"۔

"آپ یہاں کیوں آئی ہیں آقا زادی؟"۔

"بس اصل میں میں تمہیں بھلانے کی کوششوں میں مصروف ہوں...... بہت دنوں سے یہ کوشش کر رہی ہوں لیکن مشکل ہو رہا ہے...... میرے لئے پھر میں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا...... وہ یہ کہ ایک بار تمہیں اور دیکھ لوں...... بس آخری بار دیکھ لوں تمہیں اس کے بعد کبھی میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی...... جانتے ہو کیوں؟"۔

علی نواز نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بولا۔

”میں نہیں جانتا“۔

”اصل میں بابا جانی نے مجھے بہت کچھ سمجھایا بجھایا ہے اور ان کی کچھ کچھ باتیں میری سمجھ میں آ ہی گئی ہیں..... اگر میں اس طرح تم سے ملوں اور تم سے اظہار محبت کروں تو بابا جانی کی عزت مجروح ہوتی ہے..... میں بہت دن تک سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں کہ اب اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگی سے علیحدہ کر دوں..... اس کے نتیجے میں بس میں مر جاؤں گی اور مرنا تو سب کو ہی ہوتا ہے..... کچھ لوگ پہلے مر جاتے ہیں..... کچھ بعد میں..... اب یہاں سے جاؤں گی نا تو پھر کبھی تمہارے پاس نہیں آؤں گی اور نہ ہی بابا جانی کو یہ بات بتاؤں گی کہ میں آہستہ آہستہ مر رہی ہوں، مگر مرنے سے پہلے ایک بار تم سے ملنا ضروری تھا“۔

علی نواز نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا..... وہ اپنی کیفیت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، جبکہ صنوبر کے الفاظ سن کر زمان ملنگی کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا..... بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے..... پھر وہ مزید کچھ سنے بغیر وہاں سے واپس پلٹ پڑا..... اس کے ہوش و حواس جواب دیتے جا رہے تھے..... یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو رہا ہے..... آہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہئے..... میرے گھر کے آنگن کا ایک ہی تو پھول ہے..... جس بچی کو میں نے اتنے ناز سے پالا تھا، اسے اس طرح موت کے حوالے کر دوں..... شدید کشمکش کا شکار تھا..... وہ صنوبر کو وہیں چھوڑ آیا تھا، لیکن سارے اعصاب شل ہو رہے تھے..... اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ بستر پر لیٹ گیا..... اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا..... ماضی جیسا بھی گزرا تھا۔

وہ ایک الگ بات تھی..... بستی خانہ خیل پر اس کا مکمل اقتدار تھا..... یہ اقتدار اس نے جس طرح حاصل کیا تھا، خود اس کے اپنے دل میں اس کا پورا پورا احساس تھا، لیکن وہ ماضی کی بات تھی..... وقت نے اسے بے شمار تجربے دیئے تھے..... بہت سوں کے گھر لوٹے تھے اس

ے لیکن اب اپنا گھر لٹ رہا تھا..... صنوبر کو میں اس طرح بے کسی کی موت نہیں مرنے دوں ہے، لیکن خانہ خیل کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ علی نواز اس کا غلام ہے..... ایک ادنیٰ غلام اور ایک ادنیٰ غلام اگر اس کے داماد کی حیثیت سے بستی خانہ خیل میں رہے گا تو وہ شرم سے منہ چھپانے کے قابل بھی نہیں رہے گا..... مر جانا ہو گا اسے..... فیصلہ یہ کرنا تھا کہ دونوں میں سے کس کو مرنا چاہئے..... صنوبر کو یا اسے؟ لیکن صنوبر کی موت کا تصور بھی اس کے اپنے لئے موت کے مترادف تھا..... میں خود لاکھ بار مر جاؤں گا لیکن صنوبر میری معصوم بچی نے ابھی دنیا میں کچھ بھی نہیں دیکھا..... آج شاید یہ سزا ہے میرے لئے..... گنہگار تو میں ہوں..... لاتعداد گناہ کئے ہیں اور یہ سزا تو ان گناہوں کا بدلہ ہے..... اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی ہے..... جذبات میں ڈوبنے کے بجائے فیصلہ کرنا ضروری ہے..... یہ فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟“ بہت مشکل کام تھا یہ اور بات بھی ایسی تھی کہ اس کے لئے کسی دوست سے مشورہ بھی نہیں لیا جا سکتا تھا..... عزت پر بن آئی تھی اور بہت غور و خوض کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو جائے..... صنوبر کو نہیں مرنے دے گا..... ترکیب ایسی ہونی چاہئے کہ اپنی عزت بھی بچ جائے اور صنوبر کی زندگی بھی..... کوئی ٹھوس فیصلہ تو اس کے لئے کرنا ممکن نہیں تھا..... بس جذباتی فیصلے ہی کئے جا سکتے تھے..... ایسے حالات میں سو اس نے کچھ فیصلے کئے اور رات گزر گئی..... صبح کو اس نے اپنے ایک خادم خاص کو اپنے پاس طلب کیا اور بولا۔

”تمہیں بستی سراہ جانا ہے..... سراہ بستی میں کوئی غلام خیر نامی شخص رہتا ہے..... اسے خاموشی سے میرے پاس لے آؤ“ خادم خاص ہدایات لے کر چل پڑا..... سفر کرتا رہا اور بالآخر بستی سراہ پہنچ گیا، جس کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور غلام خیر وہاں کے مشہور آدمیوں میں سے تھا..... پہلے ہی شخص سے غلام خیر کے گھر کا پتہ پوچھا تو اس نے خادم خاص کو لا کر غلام خیر کے سامنے کھڑا کر دیا..... قوی ہیکل معمر شخص نے نووارد کو دیکھا تو بولا۔

”کیا بات ہے؟ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟“۔

”ایک پیغام ہے تمہارے لئے“۔

"کیا......؟"۔

"خانہ خیل کے سردار زمان ملنگی نے تمہیں طلب کیا ہے" غلام خیر کے چہرے پر لاتعداد رنگ آکر گزر گئے...... اسے ہر بات کا علم تھا، یعنی یہ کہ علی نواز نے جس مقصد کے لئے تربیت پائی ہے، اب وہ اس کی تکمیل میں مصروف ہے...... خادم خاص سے اس نے بہت سے سوال کئے...... اس نے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا...... بس میرے آقا کا یہ حکم تھا سو میں اس کی تکمیل کے لئے چلا آیا تھا...... بھلا مالکوں کے معاملات خادم کیسے جان سکتے ہیں؟"۔

❀ ❀ ❀

غلام خیر کو زمان ملنگی کی خلوت میں پیش کر دیا گیا...... زمان ملنگی اس کے ساتھ کمال مہربانی سے پیش آیا...... اس نے غلام خیر کو عزت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور بولا۔

"بستی سراہ میں تم کب سے رہتے ہو؟"۔

"وہیں پیدا ہوا وہیں زندگی گزاری"۔

"علی نواز تمہارا کون ہے؟" غلام خیر کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا لیکن سمجھدار آدمی تھا...... گردن جھکا کر نرم لہجے میں بولا۔

"میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں لیکن وہ مجھے چچا کہتا ہے"۔

"ماں...... باپ کون ہیں اس کے؟"۔

"میرے دوست تھے...... لیکن نہ جانے کہاں گم ہو گئے اپنے بچے کو میرے پاس چھوڑ کر اور یہ بات اس وقت کی ہے جب علی نواز بہت ننھا سا تھا...... چار پانچ سال عمر ہو گی اس کی یا شاید چھ سال ہو!"۔

"کیا مطلب؟" زمان ملنگی نے سوال کیا تھا۔

"بات ایسی ہی ہے...... ایک عجیب سی کہانی! میں دوست اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مسلمان تھے...... صاحب عزت تھے...... نجانے کیسے حالات کا شکار تھے...... کسی اور بستی سے میں بستی سراہ جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے ملے...... ایک عورت تھی اور ایک مرد...... یہ بچہ ان کے ساتھ تھا...... دونوں عجیب سے کرب کا شکار تھے...... راستے میں رات ہو گئی تھی......

میں نے ان سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتے...... بس یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ مشکل کا شکار ہیں...... رات کو ایک جگہ ہم نے قیام کیا اور اس کے بعد جب صبح کو میں جاگا تو یہ بچہ وہیں سو رہا تھا اور وہ دونوں غائب تھے...... ایک ننھے سے معصوم بچے کو میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا...... میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور ہر اس ممکن جگہ انہیں تلاش کیا جہاں کسی انسان کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا، لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ آسمان کی وسعتوں میں گم ہو گئے ہیں اور اس کے بعد میرے لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اس بچے کو اپنی تحویل میں رکھوں...... سو، اس نے بستی سراہ میں ہی تربیت پائی ہے اور اب اپنے مستقبل کی تلاش میں نکلا ہے لیکن جناب۔

"نہیں تم صرف وہ بات کرو جو میں چاہوں" زمان ملنگی نے ہاتھ اٹھا کر سرد لہجے میں کہا۔

"جی عالی وقار" غلام خیر نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"دیکھو غلام خیر جو کچھ بھی ہوا ہے جیسے بھی ہوا ہے میں تم جیسے لوگوں کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتا، لیکن کبھی کبھی مجبوریاں کیا کیا نہیں کروا دیتیں! جو کچھ میں کہنے جا رہا ہوں...... ان الفاظ کی حفاظت اپنی زندگی سمجھو کیونکہ اس کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہوگا...... تمہارے لئے...... شاید میرا نام تم جانتے ہو"۔

"عالی وقار کا نام کون نہیں جانتا...... حویلی خانہ خیل کے دور دور تک کے علاقے عالی مرتبت کے نام سے گونجتے ہیں"۔

"مگر تقدیر نے ہمیں شکست دی ہے غلام خیر...... ہم تقدیر کے شکار ہو گئے ہیں......" الفاظ کہہ رہے ہیں ہم تم سے جنہیں اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے ایک باپ کو ڈوب مرنا چاہئے...... ہم زندہ درگور ہو گئے ہیں...... جو فیصلہ ہم نے کیا ہے...... وہ ہماری موت کے مترادف ہے، لیکن بعض فیصلے موت کو دیکھتے ہوئے بھی کرنے پڑتے ہیں...... ہماری ایک بیٹی ہے...... صنوبر ہے اس کا نام...... اکلوتی بیٹی ہے وہ...... اور کوئی نہیں ہے ہمارا...... یوں سمجھو ہماری زندگی اس میں ہے اور تمہارا وہ بدبخت لے پالک ہمارے لئے عذابِ جاں بن گیا

صنوبر اس سے محبت کرنے لگی ہے...... وہ بھی اسے چاہتا ہے حالانکہ وہ جو کچھ ہے تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی...... غلام خیر! ہم اپنی بیٹی کی زندگی چاہتے ہیں لیکن اس طرح نہیں کہ خانہ خیل اور اس کے اطراف میں ہمارا مذاق اُڑایا جائے...... ہم تمہیں ایک ذمہ داری سونپنا چاہتے ہیں اور یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ہم سے دغابازی نہ صرف تمہیں بلکہ ہر اس شخص کو فنا کردے گی جس نے کبھی زندگی میں تمہیں سلام بھی کیا ہوگا...... اس بات کو گرہ میں باندھ کر رکھنا، تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم علی نواز اور صنوبر کو یہاں سے لے کر شہر چلے جاؤ...... ہم تمہیں شہر میں کچھ پتہ بتائے دیتے ہیں...... تمہیں وہاں جانا ہے...... ایک خوبصورت مکان تمہاری ملکیت ہوگا اور دنیا کی ہر شے تمہیں وہاں مل جائے گی...... یہ تمہاری ذمہ داری ہوگی کہ وہاں پہنچ کر تم ان دونوں کا نکاح کرا دو اور اس کے بعد وہاں فروکش ہو جاؤ...... دولت کی کوئی کمی نہیں ہوگی تمہارے لئے، لیکن خاموشی کے ساتھ وہاں زندگی بسر کرنا...... کبھی کسی سے یہ تعارف نہ کرانا کہ صنوبر کس کی بیٹی ہے...... ہم مناسب وقت پر خود تم سے ملاقات کریں گے...... ہم اتنا کچھ دے جا رہے ہیں تمہیں کہ تمہاری اور ان بچوں کی زندگی بڑے عیش و آرام سے گزرے گی، لیکن ذہن میں رکھنا کہ جو ہدایات ہم نے دی ہیں ان میں سے ایک سے بھی انحراف نہ ہو...... سمجھ رہے ہو تم؟"۔

غلام خیر کی آنکھیں اور منہ حیرت سے پھٹے ہوئے تھے...... انوکھی سی بات سنی تھی اس نے...... ایسی بات جس کا کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا...... کیا ہی عجیب کھیل تھا...... ناقابل یقین...... یہ کیا ہو گیا علی نواز؟ تو زمان ملنگی کو زندگی سے محروم کرنے آیا تھا اور یہاں آکر اس کی بیٹی کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور اس کے بعد زمان ملنگی یہ قدم اُٹھانے پر مجبور ہو گیا...... کچھ لمحے اس پر سکتہ طاری رہا، لیکن اس کے بعد اس کے دل میں قہقہوں کا سیلاب موجزن ہو گیا...... اس وقت وہ نہ اپنے جذبوں کا اظہار کر سکتا تھا نہ احساسات کا...... وہ جانتا تھا کہ ایک زہریلا ناگ زخمی ہو گیا ہے...... اس کے پھن پر دشمن کا پاؤں آ پڑا ہے...... اور اس کی پھنکاریں اور درد و کرب میں ڈوبی ہوئی ہیں...... ایک جملے کا اُلٹ پھیر اسے مشتعل کر دے گا اور

اس کا زہر برداشت کرنا پڑے گا...... اپنے جذبات کو چھپانے کے لئے اس نے چہرہ چھپالیا تھا...... زمان ملنگی آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

"دل کا ٹکڑا تمہیں سونپ رہے ہیں ہم...... زمان ملنگی نے ساری عمر سر اُٹھا کر زندگی گزاری ہے...... اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس کا سر کبھی اس طرح جھک جائے گا، لیکن ہوتا ہے یوں بھی ہوتا ہے...... بہت بڑا مقام ملا ہے تمہیں غلام خیر...... بہت بڑا انعام ملا ہے...... تصور بھی نہیں کر سکتے تھے تم، لیکن قدرت جب کسی کو دینے پر آتی ہے تو اسی طرح دے دیتی ہے...... سنو! میرا ایک ایک لفظ گرہ میں باندھو...... خبردار اس میں کوئی فرق نہ آئے...... میں ہمیشہ حکم دیتا رہا ہوں اور اس وقت بھی تمہیں جو حکم دے رہا ہوں...... تمہیں اسی کے مطابق عمل کرنا ہے...... میرے حکم سے منحرف ہونے والے زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں...... میں تمہیں تمام تفصیلات بتا رہا ہوں...... انہیں ذہن نشین کرلو اور اس کے بعد خاموشی سے یہاں کچھ وقت قیام کرو...... تمہیں بالکل خاموشی کے ساتھ علی نواز سے ملنا ہے...... اس سے بس اتنا کہو کہ اسے تمہارے ساتھ جانا ہے...... کوئی اور بھی ساتھ ہوگا لیکن یہ تم نہیں جانتے کہ کون ساتھ ہوگا...... پھر یہاں سے خاموشی کے ساتھ رات کی تاریکیوں میں نکل جاؤ اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہی کرو...... خبردار تم سراہ کا رخ بھی نہیں کرو گے، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو علم ہو سکے"۔

"میں خادم ہوں حکم کی تعمیل سے کبھی انحراف نہیں کروں گا"۔

پھر زمان ملنگی غلام خیر کو آگے کی تفصیلات بتاتا رہا کہ اسے کس طرح اور کیا کرنا ہے...... اس کے بعد اس نے خاموشی سے غلام خیر کو ایک کمرے میں منتقل کر دیا اور رات کی تاریکی میں وہ غلام خیر کو اپنے ساتھ ہی لے کر نکلا...... وہ ایسا کوئی موقع کسی کو نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کی بے عزتی کی کہانی کسی اور کے کانوں تک جائے...... خوبانیوں کے باغ کے سرے پر رک کر اس نے غلام خیر کو بتایا کہ علی نواز کہاں رہتا ہے اور پھر غلام خیر کو وہاں جانے کی اجازت دے دی۔

غلام خیر کے پورے وجود میں اینٹھن ہو رہی تھی جو کچھ اس نے سوچا تھا...... شاید دادا سے نہ سوچ پاتے اور اس سے انحراف کرتے لیکن غلام خیر جہاندیدہ تھا...... وہ چاہتا تھا کہ اس وقت وہی کرتا اب سے زیادہ منافع بخش ہے جو زمان ملنگی کہہ رہا ہے...... ویسے یہ ذہانت کی بات تھی کہ علی نواز نے ابھی تک اپنی شخصیت کو چھپائے رکھا تھا اور زمان ملنگی یہ نہیں جانتا تھا کہ علی نواز کون ہے۔

علی نواز نے اچانک ہی غلام خیر کو اپنے سامنے دیکھا تو حیرت اور مسرت سے اسے دیکھتا رہ گیا...... غلام خیر کے ساتھ اس نے پوری زندگی گزاری تھی...... اپنے باپ اور بھائیوں سے بھی اس کی اس قدر شناسائی نہیں تھی جتنی غلام خیر سے...... غلام خیر نے اسے سینے سے لگا لیا...... آواز علی نواز نے پوچھا۔

"اچانک اس طرح!"۔

"ہاں کچھ کام تھا تم سے...... سو ملنے چلا آیا...... کچھ ضرورت ہے اور تمہیں میرے ساتھ کہیں چلنا ہے"۔

"کہاں؟"۔

"کیا یہ سوال تمہیں زیب دیتا ہے؟ کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں؟"۔

"نہیں چچا جان ایسی کوئی بات نہیں...... میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا...... جو ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے بس اس کی تکمیل"۔

"اس تکمیل میں تم تنہا نہیں ہو...... میں بھی تمہارے ساتھ ہوں"۔

"آپ تو ابتداء ہی سے میرے ساتھ ہیں لیکن"۔

"نہیں باقی ساری باتیں راستے میں ہوں گی...... اس وقت جب ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"۔

"ہمیں کب روانہ ہونا ہے؟"۔

"کل رات خاموشی سے ہمیں ایک مقام پر پہنچنا ہے"۔

"جیسا آپ کا حکم لیکن کیا اس کے لئے زمان ملنگی کو اطلاع دینا ضروری ہوگا..... جیسا کہ آپ کو معلوم ہے چچا جان کہ میں"۔

"ہاں مجھے سب کچھ معلوم ہے..... کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں..... یہ بھی نہیں بتانا ہے تمہیں کہ تم کہیں جا رہے ہو"۔

"ٹھیک ہے باقی سارے معاملات بھی آپ ہی سنبھالیں گے" علی نواز نے کہا اور جب غلام خیر نے اسے واپسی کے لئے کہا تو وہ بولا۔

"نہیں..... آپ کہاں جائیں گے؟ کیا یہاں اور کوئی بھی آپ کا شناسا ہے؟"۔

"ہاں ہے اور مجھے جانا ہے بس جتنا میں نے تمہیں بتایا..... تمہیں اتنا ہی کرنا ہے"۔

"ٹھیک ہے" علی نواز نے کہا اور اس کے بعد غلام خیر وہاں سے واپس چل پڑا اور یہ خوش بختی تھی اس کی کہ ایسی اور کوئی بات نہیں ہوئی تھی جس سے علی نواز کی شخصیت پر روشنی پڑتی کیونکہ زمان ملنگی نے چھپ کر ان دونوں کی گفتگو سنی تھی..... پھر اس کے بعد زمان ملنگی نے اسے اس کمرے میں قید کر دیا..... وہ اپنی عزت کا ہر طرح تحفظ چاہتا تھا، جو فیصلہ اس نے کیا تھا، اس میں اپنی بیوی کو بھی شامل نہیں کیا تھا..... بس دل کے ٹکڑے کو خاموشی سے غیروں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا..... جب دوسری شام وہ اپنی تیاریاں مکمل کر چکا تو اس نے صنوبر سے ملاقات کی اور خود اس کے کمرے میں پہنچا..... صنوبر مسہری سے کمر لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی..... باپ کی آمد کی خبر بھی نہ ہو سکی اسے اور زمان ملنگی اسے دیکھتا رہا..... اس کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی، لیکن پھر اس نے اپنے دل کو تقویت دی اور ہلکی سی آواز حلق سے نکال کر صنوبر کو چونکا دیا..... صنوبر نے جلدی سے پاؤں سکوڑے اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"بابا جانی آپ..... آپ کیسے آگئے میرے کمرے میں؟"۔

زمان ملنگی نے بہ مشکل تمام ہونٹوں پر مسکراہٹ پیدا کی اور بولا: "یہ دیکھنے کہ ہماری بیٹی کس حال میں ہے"۔

"میں ٹھیک ہوں بابا جانی"۔

"اور یہ بھی وعدہ تھا میرے اور تمہارے درمیان کہ بابا جانی سے کبھی جھوٹ نہیں بولو گی"۔

"میں نے کوئی جھوٹ بولا ہے بابا جانی؟"۔

"ہاں تم کہہ رہی ہو کہ تم ٹھیک ہو"۔

"بابا جانی! اصل میں صحیح طور پر یہ اندازہ نہیں لگا پا رہی کہ میں ٹھیک ہوں یا نہیں..... بس کبھی کبھی چکر آ جاتا ہے باقی اور کوئی بات نہیں ہے"۔

"نیند آتی ہے؟"۔

"تھوڑی تھوڑی..... پوری طرح نہیں سو پاتی..... اصل میں مجھے برے خیالات گھیر لیتے ہیں..... خواب نظر آتے ہیں"۔

"کیا دیکھتی ہو ان خوابوں میں"۔

"شاید آپ کو نہ بتا سکوں..... وہ باتیں دیکھتی ہوں جن کے لئے آپ نے مجھے منع کیا ہے"۔

"ہوں..... بیٹے ہم نے تمہارے لئے بندوبست کیا ہے، ایک ایسے حکیم کا بندوبست جو تمہاری صحت بالکل ٹھیک کر دے گا"۔

"ٹھیک ہے بابا جانی..... آپ نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے"۔

"مگر ایک مشکل ہے ہمارے لئے"۔

"کیا بابا جانی؟"۔

"تمہیں علاج کے لئے یہاں سے کہیں اور بھیجنا پڑے گا اور ایک طویل عرصہ ہمارے درمیان جدائی رہے گی"۔

"آپ نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے انکار کیسے کر سکتی ہوں..... لیکن یہ ضروری نہیں تھا..... تھوڑے دن کے بعد میں خود بخود ٹھیک ہو جاتی"۔

"ضروری تھا بیٹے!"۔

"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ضروری تھا بابا جانی تو پھر میرے لئے انکار کی کیا گنجائش ہے"۔

"ہوں" وہ بہت دیر تک بیٹی کے ساتھ بیٹھا رہا...... اندر کی کیفیت جو کچھ تھی اس کا دل ہی جانتا تھا، لیکن بہرحال وقت مقررہ پر اس نے صنوبر سے تیار ہونے کے لئے کہا اور پھر اسے ساتھ لے کر وہاں سے خاموشی کے ساتھ باہر نکل آیا...... اس نے کہا۔

"تمہیں یہ فاصلہ پیدل ہی طے کرنا ہوگا...... بیٹے آج تک میں نے تمہیں پالکی کے بغیر گھر سے نہیں نکالا، لیکن تم نے خود ہی اس کا آغاز کیا تھا"۔

"میں نے بابا جانی؟"۔

"ہاں پالکی کے بغیر تم خوبانی باغ تک گئیں"۔

"بابا جانی آپ کو وہ بات ناگوار گزری؟"۔

"نہیں بیٹے مجھے تو ناگوار نہیں گزری لیکن شاید تمہاری تقدیر کو ناگوار گزری...... تم نے تقدیر سے انحراف کرنے کی کوشش کی تھی"۔

"بہت گہری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں بابا جانی...... پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں اور مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"۔

"تھوڑا سا فاصلہ طے کرنا ہے رات کی ان تاریکیوں میں اس کے بعد میں تمہیں دو افراد کے پاس پہنچاؤں گا...... وہ تمہیں ساتھ لے کر جائیں گے...... ان میں سے ایک شخص کا نام غلام خیر ہے...... یوں سمجھ لو میرے لئے وہ شخص بڑی اہمیت رکھتا ہے اور میں تمہیں اس کے حوالے کر رہا ہوں...... تم یوں سمجھنا میری غیر موجودگی میں کہ جو کچھ میں ہوں تمہارے لئے میرے بعد وہ ہوگا...... تمہیں اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے اور بس ایک طویل عرصہ تک میرے اور تمہارے درمیان جدائی رہے گی...... تمہیں ساری چیزیں گوارا کرنا ہوں گی"۔

"مگر بابا جانی میرا گھر آپ سب" صنوبر نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ سب کچھ تمہیں برداشت کرنا ہوگا"۔

میں آپ سے دور کیسے رہ سکوں گی"۔
"بابا جانی......

"جب میں تمہارے پاس آؤں گا تو تم مجھے بتانا کہ مجھ سے دوری تمہیں کیسی لگی، بعد میں اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا"۔

"نہیں بابا جانی...... ایسے نہ بھیجیں مجھے...... میں تو بیمار بھی نہیں ہوں...... یہ تو صرف آپ کا خیال ہے کہ میں بیمار ہوں اور...... اور"۔

"جو فیصلہ میں نے کر لیا ہے تمہارے حق میں بھی بہتر ہے اور میرے حق میں بھی...... بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہوں گا" فاصلے عبور کرنے کے بعد جب وہ ندی کے اس پار ایک گھنے درخت کے نیچے پہنچے تو رات کی تاریکی میں انہیں دو سائے چند گھوڑوں کے ساتھ نظر آئے اور قریب پہنچ کر صنوبر نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا اور پہچان کر ششدر رہ گئی...... دل بری طرح دھڑکا...... محبت کے سوتے کھل گئے...... تاریکی میں بھی اس کا چہرہ روشن تھا...... ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت اُبھر آئی لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا اور باپ کی بات سنی جو غلام خیر سے کہہ رہا تھا۔

"اس نے کبھی گھوڑے کی پشت پر سفر نہیں کیا، لیکن مجبوری ہے غلام خیر اور اب اس کی تمام تر ذمہ داری میں تمہیں سونپ رہا ہوں...... یہ نہ سمجھنا کہ خانہ خیل سے نکلنے کے بعد تم پر سے زمان ملنگی کے احسانات ختم ہو گئے...... زمان ملنگی کی نگاہیں ہر لمحہ تمہارا تعاقب کریں گی...... میری ہدایت کے مطابق یہ سفر کرنا اور میری ہدایت کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنا"۔

غلام خیر نے احترام سے گردن جھکا دی تھی، جبکہ علی نواز پر سحر طاری تھا...... نہ جانے کیسے کیسے الفاظ کے ساتھ زمان ملنگی نے ان دونوں کو صنوبر کے ساتھ رخصت کیا...... غلام خیر نے احترام کے ساتھ صنوبر کو گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے بعد خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا، جبکہ دوسرے گھوڑے پر علی نواز سوار تھا...... پھر زمان ملنگی اس وقت تک تاریکی میں گھورتا رہا جب تک کہ اس کا تصور ان گھوڑوں کو نہ دیکھتا رہا...... اس کے بعد وہ گردن جھکا کر واپس پلٹ پڑا اور بقیہ راستہ اس نے اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہوئے طے کیا جن کی پاداش میں آج

اسے اپنی زندگی کا انمول ہیرا اس طرح رخصت کرنا پڑا تھا...... اپنے کئے پر وہ نہ تو پچھتا رہا تھا نہ نادم تھا...... دو ہی صورتیں تھیں یا تو اپنی عزت بچانے کے لئے بیٹی کو گھل گھل کر مر جانے دیتا یا بیٹی کی زندگی بچانے کے لئے عزت کو داؤ پر لگا دیتا...... اس نے اپنی کمزوری کو محسوس کیا اور دوسری صورت پر عمل کیا تھا...... اور علی نواز اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جو کچھ اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ہے، وہ حقیقت ہے...... ویسے بھی خوابوں میں زندگی گزارنے کا عادی نہیں تھا...... ہر چیز کو ہوش کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور یہ لمحات عالم ہوش ہی میں گزرے تھے کہ ایک گھوڑے پر غلام خیر اور اس کی زندگی کا حاصل سوار تھے اور دوسرے پر وہ...... آگے کے معاملات تو وہ بالکل نہیں جانتا تھا...... اور یہ حقیقت تھی کہ غلام خیر نے بستی سراو کی جانب رخ نہیں کیا...... سراو میں تو بچہ بچہ اس کا شناسا تھا...... علی نواز نے بھی وہیں زندگی گزاری تھی...... سراو کے لوگ صنوبر کو دیکھ کر چونکتے اور اس کے بعد کہیں نہ کہیں سے یہ کہانی منظر عام پر آجاتی اور زمان منگی کو اس کا علم ہو جاتا...... پھر باقی سارے معاملات بھی طے ہوئے...... ریل کا سفر صنوبر کے لئے بہت اجنبی تھا...... ویسے تو سارا ماحول ہی اجنبی محسوس ہو رہا تھا...... سوائے علی نواز کے...... وہ خود بھی علی نواز کی قربت کو عجیب سے انداز میں محسوس کر رہی تھی...... دوران سفر اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"مجھے کس خاص حکیم کو دکھانے کے لئے لے جا رہے ہو تم لوگ؟"۔

"کیا کہا ہے تمہارے بابا نے تم سے؟"۔

"وہ کہتے تھے میں بیمار ہوں اور وہ مجھے علاج کے لئے کہیں بھیجنا چاہتے ہیں، لیکن بعد میں انہوں نے عجیب عجیب باتیں کیں اور یہ چاچا غلام خیر ان کے بارے میں کہا ہے کہ میں ان کی ہر بات پر عمل کروں"۔

"ٹھیک ہے تو ان کی ہر بات پر عمل کرو"۔

"جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں کیا تم بھی میرے ساتھ ہو گے؟"

مجھے بھی یہ بتایا گیا ہے"۔

"ہاں...... بابا جانی نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا"۔

"بابا جانی...... منزل پر پہنچنے کے بعد تمہیں بھی پتہ چلے گا اور مجھے بھی...... میں خود کچھ سمجھ نہیں

پہنچ کر" منزل جس کی نشان دہی مفصل طور سے غلام خیر کو کر دی گئی تھی...... ایک چھوٹا خوبصورت سا مکان تھا...... زندگی کی ہر آسائش سے آراستہ...... اس کی چابی غلام خیر کو دیدی گئی تھی...... زمان منگی نے ماضی میں کیا کیا کچھ کیا تھا...... اس کی تفصیل تو شاید کسی کو بھی نہ ہو...... اس مکان کی تفصیل کا بھی کوئی صحیح طور پر اندازہ نہیں ہوتا تھا، لیکن یہ تو لازمی تھی کہ وہ زمان منگی ہی کی ملکیت تھا...... صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ایک طویل عرصے سے استعمال نہیں کیا گیا...... غلام خیر کی پراسرار شخصیت اس وقت ان دونوں کے لئے معمہ بنی ہوئی تھی...... تب غلام خیر نے مکان میں آنے کے بعد کہا۔

"یہ ایک خوبصورت جگہ ہے اور اب تمہارے لئے انتہائی مناسب اور موثر"۔

"تو کیا ہمیں یہاں رہنا ہو گا چاچا غلام خیر"۔

"تھوڑا سا وقت" غلام خیر نے معصوم صنوبر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یہاں حکیم کہاں ہیں؟"۔

"حکیم بھی آ جائیں گے بیٹے! فی الحال میں تمہارے لئے ایک کمرہ صاف کروائے دیتا ہوں...... آؤ علی نواز!" غلام خیر نے کہا اور آگے بڑھ گیا...... کمرہ صاف ستھرا ہی تھا...... بس تھوڑی تھوڑی بہت جھاڑ پونچھ کرنی تھی جس میں صنوبر بھی خوشی سے شامل ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے تو میں اپنی بستی اور بابا جانی کو چھوڑ کر یہاں آئی ہوں لیکن علی نواز کی یہاں موجودگی سے مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے اور نہ جانے کیوں میرے دل کو یہ اطمینان ہے کہ میں تنہا نہیں ہوں" معصوم لڑکی کے ان الفاظ نے غلام خیر کو بہت متاثر کیا...... اس نے

نرم لہجے میں کہا۔

"ہاں بیٹی...... یہاں تم تنہا نہیں ہو...... میں تمہارا چاچا غلام خیر تمہارے ساتھ ہوں...... علی نواز تمہارے ساتھ ہے اور بھی کچھ لوگوں سے تمہاری ملاقات ہوگی...... وہ سب تمہارے اپنے ہیں...... اب تم یہاں آرام کرو...... ہم ذرا دوسرے کمروں کو دیکھ لیں"۔

"میں بھی اگر ساتھ دوں تو کیا حرج ہے"۔

"بیٹے تم تھوڑی دیر یہاں آرام کرلو سفر کی تھکن دور ہو جائے گی"۔

"آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے" پھر غلام خیر علی نواز کو لے کر اتنے فاصلے پر آگیا کہ ان کی باتوں کو کسی کے سننے کا امکان نہ رہے...... تب غلام خیر نے کہا۔

"علی نواز...... اب وقت ملا ہے کہ میں تم سے ذرا کچھ اور تفصیلی گفتگو کروں...... میرے سوالوں کے صحیح جواب دینا...... میں تمہارا استاد بھی ہوں...... بچپن سے تمہاری خدمت بھی کی ہے...... تمہارے باپ کا دوست بھی ہوں اور تم مجھے چچا بھی کہتے ہو، چنانچہ مجھ سے جو بھی کہو، غلط نہ کہنا"۔

"جی چاچا جان" علی نواز نے کہا۔

"تم ایک مقصد لے کر بستی خانہ خیل میں گئے تھے، اس کے لئے تم نے کیا کیا؟"۔

"اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا...... میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور آپ پر بھی فرض ہے کہ میرے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو سچ جانیں"۔

"ہاں یہ میرا وعدہ ہے"۔

میں اپنے باپ پر ہونے والے ظلم سے نفرت کرتا تھا اور نفرت کرتا ہوں اور میں خلوص دل سے یہ مقصد لے کر وہاں گیا تھا کہ بالآخر زمان ملنگی کو قتل کردوں گا...... اور اپنے باپ کی خواہش کی تکمیل کروں گا...... اس کام میں تقدیر نے میری مدد کی اور میں زمان ملنگی کی حویلی تک پہنچ گیا، لیکن پھر شکار کے دوران زمان ملنگی کی بیٹی میرے سامنے آئی اور چچا جان میرے دل میں اس کے لئے ایک مقام پیدا ہوگیا...... میں مشکل میں گرفتار ہوگیا کہ

جس لڑکی کو میں زندگی سے زیادہ چاہنے لگا ہوں...... اس کے باپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا...... فرض اور اپنی پسند کے احساس میں کشمکش ہوئی اور میں انتہائی کوشش کر کے فرض کو اپنے ذہن پر طاری کرتا رہا...... بارہا ایسے مواقع آئے، جب میں زمان ملنگی کو قتل کر سکتا تھا، لیکن اس کی بیٹی کے پیار نے میرے ہاتھ روک دیئے...... تاہم اس کشمکش میں میرا آخری فیصلہ یہی ہوتا کہ اپنے باپ کی خواہش کی تکمیل کروں لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا...... آپ مجھے کچھ بتائے بغیر یہاں لے آئے ہیں اور اب میں اس بات کا خواہش مند ہوں کہ مجھے حقیقتوں سے مکمل طور پر آگاہ کردیا جائے...... میں سخت الجھن کا شکار ہوں"۔

"گویا تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ تم اس لڑکی سے بے پناہ محبت کرتے ہو؟"۔

"جھوٹ نہیں بولوں گا آپ سے"۔

"اور اگر اس لڑکی کو تمہاری زندگی میں شامل کردیا جائے تو"۔

"یہ ممکن نہیں"۔

"اگر میں یہ کرسکوں تو"۔

"اس کا جواب اتنا آسان نہیں میرے لئے"۔

"لیکن میرا فیصلہ یہی ہے کہ اب میں اس لڑکی کو تمہاری زندگی میں شامل کردوں" اس سے تمہارا نکاح کردوں...... غلام خیر کے ان الفاظ کو علی نواز نے بہت حیرت سے سنا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"چچا جان یہ کیسے ممکن ہے؟"۔

"یہ ممکن ہو چکا ہے اور اس بات کو زمان ملنگی بھی جانتا ہے...... میں مختصر الفاظ میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں" غلام خیر نے وہ تمام باتیں علی نواز کو بتادیں جو اس دوران پیش آئی تھیں اور زمان ملنگی نے کس طرح اسے اس بات کے لئے آمادہ کیا تھا...... یہ تمام باتیں سن کر علی نواز سکتے میں رہ گیا...... بہت دیر تک تو اس کے منہ سے کوئی لفظ ہی نہ نکل سکا پھر اس نے کہا۔

"یہ تصور بہت دلکش ہے اور یہ الفاظ بے حد دل نشیں لیکن ان میں میرے باپ کی آرزوؤں کا خون ہے اور میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میرے دل کے تقاضے اپنی جگہ لیکن میں اپنے ایک ہاتھ سے معذور باپ کی ان حسرتوں کا خون نہیں کروں گا جن کے درمیان اس نے زندگی گزاری ہے"۔

"... میں تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں جسے شاید تم چند الفاظ میں نہ سمجھ سکو لیکن اب سمجھ لو تو خوشی سے دیوانے ہو جاؤ تو کیسا رہے گا" غلام خیر مسکرا کر بولا۔

"کیا بات؟"۔

"اگر تم زمان ملنگی کو قتل کر دیتے تو وہ مر جاتا اور اپنے احساس شکست سے دور ہو جاتا...... پھر کوئی یہ نہ جان پاتا کہ اپنی موت کے بعد غلام ملنگی کے احساسات کیا رہے، لیکن کیا ایک ایسا انتقام جو انسان کو ہر لمحہ قتل کر دے...... زیادہ شدید نہیں...... ابھی تو زمان ملنگی کو کچھ بھی نہیں معلوم...... وہ یہ نہیں جانتا کہ تم کون ہو...... جب اسے اس بات کا علم ہو گا کہ اس کے دشمن کا بیٹا اب اس کا داماد ہے تو تم خود سوچو! کیا کیفیت ہو گی اس کی...... اپنی بٹی کو اپنے دشمن کے بیٹے کی تحویل میں دیکھ کر اس پر کیا قہر ٹوٹے گا...... کیا تمہیں اس کا اندازہ ہے؟ کیا اس کے بدن کی موت سے زیادہ اس کے غرور کی موت دلکش نہیں" علی نواز پریشان نگاہوں سے اپنے استاد کو دیکھنے لگا...... انوکھی سی بات کہی تھی اس نے...... ایک طرف دل کی گہرائیوں سے یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ زندگی گزارنا اس کا بھی حق ہے...... اپنی پسند کو حاصل کر لینا اس کی آرزو بھی ہے تو دوسری طرف اس باپ کا چہرہ نگاہوں کے سامنے تھا جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس آرزو میں گزارا تھا...... فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا...... غلام خیر اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"ہر چند کہ میں نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے اور بات یہاں تک پہنچ گئی ہے، لیکن پھر بھی میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ خود تمہارا اپنا فیصلہ کیا ہے"۔

"میرا فیصلہ کچھ بھی نہیں ہے چچا جان...... میں تو بس یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا یہ سب

اسی طرح آسانی سے ہو جائے گا؟"۔

"ہو جائے گا نہیں ہو گیا ہے"...... میں تم دونوں کا نکاح کراتا ہوں اور بس اس کے بعد رخصت کرنے کے لئے نکلنے ہی والا ہوں...... دیر کرنا مناسب نہیں ہو گا۔

"لیکن" علی نواز نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں"۔

"لیکن چچا جان... یہ حق تو میرے باپ کو ہے...... آپ ... میرے ... ہو گا میرے باپ ... میں"۔

"ہونہہ...... واقعی، یہ حق تمہارے باپ کو ہے تو پھر ذرا مجھے ایک بات بتا دو...... میں کون ہوں؟ جواب چاہئے مجھے علی نواز...... میں کیا ہوں...... میرا تعین کرو"۔

"آپ چچا جان"۔

"نہیں...... میرا تمہارا خون کا کوئی رشتہ نہیں...... شاہ عالم بس میرا دوست تھا...... میں تو اس بستی کا بھی نہیں ہوں جہاں تم لوگ رہتے تھے، لیکن شاہ عالم سے دوستی تھی...... اپنی زندگی پرسکون گزار رہا تھا میں کہ شاہ عالم میرے پاس تمہیں لے کر آیا...... اس نے مجھ سے ایک فرمائش کی اور میں نے تمہیں اپنی آغوش میں بھر لیا اور اس کے بعد میرا کہنا بے کار ہے اگر جذبات دل میں رکھتے ہو...... اگر عقل ساتھ دیتی ہے تو اندازہ لگا لو ماضی میں کھو کر کہ میں نے تمہارے لئے کیا کچھ کیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں کوئی کسی کے لئے کچھ بھی کر لے...... اس کے پاس اس کا کوئی صلہ نہیں ہوتا اور جب پاؤں مضبوط ہو جاتے ہیں، بازو فولاد ہو جاتے ہیں تو باقی باتیں بھلا دینے کے لئے ہوتی ہیں"۔

"نہیں چچا جان...... ایسی بات نہیں ہے"۔

"ایسی بات ہے...... تم اس کا اظہار کر رہے ہو...... سارے حقوق تمہارے باپ کو ہیں۔ اس باپ کو جو تمہیں ایک کمزور وجود کی شکل میں میرے پاس چھوڑ گیا تھا...... ایک آرزو کے ساتھ اور میں نے اس کی آرزو کی تکمیل کی...... سب کچھ ایسے نہیں ہو جاتا علی

نواز...... آنے والے وقت میں تم بھی عملی زندگی میں داخل ہو گے اور اس کے بعد تمہیں ان باتوں کا احساس ہو گا کہ کسی کی اولاد کی پرورش کر کے کسی کی اولاد کو اپنے سینے پر سلا کر انسان کو کیا کیا کچھ کرنا پڑتا ہے...... ٹھیک ہے...... تم ٹھیک کہتے ہو اور میرا خیال ہے اب یہاں سے میرا کردار ختم ہو جانا چاہئے، جہاں تک بات اس لڑکی کی ہے تو میں اسے واپس پہنچادوں گا...... ٹھیک ہے، ایسا ہونا ہی چاہئے"۔

"چچا جان آپ ناراض ہو گئے...... میں نے تو یہ سوچا تھا"۔

"کچھ نہیں سوچا تھا...... مجھے بتاؤ کچھ فیصلے کرنے کا حق مجھے ہے یا نہیں"۔

"آپ کو میری زندگی پر پورا پورا حق ہے"۔

"فضول بات کر رہے ہو؟"۔

"نہیں چچا جان...... یہ حقیقت ہے"۔

"تو پھر تمہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ کرنا ہو گا...... میرا اپنا بھی کوئی وجود ہے اس دنیا میں...... میں بھی اپنے ضمیر کو جواب دہ ہوں"۔

"چچا جان میں آپ کے سامنے کچھ نہیں بولوں گا"۔

"سوچ لو"۔

"جی...... آپ اطمینان رکھیے...... میں واقعی آپ کے سامنے کچھ نہیں بولوں گا...... میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آرزو میرے وجود کا ایک حصہ ہے، لیکن بس کچھ اور احساسات تھے جنہوں نے مجھے خاموش کر دیا تھا"۔

"ٹھیک ہے...... سب ٹھیک ہو جائے گا...... کرنا وہی ہے جو میں سوچ رہا ہوں...... تم اگر مجھے یہ اہمیت نہ دیتے تو پھر تمہارے باپ سے یہ سوال کرتا کہ وہ مجھے تمہارے لئے کیا حق دیتا ہے...... کتنا حق دیتا ہے وہ مجھے"۔

"نہیں چچا جان...... مجھ پر آپ کو پورا پورا حق ہے"۔

"اس لڑکی کو ڈھارس دو...... خبردار وہ یہ نہ سوچنے پائے کہ وہ اجنبیوں کے درمیان غیروں کے درمیان ہے وہ...... باقی تمام کام میں کرلوں گا اور تم اطمینان رکھو...... شاہ نواز کے بارے میں اگر تمہارے ذہن میں کچھ خیالات خوفزدہ کرنے والے ہیں تو انہیں اپنے دل سے نکال دو...... وہ ذمہ داری بھی میں ہی پوری کروں گا" اور غلام خیر اب اس قدر بھی بے بس نہیں تھا کہ اپنی عقل سے کام لے کر کچھ نہ کر سکتا، چنانچہ نہایت سادگی کے ساتھ بھرپور ذمہ داری کے ساتھ دونوں کا نکاح پڑھا دیا گیا...... ولدیت کے خانے میں زمان ملکی ہی لکھا گیا تھا...... یہ الگ بات ہے کہ سرپرست کی حیثیت سے اس نے اپنا نام درج کیا تھا...... بقیہ گواہوں وغیرہ کا بندوبست بھی اس نے ہی کیا تھا اور اس کے بعد وہ اپنے اس فرض سے فارغ ہو گیا، لیکن ابھی تو اسے بہت سے دریا عبور کرنے تھے...... ہاں حجلہ عروسی میں جب علی نواز صنوبر کے پاس پہنچا تو صنوبر کے چہرے پر عجیب سی کیفیت طاری تھی...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"علی نواز...... کیا ہماری شادی کی اجازت بابا جان نے دیدی تھی؟"۔

"ہاں...... غلام خیر کا یہی کہنا ہے"۔

"لیکن بابا جان نے تو...... میرا مطلب ہے کہ وہ؟"۔

"نہیں ابھی یہ وہ وقت نہیں ہے کہ بابا جان ہماری اس رسم میں شرکت کرتے...... تمہیں خود بھی حالات کا تھوڑا بہت اندازہ ہے"۔

"ذرا سا مجھے سمجھادو...... یہ سب ہوا کیا ہے؟"۔

"تمہاری محبت...... میری چاہت...... بابا جانی کے علم میں آچکی تھی"۔

"ہاں...... میں نے خود انہیں اس بارے میں بتایا تھا، چونکہ میرے اور ان کے درمیان یہ معاہدہ تھا"۔

"لیکن وہ تمہاری شادی مجھ سے کرنا چاہتے تھے...... میں ایک غلام تھا ناں...... ان کا خدمت گار"۔

"ہاں...... یہ بات مجھے معلوم ہے"۔

"لیکن وہ تمہاری محبت سے مجبور ہو گئے اور انہوں نے میرے چچا غلام خیر کو بلا کر انہیں یہ حق اور یہ اجازت دی کہ وہ ہمیں شہر میں لے آئیں اور یہاں لا کر ہماری شادی کر دیں"۔

"کچھ کچھ واقعات میرے علم میں بھی ہیں...... لیکن میں پوری طرح سمجھ نہیں پائی تھی...... بابا جانی کے بعد، لیکن کیا بابا جانی...... اب ہم سے کبھی نہیں ملیں گے؟"۔

"نہیں وہ آئیں گے...... انہوں نے کہا ہے کہ تم سے ملنے کے لئے شہر آئیں گے"۔

"تو یہ سب کچھ ان کی اجازت سے ہوا ہے؟"۔

"ہاں ان کی اجازت سے ہوا ہے"۔

"تب تو ٹھیک ہے...... میں تو پریشان ہو رہی تھی، بلا وجہ ہی...... ویسے یہاں بڑی تنہائی ہے...... تمہیں معلوم ہے ہماری حویلی میں بے شمار افراد ہوا کرتے تھے...... تنہائی میں میرا دل ذرا مشکل سے لگے گا...... کیا تم ہر وقت میرے ساتھ رہ سکو گے علی نواز"۔

علی نواز سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں...... تم تنہا نہیں رہو گی...... یہاں میرا گھر ہے...... میرے ماں باپ ہیں...... میرے تین بھائی اور ہیں...... ان کی بیویاں ہیں"۔

"بس...... تھوڑا سا وقت درکار ہے...... وہ تم سے ضرور مل لیں گے...... ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں صنوبر"۔

"کیا؟"۔

"دیکھو صنوبر...... میں نے تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا...... تمہاری میری ملاقات ہوئی...... میں تمہارا خادم تھا...... ایک معمولی سا انسان، لیکن میری زندگی کا ایک پس منظر ہے...... میرے ذات کی گہرائیوں میں ایک راز پوشیدہ ہے...... تم اب میری زندگی کی اتنی گہری ساتھی بن گئی ہو کہ اب میرا ہر راز تمہاری ملکیت ہونا چاہئے، لیکن اس راز میں میرا خاندانی وقار پوشیدہ ہے...... یہ تمہیں معلوم ہو جائے گا...... لیکن میری زبانی نہیں...... تم یقین کر دنہ میں نے یہ چاہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرو اور نہ اس محبت پر میرا کوئی زور چلا تھا جو

میرے دل میں تمہارے لئے پیدا ہو گئی تھی...... یہ ایک عجیب کہانی ہے صنوبر...... خدارا...... اس کہانی کی حقیقت جاننے کے بعد مجھ سے بددل نہ ہو جانا...... ایک وقت ایسا آئے گا صنوبر...... جب شاید تم مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھو...... جب شاید تم یہ سوچو کہ میں نے تمہارے ساتھ دھوکہ کیا ہے، لیکن آج اس بات کو گرہ میں باندھ لینا...... میں نے دھوکہ نہیں کیا...... اگر تم اس طرح بددلی کا شکار ہو کر مجھے مجرم سمجھ بیٹھیں تو میں کوئی احتجاج نہیں کروں گا، نہ ہی معذرت کروں گا تم سے...... سمجھ رہی ہو میری بات...... اس وقت اگر تم نے مجھ سے انحراف کیا تو میں تمہاری دنیا سے نکل جاؤں گا اور اس کے بعد تم کبھی میری صورت نہیں دیکھو گی...... لیکن اگر تم میری مجبوری کو مجبوری تسلیم کر لو تو یوں سمجھ لو کہ تمہارا میرا زندگی کے آخری لمحات تک کا ساتھ ہے"۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو علی نواز...... کون سا راز ہے وہ...... مجھے نہیں بتاؤ گے؟"۔

"میں نے کہا ناں...... ابھی میری کچھ مجبوریاں ہیں...... یوں سمجھ لو کہ میں کسی بھی طرح اس راز کو اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا...... یہ راز کسی اور کی زبان سے تمہارے کانوں تک پہنچے گا"۔

"مجھے رازوں سے دلچسپی ہے نہ میں اُلجھنوں میں پڑنے والی لڑکی ہوں...... میں تو بس سادہ سی زندگی گزارتی رہی ہوں...... بڑوں کے معاملات بڑے جانیں...... تم اگر خلوص دل سے مجھے چاہتے ہو نا علی نواز تو اس کے سوا مجھے اور کچھ نہیں چاہئے...... راز کچھ بھی ہوں میں کسی چکر میں نہیں اُلجھنا چاہتی...... بس مجھے اپنی محبت کا یقین دلا دو اور یہ بتا دو کہ تمہاری میری یہ قربت زندگی بھر کی ہے"۔

"انشاء اللہ...... اس میں اگر تمہاری طرف سے کوئی رخنہ اندازی نہ ہوئی تو میں اپنی زندگی کی آخری سانس بھی تمہاری آغوش میں گزاروں گا"۔

"بس تو مجھے اور کچھ نہیں چاہئے" صنوبر واقعی معصوم تھی اور ہونا بھی چاہئے...... دنیا سے بہت کم واسطہ رہا تھا اس کا...... اپنا گھر دیکھا تھا جس میں زمانہ ملنگی کی سختیاں تھیں......

بے شک زمان ملنگی وہ پلی تھی ان ہی سختیوں اور پابندیوں کے درمیان اور پابندیاں تھیں اسے اپنی روح کی طرح چاہتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے جو اصول ترتیب دیئے تھے، ابتدا ہی سے ان کی تربیت صنوبر کو ملی تھی، چنانچہ اس کے برعکس ذہن میں کوئی خیال نہیں پیدا ہوا تھا ہاں اپنے باپ سے اسے مکمل طور پر عقیدت بھی تھی..... اس پر بھروسہ بھی تھا ہر طرح کا یقین تھا اسے اپنے باپ پر، چنانچہ الجھنوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا اور اب جب اسے علی نواز کی آغوش نصیب ہوئی تو پھر اس کی زندگی میں خوشیوں کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

❀ ❀ ❀

غلام خیر نے انہیں یہ خوشیاں منانے کی پوری پوری آزادی دی تھی...... اور اس کے لئے ایک طویل وقفہ، پندرہ دن...... پورے پندرہ دن ...... اور ان پندرہ دنوں میں ہمیشہ یہ خیال رہا تھا کہ ممکن ہے کسی دن زمان ملنگی اس طرف آ نکلے، لیکن اسے اس کی پرواہ نہیں تھی...... اب تو بہت سے مرحلے طے ہو چکے تھے اور کوئی ایسا مشکل مرحلہ نہیں تھا نے سوچ کر وہ پریشان ہوتا...... صورت حال تقریباً اس کے ہاتھ میں تھی، لیکن زمان ملنگی کا یہاں آنا نا مشکل کام تھا...... غلام خیر جانتا تھا کہ ایک باپ کس طرح اپنی بیٹی کے لئے تڑپ رہا ہوگا...... کبھی کبھی اس کے دل میں زمان ملنگی کے لئے ہمدردی بھی ابھر آتی تھی، لیکن یہ ہمدردی ایک طرح سے بے مقصد تھی...... الغرض وقت گزرتا رہا اور اس کے بعد ایک دن غلام خیر تیار ہو گیا...... اس نے علی نواز اور صنوبر کو بھی تیار ہونے کے لئے کہا تھا...... علی نواز سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا ہم اپنے گھر جا رہے ہیں؟"۔

"ہاں!"۔

"م...... مگر کیا آپ اس دوران میرے والد سے مل چکے ہیں؟"۔

"نہیں"۔

"تو پھر اچانک...... اس طرح ان کے سامنے"۔

"ہاں...... یہ ضروری ہے اور میں تمہیں ایک بات بتاؤں...... پہلے سنتے رہنا...... تمہیں

بولنے کی ضرورت نہیں...... جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے گا تو پھر میں زبان کھولوں گا...... تم اس دوران خاموشی ہی اختیار کرنا"۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا، چچا جان کہ مجھے...... میرا مطلب ہے آپ ہم دونوں کو ابھی ساتھ نہ لے جائیں...... پہلے ایک بار آپ بابا جان سے مل کر یہ بات انہیں بتادیں"۔

"پھر وہی...... یعنی جو فیصلہ میں نے کیا ہے تم اس سے منحرف ہو رہے ہو...... جو کچھ ہوگا تمہارے سامنے ہوگا...... اس لڑکی کے سامنے ہوگا تاکہ یہ بھی حقیقتوں کو جان لے...... ساری باتیں سب کے علم میں رہنی چاہئیں تاکہ کسی کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے...... میں درمیان کا کوئی کام چاہتا ہی نہیں" بہر حال غلام خیر کے سامنے یہاں بھی علی نواز کی نہیں چلی تھی، لیکن جو فاصلہ طے ہو رہا تھا، وہ اس کی روح کو لرزا رہا تھا...... کیا کہے گا وہ؟ کیا کہے گا؟ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے مکان میں داخل ہو گیا...... صنوبر سمٹی، لجائی غلام خیر کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی...... اتفاق سے سب سے پہلے شاہ عامل نے ہی اپنے بیٹے کو دیکھا...... ایک کیاری کے پاس کچھ کر رہا تھا...... اس کے حلق سے ایک آواز نکلی اور وہ دیوانہ وار علی نواز کی جانب دوڑا...... قریب آکر اس سے لپٹ گیا...... اس کے سارے وجود کو چومنے لگا...... غلام خیر کچھ فاصلے پر اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی صنوبر بھی...... باپ کے جذبات کسی قدر ہموار ہوئے تو اس نے غلام خیر کی جانب دیکھا...... اور پھر اس لڑکی کی طرف...... اور اس کے انداز میں حیرت پیدا ہو گئی۔

"آؤ میرے عزیز دوست...... میری زندگی کے سب سے بڑے ساتھی آؤ...... وہاں رک کیوں گئے اور یہ بچی کون ہے...... یہ گھونگھٹ کیوں نکالے ہوئے ہے...... قریب لاؤ اسے میرے...... کون ہے یہ اور...... اور میرے بچے...... میری زندگی...... میری روح کیا تو کامرانی کی خبر لے کر آیا ہے، مگر تیرے ہاتھ خالی کیوں ہیں؟ میں نے تو تجھ سے یہ کہا تھا کہ جب تو اپنے دشمن پر قابو پالے تو تو اس کے دونوں بازو کاٹ لینا...... مجھے اس کے دونوں بازوؤں کی ضرورت ہے...... کیا ایسا نہیں ہو سکا...... کیا کیا وہ؟"۔

"ساری باتیں یہیں کر لو گے شاہ عامل...... کیا کسی کو عزت سے خوش آمدید کہنے کا یہی طریقہ ہے؟"۔

"آہ نہیں...... بالکل نہیں...... تم نہیں جانتے...... میری خوشیاں آسمانوں کو چھو رہی ہیں...... آؤ میرے بچو...... اندر آؤ" شاہ عامل کو اپنی شدید جذباتی کیفیت کا احساس ہو گیا اور ان تینوں کو لے کر اندر چل پڑا...... اندر کے بڑے ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے چیخنا شروع کر دیا۔

"زلیخا...... علی شاد کہاں ہو تم سب لوگ...... زلیخا، دیکھو ہمارا علی نواز آ گیا...... زلیخا تم کہاں ہو...... علی نواز آ گیا ہے" وہ زور زور سے چیخ رہا تھا اور چند ہی لمحوں کے بعد ہال کے دروازے سے سب لوگ اندر داخل ہو گئے...... زلیخا نے یقین نہ کرنے والی نگاہوں سے علی نواز کو دیکھا اور پھر بے اختیار اس کی جانب دوڑی۔

"علی نواز...... میرے بچے...... میری زندگی...... میری روح" وہ علی نواز سے دیوانہ وار لپٹ گئی...... علی شاد...... علی داراب وغیرہ بھی آ گئے تھے اور ان تینوں کی بیگمات بھی...... وہ سب حیران نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے...... خصوصاً عورتوں کی نگاہیں ایک طرف کھڑی ہوئی صنوبر پر پڑ رہی تھیں جس کا چہرہ ابھی تک گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا...... شاہ عامل تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس لڑکی کا تعلق کسی طرح علی نواز سے ہوگا...... اس نے غور بھی نہیں کیا تھا...... علی نواز کی اچانک آمد نے اسے اس قدر ہیجان کا شکار کر دیا تھا کہ باقی سب کچھ بھول گیا تھا وہ لیکن کچھ نگاہیں صنوبر کا جائزہ لے رہی تھیں اور نہ جانے ان ذہنوں میں کیا کیا الجھنیں ہوں گی...... کوئی یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دلہن جیسی لڑکی کا تعلق کسی نہ کسی طرح زمان ملنگی سے ہوگا، لیکن یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ اس کا تعلق کسی شکل میں علی نواز سے بھی ہے...... ماں، بھائی اور بھابیاں جو تھوڑی بہت حقیقتیں جان چکے تھے، یہ سمجھتے تھے کہ علی نواز اب کبھی واپس نہیں آئے گا...... وہ ان میں سے نہیں ہے...... وہ تو ایک ہتھیار ہے، ایک مقصد ہے جو استعمال ہونے کے بعد ختم ہو جائے گا...... کیا کہا جا سکتا تھا...... بات

کسی معمولی شخص کی تو تھی نہیں...... بستی خانہ خیل کا سردار زمان ملنگی کوئی معمولی حیثیت کا مالک نہیں تھا...... اول تو اس کا گرفت میں آنا ہی مشکل تھا...... علی نواز جیسا بانکا دلیر اگر اسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا ہے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کے بعد وہ وہاں سے نکلنے میں بھی کامیاب ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بسا اوقات خود شاہ عالم کو بھی احساس ہوتا تھا کہ اپنے انتقام کی تکمیل کے لئے اسے خود ہی کچھ کرنا چاہئے تھا...... اپنے ایک بیٹے کو اس کام کے لئے داؤ پر لگا دینا انسانیت نہیں تھی اور نہ ہی اسے کسی کی زندگی سے کھیلنے کا حق تھا، لیکن بس ایک جنون تھا...... ایک دیوانگی تھی...... جانتا تھا کہ خود وہ سب کچھ نہیں کر سکے گا جو کرنا چاہتا ہے...... اس وقت عالم جنون میں اس نے اپنے بیٹے کو اس کام کے لئے مخصوص کر دیا تھا، لیکن جب زلیخا کے آنسو رخساروں پر بہتے اور وہ بین کرتی تو شاہ عالم کو احساس ہوتا کہ واقعی زیرک سے زیرک انسان زندگی میں بہت بڑی بڑی غلطیاں کر جاتا ہے...... اسے سچ مچ کوئی حق نہیں تھا اپنے حسین اور خوبرو بیٹے کو داؤ پر لگانے کا، لیکن جو کچھ کر چکا تھا اب اس کی واپسی بھی ممکن نہیں تھی...... وہ زلیخا کے سامنے شرمندہ شرمندہ سا رہتا تھا، لیکن اس وقت بھی جب علی نواز اس انداز میں واپس آیا تو اس کے دل میں پھر وہی جذبہ انتقام سر ابھارنے لگا اور اس نے بیٹے سے بار بار یہی سوال کیا کہ کیا وہ اپنے دشمن کے ہاتھ کاٹ کر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکا...... بہر حال کوئی جواب کسی کے پاس نہیں تھا...... پھر غلام خیر نے ہی کہا۔

”بچو...... اگر تمہیں کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو بیٹھ جاؤ...... اصل میں جو گفتگو ہونی ہے وہ تم سب کے سامنے ہونی ہے، کیونکہ اس میں سب کا مستقبل چھپا ہوا ہے“۔

”غلام خیر بابا...... آپ خیریت سے تو ہیں؟“ علی شاد نے سوال کیا۔

”ہاں میں خیریت سے ہوں“۔

”مگر مجھے بتاؤ...... مجھے، ارے ہاں...... پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے...... چلو میں خاموش ہوا جاتا ہوں...... میں کچھ نہیں بولوں گا“۔

”غلام خیر بھائی یہ بچی کون ہے اور اس نے گھونگھٹ کیوں نکال رکھا ہے؟“ زلیخا نے بڑی محبت سے سرشار لہجے میں کہا۔

”زلیخا بھابی...... جس طرح تمہارے تین بیٹوں کی خوبصورت بیویاں ان کے ہمراہ ہیں...... اسی طرح میں نے تمہارے چوتھے بیٹے کو بھی بامراد کر دیا ہے...... یہ علی نواز کی بیوی صنوبر ہے“ ایک بار پھر لوگوں کے ذہنوں میں شدید بحران پیدا ہوا...... شاہ عالم کا چہرہ ایک لمحے کے لئے تصویر حیرت بنا پھر اس پر عجیب سے آثار نظر آئے...... پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”علی نواز کی بیوی؟“۔

”ہاں...... میں نے ان دونوں کا نکاح کر دیا ہے“۔

تم اس وقت جس انداز میں گفتگو کر رہے ہو غلام خیر، وہ ہم لوگوں پر ظلم ہے...... ہونا تو یہ چاہئے کہ تم ہمیں ساری تفصیل بتاؤ۔

”علی نواز، تو اس قدر خاموش کیوں ہے...... پہلا جواب مجھے یہ دے کہ کیا ہمارا دشمن زندہ ہے یا تو نے اسے موت کی آغوش میں سلا دیا؟“۔

”وہ زندہ ہے“ علی نواز کے بجائے غلام خیر نے کہا اور شاہ عالم نے آنکھیں بند کر لیں...... کچھ لمحے اپنے اندر ہی اندر سوچتا رہا پھر نڈھال لہجے میں بولا۔

”ٹھیک ہی کیا تو نے علی نواز...... تو نے ٹھیک ہی کیا...... بلکہ بہت اچھا کیا تو نے...... واقعی بہت اچھا کیا...... کم از کم تیری ماں کو اب اطمینان ہو گیا ہو گا...... زلیخا، کہو اب تو مجھ سے شکوہ نہیں رہا تمہیں...... خدا کا شکر ہے کہ وہ طعنہ جو تم مجھے دیتی رہی ہو خود بخود ختم ہو گیا...... میں نے تو ایک جنون کا قدم اٹھایا تھا، لیکن تمہارا بیٹا مجھ سے زیادہ سمجھدار نکلا، بلکہ وہی سمجھ دار نکلا...... میری حماقت کو اس نے قبول نہیں کیا اور اپنی دنیا آباد کر لی...... تمہیں مبارک ہو زلیخا تمہیں مبارک ہو“۔

زلیخا سرد نگاہوں سے صنوبر کو دیکھ رہی تھی...... وہ ایک بار اس کی نظریں علی نواز کے

جہ ۔۔۔ پر بھی پڑی تھیں ۔۔۔ جو گردن جھکائے بیٹھا تھا ۔۔۔ دفعتاً علی شاد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بابا جان بھی خوب انسان ہیں ۔۔۔ بابا جان یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک شخص آپ کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتا ۔۔۔ اس نے ایسا نہیں کر کے اپنی عقل کا ثبوت دیا...... آپ بلاوجہ ہی جذباتی انداز میں سوچتے رہے ۔۔۔ بابا جان دور ایسا نہیں ہے کہ کوئی کسی کے لئے اپنی زندگی کو نچھاور کر دے ۔۔۔ البتہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ علی نواز نے ایک کام تو خیر عقلمندی سے کیا ہے، لیکن دوسرا شاید اس نے ضرورت سے زیادہ عقلمندی سے کر ڈالا...... یعنی اپنی شادی ۔۔۔ کیا سوچتا تھا وہ...... کیا ہم لوگ اسے غیر شادی شدہ رہنے دیتے...... ہمیں یہیں پر اندازہ ہو گیا تھا بابا جان...... کہ علی نواز کا انداز فکر ذرا مختلف ہے...... وہ بظاہر سیدھا سادا معصوم انسان نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر بہت گہرائیاں ہیں...... خیر ہمیں کیا! یہ مسئلہ آپ کا ہے ۔۔۔ آپ دیکھ لیجئے ۔۔۔ کون لڑکی ہے یہ ۔۔۔ کہاں سے آئی ہے...... کس انداز میں اس کی علی نواز سے شادی ہوئی ہے...... بابا جان یہ سوچنا...... یہ فیصلہ کرنا تو آپ کا کام ہے"۔

"لیکن یہ بہت برا ہوا ہے" منجھلے بھائی نے کہا۔

علی نواز اب بھی خاموش تھا اور غلام خیر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ان سب کو دیکھ رہا تھا...... اس کی آنکھوں میں ان سب کے لئے حقارت کے آثار تھے...... علی نواز کے بھائیوں اور بھابیوں نے بہت کچھ کہا اور یہ سنتے رہے...... پھر جب وہ خاموش ہوئے تو غلام خیر بولا۔

"کسی کو اور کچھ کہنا ہے؟"۔

"اب کہنے کے لئے کیا رہ گیا ہے غلام خیر چاچا...... علی شاد نے کہا"۔

"سننے کی گنجائش ہے تو سنو شاہ عالم...... تمہاری بہو زمان ملنگی کی بیٹی ہے" غلام خیر نے کہا...... ایک لمحے کے لئے تو بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی...... لیکن دوسرے لمحے شاہ عالم کی آنکھیں دھندلا گئیں...... اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی...... آنکھوں میں صنوبر کی شکل منتشر ہو گئی اور کانوں میں غلام خیر کے الفاظ...... بیٹے اور بہوئیں تو ان الفاظ کا یقین نہ کر سکے لیکن زلیخا نے محسوس کیا اور آگے بڑھ کر صنوبر کے پاس پہنچ گئی...

ان کے منہ سے لکنت زدہ آواز نکلی۔

"کس کی بیٹی؟"۔

"یہ حویلی خانہ خیل کے زمان ملنگی کی بیٹی ہے" غلام خیر نے مسکراتے ہوئے کہا...... دوسری بار یہ الفاظ سماعت کی تصدیق کرتے تھے...... انہیں شاہ عالم نے بھی سنا اور زلیخا نے بھی...... غلام خیر دونوں کے چہروں پر مسرت کی سرخیاں دیکھنا چاہتا تھا...... چہرے تو دونوں کے سرخ ہو گئے تھے، لیکن شاید مسرت سے نہیں بلکہ غیظ و غضب سے...... زلیخا کی ممتا بھری آنکھوں میں غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور شاہ عالم تھرا کر رہ گیا...... تب زلیخا آگے بڑھی، اس نے صنوبر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور خود اس کے سامنے سینہ سپر ہو گئی۔

"کس کی ماں نے دودھ پلایا ہے جو اس بچی کی طرف میلی نگاہ سے دیکھے...... آنکھیں نکال لوں گی اس کی...... علی نواز تیرے لئے میرے دل میں ہمیشہ غم کا سمندر موجزن رہا...... آج میں اپنی تڑپ پر نادم ہوں...... تیری رگوں میں پہاڑوں کا خون نہیں ہے...... پہاڑزادے غیرت مند ہوتے ہیں...... وہ دشمن کا سر کاٹتے ہیں ان کی بیٹیوں کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے...... بہتر ہوا کہ تو مجھ سے دور رہا...... تیرے اس عمل سے میرے دل میں تیرے لئے پیار کے سوتے بند ہو گئے...... یہ بچی اللہ کے بعد میری پناہ میں ہے اور شاید تیرا باپ بھی اس طرح اپنا انتقام نہ پورا کر سکے...... مجھے معاف کرنا شاہ عالم...... میرے بدن کے ایک ایک رونگٹے پر تیرا حق ہے، لیکن اپنا ضمیر تجھ پر قربان نہ کر سکوں گی"۔

شاہ عالم اب خونی نظروں سے غلام خیر کو دیکھ رہا تھا...... پھر اس نے منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ دوستی نبھائی ہے تو نے غلام خیر...... یہ تربیت دی ہے تو نے میرے بیٹے کو...... زمان ملنگی کے دونوں ہاتھ مانگے تھے میں نے...... یہ تو نہیں کہا تھا کہ ایک کمزور بچی پر قوت آزمائی کی جائے"۔

"کیا سمجھ رہے ہو تم دونوں...... کیوں مجھے گالیاں دے رہے ہو...... کیوں جلد بازی

کر رہے ہو ... یہ سب کچھ ... یہ سب کچھ ... اس لڑکی کی مرضی سے ہوا ہے ... زمان ملنگی نے اسے خود ہمارے ساتھ کیا ہے"۔

"ایک اور جھوٹ ... جو بے غیرتی کا نشان ہے" شاہ عامل نے کہا۔

"لے جاؤ اسے اندر ... پوچھ لو اس سے ... پھر واپس آکر ہماری گردنیں کاٹ دو ... جاؤ اسے اندر لے جاؤ" غلام خیر نے چیختے ہوئے کہا۔

"آؤ بیٹی ... مجھے سب کچھ بتاؤ ... آؤ!"۔

زلیخا نے کہا اور سب کو چھوڑ کر صنوبر کو اندر لے گئی۔

غلام خیر بولا ... "ٹھیک ہے شاہ عامل تو اندر سے بہت بڑا ہے ... تیری یہ گالیاں سن کر میں ہمیشہ کے لئے تجھ سے دوستی ترک کر دیتا، لیکن تیرا یہ عمل سرفلک پہاڑوں کے سر اور اونچے کرتا ہے ... مجھے غیرت کے اس پہاڑ کی دوستی پر فخر ہے ... ہم پہاڑوں کے رہنے والے دشمن کی آبرو کو بھی اپنی آبرو ہی سمجھتے ہیں ... ہماری لڑائی ایک دوسرے سے ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی ہے ... ہم گھروں میں گھسی عزت کو نہیں بھگاتے ... تو یہ کیوں بھول گیا میرے یار کہ میں بھی ان ہی پہاڑوں میں پیدا ہوا ہوں"۔

"تو پھر یہ لڑکی ...؟" شاہ عامل نے کہا۔

"تاوان ادا کیا ہے زمان ملنگی نے ... اپنا سارا خزانہ تجھے دے دیا ہے ... پہلے پوری بات تو سن لے"۔

تب غلام خیر اسے پوری کہانی سنانے لگا اور آہستہ آہستہ شاہ عامل کے چہرے کی سرخی حیرت میں بدلنے لگی ... پھر وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

"اور جب زمان ملنگی کو علم ہو گا کہ غلام خیر کا بھتیجا ... شاہ عامل کا بیٹا ہے تو ... تو وہ اپنی غیرت پہاڑوں سے چھپاتا پھرے گا ... کیا اس کی گردن کاٹ کر اس کے بازو حاصل کر کے تو انتقام کی یہ معراج حاصل کر سکتا تھا؟"۔

"تیرا کہنا ہے کہ یہ لڑکی اپنی پسند سے ... اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے؟"۔

"وہ تیری بیوی آرہی ہے اس سے پوچھ" غلام خیر نے اندر سے آتی ہوئی زلیخا کی طرف ... شارہ کر کے کہا۔

زلیخا قریب آکر بولی۔

"بات وہ نہیں ہے شاہ عامل، جو ہم سمجھ رہے تھے ... آؤ اندر آؤ یہ تو مسئلہ ہی کچھ اور ہے"۔

وہ سب اندر چل پڑے ... علی مغیم نے طنزیہ آواز میں کہا ... "خوب اچھا ڈرامہ ہو رہا ہے یہ ... کیا ہی عمدہ کام ہے اور ہم صرف تماشائی ... آؤ بھائیو اندر چلو ... اب اس ڈرامے کے بقیہ مناظر کی تکمیل بند کمرے میں ہوگی" اور وہ سب منہ بنا کر اندر چل پڑے۔

دودھ کا دودھ ... پانی کا پانی ہو گیا تھا ... شاہ عامل نے پوری داستان سنی ... غلام خیر کے موقف کو سمجھا اور خوش ہوئے بغیر نہ رہ سکا، پھر وہ بولا ... "یہ سب کچھ تو بے حد عجیب ہو گیا ... اب کیا ہو گا؟"۔

"مجھے کسی چوراہے پر بٹھا دو اور میرے سر پر جوتے مارو" غلام خیر نے کہا اور شاہ عامل مسکرانے لگا پھر بولا۔

"مجھے اس کی فرصت نہیں ہے، چنانچہ یہ کام کسی مناسب وقت پر کروں گا، مگر اب مجھے آگے تو بتا"۔

"تیرا بیٹا اور بہو اب تیرے پاس رہیں گے ... میں اس گھر میں جا رہا ہوں جو زمان ملنگی نے اپنی بیٹی کو دیا ہے ... میں جانتا ہوں وہ اپنی بیٹی کی جدائی زیادہ عرصہ برداشت نہیں کر سکے گا اور بہت جلد وہاں آئے گا ... میں وہاں اس کا استقبال کروں گا؟"۔

غلام خیر کا یہ اندازہ غلط نہیں تھا ... علی نواز اور صنوبر کو شاہ عامل کے گھر پہنچے ہوئے ... دن گزرے تھے کہ ایک صبح ... اس نے زمان ملنگی کو چھ دوسرے افراد کے ساتھ مکان کے دروازے پر دیکھا اور اس کا دم گھٹنے لگا ... اس خوفناک عمل کا سب سے خوفناک منظر سامنے آنے والا تھا، چنانچہ وہ خود کو سنبھال کر اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر چل پڑا۔

مکان کے صدر دروازے کے باہر غلام خیر نے زمان ملنگی کا استقبال کیا...... ملنگی کے چہرے پر شدید بے چینی پھیلی ہوئی تھی...... اس کی منتظر نگاہیں بے چینی سے دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں...... غلام خیر کو دیکھ کر وہ بے اختیار اس کی طرف لپکا...... غلام خیر کے سلام کا جواب دے کر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہو غلام خیر! صنوبر ٹھیک ہے...... مجھ سے دور رہ کر وہ میرے لئے بے چین تو نہیں ہے؟"۔

"بچے ماں باپ کے سائے میں پل کر جوان ہوتے ہیں، انہیں بھول تو نہیں سکتے...... بیٹیوں کو اللہ بہت صابر بناتا ہے...... حکم رب العالمین کے تحت وہ شوہر کی اطاعت گزار ہوتی ہیں، لیکن بچپن کے شب و روز کی کہانی کہیں بھولنے کے لئے ہوتی ہے"۔

"کہاں ہے وہ؟ اسے بتاؤ کہ میں آیا ہوں"۔

"اندر آیئے سردار...... معزز مہمان کہاں قیام کریں گے...... مجھے حکم دیں ان کا بندوبست کہاں کروں؟" غلام خیر نے پوچھا۔

"یہ تم پر منحصر ہے یوں کرو...... تم اپنی مرضی سے ان کے قیام کا انتظام کرو...... میں اندر جا رہا ہوں" زمان ملنگی نے صدر دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

غلام خیر نے پریشان نگاہوں سے زمان ملنگی کو دیکھا...... پھر سنبھل کر ان لوگوں سے بولا...... آپ کے شایان شان جگہ کا بندوبست کرنے میں کچھ وقت لگے گا، جس کی اجازت چاہتا ہوں...... آپ ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہوں، آیئے...... ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر غلام خیر تیزی سے اندر کی طرف لپکا، جہاں سے زمان ملنگی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں...... وہ دیوانہ وار صنوبر کو پکار رہا تھا اور تمام کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا...... غلام خیر اس کی آواز کے تعاقب میں اس تک پہنچ گیا...... زمان ملنگی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا...... "کیا وہ بے وقوف ہم سے چھپ رہی ہے! اسے آواز دو...... اس سے کہو وہ نہ بولی تو ہمارے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی...... صنوبر...... صنوبر"۔

"سردار! غلام کچھ کہنا چاہتا ہے"۔

"وہ کہاں ہے...... پہلے اسے بلاؤ...... کیا علی نواز بھی گھر پر موجود نہیں ہے؟"۔

ملنگی بولا۔

"وہ دونوں یہاں نہیں ہیں"۔

"کیا؟ پھر کہاں ہیں"۔

"سردار تشریف رکھیں...... میں بتاتا ہوں"۔

"توقف کیوں کر رہے ہو؟ پہلے کیوں نہیں بتایا؟"۔

"سب کے سامنے سردار کی اجازت کے بغیر زبان کیسے کھول سکتا تھا؟"۔

"یہ کیا ایسی خاص بات تھی...... تم نے کیوں نہ کہا کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں؟ آخر اس میں چھپانے کی کیا بات تھی"۔

"سردارزادی کے مرتبے کو میں نے سردار ملنگی کے مرتبے سے کم نہیں جانا...... خود ان ہی کا حکم تھا کہ زبان بند رکھی جائے"۔

"کس سلسلے میں؟"۔

"وہی تو سردار کو بتانا چاہتا ہوں"۔

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی، وہ جہاں بھی ہے، اسے بلاؤ...... اسے بتاؤ کہ میں آیا ہوں"۔

"وہ اپنے سسرال میں ہیں"۔

"کیا...... کہاں؟"۔

"چند روز قبل کی بات ہے کہ سیر کے دوران علی نواز کے والدین اسے مل گئے...... وہ انکار کرتے رہے...... بعد میں وہ بیٹے اور بہو کو اپنے ساتھ لے گئے"۔

"کہاں؟"۔

"اپنے گھر"۔

"یہ وہ گھر ہماری بیٹی کے قابل ہے؟"۔

"وہ اس کے شوہر کا گھر ہے"۔

"صنوبر وہاں خوش ہے؟ انہوں نے اسے اپنی بہو قبول کر لیا؟ بیٹے کو اس سے منحرف تو نہیں کیا؟"۔

"مجھے نہیں معلوم سردار..... علی نواز کو جب اس کے ماں باپ ملے تو اس پر رقت طاری ہو گئی..... کچھ جذباتی معاملات طے ہوئے لیکن مجھے ان سے دور ہی رکھا گیا..... پھر علی نواز نے خود ہی ان سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا اور کچھ وقت کے بعد وہ لوگ اپنی بہو اور بیٹے کو یہاں سے لے گئے"۔

"تم سے کیا کہا؟"۔

"علی نواز نے کہا کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر جا رہا ہے..... یہ گھر چونکہ اس کی بیوی کی ملکیت ہے..... میں اس کی دیکھ بھال کروں..... وہ کسی بھی وقت یہاں آ سکتا ہے"۔

"زمان ملنگی سوچ میں ڈوب گیا..... دیر تک سوچتا رہا..... پھر اس نے چونک کر غلام خیر کو دیکھا اور بولا..... تم تو کہتے تھے کہ علی نواز تمہارا بھتیجا ہے"۔

غلام خیر نے گردن جھکائی اور پھر زیر لب مسکرا کر کہا..... "سردار! یہ تو شاہ عالم کی محبت ہے..... صرف دوستی کے ناطے اس نے مجھے اپنا بھائی قرار دیا اور پھر شاید کچھ ایسے حالات ہوئے جن کی بنا پر اس نے اپنے بیٹے کو میرے حوالے کر دیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کی پرورش کروں..... پھر خود نہ جانے کہاں گم ہو گیا"۔

"کیا نام بتایا تم نے..... کیا نام بتایا؟" زمان ملنگی کے وجود میں جیسے بم سا پھٹا تھا۔

"کس کا نام سردار؟"۔

"کیا نام ہے علی نواز کے باپ کا؟"۔

"شاہ عالم! اور وہ تمہاری ہی بستی کا رہنے والا ہے"۔

"زمان ملنگی کے پاؤں لرزنے لگے..... آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی..... وہ بیٹھتا چلا

گرنے سے بچنے کے لئے اس نے سہارا لیا تھا اور پھر بے جان سا ہو گیا تھا..... نہ جانے کتنی دیر تک اس کے وجود میں گڑگڑاہٹ رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ سب کیا ہے..... یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا کوئی سازش؟ کیا میرے خلاف کوئی..... لیکن نہیں جانتے کہ میں فنا کر دینے والوں میں سے ہوں..... اگر یہ سازش ہے اور اگر شاہ عالم" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، پھر اچانک ہی جوش میں بھر کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا یہ شاہ عالم وہی ہے جس کی خاندانی میں زمینیں تھیں، جس کا خوبانیوں کا باغ تھا؟"۔

"ہاں معزز سردار! وہی تو ہے شاہ عالم" غلام خیر نے جواب دیا۔

"اور علی نواز اس کا بیٹا ہے؟"۔

"ہاں معزز سردار!"۔

"ہرگز نہیں ہو سکتا..... ہرگز نہیں ہو سکتا..... ایک بار پھر مجھے جگا دیا گیا ہے..... ایک بار پھر مجھے جگا دیا گیا ہے!..... سب سے پہلے میں تیرے بدن کے ہزار ٹکڑے کروں گا..... کمینے غلام! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

"اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے معزز سردار تو آپ کے غلام کی گردن آپ کے سامنے ہے، اسے شانوں سے اتار دیں گے تو اف نہیں کروں گا..... آرزو یہ ہے کہ مجھے میری خطا بتا دی جائے"۔

زمان ملنگی کے پورے بدن میں آتش دوڑ رہی تھی..... اس کا وجود خاکستر ہوا جا رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا..... اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

"آہ..... یہ کیا ہو گیا! میرے خدا..... میرے خدا..... یہ تو میرے منہ پر اتنی گہری کالک مل گئی کہ اب اگر اپنی کھال بھی اتار ڈالوں تو اس کے نیچے بھی سیاہی نکلے گی..... شاہ عالم زندہ ہے اور علی نواز اس کا بیٹا ہے اور وہ میری بیٹی کی تقدیر کا مالک ہے..... غلام خیر مجھے تو یہ سب کیا ہے؟ مجھے بتا دے..... یہ سب کیا ہے؟ کمینے..... بے غیرت..... ذلیل انسان! تو

بھی اس سازش کا شریک معلوم ہوتا ہے"۔

غلام خیر خاموش کھڑا رہا...... زمان ملنگی نے پھر کہا۔

"مجھے بتا غلام خیر! اس سازش کا مرکز کہاں تھا؟ اور کس انداز میں یہ سب سوچا گیا"۔

"غلام کو حکم دیا جا رہا ہے تو یہ عرض کرنے کی جرات کر رہا ہوں کہ مجھے تو کچھ معلوم ہی نہ تھا...... حقیقت تو میں گوش گزار کر چکا ہوں سردار! اور حقیقت یہ تھی کہ اس شخص نے جس کے بارے میں...... میں نے تجھے بتایا تھا اپنے معصوم بچے کو میرے حوالے کر دیا اور مجھ سے کہا کہ حالات ایسے ہیں غلام خیر کہ اس بچے کی پرورش تمہیں کرنی ہے...... میں نے ازراہِ انسانیت اس سے پوچھا کہ وہ حالات کیا ہیں تو وہ کرخت لہجے میں بولا کہ اگر میں اس کا یہ کام نہیں کر سکتا تو انکار کر دوں لیکن وہ راز پوچھنے کی کوشش نہ کروں جسے وہ اپنے سینے میں چھپائے رکھنا چاہتا ہے...... سو میں تو ایک بے لوث انسان تھا...... میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس کے بعد جب بھی میں نے شاہ عامل کو تلاش کیا تو وہ مجھے نہ ملا...... مجھے یہی علم ہوا کہ وہ بستی خانہ خیل کا رہنے والا ہے اور بستی چھوڑ کر چلا گیا ہے اور اب اس کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہیں...... اس نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا تھا، بہر حال میں لاولد تھا...... میری زندگی تنہا تھی...... میں اپنی چھوٹی سی بستی میں بس اپنی زندگی گزار رہا تھا...... اس بچے کے سہارے مجھے بھی زندہ رہنے کا موقع مل گیا...... جب یہ جوان ہو گیا تو ظاہر ہے اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ یہ اپنی زندگی کے لئے کوئی راستہ تلاش کرے...... کہیں نوکری وغیرہ کر لے...... اس کے بعد علی نواز مجھے خدا حافظ کہہ کر چلا آیا تھا...... پھر اس کے بارے میں مجھے اسی وقت اطلاع ملی جب عظیم سردار نے مجھے طلب کیا تھا"۔

زمان ملنگی غلام خیر کی پوری باتیں بھی نہیں سن رہا تھا...... وہ تو بس اپنی زندگی کے بدترین بحران سے گزر رہا تھا...... کیا ہی عجیب بات تھی! کیسا انوکھا حادثہ پیش آیا تھا؟ دل کے ٹکڑے کی جدائی تو وہ لمحہ بھر بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، لیکن سینے پر پتھر کی سل رکھی اور بیٹی کو اس کی خواہش کے مطابق غلام خیر کے حوالے کر دیا اور اس سے کہا کہ وہ اسے ویسی زندگی دیدے جس کی وہ آرزومند ہے...... جب بیٹی چلی آئی تو اس پر جو گزری، اس کا دل ہی جانتا تھا...... دیوانہ ہو گیا تھا وہ...... اسے احساس ہوا تھا کہ بیٹی کے بغیر شاید اب زندگی کی بقیہ سانسیں مشکل ہو جائیں...... شدید کشمکش کا شکار رہا تھا اور پھر سارے خدشات بالائے طاق رکھ کر وہ چل پڑا تھا...... سفر کا ایک ایک لمحہ اس پر شاق گزرا تھا...... اس کی آنکھوں میں صنوبر کی تصویر بنی ہوئی تھی اور وہ اپنی آگ میں جلتا ہوا دیوانہ وار یہاں تک چلا آیا تھا...... نہ جانے کیا کیا آرزوئیں دل میں بسائے ہوئے، لیکن اس ایک نام نے اس کی حیات خاکستر کر دی تھی...... شاہ عالم! آہ شاہ عالم اس پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا...... یقیناً یہ گہری سازش تھی...... آہ کاش میں شاہ عالم پر نگاہ رکھتا اور یہ دیکھتا کہ وہ کیا کر رہا ہے...... یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ وہ بستی سے چلا گیا ہے، لیکن ایک قلاش کا بستی سے چلا جانا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا...... ہاں اتنے برسوں کے بعد زندگی کا وہ دور گزر جانے کے بعد بھی جو طوفانی دور ہوتا ہے اور جس کے بعد سمندر کی سطح ساکن ہو جاتی ہے...... ایک بار پھر اس کے وجود میں تلاطم برپا کر دیا گیا تھا...... اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جو کوئی نگاہوں کے سامنے آئے، اسے فنا کر دے......

آگ لگا دے ہر چیز کو اور خود بھی اس آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے...... اس کے بدن پر اس کا لباس لوہے کی تپتی ہوئی چادر بن گیا تھا...... بہت دیر تک وہ اس آگ میں جھلستا رہا۔ اس کے بعد اس نے نگاہیں اٹھا کر غلام خیرو کو دیکھا اور پھر سرد لہجے میں بولا...... اس کے بعد کے حالات تو تمہیں معلوم ہوں گے غلام خیر؟"۔

"نہیں سردار...... میں تو حکم کا غلام ہوں...... اس گھر میں تمہارے چوکیدار کی حیثیت سے ہوں...... جب کہو گے، چلا جاؤں گا؟ واپس اپنی بستی میں"۔

تو کیا تیرے دوست شاہ عامل نے تجھ سے یہ نہ کہا کہ تو بھی اس گھر کو چھوڑ کر اس کے ساتھ رہ۔

"اس نے یہی کہا تھا...... علی نواز بھی یہی چاہتا تھا لیکن سردار ہر شخص کا ایک معیار زندگی ہوتا ہے...... سوچ کا ایک مقام ہوتا ہے ہر دل میں...... آپ نے جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی...... بے شک اس کا مجھے کوئی معاوضہ نہیں ملا، لیکن میں نے آپ سے زبان کا سودا کیا تھا...... سو میں یہاں اس گھر میں موجود ہوں اور جب تک آپ چاہیں گے رہوں گا...... مجھے اس عالی شان گھر میں رہنے کی خواہش ہے نہ کسی صلے کی تمنا! ہاں...... لیکن اگر کسی کا احترام کا رشتہ نبھانا جرم ہے تو جو عدالت بھی چاہے مجھے اس جرم کی سزا دے دے"۔

"سن...... بات سن! ایک بار پھر مجھے ساری حقیقت بتا"۔

"حقیقت بہت مختصر ہے سردار...... آپ نے مجھے حکم دیا...... میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی...... یہاں لا کر میں نے علی نواز اور صنوبر کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیا"۔

"ایک منٹ میری بات سن! کیا تو نے ان دونوں کو شاہ عامل کے سپرد نہیں کر دیا تھا؟"۔

"سردار! گردن آپ کی امانت ہے...... شانوں سے اتار دیجئے لیکن رُوح پر آپ کا کوئی قبضہ نہیں...... جسم کو آپ پامال کر سکتے ہیں...... رُوح کو پامال کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا قتل کر سکتے ہیں آپ مجھے...... لیکن جھوٹا نہ کہیں"۔

"کیا مطلب؟"۔

"جو کہہ رہا ہوں...... اسے سچ سمجھئے...... میں نے ان دونوں کی شادی اپنے طور پر کی تھی، جو لوگ اس کے ساتھی تھے...... جو اس کے گواہ تھے انہیں آج تک یہ نہیں معلوم کہ علی نواز کون ہے اور صنوبر کون؟ انہوں نے میری اجازت سے ان دونوں کا نکاح کیا...... اس کے بعد یہ لوگ یہیں رہے...... شاہ عامل سے تو بعد میں رابطہ قائم ہوا تھا"۔

"ہوں...... غلام خیر! تمہیں اس کی رہائش گاہ کا تو علم ہے نا؟"۔

"جانتا ہوں سردار"۔

"یہ بھی معلوم ہے تجھے کہ جب ہماری بیٹی اس گھر میں پہنچ گئی تو شاہ عامل نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"۔

"نہیں...... کچھ وقت گزار کر میں واپس آ گیا، لیکن زنان خانے کے حالات مجھے معلوم نہیں"۔

سن! اپنی زبان بالکل بند رکھنا...... ایک لفظ کسی سے کہنے کی کوشش نہ کرنا...... میں تجھے بتاؤں گا کہ اس کے بعد کیا کرنا ہے۔

"ٹھیک ہے سردار...... لیکن آپ کو یہ اندازہ ہے کہ میں صرف ادائیگی فرض کے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں اور بعد میں ایک معزز شخص کی عزت کی حفاظت کرنے پر مجرم قرار پایا ہوں میں اپنے آپ کو بری الذمہ بھی قرار دے سکتا تھا اور اس کے بعد اگر مجھے یہ احساس ہوتا کہ سردار منگی میرا مخالف ہو گیا ہے تو میں اپنی جان بچا کر کسی بھی گوشے میں اپنے لئے پناہ گاہ [illegible]... سردار! اس کے بعد فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ مجھے جس قدر بھی مجرم قرار دیے بھی اتنا جی لیا ہوں کہ اب جینے سے کوئی دلچسپی نہیں...... ہاں، یہ درخواست ضرور کروں گا کہ مجھ پر یقین رکھا جائے"۔

زمان منگی ڈگمگاتے قدموں سے اس بڑے کمرے کے دروازے کی جانب چل پڑا تھا، وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اپنے دوستوں کے درمیان پہنچا...... یہاں آتے ہوئے اس نے جن لوگوں کا انتخاب کیا تھا...... یہ ایسے لوگ تھے کہ وہ انہیں اپنے وجود کا حصہ

سمجھتا تھا...... وہ بچپن سے اس کے ساتھ رہے تھے...... اس کے وفادار...... اس کے ہمدرد اور ایسے کہ اس کے ایک لفظ پر اپنی جان قربان کر دیں...... ان ہی لوگوں کو وہ اپنا رازدار بنا کر یہاں لایا تھا اور وہ جانتے تھے کہ سردار ملنگی کے دل پر کیسے گھاؤ لگے ہیں، لیکن یہ وہ لوگ تھے جو گھاؤ پر مسکراہٹ کا نمک نہیں چھڑکتے تھے، بلکہ ان پر مرہم رکھنے کے خواہاں تھے اور یہ اس کی پوری زندگی کا ریکارڈ تھا...... ان میں سب سے زیادہ قریبی شخص تراب جان تھا جو زمان ملنگی کا بچپن کا ساتھی تھا اور دونوں اکٹھے سکول میں پڑھے تھے اور جب برائیوں کے راستے پر نکلے تو تراب جان صرف اس کے لئے زمان ملنگی کا ساتھی تھا کہ وہ اس کا دوست تھا...... پھر زندگی کے مختلف ادوار گزرے اور اس کے بعد تجربات نے ٹھنڈک پیدا کی، توانائی کی کمی نے احساسات کو دوسرے رنگ دے دیئے...... سو اس وقت بھی زمان ملنگی تراب جان کے پاس جا بیٹھا تھا...... تراب جان نے ایک نگاہ میں دیکھ لیا کہ زمان ملنگی زخم خوردہ ہے اور کچھ نئے گھاؤ اس کے دل پر لگے ہیں، ورنہ وہ اس قدر نڈھال نظر نہ آتا...... اس نے ہمدردی اور حیرت سے پوچھا۔

"اگر کوئی ایسی بات ہے جو مجھے بتائی جا سکتی ہے تو میں اسے جاننے کا خواہش مند ہوں زمان!"۔

"تراب...... زخم تو پہلے ہی لگے تھے...... خون تو پہلے بھی بہہ گیا تھا، لیکن یہ ایک ایسا کاری وار ہے جو شاید زندگی کو اختتام کی جانب لے جائے اور ہوتا ہے...... ایسا ہونا چاہئے کیونکہ ہم نے بھی تو آج تک جسموں کو زخم سے چور کیا ہے...... بہت دیر کے بعد تجربے اور عقل نے یہ بات بتائی کہ اللہ کی رسی دراز ہوتی ہے لیکن بالآخر ایک دن اسے کھینچ لیا جاتا ہے اور جب یہ رسی کھینچ لی جاتی ہے تو پھر کوئی راستہ نہیں ملتا...... ایسا ہو گیا ہے تراب...... ایسا ہی ہو گیا ہے"۔

"میں بے چین ہوں یہ جاننے کے لئے کہ کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے تو وہ کیا ہے؟"۔
تراب نے پریشان لہجے میں کہا۔

دوسرے دوست بھی قرب وجوار میں آبیٹھے تھے...... زمان ملنگی کی کیفیت یہ بتا رہی تھی کہ واقعی کوئی بڑا واقعہ ہو گیا ہے...... زمان ملنگی نے جلتی ہوئی آنکھیں اٹھائیں...... اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے تمام ساتھیوں کو دیکھا...... پھر غمزدہ لہجے میں بولا۔

"انسان اپنے عزیز ترین دوستوں کے سامنے بھی بے لباس نہیں ہوتا، لیکن تقدیر نے میرے بدن سے میرا لباس اتار دیا ہے...... تو میں کس کس سے اپنے آپ کو چھپاؤں...... جو بات آج ہو چکی ہے، وہ کل زبان زد عام ہو جائے گی...... کیسے روکوں گا میں؟ لوگ خاموش رہیں گے لیکن ان کی آنکھیں بولیں گے...... ان کے اعضاء بولیں گے...... میں خاموش زبانوں کو بند نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے وجود میں اتنی وسعت ہے کہ اب میں اس اہم راز کو سینے میں پوشیدہ کر سکوں...... آہ میرے دوستو! ہم نے زندگی میں لاتعداد فتوحات حاصل کی ہیں لیکن اب ہمیں شکست کا مزہ چکھنا پڑا ہے...... ہمارے دشمن نے ایک طویل منصوبہ بندی کرکے بالآخر ہمیں زیر کر لیا ہے"۔

"کون دشمن ہے وہ؟ ہوا کیا ہے؟ زمان ملنگی اگر ہمیں اپنے راز میں شریک کرنا چاہتے ہو تو خدا کے لئے اس قدر بے چین مت کرو" تراب جان نے کہا۔

زمان ملنگی تراب جان کی صورت دیکھتا رہا...... پھر بولا۔ "شرم کا ایسا مقام ہے تراب جان کہ میری زبان اس کی عقدہ کشائی کی سکت نہیں رکھتی"۔

"جذبات کا جو طوفان تم پر چھایا ہوا ہے اسے نکال دو...... ورنہ تمہارا منہ پھٹ جائے گا۔ زمان ملنگی! میں تمہارے جوش کی شدت کو محسوس کر رہا ہوں" تراب جان نے کہا۔

"ہاں بتاتا ہوں...... شاہ عامل یاد ہے تمہیں؟"۔

"وہ جس کے خانہ خیل کی ڈھلانوں میں خوبانیوں کے باغ تھے، جس نے وہ خوبانیوں کے باغ ہمیں دینے سے انکار کیا تھا تو ہم اسے اٹھا کر لے گئے تھے اور ہم نے اس کا بایاں بازو کاٹ دیا تھا اور دایاں بازو اس لئے سلامت چھوڑ دیا تھا کہ اسے ان کاغذات پر دستخط کرنا تھے، جن کے تحت خوبانیوں کے باغ ہماری ملکیت ہو جائیں"۔

"آہا! وہ شاہ عالم تو ہمیں یاد ہے"۔

اور اس کے بعد وہ خانہ خیل سے کہیں چلا گیا تھا اور ہم نے یہ سوچ کر اس پر توجہ نہیں دی تھی کہ اب وہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ اس کے اندر ہم سے مقابلے کی سکت نہیں رہی۔

"ہاں...... مجھے یاد ہے" تراب جان نے کہا۔

لیکن وہ بد بخت ایک عظیم منصوبے کی تکمیل میں مصروف ہو گیا اور اپنے منصوبے کو اختتام تک پہنچانے کے لئے اس نے خانہ خیل سے دوری اختیار کی تھی۔

"کیسا منصوبہ؟ کیا کیا اس نے؟"۔

"صرف چند لفظ اس کی کامیابی کا اعلان کر دیں گے...... تراب جان...... میں وہی الفاظ اپنی زبان سے ادا کرنے جا رہا ہوں"۔

"کیا؟" بیک وقت کئی آوازیں اُبھریں۔

"علی نواز جس کے پاس اس وقت میں یہاں آیا ہوں اور جو میری بیٹی کا شوہر بن چکا ہے...... میری صنوبر کا اس سے نکاح ہو چکا ہے...... وہ شاہ عالم کا بیٹا ہے"۔

دھماکے کبھی کبھی بے آواز بھی ہوتے ہیں، لیکن ان کا ارتعاش محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس وقت اس جگہ یہی ارتعاش پھیلا ہوا تھا...... ہر شخص لرزشوں کا شکار تھا...... یہ ناقابل یقین انکشاف ان کے اعصاب کو بھی مفلوج کرنے کا باعث بن گیا تھا جس کی بناء پر وہ دیر تک بول بھی نہ سکے، لیکن ان کے وجود ان دھماکوں سے پیدا ہونے والے ارتعاش کا شکار تھے...... نجانے کتنی دیر تک وہ اس ارتعاش کا شکار رہے...... بہ مشکل تمام انہوں نے سنبھالا لیا...... تراب جان ہی نے کہا۔

"کیا واقعی...... یہ حقیقت ہے؟"۔

"ہاں ایک بد نما حقیقت!"۔

"خدا کے لئے بتاؤ تم پر اس حقیقت کا انکشاف کیسے ہوا؟"۔

زمان ملنگی غلام خیر کے الفاظ دہرانے لگا...... اس نے مشینی انداز میں تمام باتیں اپنے

بیٹوں کو بتائیں اور وہ سب بہت دیر تک سنسناہٹ کا شکار رہے...... تراب جان کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی...... بہت دیر کے بعد اس نے کہا...... زمان ملنگی کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟"۔

"نہیں کر پا رہا کوئی فیصلہ...... نہیں کر پا رہا"۔

"ہم سے کیا چاہتے ہو؟"۔

"کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے؟" "کیا میں نے تمہیں اس لئے اپنی بیماری کا راز بتایا ہے کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ اس بیماری کی کیا دوا کی جائے۔

"نہیں...... لیکن تم جانتے ہو کہ بعض دوائیں کڑوی ہوتی ہیں اور اگر کوئی تمہاری صحت کے لئے تمہیں کڑوی دوا پیش کرے تو...... کیا وہ اس احساس کا شکار ہے کہ اس دوا کی کڑواہٹ اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گی"۔

"کہنا کیا چاہتے ہو تراب جان؟"۔

"دیکھو زمان ملنگی ہم فاتح رہے ہیں...... ایسے ایسے واقعات ہماری زندگی میں شامل ہیں کہ اگر ہم ان کا تجزیہ کرنے بیٹھ جائیں تو ہمیں یہ احساس ہو کہ جس قدر کامیاب زندگی ہم نے گزاری ہے وہ شاید ہی کسی اور نے گزاری ہو...... ہم نے اپنے طاقتور ترین دشمنوں پر قابو پا کر انہیں اپنے قدموں میں لوٹنے کے لئے مجبور کر دیا، لیکن جہاں ہم فتح کا مزہ چکھتے رہے ہیں، وہاں شکست کی لذت سے بھی ہمیں دوچار ہونا پڑے گا...... ہم یہ کیوں نظر انداز کریں کہ شکست میں بھی ایک لذت ہے"۔

"دیکھو، جو کہنا چاہتے ہو...... صاف لہجے میں کہو...... میرا ذہن اس وقت کسی بوجھ کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا"۔

"ہمیں حالات کا تجزیہ کرنا چاہئے زمان ملنگی"۔

"جو کرنا چاہتے ہو...... کرو، مجھے سکون چاہئے...... مجھے سکون چاہئے۔

"زمان ملنگی اپنی بیٹی سے اس قدر پیار کرتے ہو تم کہ تم نے وہ کیا...... جو شاید کبھی تصور

میں بھی نہ آسکے ...... اپنی بیٹی کی آرزو کی تکمیل کے لئے تم نے ایک ایسا قدم اٹھایا جس سے ہم نے تمہارے وجود کے ان زخموں کو دیکھا جنہوں نے تمہیں لہولہان کر دیا تھا...... اگر تم شکست کی بات کرتے ہو تو تمہاری پہلی شکست وہ تھی"۔

"میں تسلیم کرتا ہوں" زمان ملنگی نے کہا اور اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ میری بیٹی سرکش نہیں تھی...... اگر وہ مجھ سے گریز کرتی ...... اگر وہ اپنے دل کی واردات مجھے نہ بتا دیتی اور چھپ چھپ کر عشق کی پینگیں بڑھاتی تو شاید میں برداشت نہ کر سکتا تھا، لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ میری بچی نے اپنے دل کا حال مجھ سے اس طرح بیان کر دیا، جیسے ساری زندگی وہ اپنے آپ کو مجھ پر افشاء کرتی رہی تھی...... میں نے دل میں سوچا...... ایک معصوم آرزو کو پامال کرنا کم از کم میرے لئے ممکن نہیں...... آہ! میں اسے اتنا ہی چاہتا تھا اور اتنا ہی چاہتا ہوں...... میں نے کسی اور کے لئے نہیں بلکہ اپنی بیٹی کے لئے یہ زخم کھانا گوارا کر لیا"۔

تو ہم تجزیہ یوں کرتے ہیں زمان ملنگی کہ شاہ عامل نے اپنے بیٹے کو غلام خیر کے حوالے کر دیا، لیکن شاہ عامل کی ایک ہی اولاد تو نہیں تھی"۔

"شاید ایسا تھا"۔

"میں جانتا ہوں...... اس کے اور بھی کئی بیٹے تھے...... صحیح تعداد تو مجھے نہیں معلوم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ایک ہی بیٹے کو غلام خیر کے حوالے کیوں کیا؟"۔

"سازش اور صرف سازش"۔

"یہ سازش شاہ عامل کی ہو سکتی ہے...... علی نواز یا غلام خیر کی نہیں"۔

"وہ اس سازش میں شریک تھے؟"۔

"کم از کم علی نواز نہیں کیونکہ وہ معصوم بچہ تھا اور پھر زمان ملنگی! وہ بالکل اتفاقیہ طور پر بستی خانہ خیل پہنچا...... یہ الگ بات ہے کہ اس سے کہا گیا ہو کہ وہ بستی خانہ خیل جائے لیکن تم مجھے بتاؤ کیا اس کے ساتھ ساتھ تقدیر کی کارگیری شامل نہیں تھی...... پل کا وہ رسہ تو بہت پہلے سے کمزور تھا، جو عین اس وقت ٹوٹ گیا جب صنوبر وہاں سے گزر رہی تھی اور یہ بھی

تقدیر ہی کا کھیل تھا کہ اس وقت علی نواز وہاں موجود تھا...... یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ علی نواز نے یہ جانے بغیر کہ پالکی میں کون سوار ہے، پالکی سواروں کو بچانے کے لئے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا...... میں بھی اس وقت تمہارے ساتھ تھا اور ان ساری باتوں کو جو اس وقت پیش آئیں اور اس کے بعد جو حالات پیش آئے، ان ساری باتوں کا مجھے علم ہے...... سمجھ رہے ہو ناں اس کا مطلب ہے کہ علی نواز کم از کم اپنے باپ کی سازشوں کا شریک نہیں تھا...... یا پھر تم یہ کہہ سکتے ہو کہ شاہ عامل نے سوچا ضرور تھا لیکن ہوا وہ جو تقدیر میں لکھا تھا"۔

"میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں...... یہ مشورہ چاہتا ہوں میں تم سے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے"۔

"یہ مشورہ تمہاری موجودہ کیفیت کے بالکل خلاف ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ مجھے جو منصب دیا گیا ہے، اس میں کمی آئے...... میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرا دوست یہ محسوس کرے کہ میں نے اس کی شان کے خلاف مشورہ دیا...... میں یہ مشورہ بھی دے سکتا ہوں کہ خاموشی سے اسٹین گنوں سے مسلح ہو کر ہم اس گھر میں داخل ہوں جہاں شاہ عامل رہتا ہے اور پھر صنوبر کے علاوہ یا علی نواز کے علاوہ جو صنوبر کا زندگی بھر کا ساتھی ہے، وہاں موجود ایک ایک شخص کو اس کے خون میں نہلا دیں...... ایسے سوراخ کریں ان کے جسموں میں کہ ان کے تمام اعضاء اُدھڑ کر رہ جائیں...... ہم انہیں ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں...... میں یہ مشورہ تمہیں دے سکتا ہوں اور ہم یہ کام کر سکتے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ کام کرنے کے بعد ہم زندہ سلامت بستی خانہ خیل پہنچ جائیں اور یہ بھی جانتے ہیں ہم کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ وہ ہم تھے...... یہاں تک کہ علی نواز کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس کے اہل خاندان کے قاتل کون ہیں...... لیکن اگر وہ نوجوان بالکل ہی دیوانہ نہیں اور اپنی بیوی کو لے کر وہ جس گھر میں فروکش ہوا ہے اگر وہاں اسے عزت کا مقام نہ ملا تو ایسا بھی نہیں کہ وہ وہیں قیام پذیر رہے، لیکن یہ سب کچھ کرنا ایک بدترین خطرہ مول لینا ہوگا...... زمان ملنگی! کیونکہ اگر علی نواز کو اس بات کا کسی وقت پتہ چل گیا کہ اس کے اہل خاندان کے قاتل ہم ہیں تو کیا وہ

صنوبر کے ساتھ بہتر سلوک کرے گا؟ کیا ایک بیٹا ایسا کر سکتا ہے؟ اپنے طور پر سوچو زمان ملنگی! کیا یہ ممکن ہو گا اس کے لئے؟"۔

"تراب جان...... جو کہنا چاہتا ہے...... صاف الفاظ میں کہہ...... میں برداشت نہیں کر پا رہا...... کیوں میرا امتحان لے رہا ہے!"۔

"تمہیں ایک تکلیف دہ مشورہ دینا چاہتا ہوں زمان ملنگی! سنو اور اس کے بعد میرے منصب کا تعین کر لو...... میری زندگی اور موت کا فیصلہ کر لو...... مجھے اعتراض نہیں ہو گا" تراب جان کو بھی جوش آ گیا۔

"کہو...... میں یہی چاہتا ہوں کہ جو دل میں ہے کہو...... تم میرے دوست ہو...... میں تم پر اعتماد کرتا ہوں" زمان ملنگی نے کہا۔

"تو اس اعتماد کے رشتے کو قائم رکھتے ہوئے میں تجھے مشورہ دیتا ہوں زمان ملنگی...... سن! اپنی زندگی بھر کی سرداری کو بھول جا...... اپنی زندگی بھر کی کامیابیوں کو بھول جا...... اس وقت تو ایک بیٹی کا باپ ہے...... ایک ایسی بیٹی کا باپ جو تیری عزت ہے...... تیری آبرو ہے اور تیری زندگی ہے...... جسے تو اپنے وجود سے زیادہ چاہتا ہے اور یہ بات میں جانتا ہوں...... اگر ایسا نہ ہوتا تو تو اپنی ذات پر کوئی ضرب برداشت نہ کرتا...... زمان ملنگی...... شاہ عالم کے گھر جا...... غلام خیر کو ساتھ لے جا اور اس کے بعد وہ ہر بات تسلیم کر...... قبول کر...... جو شاہ عالم تیرے ساتھ کرے...... ان تمام کیفیتوں کو برداشت کر زمان ملنگی...... جو تجھ پر دہاں طاری ہوں...... تو ایک شکست خوردہ کی حیثیت سے جا اور اگر شاہ عالم اس قابل نہ نکلا کہ وہ تیرے ساتھ بہتر سلوک کرے تو پھر ہمارا آخری فیصلہ ہو گا کہ ہم سب کچھ ختم کر دیں، تباہ کر دیں سب کچھ...... لیکن ابتداء ایسی نہیں ہونی چاہئے...... ابتداء تو ایک بیٹی کے باپ کی حیثیت سے کر...... اس کے طنز کا ہر تیر برداشت کر...... اسے اپنے آپ سے بڑا مقام دے تاکہ تیری بیٹی آباد رہے...... یہ ایک تجربہ ہو گا...... ایک امتحان ہو گا انسانیت کا...... دیکھیں اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے!"۔

قدموں میں جا گروں"۔

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اس کے قدموں میں جا گروں"۔

"نہیں...... وقت کے قدموں میں یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے قدموں میں نہیں..."

"خاموشی سے واپس چل اور بھول جا اپنی بیٹی کو"۔

"نہیں...... یہی تو میں کر نہیں سکتا"۔

"دیکھ...... تنے ہوئے سر کبھی نہ کبھی ضرور جھکتے ہیں اور جھک جانا بڑی بات ہوتی ہے، ورنہ تیرا دل خالی ہو جائے گا...... میرا تو یہی مشورہ ہے...... آخری فیصلہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے"۔

زمان ملنگی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

❀ ❀ ❀

شاہ عالم اب بہت خوش تھا...... اپنی اس فتح کا اسے پورا پورا احساس ہو گیا تھا...... وہ شخص جس نے اس سے اس کی زمینیں چھین لی تھیں...... اس کا بازو چھین لیا تھا...... بری طرح شکست کھا چکا تھا، کیونکہ شاہ عالم نے اس سے اس کی عزت چھین لی تھی...... یہ بات شاہ عالم اچھی طرح جانتا تھا کہ زمان ملنگی کو جب حقیقت کا علم ہو گا تو اس پر کیا گزرے گی! زمانہ شناس تھا...... حقیقتوں کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر زمان ملنگی حقیقت حال کا علم ہونے کے بعد قہر بن کے ٹوٹا تو شاید وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے...... ایسی صورت میں بیٹے اور گھر کے تمام افراد پر قیامت ٹوٹ سکتی تھی...... یہ سب اس کا شکار ہو جاتے، لیکن اس نے خود غرضی سے سوچا تھا کہ کامیابی کے بعد اگر موت بھی گلے لگانی پڑے تو سودا مہنگا نہیں...... اگر ابھی سے اپنے بیٹوں کو اپنے اس احساس سے آگاہ کر دے گا تو وہ اس سے منحرف ہو جائیں گے، ہو سکتا ہے ان کی طرف سے کسی شدید ردعمل کا اظہار ہو...... یہ احساس بھی ہو چکا تھا اسے کہ باقی بیٹے اب کسی بھی طرح علی نواز کو اپنے درمیان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، لیکن اس سلسلے میں اس کا رویہ سخت ہو گیا تھا...... چند روز تک اس نے اپنے بیٹوں کی بے رخی محسوس کی اور یہ جان لیا کہ بیٹوں کی بیویاں بھی صنوبر کو کوئی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں...... لہٰذا ایک دن اس نے تنہائی میں اپنے تینوں بیٹوں ضیغم...... علی شاد اور علی داراب کو طلب کر لیا...... تینوں بیٹے باپ کے سامنے پہنچ گئے۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے علی نواز کو اپنے آپ سے جدا کر رکھا ہے اور اسے وہ مقام دینے کے روادار نہیں ہو جو سگے بھائی کو دیا جاتا ہے"۔

"اصل میں ہمیں یہ سب کچھ بہت عجیب محسوس ہو رہا ہے بابا جانی...... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس سے پہلے اسے اپنے درمیان کبھی نہیں دیکھا"۔

"یوں تو بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا علم ماں باپ اپنی اولاد کو نہیں دیتے، لیکن میرا یہ کہنا کافی نہیں کہ جو کچھ ہوا...... میرے ایما پر ہوا...... میری ضرورت اور میری مجبوری تھی یہ سب کچھ اور اب میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ بھی میری ضرورت اور علی نواز کا حق ہے"۔

"آپ بے شک ٹھیک کہتے ہوں گے لیکن ہم اپنی کیفیت آپ کو بتا چکے ہیں...... وہ ہمیں اجنبی لگتا ہے اور ایک اجنبی کا کوئی بڑا مقام ہمیں ناپسند ہے"۔

"اس کے نتیجے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں اور اپنے مظلوم بیٹے کے ساتھ ایک الگ زندگی گزاروں"۔

"آپ کو اس کا حق حاصل ہے...... بابا جان!" علی داراب نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... تو مجھے اس کا بھی حق حاصل ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے...... ان کا تم سے حساب طلب کر لوں...... مجھے میری واپسی کرنا پڑے گی تمہیں اور اس کے بعد میرے پاس جو کچھ ہے...... وہ میں اپنے اس بیٹے کو دے دوں جسے میں نے زندگی بھر اپنے آپ سے دور رکھا ہے"۔

اس بات پر سب نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی...... علی شاد نے کہا: "بابا جان آپ جذباتی ہو رہے ہیں...... آپ ذرا غور کریں وہ ہم سے کس قدر مختلف ہے! ہمارے دل ہمارے ذہن اسے قبول نہیں کرتے...... ہم تعلیم یافتہ ہیں...... ہم اس دنیا میں رہنا جانتے ہیں...... وہ ایک جاہل اور دیہاتی نوجوان ہے...... ہم اسے بھائی کہتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں"۔

"بے غیرتوں کو کبھی شرم نہیں آتی...... تم شرم کا نام کیا جانو! ارے بدبختو! ساری حقیقتیں علم میں آ چکی ہیں...... سب کچھ جان چکے ہو تم...... یہ علم ہو گیا ہے تمہیں کہ میں نے

اسے قربانی کا بکرا بنایا تھا...... میں نے تم میں سے کسی کو اس کام کے لئے منتخب نہ کیا اور اپنی اس نگاہ کی داد دیتا ہوں...... جس نے غیرت مند اور بے غیرتوں کو پہچان لیا...... تم بے غیرت ہو کر اپنے باپ کی اس بے حرمتی اور بے عزتی کا کوئی احساس تمہارے دل میں نہ رہا...... حقیقتوں سے آشنا ہونے کے بعد تو تمہیں علی نواز کے قدموں پر سر جھکا دینا چاہئے تھا جس نے تمہارے باپ کی توہین کا انتقام لیا، جس نے وہ کیا جس پر تم ہمیشہ ناز کرتے رہو گے"۔

"کہنے کو تو بابا جان، بہت کچھ کہا جاتا ہے...... یہ صرف اپنا اپنا انداز فکر ہے اور کیا خوبصورت بات ہے! کیا ہی عمدہ انتقام ہے یہ کہ آپ کے صاحبزادے...... آپ کی ہدایت کے مطابق سردار زمان ملنگی کا سر کاٹنے گئے تھے اور اس کی بیٹی کو لے بھاگے"۔

"تم پر لعنت بھیجنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں میں...... شہری زندگی نے در حقیقت تم سے تمہاری شان...... تمہاری آبرو...... تمہارا مقام چھین لیا ہے...... تمہارے احساسات مردہ ہو چکے ہیں...... تمہارا ضمیر سو گیا ہے...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ انتقام ایسا ہے جس کی مثال پہاڑوں میں نہیں ملے گی اور حقیقت یہی ہے کہ میں نے بھی پہلے اس کے بارے میں اسی انداز میں سوچا تھا، لیکن اب مجھے احساس ہوا کہ زمان ملنگی اگر مر جاتا...... میرا بیٹا اسے قتل کر دیتا تو یہ انتقام اس قدر شدید نہ ہوتا جتنا شدید انتقام اب لیا گیا ہے...... بے وقوفو! زمان ملنگی کی موت تو لمحہ لمحہ ہو گی...... ایک ایک لمحے مرے گا وہ، لیکن تم نہیں سمجھو گے...... شاید غلطی پر غلطی کی ہے میں نے...... مجھے تمہیں تعلیم نہیں دلانی چاہئے تھی...... تمہاری تعلیم نے تم سے تمہاری غیرت چھین لی...... آہ افسوس! کتنی غلطیاں کی ہیں میں نے زندگی میں"۔

بیٹوں نے یہ سوچا کہ صورت حال خراب ہو رہی ہے بالخصوص علی ضیغم زمانہ شناس تھا...... اس نے چند لمحوں کے بعد پینترا بدلا اور غصیلے لہجے میں بھائیوں سے بولا: "بابا جان کا موقف سنا تم نے! بابا جان جو کچھ کہہ رہے ہیں...... اسے تم نے شاید محسوس نہیں کیا، لیکن مجھے احساس ہو رہا ہے...... جب ایک بات سے بابا جان مطمئن ہیں تو میرا خیال ہے ہمیں ان سے اتفاق کرنا چاہئے" بھائیوں نے حیرت سے علی ضیغم کو دیکھا تو علی ضیغم نے انہیں غیر

...اشارہ کیا اور بولا۔

"ہم میں سے اگر کوئی اب بھی بابا جان کے موقف سے اختلاف رکھنا چاہتا ہے تو شاید اس سے کوئی واسطہ نہ رہے...... بابا جان میں کم از کم آپ کے موقف کا حامی ہوں"۔

"میں کسی کو اپنے موقف کا حامی نہیں بنانا چاہتا...... تم لوگ اپنے ذہن کی گہرائیوں کو ... اگر ان میں میرے بیٹے کے لئے کوئی مقام نکل آئے تو تم سے میرا واسطہ رہے گا ورنہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ میں تم سے کنارہ کش ہو جاؤں"۔

بعد میں علی ضیغم نے اپنے بھائیوں کو سمجھاتے ہوئے کہا: "بے وقوفو! اس وقت سب کچھ بابا جان کے ہاتھ میں ہے...... ہم ان کے غدار نہیں...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ علی نواز کو ہم ... ذہن سے کبھی قبول نہ کر سکے...... وہ ایک الگ بات ہے کہ بابا جانی بار بار ہمیں تعلیم کا ... دیتے ہیں...... تو کم از کم ہماری تعلیم ہمارے لئے تو ناکارہ نہیں ہونی چاہئے...... اس وقت بابا جان کو خوش رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری خوشیاں بھی قائم رہیں...... بے شک ہم اس ... میں اپنا مقام حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، لیکن کیا تم یہ چاہو گے کہ ہم بے گھر ہو جائیں اور اس جاہل گنوار کو سب کچھ مل جائے...... ارے اس کا کیا بگڑے گا لیکن ہم مفلوج ہو جائیں گے...... مصلحت بڑی چیز ہے...... مصلحت سے کام لو...... اس سے تعاون کرو...... ... وقت مناسب فیصلے کر سکے گا"۔

دونوں بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی سے اتفاق کر لیا، لیکن مردوں کی باتیں عورتوں کی سمجھ میں کہاں آتی ہیں! بھائیوں کا رویہ تو ایک دم تبدیل ہوا تھا، لیکن سب سے بڑی بات تھی کہ تینوں بیویاں اپنے اپنے شوہروں کو دیکھتیں تو انہیں یہ احساس ہوتا کہ یہ مرجھائے ہوئے پھول ہیں، جبکہ علی نواز کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ ابھی ابھی زمین سے تازہ تازہ کھلا گلاب جیسا...... حسین آنکھیں...... گہرے گھنے سیاہ بال...... بلند و بالا قامت...... ... قابل شخصیت تھی اور جب کبھی اتفاق سے چاروں بھائی یکجا ہو جاتے تو ان عورتوں کو ... کا احساس ہوتا تھا...... یہ خالص عورت پن تھا، جو ان کے دلوں کو جھلساتا رہتا

تھی...... دوسری جانب صنوبر بھی اتنی ہی حسین تھی اور دیکھنے والے کو ایک نگاہ دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اس دنیا میں اتارے گئے ہیں...... ابھی تک کوئی ایسا خاص واقعہ تو پیش نہیں آیا تھا...... یہ اندر ہی کی واردات تھی جوان کے دلوں میں تھی اور اس طرح کہ سب ایک دوسرے سے چھپائے ہوئے تھیں، لیکن زبان سے جو باتیں ادا ہو جاتی تھیں وہ دل کی کیفیت کی غمازی کرتی تھیں، مگر پھر خاص واقعہ اس دن پیش آ گیا جب شاہ عالم اپنے خوبصورت گھر کی کیاری میں کاٹ چھانٹ کر رہا تھا...... فطری طور پر زراعت پیشہ تھا...... خوبصورت مکان کے بیرونی حصے کو اس نے ایک بے مثال حسن دیدیا تھا...... اس میں اس کی کچھ یادیں بھی شامل تھیں، چنانچہ باغ میں خوبانیوں کے درخت جھول رہے تھے...... جن کی میٹھی میٹھی خوشبو تھی...... جسے آس پاس کے رہنے والوں نے اپنانے کی کوشش کی تھی، لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے اور عموماً شاہ عالم سے پوچھتے رہتے تھے کہ خوبانیوں کے یہ درخت اس نے یہاں کیسے اگا لئے...... لیکن یہ شاہ عالم کی اپنی زندگی کا اہم ترین راز تھا...... شاہ عالم اپنے کاموں میں مصروف تھا اور اس کے بیٹے بھی اس کے قرب وجوار میں موجود تھے اور اپنے طور پر اپنے کسی اہم مسئلے میں گفتگو کر رہے تھے، جبکہ علی نواز اور صنوبر اپنے کمرے میں تھے کہ دروازے سے غلام خیر اندر داخل ہوا...... غلام خیر کو دیکھ کر شاہ عالم کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی، لیکن اس کے عقب میں بھی کوئی موجود تھا جو جھجکتا ہوا اندر آیا تھا اور جب شاہ عالم نے اسے دیکھا تو اس کا پورا بدن جھنجھنا کر رہ گیا...... ایک نگاہ میں اس نے زمان ملنگی کو پہچان لیا تھا، حالانکہ زندگی کا ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا، لیکن کچھ لوگ زندگی کے آخری سانس تک بھولے نہیں جا سکتے اور زمان ملنگی بھی کم از کم شاہ عالم کے لئے ایسا ہی ایک شخص تھا...... زمان ملنگی نے ایک نگاہ شاہ عالم کو دیکھا اور اس کے بعد اس کی نظریں جھک گئی تھیں...... پھر وہ انتہائی سست قدموں سے کیاری کے نزدیک شاہ عالم کے پاس پہنچا...... اس نے نگاہ اٹھا کر شاہ عالم کو دیکھا اور ایک پوری کہانی شاہ عالم کی آنکھوں میں پڑھ لی...... اس کہانی میں ایک فاتح کی فتح کا ذکر تھا...... شاہ عالم کے چہرے کی

تحریروں میں ایک عجیب سی شان و تمکنت پائی جاتی تھی...... وہ نگاہیں جمائے زمان ملنگی کو دیکھ رہا تھا...... جب زمان ملنگی جھکا...... اس نے اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے اور پھر اپنی پگڑی اتار کر شاہ عالم کے قدموں میں ڈال دی...... ایک غیرت مند کے لئے غیرت ہی سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے...... زندگی میں جنگیں بھی کی جاتی ہیں...... مقابلے بھی کئے جاتے ہیں لیکن مقابلے کا مزہ اس مدمقابل کے ساتھ ہے جو آنکھوں میں آنکھیں ڈالے...... سینہ تانے...... مقابلے کے لئے تیار کھڑا ہو...... وہ جو زمین پر گھٹنے ٹکا دے اور پگڑی اتار کر قدموں میں رکھ دے...... دشمن بھی قابل احترام ہوتا ہے...... شاہ عالم کے ذہن سے زندگی کے برسوں کی داستان مٹ گئی...... نرمی...... ہمدردی...... محبت اور اخوت کی ہوا انتقام کی ہر رمق کو اپنے ساتھ اڑا لے گئی...... اور پھر ایسے وقت میں جب ایک فاتح...... مفتوح کے سامنے ہو...... شاہ عالم پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ خود بھی اسے نہ سمجھ پایا...... وہ جلدی سے جھکا اور زمان ملنگی کی پگڑی اکلوتے ہاتھ میں سنبھالی...... اسے سینے سے لگایا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

"نہیں سردار! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...... میں تیرے چہرے پر انتقام کی جھلک اور مبارزت کا چیلنج دیکھنا چاہتا ہوں...... یہ تو کوئی مزے کی بات نہ ہوئی...... یہ پگڑی تیری نہیں...... ان پتھریلے پہاڑوں کی امانت ہے جن کے سر کائنات کے کسی شخص کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئے...... بڑے بڑے فاتح فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے ان پہاڑوں کے نزدیک سے گزرے، تو ان سروں نے بلندیوں سے انہیں دیکھا اور اپنے قدموں ہی میں دیکھا...... ہماری مٹی ان ہی پہاڑوں کی امانت ہے...... اپنے مدمقابل کے سامنے ہم کبھی سر نہیں جھکاتے...... سر اٹھا کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں...... یہ پگڑی تیری نہیں...... میری نہیں...... ان پہاڑوں کی امانت ہے...... مجھے اجازت دے کہ میں تیرے سر پر سجا دوں...... غلام خیر میرے قریب آ...... معزز سردار ملنگی کو عزت و احترام سے...... اگر میرا دوسرا بازو بھی ہوتا تو میں اپنے دونوں ہاتھوں سے اس پگڑی کو زمان ملنگی

کے سر پر سجا تا ...... اس کے بدلے میری مدد کر"۔

غلام خیر تیزی سے آگے بڑھا ...... اس کے اپنے وجود میں بھی گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی ...... وہ سخت جذباتی ہو رہا تھا ...... اس نے اپنا ایک ہاتھ شاہ عالم کے ساتھ شامل کیا اور پگڑی کو دوبارہ زمان ملنگی کے سر پر سجا دیا ...... پھر شاہ عالم نے اپنے ہاتھ سے زمان ملنگی کو سہارا دیا اور اسے کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

"بہت چالاک ہے تو سردار زمان ملنگی! بے حد چالاک ہے تو ...... تجھے درحقیقت انسان تخلیق کرنا آتے ہیں ...... آج میں نے تیرے سامنے شکست مان لی ...... بے شک میں تیرا مدمقابل نہیں ...... بے شک میں تیرا ہم پلہ نہیں ...... ایک لمحے میں تو نے مجھے ساری زندگی کی کوششوں سے محروم کر دیا ...... پٹخ دیا مجھے اٹھا کر زمین پر ...... چور چور کر دیا مجھے ...... تجھے فتح مبارک ہو زمان ملنگی! تجھے فتح مبارک ہو"۔

زمان ملنگی کی بھیگی آنکھیں آنسوؤں کا بوجھ نہ سنبھال سکیں اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے نکل کر زمین میں جذب ہو گئے ...... اس نے آہستہ سے کہا: "شاید میں فتح کا مفہوم نہیں جانتا تھا، تو مجھ سے بہت بڑا ہے شاہ عالم! میں نے تجھے ایک حقیر شخصیت سمجھا تھا ...... آج میری سوچ مجھے شرمندہ کر رہی ہے ...... میں نے ہمیشہ بلندی پر بیٹھ کر پستیوں کی طرف دیکھا تھا، لیکن آج میں سر اٹھا کر بلندی کی طرف دیکھ رہا ہوں جہاں تو موجود ہے ...... شاہ عالم ہو سکتا ہے کہ تو یہ تصور کرے کہ میری مصلحت مجھے یہ الفاظ کہنے پر مجبور کر رہی ہے ...... میں تجھ سے یہ نہیں کہوں گا کہ اپنی سوچ تبدیل کر دے، لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں اپنی صفائی میں کہ کاش میں مصلحت پسند ہوتا"۔

"اور تیری بڑائی یہی ہے کہ تو نے میری ان کاوشوں پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، لیکن یہ بھی میں تجھے بتا دوں زمان ملنگی کہ میں نے اپنے بیٹے کو اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو اس طرح کے احساس کا شکار ہو یا وہ تیرے حرم میں داخل ہو کر تیری بیٹی سے رابطہ کرے میں بھی سچا انسان ہوں زمان ملنگی! میں نے اپنے انتقام کا ذریعہ یہ نہیں بنایا تھا لیکن تقدیر نے

آخر کار میں نے ان فیصلوں کو تسلیم کر لیا، جو ہوا اس میں میرے کسی منصوبے کو دخل نہیں تھا ...... میں نے تو سیدھی سیدھی یہ بات کہی تھی اپنے بیٹے سے کہ مجھے زمان ملنگی کا بازو چاہئے ...... وہ بازو چاہئے مجھے جس سے اس نے مجھے محروم کر دیا، لیکن زمان ملنگی! آج میں اپنا یہ عہد ترک کرتا ہوں ...... میں بھول گیا ہوں کہ ماضی میں کیا ہوا تھا ...... حال میں تو میرا عزیز ہے ...... میرا دوست ہے ...... میرے لئے قابل احترام ہے ...... کاش تو میری یہ پیشکش قبول کر لے"۔

زمان ملنگی نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور دو دشمن گلے مل گئے ...... دور کھڑے علی نیاز، علی شاہ اور علی داراب کے چہروں پر تمسخر کے آثار تھے ...... وہ اپنی جگہ کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے اور قریب نہیں آئے تھے ...... تب شاہ عالم نے انہیں آواز دی اور بولا۔

"میرا عزیز ...... میرا دوست ...... میرا بھائی آیا ہے ...... اسے احترام کے ساتھ اندر لے چلو اور اس کے قیام کے لئے مناسب انتظامات کرو"۔

"کیا میں صنوبر سے مل سکتا ہوں"۔

"ہاں ...... کیوں نہیں! میرے دوست کو اندر لے جاؤ اور اسے اس کی بیٹی کے ساتھ تنہا چھوڑ دو"۔

پھر اس طرح زمان ملنگی غلام خیر کے ساتھ اندر چل پڑا، جبکہ شاہ عالم نے اس کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا تھا ...... ایک لمحہ میں دنیا کا وہ واقعہ ہو گیا تھا جو شاید عام حالات میں کبھی نہیں ہوتا، لیکن بات وہیں آ جاتی ہے کہ انسان کی اپنی سوچ کبھی اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتی ...... وقت کے فیصلے جہاں سے ہوتے ہیں، وہیں سے درست ہوتے ہیں، البتہ علی نیاز اور دوسرے دونوں بھائی شاہ عالم کے پاس پہنچ گئے ...... چھوٹے بھائی علی داراب نے کہا۔

"بابا جانی یہ تھا آپ کا دشمن زمان ملنگی؟"۔

"ہاں ...... تم نے صحیح اندازہ لگایا ہے ...... یہ تھا میرا دشمن زمان ملنگی اور یہ ہے میرا

دوست زمان ملنگی"۔

"برا نہ مانیں باباجانی تو ایک بات عرض کروں آپ سے!" علی داراب نے کہا اور شاہ عامل تیکھی نگاہوں سے بیٹے کو دیکھنے لگا۔

"ہم نے اس طرح کے واقعات فلموں میں تو دیکھے ہیں...... حقیقت کی دنیا میں ان واقعات کا ظہور اس طرح ہو سکتا ہے...... یہ ہمارے وہم و گمان میں نہیں تھا"۔

شاہ عامل کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی...... پھر اس نے کہا۔

"جہاں تمہاری پرورش ہوئی ہے...... جس ماحول میں تم نے ہوش سنبھالا ہے...... وہاں میں ہی تمہیں لے کر آیا تھا اور تم پہاڑوں کی شان اور پہاڑوں کی اقدار بھول گئے...... یہ حقیقت ہے کہ اب ہماری زندگی کی وہ برائیاں صرف افسانوں میں رہ گئی ہیں...... دراصل ہم ان برائیوں سے محروم ہو چکے ہیں...... قصور تھوڑا سا میرا بھی ہے...... کاش میں تمہیں بھی ان پہاڑوں کی عظمت کے زیر سایہ پروان چڑھاتا...... کاش تم بھی بستی خانہ خیل میں پرورش پاتے تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ انسان کی بلندی کتنی ہوتی ہے! جاؤ اپنا کام کرو اور سنو! معزز مہمان کے ساتھ اگر ذرہ برابر گستاخی کی گئی تو شاید میں یہ غفلت معاف کرنے کا اہل نہ ثابت ہو سکوں"۔

یہ بات کہہ کر شاہ عامل اندر کی طرف چل پڑا جبکہ زمان ملنگی اس بڑے کمرے میں داخل ہوا جہاں پر صنوبر کا قیام تھا...... اس وقت علی نواز بھی صنوبر کے پاس موجود تھا...... غلام خیر نے دروازے کی جانب اشارہ کیا اور زمان ملنگی دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہو گیا...... دونوں میاں بیوی کسی بات پر ہنس رہے تھے...... انہوں نے چونک کر زمان ملنگی کو دیکھا اور صنوبر کے حلق سے ایک چیخ سی نکل گئی، پھر وہ "باباجانی" کہہ کر زمان ملنگی سے لپٹ گئی اور زار و قطار رونے لگی...... علی نواز ایک سمت کھڑا ہو گیا تھا، باپ کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا دریا رواں ہو گیا اور دل کی بھڑاس آہستہ آہستہ آنسوؤں کی شکل میں بہتی رہی یہاں تک کہ دونوں کے جی ہلکے ہو گئے...... زمان ملنگی نے علی نواز کی طرف دیکھا اور بولا۔

"بیٹے! میرا ایک بازو خالی ہے...... کیا تم مجھ سے دور رہو گے؟"۔

علی نواز آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور زمان ملنگی نے اسے بھی اپنے سینے میں بھینچ لیا......

گردش چرخ کی اپنی کہانی ہوتی ہے...... انسان کسی بھی طرح اپنے آپ کو اس سے منسوب کرے، لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

جس انداز کا آغاز زمان ملنگی نے بستی خانہ خیل میں کیا تھا...... اس کا کوئی مخصوص محور نہیں تھا...... خانہ خیل کے لاتعداد افراد زمان ملنگی کی برائیوں کا شکار ہوئے تھے، لیکن ان میں سے کئی نے خود کو اس کی دشمنی کے قابل نہیں سمجھا تھا اور بالآخر اسے اپنا آقا مان لیا تھا اور اب وہ بھول بھی گئے تھے کہ زمان ملنگی کون تھا...... بہت سے ایسے بھی تھے جن کی دوسری نسل اب موجود تھی اور وہ خود اپنے دلوں میں کتنے چراغ چھپائے ہوئے چل بسے تھے...... بہرحال جو کچھ ہو رہا تھا، وہ سب ناقابل یقین تھا...... شاہ عامل نے بڑی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا تو بات ختم ہوئی تو اس طرح ختم ہوئی کہ شاہ عامل ماضی کی تمام باتیں بھول گیا، لیکن یہ نہ بھولا تھا...... زمان ملنگی نے جس انداز میں اپنا آغاز کیا تھا اور آہستہ آہستہ جس طرح وہ اپنے انجام تک پہنچا تھا، وہ بالکل ہی مختلف بات تھی...... بہرحال تراب جان اور دوسرے لوگ بھی معزز مہمانوں کی حیثیت سے اس جگہ پہنچ گئے تھے اور تقریباً سبھی حیران تھے کہ شاہ عامل کو یہ رتبہ کیسے حاصل ہو گیا، لیکن فیصلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

کئی دن تک زمان ملنگی...... شاہ عامل کا مہمان رہا اور شاہ عامل نے بھی اس کی خاطر مدارات میں کمال کر دکھایا...... گو اسے اپنے بیٹوں کے چہروں پر مخالفت نظر آتی تھی، لیکن انتقام کا ردعمل کسی بھی صورت میں ظاہر نہیں ہو پایا تھا، کیونکہ بہرحال بیٹوں میں اتنی جرات نہیں تھی...... ہاں، علی نواز اپنے طور پر باپ کا شکر گزار تھا...... صورت حال اس کی گرفت سے بھی باہر نہیں رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ نے کس قدر بلند ظرفی کا ثبوت دیا ہے...... تھوڑی بہت سمجھ اب صنوبر کو بھی آ گئی تھی، کیونکہ کہانیاں بھی صیغہ راز میں نہیں رہتیں...... کسی نہ کسی شکل میں افشاء ہو جاتی ہیں...... ہاں، جب زمان ملنگی شہر سے

مجھے سرخرو ہونے کا موقع دے دو"۔

"ہم سمجھے نہیں باباجانی!"۔

"میں نے زمان ملنگی سے وعدہ کر لیا ہے...... اس وقت تقدیر نے مجھے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ میں جس طرح تم لوگوں کو بلی کے بچوں کی طرح لٹکائے لٹکائے وہاں سے واپس بھاگا تھا...... آج میں وہاں شان کے ساتھ داخل ہوں...... دیکھو! میں کسی کی سبکی نہیں چاہتا...... اگر زمان ملنگی خود مجھے دعوت نہ دیتا تو شاید میں کبھی بستی خانہ خیل کا رخ نہ کرتا، لیکن میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے...... اگر تم میرے وعدے کی لاج رکھنا چاہتے ہو تو ایک بار بلکہ آخری بار میرے ساتھ چلو"۔

"ٹھیک ہے باباجانی...... ہم اب تک آپ کی لاج ہی رکھتے آئے ہیں" ضیغم نے کہا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد شاہ عالم کے چہرے پر غموں کے سائے لرزاں ہو گئے...... بیٹوں کا رویہ اسے ضرورت سے زیادہ ہی خراب محسوس ہوا تھا، لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات کے متعلق زندگی بھر نہ سوچا جائے، لیکن وہ ظہور پذیر ہو جاتی ہے...... اسی کو انسان کی بے بسی کہتے ہیں اور اسی کو وقت کی آواز۔

مقررہ وقت پر شاہ عالم اپنے پورے خاندان کو لے کر چل پڑا...... راستے میں بھی علی ضیغم نے اس خدشے کا اظہار کیا، وہ کہنے لگا۔

"باباجانی ایک بات پر آپ نے غور نہیں کیا؟"۔

"کیا؟"۔

"زمان ملنگی کے بارے میں ہمیں جتنا معلوم ہوا ہے اس کا اس سے کہیں زیادہ آپ کو علم ہوگا، کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں چکنی چپڑی باتیں کر کے اس نے آپ کو رام کر لیا ہو اور اب بستی خانہ خیل میں ہماری قتل گاہ تعمیر کی گئی ہو...... جب ہم وہاں پہنچیں تو زمان ملنگی اپنے پورے قہر اور اپنی پوری قوت کے ساتھ ہمیں نرغے میں لے لے اور پھر وہاں ہمیں موت کی نیند سلا دیا جائے"۔

شاہ عالم کا ذہن ایک لمحے کے لئے بھٹکا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا: بہت عجیب خدشے کا اظہار کیا ہے تم نے! واقعی میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی لیکن اب ہم چل پڑے ہیں اور جب ہم نے تقدیر پر ہمیشہ ہی بھروسا کیا ہے تو یہ آخری بھروسا بھی سہی"۔

"کہیں اس کے بعد ہمارے اور تقدیر کے درمیان رابطے ختم ہی نہ ہو جائیں؟" ضیغم نے کہا اور شاہ عالم اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ ضیغم کی بات نے اس کے دل میں شک ضرور پیدا کر دیا تھا...... تنہائیوں میں اس نے سوچا تھا کہ واقعی کیا زمان ملنگی اس قدر غلط انسان بھی ثابت ہو سکتا ہے...... پھر اس نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ اگر تقدیر میں یہی سب کچھ لکھا ہے تو تقدیر کے لکھے کو آج تک کون ٹال سکا ہے جو وہ ٹال سکے گا۔

زمان ملنگی کے اندر جو ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی اس سے کوئی واقف نہیں تھا، حالانکہ اس کے دوست اس کے ہمراہ تھے...... یہ اس کے رازدار اور اس کے فطرت شناس تھے، لیکن اس مرحلے پر وہ بھی کسی حتمی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے تھے...... وہ تو یہاں کچھ اور ہی سوچ کر آئے تھے، لیکن جو کچھ ہوا تھا اس نے انہیں بھی ہلا کر رکھ دیا تھا...... بہرحال سب نے زمان ملنگی سے تعاون ہی کیا تھا اور اسے بددل نہیں ہونے دیا تھا...... واپسی بڑی عجیب اور خاموش تھی...... زمان ملنگی کے چہرے پر ہر لمحے سوچ کے سائے رقصاں رہتے تھے...... پھر وہ بستی خانہ خیل پہنچ گیا اور اس نے تنہائیوں میں بسیرا کر لیا...... وہ کیا کر رہا تھا، کیا سوچ رہا تھا، کسی کو بھی معلوم نہیں تھا...... صنوبر کے اس کی زندگی سے نکل جانے کے بعد ملنگی نے خود کو تنہا ہی محسوس کیا تھا...... اب بھی وہ تنہا ہی اپنے فیصلے کر رہا تھا...... اس کے ساتھ ساتھ اس نے دوستوں کو حکم دے دیا تھا کہ شاہ عالم کے شایان شان استقبال کا بندوبست کیا جائے۔

جب شاہ عالم کے آنے کی اطلاع ملی تو بستی خانہ خیل کے بے شمار افراد اس مہمان کے استقبال کے لئے تیار ہو گئے، جن کے بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں تھا لیکن ان سے کہا گیا

تھا کہ ایک معزز مہمان کی پذیرائی کے لئے تیار ہو جائیں...... جب شاہ عامل کو دیکھا گیا تو بیشتر ایسے تھے جو اسے پہچان ہی نہ سکے، لیکن جو پرانے تھے اور جن سے شاہ عامل کا براہ راست واسطہ رہ چکا تھا...... وہ شاہ عامل کو دیکھ کر اظہار حسرت کرنے لگے کہ انہوں نے تو اپنا سب کچھ گنوا دیا اور پستیوں کی انتہا کو پہنچ گئے، لیکن شاہ عامل کو یہ عزت اور یہ شہرت نہ جانے کس طرح سے ملی! بستی کے افراد آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے...... ادھر شاہ عامل کو زمان ملنگی کی حویلی میں پہنچا دیا گیا، جہاں اس کے لئے اعلیٰ ترین انتظام کیا گیا تھا اور خدام اس کی دلجوئی میں مصروف ہو گئے...... خود زمان ملنگی اس کے قدموں میں بچھا جا رہا تھا...... وقت لمحہ لمحہ گزرنے لگا...... یہاں تک کہ شاہ عامل کو یہ یقین ہو گیا کہ اس کے بیٹوں کا خدشہ بالکل غلط تھا...... زمان ملنگی اتنا برا انسان بھی نہیں تھا اور پھر جب رشتے اس طرح قائم ہو جاتے ہیں تو انسان کو اپنے اندر نجانے کیا کیا تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں...... وقت خود بھی انسان کی شخصیت کو اس طرح بدل لیتا ہے کہ وہ پہچانا بھی نہ جاسکے...... تین دن اسی طرح گزر گئے...... اس دوران زمان ملنگی نے اپنے دوستوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسی محفل کا انتظام کریں جو بستی خانہ خیل کے بڑے چوک میں منعقد کی جائے اور وہاں ایک جلسہ عام کا بندوبست بھی کریں جس میں خانہ خیل کے ہر شخص کو مدعو کر لیا جائے...... سو یونہی ہوا اور بالآخر ایک دن بستی خانہ خیل کے سب سے بڑے چوک میں شامیانے لگا دیئے گئے...... بستی کے تمام باشندوں کو معزز مہمانوں کی طرح خوش آمدید کہا گیا اور نجانے کون کون کس کس طرح کیا کیا سوچتا رہا...... زمان ملنگی کے اندر تو ایسا انسان کبھی نہیں جاگا تھا...... یقینی طور پر اس میں بھی اس کی کوئی بڑی چال ہو گی اور یہ باتیں صرف خانہ خیل کے لوگوں نے ہی نہیں سوچی تھیں، بلکہ خدشات کا شکار شاہ عامل کے بیٹے بھی تھے...... وہ چونکتے رہے تھے اور انہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دشمنوں کی کمین گاہ میں گھس آئے ہوں اور اب اپنے آپ کو اس کے اندر محصور پا رہے ہوں...... وہ ان کے فقط خدشات تھے لیکن ایسی کوئی بات در حقیقت نہ تھی...... زمان ملنگی نے تو ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، لیکن چھوٹے بھائی علی

...راب نے بڑے بھائی علی شاد سے کہا تھا: "اور کیا ہی دلچسپ نظارہ ہو گا...... تم سمجھتے ہو نا ...زبانی کے بکروں کو پہلے خوب کھلایا پلایا جاتا ہے تاکہ وہ مجرب ہو جائیں اور پھر ان کی قربانی ...ی جاتی ہے...... میرا خیال ہے ہمیں بھی تیار ہو جانا چاہئے"۔

"تم دل ہلانے والی باتیں ہی کیوں کیا کرتے ہو؟"۔

"اچھا...... تم سچ بتاؤ...... کیا تمہیں یہ احساس نہیں ہوتا؟"۔

"اللہ بہتر جانتا ہے...... پتہ نہیں ہمارا باپ ہمارا دشمن کیوں بن گیا ہے؟ وہ ایسے ہی ...ہیں کسی نہ کسی چکر میں پھنسا دیتا ہے...... اول تو ایک ایسے شخص کو لا کر ہم پر مسلط کر دیا جو ...یشہ ہمارے لئے دردِ سر بنا رہتا ہے اور اس کے بعد ہم ان کے عجیب عجیب احکامات کی پیروی ...رنے پر مجبور ہیں، جنہیں تسلیم کرنے کے لئے ہمارا دل نہیں چاہتا"۔

"صرف یہ سوچو کہ اگر واقعی ہمارے ساتھ ایسا ہی قدم اٹھایا گیا تو ہم اپنا بچاؤ کس طرح ...رسکتے ہیں؟"۔

"تم نے بستی خانہ خیل کا مکمل جائزہ لے لیا؟" یہ بستی تو بڑی وحشت ناک ہے...... ہم ...اسے بھول ہی گئے تھے...... لیکن شاید ہماری مٹی ہمیں یہاں کھینچ کر لائی ہے...... ہمارا ضمیر ...یہیں سے اٹھا ہے اور یہیں ہمارا اختتام ہو گا"۔

"میں تو بے حد خوف محسوس کر رہا ہوں...... بھلا غور کرو...... اتنے عرصے سے...... ...را مطلب ہے اتنے دنوں سے ہم یہاں رہ رہے ہیں...... ہر طرح سے ہماری دیکھ بھال اور ...ر مدارت کی جا رہی ہے...... اب اس کے بعد بھلا ایک جلسہ عام کی کیا ضرورت ہے! ہم ...ے جلسہ عام نہیں کہہ سکتے"۔

"تو پھر؟" بڑے بھائی ضیغم نے کسی قدر پریشان لہجے میں پوچھا۔

"یقیناً وہ ہمارا مقتل ہے...... ہمیں اس جرأت کی سزا سرِعام دی جائے گی اور کیا ہی دلچسپ ...ہو گا جب جلاد تلواریں لئے ہمارے سر ہماری گردنوں سے علیحدہ کر رہے ہوں گے"۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم خاموشی سے بھاگ چلیں؟"۔

اس سے بھی ہمارے والد صاحب قبلہ کی بے عزتی ہوگی...... ان کی خواہش ہے کہ ہم خوشی خوشی قتل ہو جائیں۔

"دیکھو ایسا ہونا تو نہیں چاہئے...... ہمارا اپنا مستقبل ہے...... ہماری اپنی زندگی ہے...... ہماری اپنی سانسیں ہیں...... بے شک ہم اپنے والدین کی آغوش میں پروان چڑھے...... بے شک ہم نے ان کی انگلی پکڑ کر دنیا دیکھی، لیکن اب ہم اپنے طور پر فیصلے کرنے کا بھی حق رکھتے ہیں...... آخر ہم یہ احکامات کب تک قبول کریں؟"۔

"یہ تو اس وقت کی بات ہے جب ہم زندہ بچیں گے...... ابھی تو یہ سوچو یہاں سے جان بچانے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟"۔

بہر حال فیصلہ کوئی بھی نہیں کر سکا اور اس صبح معزز مہمانوں کو بڑے چوک میں لے جایا گیا...... اس دوران شاہ عالم کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں گردش کرتی رہی تھیں...... ایک عظیم الشان اجتماع تھا...... تمام لوگ ہی موجود تھے...... زمان ملنگی نے جن جن لوگوں کے ساتھ جو جو سلوک کیا تھا...... وہ سب کے سب اس سلوک کو کبھی نہیں بھول سکتے تھے، چنانچہ یہاں آنا بھی بس زمان ملنگی کے احکامات ماننے کا ایک حصہ اور اپنے فرض کی ادائیگی ہی تھی ورنہ کون تھا جو اس طرح زمان ملنگی کی دعوت پر آنا قبول کرتا! وہ اس علاقے کا ایک ناپسندیدہ اور برا انسان تھا...... زمان ملنگی نے اپنے معزز دوستوں کے لئے ایک بلند جگہ منتخب کی تھی اور یہاں بڑے احترام اور اہتمام کے ساتھ انہیں بٹھایا گیا...... زمان ملنگی خود بھی وہاں موجود تھا اور اس کے خدام بھی آس پاس ہی کھڑے تھے...... زمان ملنگی اپنے ساتھ نجانے کیا کیا انتظامات کر کے لایا تھا کسی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ ساز و سامان کیا ہے جو ایک طرف رکھ دیا گیا ہے۔

ایک عجیب سا ماحول طاری ہو گیا تھا...... لوگ نہ جانے کیا کیا سوچ رہے تھے...... ابھی تک کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ زمان ملنگی کیا کرنا چاہتا ہے...... معزز مہمانوں کے احترام میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی...... جب زمان ملنگی کی نگاہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ جن

وں کو اس نے طلب کیا تھا، ان میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہاں نہ پہنچا ہو تو اس نے کھڑے ر کہا۔

"بستی خانہ خیل کے رہنے والو! پہاڑوں کی روایات بھی عجیب ہوتی ہیں مگر کہیں کہیں ان میں کچھ ایسی کیفیات پائی جاتی ہیں جو ناقابل فہم ہوتی ہیں...... شاید میں اپنے الفاظ میں الجھ رہا ہوں، اس لئے سادگی سے آپ لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں جو میرے دل میں ہے...... میں اعتراف کرتا ہوں کہ نہ میں کسی معزز سردار کا بیٹا ہوں نہ کسی زمیندار کا اور نہ کسی ایسی بڑی شخصیت کا جس کے نام سے کوئی بڑی بات وابستہ ہو...... میرا خاندان بہت معمولی سا تھا...... اس خاندان میں مجھے ایک برا انسان تصور کیا جاتا تھا...... لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار تھا میں اور پھر کچھ ایسے حالات ہوئے کہ میری بستی میری دشمن بن گئی...... برائیاں میری اپنی تھیں...... بستی والوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا، وہ سب جائز تھا...... میں نے بستی کے چند افراد کو قتل کیا اور اپنے اوباش دوستوں کے ہمراہ وہاں سے بھاگ نکلا...... طویل عرصہ تک میں نے پہاڑوں میں پناہ لی...... میری زندگی لوٹ مار میں گزری...... اس کے بعد میں نے ایک اچھا خاصہ گروہ بنا لیا...... زمانے سے شناسائی ہوتی گئی...... میں نے یہ محسوس کیا کہ برائی کو فروغ دینے کے لئے ان برے لوگوں کا سہارا ضروری تھا جو برائیوں کی انتہا کو پہنچ کر اپنے لئے بہت کچھ حاصل کر چکے ہیں، چنانچہ میں نے ان کا سہارا لیا...... کسی بھی شخص کو اپنے ساتھ شامل کر لینا زیادہ مشکل کام نہیں...... دنیا کا ایک ہی رنگ ہے...... دولت کی چمک کسی کو دکھا دو...... مطلب یہ کہ اپنے ہم فطرت کو ہمنوا بنا لینا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا...... میں نے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات قائم کر لئے...... ایک طویل عرصہ ڈاکہ زنی کرتا رہا تھا...... خیال تھا کہ اب وہ طریقہ کار چھوڑ کر کچھ اور طریقہ کار اپنایا جائے...... نہ جانے کیوں نگاہ بستی خانہ خیل پر پڑی...... یہ خوبصورت بستی مجھے پسند آئی...... میں یہاں داخل ہو گیا...... فطرت میں جو کچھ تھا، اس کے بارے میں مختصر بتا چکا ہوں...... بھلا اقتدار کے بغیر میری زندگی کیسے گزرتی، چنانچہ اپنے آپ کو اور منوایا...... بری فطرت کا مالک تھا،

اس لئے اپنے ہی قرب وجوار میں برائیاں پھیلانا شروع کر دیں...... بستی خانہ خیل کے لوگوں سے میں نے بہت کچھ چھین لیا...... میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا کوئی ہم پلہ ہو...... میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے، اپنے تعلقات کے بل پر اور اختیارات کے زور سے اپنی کاوشوں کے حصول میں کامیاب ہو گیا...... وقت اپنی کہانی خود تحریر کرتا ہے...... میری کہانی بھی وقت نے تحریر کی...... جب انسان کو سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں پریشانیاں اُبھرنے لگتی ہیں...... وہ سوچتا ہے کہ اب کیا کرے، میرے پاس مزید کچھ کرنے کے لئے نہیں تھا، چنانچہ میری فطرت میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور میرا دل چاہنے لگا کہ اب اپنی اس پر شور زندگی کو ختم کر کے سکون کی زندگی اپنائی جائے...... میری زندگی کا محور اگر کچھ تھا تو میری وہ بیٹی تھی...... میری زندگی اپنی بیٹی کی ذات میں ضم ہو گئی...... صنوبر کے سوا اس کائنات میں میرے لئے کچھ نہ رہا...... زندگی کے مسائل آخری سانس تک پیچھا نہیں چھوڑتے...... میرے پاس اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے مسئلہ بھی تھا اور اپنی بیٹی کی محبت اور اس کا پیار بھی...... کوشش کر کے دونوں کام پورے کرتا رہا...... صنوبر پھولوں کی طرح معصوم اور پاکیزہ تھی اور ہے...... اس سے کسی لغزش کی توقع میں نہیں کر سکتا تھا...... اپنی برائیوں کے دور میں...... میں نے اس بستی کے بے شمار افراد کے ساتھ بہت برے برے سلوک کئے...... ان ہی میں شاہ عالم بھی ہے...... شاہ عالم ایک معزز انسان ہے، لیکن میری برائیوں سے وہ بھی نہیں بچ سکا...... میں نے بستی کے لوگوں سے بہت کچھ چھینا اور ان ہی میں شاہ عالم کے باغات بھی تھے...... شاہ عالم نے مجھ سے انحراف کیا تو اسے مجبور کرنے کے لئے میں نے اس پر تشدد کیا اور اس کا بایاں بازو کاٹ دیا...... اس کے ساتھ ہی میں نے اسے دھمکیاں بھی دیں کہ میں اس کے اہل خاندان کو قتل کر دوں گا...... نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ عالم نے وہ باغات میرے سپرد کر دیئے اور اس کے بعد بات ختم ہو گئی...... مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ شاہ عالم بھی ان لوگوں میں سے ہے جو شکست تسلیم کرنے کے بعد ساری زندگی سر جھکا کر گزار دیتے ہیں...... بس یہیں سے غلطی ہو گئی تھی مجھ سے غلطی نہیں کہتا میں اسے،

نہیں کہ یہیں سے میری اصلاح کا سامان ہوا...... شاہ عالم اپنے اہل خاندان کے ساتھ یہاں سے چلا گیا، لیکن اس غیور انسان نے اپنے دل میں انتقام پرورش کیا اور اپنے ایک بیٹے کو اپنے آپ سے جدا کر کے اسے کسی اور کے ہاتھوں میں محفوظ کر دیا...... اس بیٹے کا نام علی نواز ہے...... علی نواز آپ کے لئے اجنبی نہیں...... علی نواز کو تو آپ پہچانتے ہوں گے...... وہ یہاں آیا ہے...... شاہ عالم کے منصوبے کے مطابق وہ یہاں داخل ہوا...... منصوبہ یہ تھا کہ وہ مجھے قتل کر دے اور اس طرح شاہ عالم کا انتقام پورا کرے، لیکن تقدیر کے فیصلے کچھ اور تھے...... تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اس حد تک رسوا کرے کہ میں اپنی ذات میں ایک حقیر شے بن کر رہ جاؤں...... سو میری بیٹی صنوبر اس سے متاثر ہو گئی اور میں اس قدر مجبور ہو گیا کہ اپنی بیٹی کو اس کی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دے دوں، لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ علی نواز...... شاہ عالم کا بیٹا ہے...... جب مجھے یہ علم ہوا دوستو! تو میرے اندر بہت بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں...... میں جب شاہ عالم کے سامنے پہنچا اور اس عالم میں پہنچا کہ میں اس کے سامنے ایک حقیر شے تھا...... میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا، اس میں ہمیشہ مجھے فتح حاصل ہوتی تھی، لیکن میں شاہ عالم کے سامنے مفتوح بن گیا اور جب ایک مفتوح فاتح کے سامنے پہنچا تو اس نے ایک عجیب تبدیلی محسوس کی...... میرے ذہن میں فاتح کا تصور یہی تھا کہ وہ مفتوح کو اپنے پیروں تلے روند ڈالے اور اسے اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر اس قدر پست کر دے کہ وہ موت کو دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی سمجھے...... لیکن میں نے ایک انوکھا فاتح دیکھا...... اس انوکھے فاتح نے مجھے وہ عزت، وہ بڑائی، وہ مقام دیا کہ میں حیران رہ گیا...... تب میں نے سوچا کہ میں واقعی خاندانی طور پر چھوٹا انسان ہوں...... بڑائی پشت در پشت انسان کے خون میں منتقل ہوتی ہے...... کوئی شخص اگر چند بڑے کام کر کے اپنے آپ کو بڑا سمجھ لے تو بڑا تجربہ یہ کہتا ہے کہ وہ انتہائی بے وقوف انسان ہے...... بڑائی تو صدیوں میں پلتی ہے، صدیوں میں جوان ہوتی ہے اور اس کے بعد انسان کی فطرت میں شامل ہوتی ہے...... اس لمحے شاہ عالم نے میری زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا...... بہر حال اتنی صاف گوئی سے یہ کہانی سنا کر

میں نے آپ کو یقینی طور پر حیرت میں ڈال دیا ہے، لیکن یہ کہانی میری نہیں ...... یہ کہانی اس فاتح کی ہے جس نے مجھے یہ کہانی سنانے پر مجبور کیا ہے ...... آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات شاہ عالم میرا دوست ...... میرا بھائی ...... میرا محترم ...... میری بیٹی کے شوہر کا باپ میری زندگی کی بہت بڑی حقیقت، وہ اس وقت میرا مہمان ہے ...... میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایک برا انسان ہوں، لیکن میری ایک آرزو ہے اگر آپ لوگ اسے پورا کرنے کی اجازت دیں ...... میری ایک آرزو ہے کہ میں اب کچھ نیک کام کروں ...... ایسے نیک کام جو میرے دل کو تھوڑا بہت سکون بخشیں ...... کیا آپ مجھے سہارا دیں گے ...... میری مدد کریں گے، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے کسی ایک کے دل میں میرے لئے محبت ہے نہ احترام ...... آپ لوگ خوفزدہ ہیں، مجھ سے ...... میں خوف کا یہ ماحول ختم کر دینا چاہتا ہوں ...... آج میں اپنے فاتح کے سامنے مفتوح کی حیثیت سے کھڑا ہوں ...... تو بھلا اب میرے اندر کیا رہ گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو بڑا انسان سمجھوں ...... طاقتور سمجھوں ...... دوستو! بہت سال گزر گئے میرے آپ کے درمیان ...... آپ لوگوں نے میری وجہ سے جو جو تکلیفیں اٹھائی ہیں ...... مجھے پہلے اس کا احساس نہیں تھا ...... آج میں اس احساس کے زیر اثر ہوں ...... تھوڑے سے نیک کام کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ انہیں قبول کر لیں ...... اپنے دل میں بے شک میرے لئے نفرت زندہ رہنے دیں لیکن کم از کم میری پیش کش قبول کر لیں"۔

"تراب جان" زمان ملنگی نے اپنے مصاحب خاص کو آواز دی اور تراب جان اس کے پاس پہنچ گیا ...... یہ پہلا موقع تھا کہ تراب جان کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ زمان ملنگی کیا کرنا چاہتا ہے، ورنہ زمان ملنگی عموماً اپنے ہر کام میں اسی سے مشورے کیا کرتا تھا، لیکن اس بار اس نے جو کیا تھا، تنہا ہی کیا تھا اور تراب جان کی بھلا اتنی جرات کہاں ہو سکتی تھی کہ وہ زمان ملنگی سے اس کے ایسے کاموں کے بارے میں پوچھ لے جن کے بارے میں وہ اسے بتانا نہیں چاہتا ...... سو، جب تراب جان قریب آیا تو زمان ملنگی نے کہا: "یہ بکس کھولو" قریب ہی ایک

[illegible] ہوا بکس تراب جان نے کھولا...... تو زمان ملنگی نے اس میں سے کچھ کاغذات فائل [illegible] سے اوپر رکھے...... پھر پہلے فائل کو پڑھتا ہوا بولا۔

''صوفی عدیل! کیا صوفی عدیل اس مجمع میں موجود ہیں؟''۔

ایک عمر رسیدہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو زمان ملنگی نے کہا: ''صوفی عدیل آئیے!''

صوفی عدیل لرزتے قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔

❀ ❀ ❀

کسی زمانے میں وہ یہاں اچھی خاصی تجارت کرتا تھا اور خشک میووں کا بڑا بیوپاری کہلاتا تھا، لیکن اب وہ اپنی ہی زمینوں پر کام کرتا تھا، بلکہ وہ کام نہیں کرتا تھا، اس کے بیٹے ان زمینوں پر کام کرتے تھے اور ایک بے کسی کی زندگی گزار رہے تھے...... صوفی عدیل کو طلب کیا گیا اور وہ زمان ملنگی کے سامنے پہنچ گیا...... زمان ملنگی اسے دیکھتا رہا، پھر اس نے فائل اٹھا کر صوفی عدیل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"صوفی عدیل! میں نے آپ سے آپ کا بہت کچھ چھین لیا تھا...... بہت عرصہ میں نے اسے اپنی تحویل میں رکھا...... میں نے حساب کتاب کے تحت اس سے جو کچھ کمایا ہے، اس کا دوگنا کر کے میں آپ کو آپ کی زمینوں کے ساتھ پیش کر رہا ہوں...... آج سے وہ زمینیں اور وہ باغات آپ کے اپنے ہیں جو میں نے کبھی آپ سے لئے تھے...... میں نے معاوضے کے چیک بھی اس میں رکھ دیئے ہیں...... ازراہ کرم قبول فرمائیے۔"

لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے...... شاہ عالم نے بھی تعجب سے دیکھا...... صوفی عدیل نے لرزتے ہاتھ آگے بڑھائے تو زمان ملنگی نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"آپ اگر چاہیں تو میری اس گستاخی کی مجھے سزا بھی دے سکتے ہیں...... صوفی عدیل، بہر حال میں نے آپ کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے...... اب یہ کاغذ قبول فرمائیے...... تمام قانونی کارروائیاں مکمل ہیں...... آپ اپنی زمینوں کے مالک ہیں۔"

فائل صوفی عدیل کو دے کر زمان ملنگی نے کہا۔

"اب آپ جائیے، کلام شاہ!" ظاہر ہے جس دور میں ان لوگوں کے ساتھ برائی ہوئی تھی اس وقت یہ جوان تھے، لیکن بے پناہ مصائب نے اور گزرتے ہوئے وقت نے انہیں ضعیف کر دیا تھا...... کلام شاہ کے بعد غلام محبوب اور اس کے بعد دوسرا، تیسرا اور چوتھا...... غالباً تمام ہی افراد کو جن کے اثاثے چھینے گئے تھے، بلا کر زمان ملنگی نے انہیں ان کے اثاثے واپس کیے اور کام سے فراغت حاصل کر لی۔

سب لوگوں پر سکتہ طاری تھا...... بے شمار مجمع تھا، لیکن اس طرح خاموش کہ جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو، وہ خاموشی سے زمان ملنگی کی یہ انوکھی کارروائی دیکھ رہا تھا...... آخر میں زمان ملنگی نے شرمسار نگاہوں سے شاہ عالم کو دیکھا، دیکھتا رہا، پھر بولا۔

"فاتح اعظم! میں تمہیں یہی کہہ کر مخاطب کروں گا...... میں تمہارا ابھی مقروض ہوں فاتح اعظم...... بات وہی ہے جو میں ان لوگوں سے کر چکا ہوں...... یہ تمہاری زمینوں کے کاغذات ہیں اور یہ وہ معاوضہ جو اس قبضے کے دوران کا بنتا ہے...... تم بہت بڑے انسان ہو، زندگی میں پہلی بار میں نے کسی شخص کی بڑائی قبول کی ہے...... تم نے اپنی کاوشوں سے نہ صرف اپنا سب کچھ حاصل کیا ہے بلکہ بستی خانہ خیل کے لوگوں کو بھی تم نے ان کا سب کچھ واپس دلا دیا ہے...... اگر بستی والے صدق دل سے کام لیں تو در حقیقت تم وہ شخص ہو جسے بستی کی سرداری ملنی چاہئے، کیونکہ تم نے اس کے لئے طویل جدوجہد اور کاوش کر کے زمان ملنگی جیسے شیطان کو شکست دی ہے...... میرے دوست! یہ معاوضہ قبول کرو...... اگر تم کسی رشتے یا واسطے سے یہ کاغذات مجھے واپس کرنے کی کوشش کرو یا کسی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرو تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میرے ساتھ ناانصافی ہوگی...... ایک انسان کے دل میں زندگی بھر برا رہنے کے بعد اگر نیکیوں کا کوئی تصور ابھرا ہے تو تم اس کی نیکی کو قبول کر کے انسانی فرض پورا کرو۔"

شاہ عالم ششدر نگاہوں سے زمان ملنگی کو دیکھ رہا تھا...... وہ کچھ بھی نہ بول سکا، کہنے

کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، لیکن زمان ملنگی نے اسی پر اکتفا نہ کی...... وہ افسردہ لہجے میں بولا۔

"اور میں درحقیقت اپنے کئے پر شرمندہ ہوں...... پہلی بار اس انداز میں مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا...... میرے دوست، مجھ پر تمہارا ایک اور قرض بھی ہے اور جب انسان قرض کی ادائیگی پر تل ہی جائے تو اسے ہر قرض واپس کر دینا چاہئے...... میں تم سے عاجزی سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا وہ قرض بھی قبول کرو تاکہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے"۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ قرض کیا ہے اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی انسان اس طرح قرض کی واپسی بھی کر سکتا ہے...... زمان ملنگی نے صندوق میں ہاتھ ڈالا...... غالباً تراب جان بھی یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ صندوق میں کیا گیا ہے لیکن زمان ملنگی شاید اس وقت جذباتی طور پر دیوانہ ہو رہا تھا...... جو چیز اس نے اس بار صندوق سے باہر نکالی وہ ایک کلہاڑی تھی، جس کا تیز اور چمکدار پھل آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا...... چھوٹی سی کلہاڑی کا دستہ پکڑ کر اس نے کلہاڑی کو تولا...... کوئی نہیں سمجھ سکا کہ یہ خوفناک ہتھیار اس وقت کس مقصد سے نکالا گیا ہے، لیکن اس وقت مجمع چیخ پڑا تھا جب زمان ملنگی نے اپنا بایاں ہاتھ بلند کیا اور داہنے ہاتھ سے کلہاڑی کو بغل کے قریب اس صفائی سے مارا کہ اس کا بایاں بازو اس کے شانے سے جدا ہو کر نیچے گر پڑا...... خون کا ایک فوارہ بلند ہوا اور دہشت ناک چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں...... سب کے سب بے اختیار کھڑے ہو گئے تھے...... زمان ملنگی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تھی...... اس نے خون آلود کلہاڑی کو نیچے پھینکا، جھک کر داہنے ہاتھ سے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور شاہ عامل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں تم اس ہاتھ کو کبھی اپنے شانے سے منسلک کرنا پسند نہیں کرو گے جس نے صرف ظلم کئے ہیں، لیکن یہ مجھ پر تمہارا قرض تھا"۔

اس کے بعد ایک افراتفری ایک ہنگامہ مچ گیا...... تراب جان اور زمان ملنگی کے

...تمام ساتھی زمان ملنگی کی جانب دوڑ پڑے...... وہ اس کے شانے سے بہتے ہوئے خون پر ہاتھ رکھ کر خون روکنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن زمان ملنگی ایک ستون کی مانند اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا...... خود علی نواز اور شاہ عامل بھی زمان ملنگی کے پاس پہنچ گئے تھے...... چاروں طرف سے مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں...... زمان ملنگی کے بدن سے خون جس رفتار سے بہہ رہا تھا، اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ چند ہی لمحوں میں اس کے جسم کا سارا خون بہہ جائے گا، لیکن زمان ملنگی نے یہ جذباتی قدم جس طرح اٹھایا تھا وہ ناقابل یقین بات تھی...... بہرحال ہنگامہ آرائی بے پناہ ہو گئی...... طرح طرح کی باتیں کی جا رہی تھیں...... پھر بمشکل زمان ملنگی کو وہاں سے اس کی حویلی تک لایا گیا...... چاروں طرف کہرام مچا ہوا تھا...... خود ...غشی طاری ہو گئی تھی اور لوگ بھاگ دوڑ میں مصروف تھے...... مختلف باتیں ہو رہی تھیں...... حویلی میں پہنچنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا...... اس کے بازو کی مرہم پٹی کرنے کے لئے بستی خانہ خیل میں جتنے حکیم اور ڈاکٹر موجود تھے، وہ مصروف ہو گئے تھے...... نہ جانے کیا کیا جتن کر کے خون روک دیا گیا...... زمان ملنگی کا بازو شاہ عامل نے اٹھا کر محفوظ کر لیا تھا......

سب کے دل لرز رہے تھے...... یہ ایک جذباتی انسان کا جذباتی قدم تھا، ورنہ حقیقت ہے کہ اس طرح سے قرض کی ادائیگی تو کسی شکل میں ہو ہی نہیں سکتی تھی...... شاہ عامل، علی نواز اور وہ سب بری طرح پریشان تھے...... ادھر شاہ عامل کے بیٹے بھی کچھ دیر کے لئے ششدر رہ گئے تھے...... یہ مہمان نوازی...... افراتفری کا شکار ہو گئی اور فوری طور پر یہ طے کیا گیا کہ زمان ملنگی کو یہاں سے شہر لے جایا جائے...... اس شہر میں جہاں شاہ عامل رہتا ہے اور اس کے لئے انتظامات بھی بہرحال وقت کے ساتھ ہوتے لیکن اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی...... علی نواز نے صنوبر کو گھر واپس بھجوا دیا تھا...... علی نواز کے باقی تینوں بھائی بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے...... شاہ عامل اور علی نواز بے شمار افراد کے ساتھ ہسپتال میں موجود تھے...... ہسپتال میں ڈاکٹروں نے زمان ملنگی کا معائنہ کیا...... قطع شدہ بازو انہیں پیش کیا گیا اور انہوں نے کہا کہ بازو جس طرح سے کٹا ہے اس کے بعد اسے شانے کے ساتھ

مسلک نہیں کیا جاسکتا...... بہرحال یہ خوفناک عمل بڑا ہی لرزہ خیز تھا...... زمان ملنگی کے ساتھی اس کی صحت کے لئے دعائیں کررہے تھے...... ان کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے...... انہوں نے دن رات صرف کردیئے، لیکن زمان ملنگی کے بدن سے بہہ جانے والا خون اسے دوبارہ نہیں مل سکا...... اس کی صحت بگڑتی ہی چلی گئی، لیکن اس کی پرعزم نگاہیں اور اس کا انداز گفتگو ایسا تھا کہ کسی کو گمان بھی نہ ہوسکا کہ وہ ایک قریب المرگ انسان ہے۔

تراب جان نے لرزتے لہجے میں کہا۔

"اور جو زخم اس کے سینے پر لگا تھا اس نے اسے نیم مردہ تو کر ہی دیا تھا...... بس ایک قرض تھا جو اس کے سینے میں زندگی بن کر دوڑ رہا تھا اور خدا کرے وہ زندگی پا جائے، لیکن میری پوری زندگی اس کے ساتھ گزری ہے اور میں زمان ملنگی کو بخوبی جانتا ہوں...... وہ اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد خاموشی کی آغوش میں سو جانا چاہتا ہے اور خدا کرے ایسا نہ ہو...... خدا اسے زندگی عطا کرے" لیکن زمان ملنگی شاید اپنی زندگی کے بارے میں آخری فیصلے کرچکا تھا، چنانچہ سولہ دن تک موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے یہ دنیا چھوڑ دی، جس میں رہنے کو اب اس کا دل نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے اس دنیا میں بے حد شرمندگی تھی۔

وقت کے دھارے کس طرح اپنا رخ بدلتے ہیں...... انسانی ذہن سوچ بھی نہیں سکتا...... ویسے تو بستی خانہ خیل میں لاتعداد افراد کو زمان ملنگی کے ہاتھوں شدید نقصانات پہنچے تھے اور ان کے ذہنوں میں زمان ملنگی کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا، لیکن زندگی جب اپنا سامان لپیٹتی ہے تو شاید انسان اپنی اصلیت کی جانب لوٹ جاتا ہے...... یہ صرف خیال ہے...... ممکن ہے یہ حقیقت نہ ہو لیکن کم از کم زمان ملنگی کی فطرت میں یہی بات سامنے آئی تھی...... وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو اس نے دنیا کو دنیا واپس کردی تھی، لیکن شاہ عامل پر جو اثرات مرتب ہوئے تھے، وہ عجیب نوعیت کے تھے...... دشمن کا بھی ایک رشتہ ہوتا ہے اور دشمن سے انتقام لینے کا تصور نجانے کیسی لذت رکھتا ہے...... شاہ عامل اب اس لذت سے محروم ہوگیا تھا اور جب اس نے اپنے آپ کو اس لذت سے محروم محسوس کیا تو اسے دنیا خالی

نظر آنے لگی...... اب کیا رہ گیا ہے زندگی میں! قدرت نے صرف بیٹے دیئے تھے...... بیٹی کوئی نہیں تھی، بیٹوں کی بیویوں کی شکل میں بیٹیاں بھی آئی تھیں...... زلیخا، شاہ عامل کی نسبت صحت مند تھی لیکن شاہ عامل کو چونکہ زندگی کے لاتعداد کٹھن مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لئے اس کے بدن میں کمزوریاں پیدا ہوچکی تھیں...... کچھ ایسا سانحہ ہوا تھا کہ ...کے لئے دشمن کے گھر میں سوگ منایا جارہا تھا...... شاہ عامل کو خصوصی طور پر صنوبر ...پیدا ہو گیا تھا...... زمانہ شناس تھا...... دنیا دیکھی تھی...... جانتا تھا کہ وہ ایسی معصوم لڑکی ہے جس کی فطرت میں پہاڑوں کی سادگی رچی ہوئی ہے...... تینوں بیٹوں کی بیویوں کی فطرت سے بھی واقف تھا...... شہری لڑکیاں تھیں...... گو اچھے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن فطرت میں شہریت رچی ہوئی تھی...... تیز چالاک اور دنیا کو زیادہ سمجھنے والی تھیں، جبکہ صنوبر ایک دیہاتی پھول تھی جو پہاڑوں کی چٹانوں میں کھلا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں کہ علی نواز اپنی بیوی کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا...... وہ اس کی محبت تھی...... وہ اس کی آرزوؤں کی ...تھی، لیکن علی نواز نے خود بھی ایک سادہ زندگی گزاری تھی...... یہاں ابھی تک وہ اپنے آپ کو اجنبی اجنبی محسوس کرتا...... اس کے دل میں بھائیوں کا پیار تھا...... وہ جب بھی ان کے سامنے ہوتا بڑی محبت سے ان کے قریب آنے کی کوشش کرتا، لیکن اب اس قدر ...بھی نہیں تھا کہ بھائیوں کی دوری کو محسوس نہ کرسکے...... وہ بظاہر اس سے خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے لیکن ایک کھچاؤ...... ایک تناؤ...... علی نواز ہمیشہ محسوس کرتا تھا...... وہ تو خاموش ہوجاتا تھا، لیکن شاہ عامل کے دل پر بڑا دباؤ پڑ جاتا تھا...... ایک روز اس نے اپنی ...سے کہا۔

"میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کررہا ہوں...... یوں لگتا ہے جیسے علی نواز کو یہ لوگ یہاں جگہ نہیں دیں گے"۔

زلیخا نے شوہر کی طرف تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا اور بولی...... "اصل میں تینوں ...بیویوں کے ہاتھوں مجبور ہیں...... میں تو انہیں بہت کچھ سمجھاتی بجھاتی رہتی ہوں،

لیکن اس وقت میرے سمجھانے بجھانے کا اثر زائل ہو جاتا ہے جب ان کی بیویاں ان کے کان بھر دیتی ہیں"۔

"لیکن انہیں علی نواز اور اس معصوم لڑکی سے شکایت کیا ہے آخر"۔

"شکایت نہیں...... بس انسانی فطرت سمجھو" زلیخا نے کہا۔

"آخر انسانی فطرت میں یہ گھناؤنا پن کیوں ہے؟" "تم دیکھو وہ ہر طرح سے ان کی خدمت گزاری میں لگی رہتی ہے...... اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ تینوں لڑکیاں صنوبر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں...... ان کے والدین کھاتے پیتے لوگ ہیں، لیکن زمان ملنگی کی شخصیت ہی کچھ اور تھی۔

"ایک بار پھر تمہارے سامنے میں ان لوگوں سے گفتگو کروں گی...... بات یہ ہے کہ اپنے بیٹوں ہی کو سمجھا سکتی ہوں میں...... لڑکیوں سے تو کچھ نہیں کہہ سکتی"۔

"ہاں...... میں جانتا ہوں"۔

پھر ایک دن شاہ عالم نے دوبارہ اپنے تینوں بیٹوں کو طلب کر لیا...... علی نواز کو اس لئے نہیں شریک کیا گیا تھا کہ اگر اس کے سامنے گفتگو ہوئی اور اسے احساس ہوا کہ اس کے بھائی اس سے بدگمان ہیں تو اسے دکھ ہوگا...... وہ زمانے کے لئے کچھ بھی تھا لیکن اپنے بھائیوں کے لئے بالکل موم تھا اور ان سے بے پناہ پیار کرتا تھا...... تینوں بیٹے پہنچ گئے...... ان کی بیویوں نے آنے کی کوشش کی تو شاہ عالم نے مدہم لہجے میں کہا۔

"بیٹیو! تم اس گھر کے ہر راز میں شریک ہو...... ہر کام میں تمہاری شمولیت کو میں افضل سمجھتا ہوں، لیکن کبھی کبھی کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں جو ماں باپ اور بیٹوں کے درمیان ہی رہنا ضروری ہوتے ہیں...... اس لئے اگر تم برا نہ مانو تو تھوڑی دیر کے لئے ہمیں تنہا چھوڑ دو"۔

تینوں خواتین منہ بنا کر چلی گئی تھیں۔

شاہ عالم نے دروازہ بند کر دیا...... پھر وہ اپنی بیوی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

زلیخا نے کہا: "تمہارے ابا بہت عرصے سے تمہارے لئے پریشان ہیں بچو"۔

علی ضیغم نے نگاہیں اٹھا کر باپ کو دیکھا پھر نرمی سے بولا: "کیوں...... ہمارے لئے کیوں پریشان ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے"۔

"دیکھو بیٹے! عجیب و غریب حادثے ہوئے ہیں ہماری زندگی میں...... اب ساری باتوں کو دہرانا ضروری ہے کیا؟ میں بنیادی بات کہنا چاہتا ہوں اور بنیادی بات یہ ہے کہ تم آخر اپنے بھائی کو اپنے درمیان محبت کی وہ فضا کیوں نہیں دیتے جو تم تینوں کے درمیان ہے"۔

"ایسی بات نہیں ہے بابا جانی! ہم بہر حال اسے اپنا بھائی سمجھتے ہیں...... کیا بگاڑ رہے ہیں ہم اس کا؟"۔

"سنو! نہ صرف تم بلکہ تمہاری بیویوں کو بھی میرے بیٹے سے کھچاؤ ہے...... میں سب کو دیکھتا ہوں...... صنوبر کو دیکھ کر ان کے چہروں پر آجانے والی نفرت کے آثار بھی دیکھتا ہوں...... تمہاری ماں اس کی وجہ کچھ اور بتاتی ہے، لیکن بہر حال میں اس تفصیل سے گریز کرنا چاہتا ہوں...... میں نے بیٹے، زندگی میں جس قدر بھی جدوجہد ممکن تھی کی اور آج تم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی حیثیت رکھتے ہو...... کیا زندگی بھر کی ان کاوشوں کے صلے میں میں تم سے کچھ بھی نہیں مانگ سکتا؟"۔

"کیوں نہیں بابا جان! اگر دینے کے لئے ہمارے پاس کچھ ہے تو بھلا کیا وہ آپ کی خدمت میں نہیں پیش کیا جا سکے گا؟"۔

"ہاں...... وہ جو میں مانگنا چاہتا ہوں تمہارے پاس ہے اور وہ تم مجھے دے سکتے ہو؟"۔

"فرمائیے! ہمیں کیا خدمت کرنی ہے آپ کی؟"۔

"بیٹے! مجھے ایک ایسے احساس کا شکار نہ بناؤ جو مجھے دکھی کر دے...... اب میرے اندر دکھ سہنے کی ہمت نہیں...... میں چاہتا ہوں کہ وہ جو میرے مشن پر قربان ہو گیا ہے...... تمہاری محبتوں سے دور نہ رہے...... تمہارا آپس میں جو سلوک ہے، اس کے ساتھ بھی تم وہی سلوک کرو...... ابھی تک تم اسے اپنوں کی طرح قبول نہ کر پائے!"۔

"بابا جان! یہ صرف آپ کا اپنا خیال ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں...... ہم اسے اہمیت

دیتے ہیں...... کہیں بھی اس کا راستہ نہیں روکتے...... ہم کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جو اس کے لئے نقصان دہ ہو، پھر آپ نہ جانے ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"۔

اگر میرا تجربہ خام ثابت کرنا چاہتے ہو، اگر مجھے ایک بے وقوف انسان کہنے کے خواہش مند ہو تو کہہ دو، لیکن میں تمہارے اندر وہ جذبے نہیں پاتا جو تم سب ایک دوسرے کے لئے اپنے دلوں میں رکھتے ہو سوائے اس کے"۔

"بابا جان...... بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جن کا کوئی حل بظاہر نظر نہیں آتا...... معاف کیجئے، اپنی بیویوں کو اپنے ماضی کی کہانیاں سناتے ہوئے ہم انہیں بتاتے ہیں کہ ہم بہت بڑے زمیندار تھے...... ہمارا اپنا ایک مقام تھا لیکن ہم اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کرپاتے...... آپ خود دیکھئے بابا جان...... ہم کیا زندگی گزار رہے ہیں! معمولی سی آمدنی ہوتی ہے ہماری اور اس میں بہ مشکل تمام ہم اپنا گزارا کرتے ہیں...... بابا جان، بس کچھ ایسے مسائل اور الجھنیں ہیں جن کی بنا پر شاید آپ کو یہ احساس ہوتا ہوگا...... بڑے بھائی علی ضیغم نے اپنے دل کی بات کا آغاز کیا۔

"مگر بیٹے! تم پرسکون زندگی گزار رہے ہو...... کوئی بہت بڑی مشکل تو نہیں ہے تمہاری زندگی میں"۔

"ہمارے سامنے سب سے بڑی مشکل ہمارا مستقبل ہے...... آپ بتایئے...... ہم اپنی اولادوں کو کیا دے کر جائیں گے؟" علی ضیغم نے کہا اور شاہ عالم عجیب سی نگاہوں سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"دیکھو! ہم ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے...... میں نے بڑی محنت مشقت کرکے زندگی کا ایک رخ اپنایا تھا...... پھر یوں ہوا کہ ہم سے ہمارا سب کچھ چھن گیا، لیکن اس کے باوجود میں نے تم لوگوں کی پرورش کے لئے تھوڑا بہت جمع کر رکھا تھا...... جسے لے کر میں یہاں شہر میں آ گیا اور پھر میں نے اپنے طور پر تمہیں ایک بہتر زندگی دینے کی کوشش کی سب سے بڑی بات یہ کہ تمہیں زیور تعلیم سے آراستہ کیا اور آج تم اس قابل ہو کہ اچھے

عہدوں پر لگے ہوئے ہو...... جو کچھ بھی کر رہے ہو، اس سے تمہیں اتنا حاصل ہو جاتا ہے کہ تم اپنے طور پر اپنی زندگی کا ایک منصوبہ بنا سکو...... مستقبل ورثے میں نہیں ملتا، اسے تعمیر کرنا پڑتا ہے...... اگر میں ہمت سے کام نہ لیتا تو آج ہم کیا ہوتے...... بیٹے اپنے آپ پر بھی بھروسہ کرنا چاہئے اور اپنی تقدیر پر بھی اور سب سے بڑا بھروسہ اللہ کی ذات پر کرنا چاہئے...... تم اپنا مستقبل تعمیر کرو"۔

"وہ تو ٹھیک ہے بابا جان لیکن آپ ذرا خود انصاف کیجئے"۔

"مطلب؟"۔

وہ زمینیں ہمیں واپس مل چکی ہیں جو کبھی چھن گئی تھیں...... کیا ان زمینوں کی تقسیم ضروری نہیں" علی ضیغم نے جرات مندی سے کہا اور شاہ عالم اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا...... پھر بولا۔

"میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا علی ضیغم کہ تمہارے دل میں تمہارے بھائی کی محبت پیدا کروں...... تمہیں یہ بتاؤں کہ تمہارا رویہ اس کے ساتھ بہتر نہیں، لیکن تم نے ایک نیا ہی عمل شروع کر دیا...... کیوں لڑکو! کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے جو تمہارے بڑے بھائی کا ہے؟"۔

بابا جانی! زندگی جب ایک محور پر آجاتی ہے تو انسان کی سوچیں پھیل جاتی ہیں...... یہ حقیقت تو ہے اور میرا خیال ہے کہ علی ضیغم غلط نہیں کہہ رہے...... بات یہ ہے کہ جب کسی کو زندگی میں کسی کمی کا احساس نہیں رہے تو پھر رشتوں کی جانچ شروع ہو جاتی ہے...... اگر کوئی تبدیلی ہم نے آپ کے دل میں اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے پائی تو ظاہر ہے کہ اس کے اثرات ہم پر مرتب ہوں گے"۔

"کیسی تبدیلی کی بات کرتے ہو؟"۔

"مثلاً یہ کہ ایک عجیب سے احساس کا سہارا لے کر آپ نے اسے ایک مظلوم انسان سمجھ لیا ہے...... آپ خود بتایئے وہ مظلوم کیسے ہے؟ اسے ہم پر فوقیت دینا کیا معنی رکھتا ہے؟" پہنچتے ہیں کہ وہ آپ سے الگ ہو کر پروان چڑھا، مانتے ہیں ہم لوگ یہ بات...... لیکن بابا

جانی اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ یہ تو سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا اور وہ منصوبہ آپ کی ضرورت تھا"۔

"دیکھو...... بات اصل میں یہ ہے کہ تم لوگ وقت بھولتے جا رہے ہو...... ماں باپ کی آغوش میں جس طرح اولاد پروان چڑھتی ہے اور اگر خوش نصیبوں کو اس کا موقع ملتا ہے تو ان کی کیفیت ہی مختلف ہوتی ہے...... ہر لمحہ ان کی نگرانی میں بسر ہوتا ہے جیسے میں نے تمہیں پروان چڑھایا...... زمان ملنگی اس وقت ایک ظالم اور سنگدل انسان تھا، اس نے بستی خانہ خیل کو جو کچھ بنا دیا تھا آج میں اسے دہرانا نہیں چاہتا...... تم لوگ بھی بڑے ہوتے اور میں وہیں رہتا تو تم یقین کرو جن بدترین حالات کا تمہیں مقابلہ کرنا پڑتا، تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے...... میں نے تمہیں اپنے بازوؤں میں چھپا کر یہاں تک پہنچایا...... اس کے بعد تمہارے بہتر مستقبل کا بندوبست کیا...... تم نے تعلیم حاصل کی...... ہمارے زیر سایہ پروان چڑھے...... تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی...... ہر مشکل میں تمہارے سامنے تمہارا باپ رہا، لیکن وہ غلام خیر ایک معمولی سا آدمی ہے...... وہ ایک چھوٹی سی بستی میں رہتا تھا...... ایک جھونپڑے جیسا مکان تھا اس کا...... اس جھونپڑے میں میرے بچے نے زندگی کے بیس برس گزارے...... سمجھ رہے ہو نا تم! یہ بیس برس اس نے میرے سائے سے محروم رہ کر گزارے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ غلام خیر میرا بہترین دوست ہے اور اس نے میرے بچے کا پورا پورا خیال رکھا، لیکن جو محرومی اسے رہی، تم اس کا احساس کرو...... وہ تعلیم بھی نہیں حاصل کر سکا...... وہ ہمارے قرب سے بھی محروم رہا اور اس کے بعد میں نے اسے داؤ پر لگا دیا...... یہ الگ بات ہے کہ تقدیر کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا...... تو یہ ساری صورت حال ہے! میں نے جو کچھ تھا، تم پر خرچ کر دیا...... یہ گھر ہے جو تمہارے لئے ایک سائبان کی حیثیت رکھتا ہے...... یہ سب تمہارے درمیان مشترک ہے اور میں نہیں جانتا کہ میری زندگی کتنی ہے؛ لیکن میری زندگی میں کبھی گھر کو تقسیم نہ کرنا...... جب گھر تقسیم ہوتے ہیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا...... ہر شخص تنہا اور بے سائبان رہ جاتا ہے...... میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ

چاروں بھائی ایک چھت کے نیچے رہنا...... بہتر ہے کہ کبھی تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو، لیکن اگر اختلاف ہو بھی جائے تو اسے گھر کے دروازے کے اندر رہنے دینا...... اگر تم نے اختلاف کو گھر سے باہر لے جاؤ گے تو بے شمار افراد تمہیں تمسخر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تمہارے ذاتی معاملات میں مداخلت کر کے تمہیں غلط راہوں پر بھٹکائیں گے"۔

"ساری باتیں بالکل ٹھیک ہیں بابا جانی...... لیکن ہم آپ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے"۔

"کون سی بات سے؟"۔

"خانہ خیل کی وہ زمینیں جو اب ہمیں واپس مل گئی ہیں اور جن پر خوبانیوں کے باغات لگے ہوئے ہیں، ہمارے درمیان تقسیم ہو جانی چاہئیں...... وہ تو ہمارا سائبان نہیں...... وہ تو ہمارا گھر نہیں بلکہ طویل عرصہ کے بعد جیسا کہ آپ نے خود کہا، وہ دوبارہ آپ تک پہنچی ہیں"۔

"سنو...... ایسا نہیں ہو سکتا"۔

"کیوں بابا جانی؟" اس بار علی شاد نے سوال کیا۔

"میں تمہیں تفصیل سے بتا چکا ہوں لیکن یوں لگتا ہے جیسے تمہاری سمجھ میں کچھ آ نہیں رہا...... علی نواز غیر تعلیم یافتہ ہے...... وہ کوئی ہنر بھی نہیں جانتا...... آخر اسے بھی زندگی گزارنی ہے"۔

"تو کیا وہ خانہ خیل واپس جا کر ان زمینوں پر کاشت کرے گا؟"۔

"نہیں...... وہ زمینیں کچھ لوگوں کی نگرانی میں ہیں اور وہ لوگ سالہا سال سے وہاں کام کرتے چلے آئے ہیں...... میں سمجھتا ہوں کہ زمینوں کی آمدنی اس قدر ضرور ہو گی کہ علی نواز ان سے اپنی گزر بسر کر سکے"۔

"واہ بابا جانی! کیا انصاف ہے...... کیا شان ہے آپ کے انصاف کی! وہ زمیندار بیٹھ کر آرام سے کھائے گا اور ہم دفتروں میں کلرکی کریں گے...... یہ آپ کا انصاف ہے؟"۔

"میں تمہیں ساری تفصیلات بتا چکا ہوں...... اس کے علاوہ زمینیں...... اب صحیح بات تو

جبکہ علی نواز کی ملازمت بھی نہیں ملا۔ وہ سب کو برابر کا حصہ دیتے ہیں۔"

"نہیں بابا جانی... آپ غلط کہہ رہے ہیں... زمان جاگیر نے جس سے جو کچھ چھینا تھا اسے واپس کر دیا... یہ زمینیں آپ کو واپس کی گئی ہیں اور اب یہ آپ کی ملکیت ہیں اور آپ کے ورثے میں ہم چاروں کو برابر کا حصہ ملنا چاہیے۔"

"نہیں... حساب کتاب تم نہیں جانتے... میں جانتا ہوں میں نے اب تک تم پر جو خرچ کیا ہے... یہ زمینیں علی نواز کو دے کر اس کا پچھلا حصہ بھی اسے نہیں ملتا۔"

"ہم اسے ظلم قرار دیتے ہیں۔"

"اور میں ان الفاظ کو تمہاری گستاخی۔"

"شاید!" علی عظیم نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔

جب وہ تینوں چلے گئے تو شاہ عالم نے زلیخا سے کہا۔

"نہیں زلیخا یہ لوگ... یہ لوگ برادرِ یوسف ہیں... یہ شاید کبھی اپنے بھائی کے ساتھ بہتر سلوک نہ کر سکیں... آہ، میں پریشان ہوں... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں" شاہ عالم سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

***

وقت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ حال ماضی کی طرف کھسک رہا تھا۔
مستقبل کی طرف بڑھنے والے قدموں کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ بہر حال اب بہت سی
باتیں قصہ پارینہ بن چکی تھیں۔ زلیخا کی بھرپور توجہ اور محبت صنوبر کو حاصل تھی۔ سادہ
لوح صنوبر کا اس گھر میں رہائشی حصہ بھی بالکل مختلف سمت میں تھا، جبکہ باقی تینوں بھائی اور
ان کی بیویاں ساتھ ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ ان کی توجہ صنوبر کی جانب قطعاً نہیں تھی۔
ادھر علی نواز تھا کہ ہر ایک بھائی کے سامنے بچھا جاتا تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہتے، علی نواز ان کے
حکم کی تعمیل کرتا۔ گھر کی ساری دیکھ بھال اس نے اپنے شانوں پر لے لی تھی۔ کسی
بھی بھائی کو کسی مشکل کا شکار نہ ہونے دیتا۔ ساری ضرورتیں علی نواز ہی سے پوری کی
جاتیں اور وہ خوشی خوشی سارے کام سرانجام دیتا۔ اس کی آرزو یہی ہوتی کہ بھائی اسے بھی
محبت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ابھی تک اس کے دل میں اپنے کسی بھائی کے لئے کوئی بدگمانی
پیدا نہیں ہوئی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس کے بھائیوں کو بھی اس سے اختلاف کا موقع
نہیں مل سکا تھا، البتہ ان کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔ آپس میں جس طرح وہ ایک
دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرتے، علی نواز اس سے بالکل محروم تھا، لیکن بہر حال وہ
اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ صنوبر اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تینوں خواتین کی
نسبت اعلیٰ درجے کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، لیکن اس کی تربیت میں بھی نرمی اور
سادگی تھی۔ اسی بنا پر ان لوگوں کو ابھی تک اس سے کوئی شکایت نہ ہو سکی۔ یہ عورتیں

اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرتیں، وہ اسے بڑی خوشی کے ساتھ قبول کر لیا کرتی تھی۔ لیکن زینہ دیکھی تھی کہ تینوں بیویوں کا رویہ اس کی چھوٹی بہو کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔۔۔۔ اب توان دونوں نے یہ بات سوچنا بھی گناہ سمجھ لیا تھا کہ زمان ملنگی کے بارے میں کوئی غلط لفظ منہ سے نکلے اول تو وہ اس دنیا سے جا چکا تھا اور پھر اس نے جس انداز میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیا تھا، وہ ان سب کے دلوں پر نقش ہو گیا تھا لیکن ایک آدھ بار نسرین ضیغم جو علی ضیغم کی بیوی تھی اپنی ساس کے سامنے پھٹ بھی پڑی تھی۔۔۔۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم لوگوں نے آپ کے ساتھ حسن سلوک میں کیا کمی کی ہے کہ ہماری جانب آپ کی توجہ بالکل نہیں ہوتی، جبکہ چھوٹی بہو آپ کی آنکھ کا تارا بن گئی ہے"۔

"ہاں بہو۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میری آنکھوں کا تارا ہے۔۔۔۔ جانتی ہو کیوں؟"۔

"جان جاتے تو کم از کم غم تو نہ ہوتا" عالیہ شاد نے کہا۔

"تو پھر سیدھی سی بات آسانی سے سمجھ لو۔۔۔۔ تم لوگوں کے ماشاء اللہ بھرے پرے گھرانے ہیں۔۔۔۔ تمہارا میکہ ہے۔۔۔۔ تمہارے عزیز و اقارب ہیں۔۔۔۔ ہر جگہ آ جا سکتی ہو۔۔۔۔ سب سے ملنے کے لئے جاتی ہو لیکن اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔۔ وہ بے سہارا ہے۔۔۔۔ اس کے پاس جانے کے لئے کوئی جگہ نہیں، اس لئے میں اس پر زیادہ توجہ دیتی ہوں تاکہ اسے ماں اور باپ کا غم محسوس نہ ہو"۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔۔۔۔ ہم بھی اپنے ماں باپ سے ملتے ہیں تو اس طرح جس طرح غیروں سے مل رہے ہوں"۔

"نہیں بہو۔۔۔۔ تم ان سے اپنوں کی طرح ملو۔۔۔۔ کبھی تم پر یہ دباؤ ڈالا گیا کہ تم اپنے ماں باپ سے بہت زیادہ محبت اور اعتماد کے ساتھ نہ ملو! ہم نے تو کبھی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ کب جاتی ہو۔۔۔۔ کب آتی ہو۔۔۔۔ کیا کرتی ہو۔۔۔۔ کون تمہارے پاس آتا ہے! ہمیں تمہارے ان سے محبت اور پیار سے ملنے پر اعتراض بھی نہیں۔۔۔۔ بہت چھوٹی سی

بات ہے بہو! ظاہر ہے میں بھی کسی گھر کی بیٹی تھی۔۔۔ میرے اپنے بھی تھے۔۔۔ میں ان سے ملتی تھی کہ ان سے بہت محبت سے ملتی رہوں اور خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنا دور من سے گزارا۔ دیکھو بیٹی! بات بہت چھوٹی سی ہے۔۔۔ بس دل میں تھوڑی سی جگہ پیدا کر لو۔۔۔ تم صاحب اولاد ہو گی اور اولاد کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو گی۔۔۔ بچے کتنے ہی ہوں، ماں باپ کے دلوں میں ایک ہی مقام ہوتا ہے" زلیخا نے اپنے طور پر انہیں بہت سمجھایا لیکن بات وہیں اٹکی ہوئی تھی، تاہم انہوں نے اپنے رویئے میں قدرے لچک پیدا کی تھی، لیکن صرف ظاہری طور پر۔۔۔۔ در پردہ وہ تینوں ان دونوں میاں بیوی کے خلاف ہی رہے۔

زمینوں کی آمدنی آنا شروع ہو گئی۔۔۔ شاہ عالم نے دوبارہ بستی خانہ خیل جا کر اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کی تھی۔۔۔۔ کچھ لوگوں کو ان زمینوں کا نگران مقرر کر دیا تھا۔۔۔۔ یہ سب زمانہ کی پرانی یادیں تازہ کی تھی۔۔۔ زیبونیسا اس کے بہترین دوستوں میں شامل ہوتے تھے۔۔۔۔ معاملات ٹھیک ہو گئے تھے، تینوں بھائی اپنے اپنے طور پر ایک آسودہ زندگی گزار رہے تھے۔۔۔۔ وہیں علی نواز کو بھی زندگی گزارنے کا بہتر سہارا مل گیا تھا۔۔۔۔ غلام خیر اسی مکان میں تھا جو زمان ملنگی نے اپنی بیٹی کو دیا تھا۔۔۔ شاہ عالم نے از راہ احتیاط اس مکان کو محفوظ رہنے دیا تھا۔۔۔۔ اس کے دل میں بہت سے خدشات اور وسوسے تھے جو غلط نہیں تھے۔۔۔۔ کافی دن گزر گئے۔۔۔۔ پھر ایک روز انہیں ایک تقریب میں شریک ہونا پڑا۔۔۔۔ شاہ عالم نے یہاں شہر میں زندگی کے طویل ترین لمحات گزارے تھے۔۔۔۔ بہت سے لوگوں سے شناسائی بھی تھی۔۔۔۔ چند افراد سے گھریلو تعلقات بھی تھے، جہاں زیب ایک فوجی تھا۔۔۔۔ میجر کے عہدے پر فائز طویل عرصہ سے شاہ عالم سے اس کے تعلقات تھے کیونکہ وہ بھی اس صوبے کا رہنے والا تھا جس سے شاہ عالم کا تعلق تھا۔۔۔۔۔ تعلق اس بنیاد پر قائم ہوا تھا، لیکن بعد میں جہانزیب ایک جنگ میں شہید ہو گیا اور یہ رشتہ رسمی طور پر ختم ہو گیا، لیکن شاہ عالم اس گھرانے کو نظر انداز نہ کر سکا۔۔۔۔ بیگم جہانزیب اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔۔۔۔ ان کے اپنے بیٹے بیٹیاں بھی تھے۔۔۔ ایک بھری پری زندگی تھی ان کی۔۔۔۔ ایک میجر کی بیگم تھیں۔۔۔۔ سرکاری مراعات بھی حاصل تھیں

بیٹے بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے تھے، چنانچہ ایک طرف مالی آسودگی تھی تو دوسری طرف علم کی روشنی..... خاصی سوشل خاتون تھیں اور مختلف سماجی کاموں میں حصہ لیتی رہتی تھیں..... اپنے شوہر کے شاہ عالم سے تعلقات کو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں..... سبھی افراد خانہ شاہ عالم کے خاندان سے روشناس تھے..... ملنا جلنا رہتا تھا..... ان ہی دنوں بیگم جہاں زیب کے ہاں ایک تقریب تھی اور انہوں نے اس میں ان سب کو مدعو کر ڈالا تھا انہیں اندرون خانہ حالات کا علم نہیں تھا کیونکہ میجر کی موت کے بعد ملنا جلنا ذرا کم ہو گیا تھا..... پھر شاہ عالم کی اپنی ایک زندگی تھی، چنانچہ بیگم جہاں زیب کو علی نواز یا اس کی بیوی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ویسے بھی پچھلے دنوں وہ باہر گئی ہوئی تھیں اور خاصہ وقت وہاں گزار کر آئی تھیں..... واپس آنے کے خاصے عرصے کے بعد یہ تقریب منعقد ہوئی اور چونکہ شاہ عالم کا خاندان ہمیشہ ہی ان کی تقریبات میں شامل ہوتا رہتا تھا اس لئے ٹیلی فون پر انہوں نے خود شاہ عالم سے بات کی تھی اور کہا تھا۔

"زلیخا بھابی کو آپ صبح میرے پاس بھیج دیں اور شام کی دعوت میں تمام بچے شریک ہوں گے، اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ..... مجھے بے انتہا خوشی ہوگی اور میں کوئی معذرت قبول نہیں کروں گی"۔

"میں تو نہیں آسکوں گا بھابی صاحبہ لیکن بچے ضرور آپ کی تقریب میں شریک ہوں گے"۔

اس کے بعد شاہ عالم نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ تیار ہو کر چلی جائے..... بیگم جہاں زیب کے ہاں، ان کا بلاوا ہے..... زلیخا کو خود بھی بیگم جہاں زیب بہت پسند تھیں..... صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب ظرف بھی تھیں اور اس معصوم سے خاندان کی دل سے عزت کرتی تھیں، چنانچہ زلیخا وہاں چلی گئی..... جاتے ہوئے وہ بہوؤں اور بیٹوں کو ہدایات دے گئی تھی کہ شام کو چھ بجے انہیں وہاں پہنچنا تھا..... دوپہر کو جب تینوں بیگمات کو اس کا علم

ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔

"بھئی، کیا خیال ہے عالیہ! ہم سب کو ساتھ ہی چلنا چاہئے؟"۔

"بھئی جانے کا کیا سوال ہے؟" عالیہ شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں..... میری مراد یہ ہے کہ ہم سب اور ہمارے شوہر تو اکٹھے ہی جائیں گے..... بڑی بی اور ان کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا ہے؟"۔

"ہرگز نہیں" فروزاں داراب نے ناک چڑھا کر کہا۔

"میرا بھی مطلب تھا، مگر ہمارے سسر صاحب نہیں چاہیں گے"۔

"تو پھر اس کے لئے کیا کیا جائے؟"۔

"یوں کرو..... ان لوگوں کو ٹیلی فون کر دو"۔

"کس کو؟"۔

"میرا مطلب ہے میں ضیغم کو فون کئے دیتی ہوں..... وہ وہیں سے تیار ہو کر پہنچ جائیں..... میں یوں کرتی ہوں کہ اپنے گھر چلی جاتی ہوں..... یہ بہانہ کر دوں گی کہ میں وہیں تیار ہوں گی، مجھے کام ہے..... ویسے بھی ہماری ساس صاحبہ کا فرمان ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں دخل نہیں دیتیں اور اب بھی انہیں دخل نہیں دینا چاہئے..... پھر یوں کرنا، تم لوگ سیدھے گھر آجانا..... وہیں سے تیار ہو کر ہم تینوں چلے چلیں گے"۔

"یہ ترکیب اچھی ہے"۔

"اصل میں، میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ دونوں ہمارے ہمراہ شریک نہ ہوں"۔

"نہیں..... اب یہ شریک ہوں یا نہ ہوں لیکن ہم تینوں وہاں ساتھ چلیں گے"۔

غرض یہ کہ پچھلی سازش تکمیل کے مراحل طے کرنے لگی..... طریقہ کار بہتر تھا، چونکہ زلیخا بیگم گھر پر موجود نہیں تھی..... اس لئے یہ سارا معاملہ سوچے سمجھے انداز میں طے پا گیا تھا..... فروزاں اپنے گھر چلی گئی..... پھر اس کے بعد دونوں خواتین فروزاں اور نسرین عالیہ شاہ کے ساتھ وہاں سے تمام تر تیاریاں مکمل کرنے کے بعد عالیہ شاہ اپنی دونوں بھاوجوں

کو لے کر بیگم جہاں زیب کے گھر چل پڑیں..... شوہر تو حکم کے غلام تھے، بیویوں کے ساتھ
ہر طرح کا تعاون کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا..... گھر میں شاہ
بیا تھی اور دونوں بیٹے اور بہو..... شاہ عالم نے جو ایک طرح سے گوشہ نشینی کی زندگی
یا تھی اور گھریلو معاملات سے فاصلے اختیار کر چکا تھا، علی نواز اور صنوبر کو گھر میں دیکھا تو
چونک کر بولا: وہ سب لوگ چلے گئے؟ تم ان کے ساتھ نہیں گئے"۔
"ہمیں تو معلوم بھی نہیں بابا جانی! سب بھابیاں چلی گئیں پھر بھائی..... کچھ پتہ ہی نہیں
چل سکا"۔
شاہ عالم کے دل کو پھر ایک دھچکا لگا..... کچھ لمحے غور کرنے کے بعد اس نے کہا:
"تم لوگ تیار ہو جاؤ..... میں تمہارے ساتھ چلوں گا"۔
"ٹھیک ہے بابا جانی..... جو آپ کا حکم"۔
"صنوبر کو تیار کر لو..... میں بھی لباس تبدیل کرنے جا رہا ہوں" شاہ عالم نے کہا.....
جب علی نواز چلا گیا تو شاہ عالم کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی..... محبت اسے باقی بیٹوں سے
بھی تھی لیکن وہ مسلسل نافرمانی کر رہے تھے اور ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ کسی طور علی نواز کو اپنے
درمیان قبول کرنے کو تیار نہیں..... اس نے انہیں بار بار اپنا موقف سمجھایا تھا..... یہ بتایا تھا
کہ علی نواز نے اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن پورا کیا ہے، لیکن وہ سب بے حس تھے.....
انہوں نے کوئی بات قبول نہیں کی تھی..... اب ان سے کچھ کہنا بے کار تھا..... کوئی اور ہی
قدم اٹھانا پڑے گا..... نہیں علی نواز! میں نے بیس برس تجھے چکی میں پیسا ہے، اب میں تیرے
ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دوں گا۔
ادھر علی نواز نے صنوبر سے کہا: "بابا جانی نے کہا ہے تم تیار ہو جاؤ..... ہمیں چلنا ہے"۔
"وہ سب جانے کی باتیں کر رہی تھیں، مگر ہمیں کہاں جانا ہے نواز؟"۔
"ایک تقریب میں شریک ہونا ہے ہمیں..... بابا جانی کے ایک دوست کے گھر
تقریب ہے"۔

"شہروں میں تقریب کیسے ہوتی ہے؟ مجھے تو معلوم بھی نہیں میں کیا کروں؟"۔
"معلوم تو مجھے بھی نہیں لیکن بس تم تیار ہو جاؤ..... جیسے خانہ خیل کی تقریبوں میں
شریک ہوتی تھیں"۔
"ٹھیک ہے..... جیسے تم کہو" صنوبر نے کہا..... تقریب میں شریک ہونے کے لئے
اس نے خانہ خیل سے ساتھ لایا ہوا ایک خوبصورت لباس نکالا، جو پہاڑی روایات کا حامل
تھا..... اسے پہن کر اس نے اپنے طور پر کچھ آرائش کی جس سے پہاڑی حسن اس طرح سجا کہ
دیکھنے والا دیوانہ ہو جائے..... دوسری شہر زادیوں وہ بچپن کہاں سے پاتیں جو اس جنگلی ہرنی
میں تھی..... اسی طرح علی نواز نے بھی ایک سادہ سا لباس پہنا جو اس کے قدرتی حسن کو
نمایاں کرتا تھا..... بات صرف دیکھنے والی آنکھ کی تھی..... پھر جب دونوں تیار ہو کر شاہ عالم
کے سامنے پہنچے تو وہ بھی ششدر رہ گیا..... اس کے سامنے ماضی زندہ ہو گیا..... دونوں کے
لباس خانہ خیل کی ثقافت کے آئینہ دار تھے..... اس نے سوچا کہ اس کی بہوؤں کا صنوبر سے
کیا مقابلہ..... عورت کی فطرت کا اصل پہلو ہے۔
"تو تم تیار ہو؟"۔
"جی بابا جانی..... علی نواز نے کہا۔
"زلیخا وہاں موجود ہو گی..... اس نے یقیناً دوسروں سے تمہارے بارے میں پوچھا
ہو گا..... بیٹی صنوبر! تم زلیخا کے پاس چلی جانا"۔
"جی بابا جانی"۔
تقریب عالی شان تھی..... بیگم جہاں زیب دولت مند اور بہت سوشل تھیں..... اس
لئے اس وقت شہر کے بڑے بڑے رؤسا کی بیگمات اور خواتین و نوجوان وہاں موجود تھے.....
شاہ عالم جب وہاں پہنچا تو تقریب گاہ میں ہلچل سی مچ گئی..... منفرد صورتیں، منفرد لباس،
یہ حسن بے مثل بھلا شہری زندگی میں کہاں! لوگوں کی نگاہیں اس جوڑے پر جم گئیں.....
سب چراغ بجھ گئے تھے ان کے سامنے..... ہر نگاہ ان ہی دونوں پر تھی جسے شاہ عالم نے بھی

محسوس کر لیا اور ایک عجیب سی خوشی اس کے دل میں آ بسی۔

زلیخا بیگم جہانزیب کے ساتھ ہی تھی اور بجھی بجھی سی تھی...... تینوں بہوئیں اور بیٹے آ گئے تھے، لیکن علی نواز اور صنوبر نظر نہیں آئے تھے...... اس نے عالیہ سے پوچھا تھا: "صنوبر نہیں آئی تمہارے ساتھ...... علی نواز بھی نظر نہیں آ رہا؟"۔

"میں تو ان کے گھر سے تیار ہو کر آئی ہوں...... مجھے نہیں معلوم کہ وہ دونوں کیوں نہیں آئے؟"۔

"نسرین اور فروزاں سے پوچھا تم نے؟"۔

"وہ بھی میرے پاس ہی آ گئی تھیں" عالیہ نے جواب دیا۔

ضیغم سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: ہم نوکری کرتے ہیں دوسروں کی...... دفتروں سے اٹھ کر آ گئے ہیں...... ہمیں کیا معلوم کہ زمیندار صاحب کیوں نہیں آئے؟"۔

دوسرا گھر تھا...... زلیخا نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا، لیکن پھر وہ اس وقت کھل اٹھی جب اس نے شاہ عامل کے ساتھ ان دونوں کو دیکھا...... بیگم جہانزیب بھی اس طرف متوجہ تھیں اور ان پر بھی دوسروں جیسی کیفیت طاری تھی...... انہوں نے زلیخا کی طرف رخ کیا اور کہا: "کیا یہ دونوں عامل بھائی کے ساتھ آئے ہیں؟"۔

"ہاں" زلیخا کے لہجے میں فخر تھا...... وہ دل ہی دل میں ان پر نثار ہو رہی تھی۔

"کون ہیں یہ؟"۔

"میرا چھوٹا بیٹا...... اور بہو"۔

"کیا مطلب؟"۔

"وہ میرے تیسرے نمبر کا بیٹا ہے...... چھوٹے بیٹے علی داراب سے بڑا"۔

"میں نے تو اسے کبھی نہیں دیکھا؟"۔

"اس نے ہم سے دور ایک پہاڑی بستی میں شاہ عامل کے ایک دوست کے ہاں پرورش پائی ہے"۔

"اور یہ لڑکی؟"۔

"ہماری قدیم بستی کے ایک سردار کی بیٹی ہے اور اب میری بہو!"۔

"خدا کی قسم! جنگل کے یہ پھول کس قدر خوشنما ہیں! کیا حسن دیا ہے خدا نے انہیں! بی بی زلیخا بہن...... تمہاری تینوں بہوئیں اور بیٹے تو ان کے قدموں کی خاک بھی نہیں...... مجھے معاف کرنا تمہاری تینوں بہوئیں شہری چوہیاں لگتی ہیں اور بیٹے بھی اس جیسے نہیں، جبکہ وہ جنگلی چیتا لگتا ہے...... حسین، سڈول! بالکل تازہ کھلے پھول کی مانند"۔

"اس نے دیہاتی زندگی گزاری ہے"۔

"تم دیکھو...... تمام نگاہیں ان ہی پر ہیں"۔

"میں دیکھ رہی ہوں"۔

"اوہو...... اس نے تمہیں دیکھ لیا ہے...... اس پری کو یہاں لے آؤ...... مجھ سے ملاؤ...... میں تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں"۔

"میں اسے لے کر آتی ہوں" زلیخا اس طرف بڑھ گئی۔

تینوں بہوؤں نے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا اور ان کے کلیجے کباب ہو گئے تھے...... بیگم جہانزیب کے ایک ایک لفظ کا نشتر ان کے دلوں میں اتر گیا تھا۔

لیکن حقیقت کا اعتراف انہیں بھی کرنا پڑا تھا...... یہ اعتراف تو سب نے ہی کیا تھا...... دراصل شہر کے بڑے بڑے دولت مند گھرانوں کی لڑکیاں اور بیگمات یہاں موجود تھیں...... انہوں نے اس تقریب میں شریک ہونے کے لئے شہر بھر کے بیوٹی پارلروں کو مصروف کر لیا تھا اور ہزاروں روپے خرچ کر کے اپنے چہرے سجائے تھے، لیکن حسن سادہ کے سامنے بیوٹی پارلروں کی مہارت ماند پڑ گئی تھی...... بڑے سے بڑا مصور ایک پھول ایسا پینٹ کر سکتا ہے جو ماحول کو معطر کر دے۔

بیگم جہانزیب نے دونوں کی پیشانی چومی، انہیں دعائیں دیں...... اپنے گلے سے قیمتی ہار اتار کر صنوبر کی گردن میں ڈالا اور مسکرا کر علی نواز سے کہا: قصور تمہارے ماں باپ کا ہے کہ

تمہیں ہم سے چھپائے رکھا .... تمہارا تحفہ ہم پر قرض رہا"۔

پھر یوں ہوا کہ بے شمار افراد ان کے گرد جمع ہو گئے...... آزاد خیال لوگوں کی محفل تھی ..... ہر شخص ہر مسئلے پر تبصرہ کر سکتا تھا، چنانچہ تبصرہ آرائیاں ہونے لگیں اور اس جوڑے کے بارے میں معلومات حاصل کی جانے لگیں..... ان دونوں کی کچھ عجیب ہی پذیرائی ہوئی تھی..... شاہ عالم تشویش کی نگاہ سے اس پذیرائی کو دیکھ رہا تھا..... اب اس قدر زمانہ ناشناس بھی نہیں تھا کہ اس کے ذیلی اثرات کو محسوس نہ کر سکے..... تینوں بیٹوں کے لٹکے ہوئے چہرے بھی دیکھ رہا تھا اور تینوں بہوؤں کے جھلسے ہوئے چہروں پر بھی نظر پڑ رہی تھی، لیکن بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ایک الگ حیثیت رکھتی تھیں..... اس محفل میں اسے صورت حال کو سنبھالنا تھا..... پھر شہر کی ایک بہت ہی معزز شخصیت نے اپنے طور پر اعلان کیا۔

"خواتین وحضرات! اس جدید محفل میں ہم نے ایک ایسے جوڑے کو دیکھا ہے جس نے ایک عجیب ہی سماں باندھ دیا ہے..... قدرت اپنی تخلیقات میں بعض اوقات بڑی فراخ دلی سے کام لیتی ہے..... میں ان تمام بچیوں کی عزت کرتا ہوں جو یہاں موجود ہیں اور ان خواتین کی بھی جو ایسی محفلوں کی جان ہوتی ہیں..... ان کا اپنا مقام، ان کی اپنی جگہ ہے اور اسے کوئی نہیں چھین سکتا، لیکن میری آرزو ہے کہ قدرت کی اس حسین تخلیق کو خراج تحسین پیش کروں..... میں آپ لوگوں سے ان دونوں میاں بیوی کے بارے میں ایک سوال کرتا ہوں..... کیا یہ واقعی اس وقت جان محفل نہیں! جنہیں میری بات سے اتفاق ہو..... میری تائید کریں"۔

ایک تفریحی مشغلہ تھا جو لوگوں نے پسند کیا اور اس کے بعد اس جوڑے کو اس شام کا بہترین جوڑا قرار دیا گیا..... بہت سے لوگوں نے انہیں تحفے تحائف بھی پیش کئے..... یہ انہی تھی..... فروزاں، عالیہ اور نسرین کا دل چاہ رہا تھا کہ محفل چھوڑ کر چلے جائیں، لیکن بہر حال گزارہ کرنا تھا اس وقت کے ساتھ..... ان کے دلوں پر جو بیت رہی تھی..... وہ الگ ہی بات تھی..... تقریب کا اختتام بڑی خوبصورتی سے ہوا..... شاہ عالم خود بھی اپنی بیوی زلیخا..... علی

نواز اور صنوبر کے ساتھ واپس پلٹا تھا، جبکہ تینوں بیٹے اور تینوں بہوئیں اپنے طور پر ماں باپ سے کچھ کہے بغیر ہی واپس چلے گئے تھے..... علی نواز اور صنوبر کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ یہ سب کیا ہوا ہے؟ ایک طرف شاہ عالم نے اپنی بیوی سے تشویش زدہ لہجے میں کہہ دیا تھا.....

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے روایتی لباس میں اس وقت صنوبر کو دیکھ کر میں خود بھی ششدر رہ گیا تھا..... درحقیقت وہ اتنی حسین ہے کہ انسان کی نگاہ اس پر سے ہٹ ہی نہ پائے اور پھر میرے دوست غلام خیر نے علی نواز کو جس طرح پروان چڑھایا ہے..... واقعی ماشاء اللہ وہ اسی قابل تھا کہ زمان ملنگی کی بیٹی اس کے لئے دیوانی ہو جائے، مگر اصل مسئلہ ان بہوؤں کا ہے جن کے لٹکے ہوئے چہرے تم نے دیکھے..... سمجھ میں نہیں آتا زلیخا، کیا کروں..... میں بڑی تشویش کا شکار ہوں..... مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ تینوں میرے علی نواز کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں..... میں ان کی طرف سے غیر مطمئن ہوں، حالانکہ وہ بھی میری اولاد ہیں، لیکن شاید تم اب اس بات پر مجھ سے خوش نہ ہو سکو کہ اب میرے دل میں ان کے لئے کچھ کھنچ پیدا ہو گیا ہے..... وہ مجھے ضرورت سے زیادہ خود غرض نظر آتے ہیں..... ہمیں علی نواز کے تحفظ کا بندوبست کرنا ہوگا..... معصوم فطرت ہے..... غیر تعلیم یافتہ ہے..... کہیں وہ ان کی کسی سازش کا شکار نہ ہو جائے"۔

"خیر اللہ نے چاہا تو ایسا بھی نہیں ہوگا، لیکن واقعی کچھ سوچنا تو پڑے گا"۔

دوسری طرف صنوبر علی نواز سے کہہ رہی تھی۔

"یہ سب کچھ تو مجھے بہت اچھا لگا..... کیا اس قسم کی تقریبات اکثر یہاں ہوتی رہتی ہیں"۔

"شاید"۔

"سب لوگ بہت اچھے تھے..... انہوں نے کیا ہمارے اعزاز میں یہ تقریب کی تھی؟"۔

"نہیں..... مجھے بھی اتفاق سے کچھ زیادہ معلومات نہیں..... ان خاتون کے بارے میں جن کے ہاں ہم لوگ گئے تھے، لیکن میرا یہ خیال ہے کہ یہ ہمارے اعزاز میں کوئی تقریب نہیں تھی، ورنہ ہمیں پہلے بلایا جاتا"۔

"لیکن انہوں نے تحائف کیوں دیئے؟"۔

علی نواز آہستہ سے مسکرادیا...... پھر بولا۔

"تمہیں دیکھ کر میں دیوانہ ہو گیا تھا ...... میں جو اپنے آپ کو بہت ٹھوس اور صاحب کردار سمجھتا ہوں تو پھر دوسرے کیوں نہ پاگل ہو جاتے"۔

صنوبر اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

دیکھا گیا ہے کہ گھریلو زندگی میں عورت...... عورت کی سب سے بڑی دشمن پائی جاتی ہے...... میں ہر ایک کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتا، لیکن کہیں اعلیٰ ظرفی اور یگانگت کے ایسے مظاہرے دیکھنے میں ملتے ہیں جو قابل تحسین ہوتے ہیں، لیکن معاشرے پر ایک گہری نگاہ ڈالی جائے تو عورت کو بعض اوقات سب سے بڑا نقصان عورت ہی سے پہنچتا ہے...... خاص طور سے ہمارے معاشرے میں ساس، نند اور بہو وغیرہ کا چکر...... پھر کسی بھی محفل میں دیکھ لیجئے، مرد تو ہر طرح سے گزارا کر لیتے ہیں...... خواہش شاید ہر دل میں ہوتی ہے...... لباس کی...... اچھی زندگی کی...... اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کی لیکن اس سلسلے میں عورت جس جنون کا شکار نظر آتی ہے، وہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے...... اس کی وجہ سے معاشرے میں لاتعداد برائیاں جنم لیتی ہیں جن کے بارے میں بہت سی کہانیاں، بہت سے واقعات، بہت سے افسانے منظر عام پر آ چکے ہیں...... ہم اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتے...... صرف ایک ماحول کا خاکہ پیش کرنے کے لئے ان الفاظ کی ضرورت پیش آئی...... مردوں کی دشمنی کے انداز مختلف ہوتے ہیں...... کوئی بہت ہی بڑی بات ہو جائے تو مرد، مرد کی زندگی کے درپے نظر آتا ہے، لیکن عورتیں چھوٹی چھوٹی بات پر ایک دوسرے سے دشمنی اختیار کر لیتی ہیں...... تذکرہ چونکہ شاہ عالم کے گھر کا ہو رہا ہے...... میں ایک بار پھر آپ کو اس کہانی کی ابتداء کی جانب متوجہ کرتا ہوں...... ابھی تک ہم شاہ عالم کے خاندانی پس منظر میں الجھے ہوئے ہیں، لیکن اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شاہ عالم کی الجھی ہوئی شخصیت کا پس منظر پیش کر دیا جائے تاکہ اس کردار کو آسانیاں حاصل ہو جائیں اور پھر ماضی بہر حال ایک ٹھوس

اہمیت رکھتا ہے...... اس سے گریز تو کسی طور ممکن نہیں، چنانچہ شاہ عالم میرا مطلب ہے نے چل کر آنے والی ایک ایسی شخصیت کے گھر میں جو دلچسپ صورت حال چل رہی تھی وہ ایک نئے دور میں داخل ہو گئی تھی...... ویسے تو عالیہ شاد...... فروزاں علی داراب اور زینب نیم مشترکہ طور پر صنوبر سے نفرت کرنے لگی تھیں...... ان کی بہت سی ایسی اندرونی کیفیات تھیں جن کا اظہار بھی وہ نہیں کر سکتی تھیں...... ان کیفیات میں خالص عورت پن تھا...... میں پھر انفرادی بات کروں گا تاکہ وہ خواتین جو اس کیفیات کا شکار نہیں ہوتیں، وہ بری بات کو غلط نہ سمجھیں...... میں ان کی بات کرتا ہوں جن کے دلوں میں ایسی کیفیات پروان چڑھتی ہیں...... مثلاً ایک عورت، ایک محبت کرنے والی عورت، ایک باوفا عورت، اپنے شوہر میں وہ تمام خصوصیات دیکھنا چاہتی ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کر سکیں...... وہ اپنی دوستوں سے تذکرہ کرتے ہوئے اپنے شوہروں کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ان میں کیا کیا خوبیاں ہیں...... وہ یہ بھی چاہتی ہیں کہ ان کے شوہر، محفلوں میں اور ان کے دوستوں کے درمیان منفرد شخصیت کے حامل نظر آئیں...... اس سلسلے میں بڑے بڑے لطیفے ہو چکے ہیں اور بڑے بڑے لوگوں نے ان پر بہت سی داستانیں لکھی ہیں...... یہاں اس گھر میں یہ تمام خواتین جہاں ایک جانب صنوبر کے حسن جہاں سوز سے حسرت کرتی تھیں تو دوسری جانب علی نواز بھی ان کے حسد کا مرکز تھا، کیونکہ ان کے شوہر علی نواز کے مقابلے میں بری طرح دبے دبے نظر آتے تھے...... لوگ بے دھڑک ان کے بارے میں کہہ بھی کر دیا کرتے تھے...... سو اس محفل سے واپسی کے بعد تو ان کے دل کی کیفیت کچھ اور ہی شکل اختیار کر گئی تھی...... اب یہاں ایک دوسرے سے رازداری کا تصور بھی ختم ہو گیا تھا...... خصوصاً فروزاں بہت زیادہ جنونی کیفیت کا شکار تھی...... یہ اپنی اپنی طبیعت کی بات ہوتی ہے...... فروزاں جس طرح کی لڑکی تھی وہاں اسے ایک بہت بڑا مقام حاصل تھا...... اکلوتی بیٹی تھی، صنوبر کی طرح ماں باپ کی چہیتی! اور یہ حقیقت تھی کہ اس وقت تک جب تک کہ علی نواز ان کے درمیان نہیں آیا تھا...... علی داراب جو سب سے چھوٹا بیٹا تھا، سب سے اچھی شکل و صورت

ور صحت کا مالک تھا، جبکہ دونوں بڑے بھائی اس کے سامنے کچھ دبے دبے سے تھے، لیکن داراب
علی نواز کے آجانے کے بعد علی داراب کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی...... فروزاں جو
اپنے آپ کو اس گھر میں دوسروں سے برتر سمجھتی تھی، اب بہت پستیوں میں آگئی تھی...... وہ
اس بات کو شدت سے محسوس کرتی تھی، خاص طور سے بیگم جہانزیب کے گھر میں علی نواز
اور صنوبر کی جو پذیرائی ہوئی تھی، اس نے سب سے زیادہ فروزاں کو تکلیف پہنچائی تھی...... وہ
اپنے طور پر اس سوچ کا شکار ہو گئی تھی کہ اب اس کی شخصیت اس گھر میں بے اثر ہو گئی
ہے...... وہ کسی بھی قیمت پر یہ سب کچھ برداشت نہیں کرپا رہی تھی...... عجیب عجیب سوچیں
اس کے ذہن میں آتی رہیں...... ان میں کچھ مجرمانہ منصوبے بھی شامل تھے...... اس نے یہ
فیصلہ کیا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے تو اس طرح کرنا ہے کہ دوسری بھاوجوں کو بھی اس کی خبر نہ
ہو سکے...... اپنے تمام خوفناک احساسات کو اس نے اپنے دل میں ہی رکھا تھا، البتہ موقع ملنے
پر اس نے علی داراب سے بات کی...... علی داراب اس وقت اپنے آفس جانے کی تیاریاں
کر رہا تھا، لیکن ابھی کافی وقت تھا دونوں کے پاس...... فروزاں پر اس کی نگاہ پڑی تو اس نے
سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے فروزاں؟ تم کچھ بجھی بجھی نظر آ رہی ہو!"۔

"بات کوئی خاص نہیں ہے علی داراب...... لیکن کچھ عجیب سے احساسات میرے
ذہن کو زخمی کر رہے ہیں"۔

"کیا؟" علی داراب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

فروزاں چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے کہا: "میں جانتی ہوں کہ محسوس تم بھی
کر رہے ہو، لیکن تم نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا...... علی داراب مجھے یہ بات بتاؤ کہ کیا علی
نواز کے یہاں آنے سے ہمارے اس پرسکون گھر کا نظام درہم برہم نہیں ہو گیا...... اصل میں
بہت سی باتیں مرد محسوس نہیں کرتے، لیکن عورتوں کو ان کا زیادہ احساس ہوتا ہے...... تم
لوگ تو گھر سے باہر جانے کے بعد باہر کی دنیا میں گم ہو جاتے ہو، لیکن ہمیں ہر طرح سے

علی داراب، یہ لڑکی جس نے اپنے آپ پر معصومیت کا اتنا گہرا غلاف چڑھا
رکھا ہے...... کہ اس غلاف کے اندر سے اس کا چہرہ نظر نہیں آتا...... درحقیقت اندر سے وہ بہت
ذہین اور بے حد شاطر ہے...... مجھے معاف کرنا، علی نواز تمہارا بھائی ہے لیکن بظاہر جاہل نظر
آنے والا شخص اپنے اندر بے پناہ گہرائیاں رکھتا ہے...... ان دونوں نے یہاں آکر اس طرح
اس گھر کے ماحول پر قبضہ جمایا ہے کہ میں تو ششدر رہ گئی ہوں...... ہم تعلیم یافتہ لوگ،
شہروں کے باشندے اندر سے اتنے گہرے نہیں...... انہوں نے سب کو پہلے یہ احساس دلایا
کہ بے حد معصوم ہیں اور دنیا کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں...... اب تم مجھے بتاؤ کہ کیا
صنوبر اس محفل میں شرکت کرنے کے لئے وہ جاہلانہ پہاڑی لباس پہن کر جان بوجھ کر
نہیں آ گئی تھیں تاکہ دوسروں سے منفرد نظر آئیں...... کیا عام طور سے گھر میں وہ اسی قسم کے
لباس پہنتی ہیں؟ ان لوگوں نے ہم لوگوں کو نیچا دکھانے کے لئے ایک روایتی قسم کا لباس پہنا
اور پھر انہوں نے وہ محفل لوٹ لی...... میں مانتی ہوں کہ وہ لڑکی خوبصورت ہے لیکن اس
محفل میں جانے کے لئے لباس کا انتخاب کس نے کیا؟"۔

علی داراب سوچ میں ڈوب گیا...... وہ خود بھی شدید ذہنی عذاب کا شکار تھا کہنے لگا:
"ٹھیک ہے فروزاں، ہم اس سلسلے میں ان دونوں کو اس قدر قصوروار قرار نہیں دے سکتے"۔

"تو پھر؟"۔

"بابا جانی کو دیکھو، حالانکہ ماں تک کے ساتھ وہ بیگم جہانزیب کی کوٹھی پر نہیں
گئے، کہنے لگے کہ میں گھر پر رہوں گا...... پھر بھلا ان لوگوں کے ساتھ جانے کی کیا
ضرورت تھی...... اصل میں وہ ان لوگوں کو یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ ان کا مقام ہم سے
کہیں بلند ہے...... میں بابا جان کی کسی بات پر اعتراض نہیں کرتا...... ان کی اپنی سوچ ہے جس
سے وہ چاہے زیادہ محبت کریں، لیکن جو بات براہ راست ہمیں متاثر کرے...... بابا جانی کو کم از
کم وہ تو خیال رکھنا چاہئے"۔

"میں تمہیں بتاؤں علی داراب کہ اصل میں بات کیا ہے...... بات صرف اتنی سی ہے
کہ صنوبر ایک ایسے شخص کی بیٹی ہے جس کے بارے مین باباجانی بھی اچھی طرح سے جانتے
تھے کہ وہ کس حیثیت کا حامل ہے اور جب علی نواز نے یہ کارنامہ سرانجام دے دیا تو باباجانی
نے علی نواز کو سر پر بٹھالیا...... اب تم خود سوچو وہ کتنی بڑی زمینوں کے مالک بن گئے...... کیا
باباجان نے ہمارے ساتھ یہ ناانصافی نہیں کی؟ آخر وہ زمینیں اور باغات ان ہی کی اپنی ملکیت
تھے...... وہ تو ان سے چھین لئے گئے تھے...... باباجان نے انہیں صنوبر کی ملکیت کیسے قرار دے
دیا؟ تمہیں معلوم ہے وہاں سے کتنی بڑی رقم آتی ہے"۔

"ہاں...... میں جانتا ہوں"۔

"دیکھو علی داراب میں تمہارے ساتھ بہت خوش ہوں...... عالیہ اور نسرین بھی میری
اچھی دوست ہیں...... تمہارے دونوں بھائیوں سے بھی میں نے کبھی انحراف نہیں کیا، لیکن
ایک بات سمجھ لو...... میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی...... یہاں مجھے میرا اپنا صحیح مقام
ملنا چاہئے...... اگر باباجانی یا تمہاری والدہ ان لوگوں سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں تو یہ ان کا
اپنا مسئلہ ہے...... میرا مقام کوئی نہیں چھین سکتا اور اگر ایسا ہوتا رہا تو میں تم سے اس گھر سے
علیحدگی کا مطالبہ کروں گی"۔

علی داراب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا...... پھر اس نے اپنے بھائیوں سے
گفتگو کی اور فروزاں کی کہی ہوئی باتیں دہرائیں۔

علی ضیغم نے کہا: "تم کیا سمجھتے ہو، مجھے ان تمام باتوں کا احساس نہیں...... باباجانی، اپنی

باباجان کی وہ ساری خوشیاں دے دینا چاہتے ہیں جو بقول ان کے انہوں نے کبھی نہیں
دیں، لیکن ان کا طریقہ کار غلط ہے...... دوسروں کو نیچا دکھا کر اگر وہ یہ عمل کرنا چاہتے ہیں تو
میں سمجھتا ہوں اس سے ہمیں نہیں، انہیں ہی نقصان پہنچے گا، البتہ ایک بات میں تم سے خاص
طور سے کہنا چاہتا ہوں"۔

"کیا؟"۔

فوری طور پر کسی ردعمل کا اظہار مت کرو...... مصلحتاً یہ ضروری ہے کہ ہم خاموشی
اختیار کریں اور مناسب وقت پر کچھ کرنے کا فیصلہ کریں...... مجھے یقین ہے کہ تم فروزاں کو
بھی اس سلسلے میں سمجھا دو گے۔

"کوشش کروں گا بھائی جان، بلکہ اسے بتا دوں گا کہ میرے مشورے کے جواب میں
آپ نے کیا کہا ہے"۔

"ہم لوگ خود بھی اسی الجھن کا شکار ہیں"۔

لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد شاہ عالم نے ان تمام معاملات پر گہری نگاہ ڈالنے کے
بعد یہ فیصلہ کیا کہ علی نواز کو ان لوگوں سے الگ ہٹا دیا جائے...... علی نواز یہاں کبھی خوش نہیں
رہ سکے گا...... اس سلسلے میں اس نے زلیخا سے بھی مشورہ کیا اور غلام خیر سے بھی...... غلام خیر
کو اس نے طلب کر کے کہا۔

"غلام خیر! میں نے اس مکان کو آج تک نہیں دیکھا جس میں تم رہتے ہو اور جو
تمہارے کہنے کے مطابق زمان ملنگی نے اپنی بیٹی صنوبر کو دیا تھا"۔

"میں نے تو تم سے کئی بار کہا کہ کم از کم اسے آ کر دیکھ تو لو، لیکن خیر...... اب اس کا
خیال تمہارے دل میں کیسے آیا؟"۔

"میں چاہتا ہوں غلام خیر کہ علی نواز اور صنوبر کو لے کر میں اسی مکان میں آ جاؤں......
زلیخا بھی میرے ساتھ ہی رہے"۔

غلام خیر نے خوش ہو کر کہا: "یہ تو بہت اچھا فیصلہ ہے تمہارا...... وہ تنہا گھر مجھے کاٹنے کو

دوز تا ہے، ویسے بھی میں اس گھر کا حق دار نہیں ۔۔۔ اسے سنبھالنے میں مجھے خاص دقت پیش آتی ہے ۔۔۔ بار ہا میں نے یہ سوچا ہے کہ تم سے اجازت لے کر اپنی بستی واپس چلا جاؤں"۔

"تمہارا دماغ خراب ہے ۔۔۔ اپنی بستی سے تمہارا رابطہ ٹوٹے ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا ہے اور پھر وہاں تمہارا کون ہے؟ تم جہاں بھی رہو گے غلام خیر ۔۔۔ ہمارے ساتھ ہی رہو گے ۔۔۔ میں یہ بات بالکل نہیں مانوں گا جو تم کہہ رہے ہو ۔۔۔ ہاں جہاں تک سوال ہے باقی دوسرے معاملات کا تو اس کے لئے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔ اصل میں غلام خیر، علی نواز چونکہ ان لوگوں سے بالکل الگ ہو کر پروان چڑھا ہے اور صحیح معنوں میں اس پر تمہاری بستی کا رنگ ہے، اس لئے وہ ان لوگوں سے ذرا الگ الگ رہتا ہے ۔۔۔ یہ لوگ خود بھی اس سے کچھ منحرف معلوم ہوتے ہیں ۔۔۔ میں چاہتا ہوں میری زندگی ہی میں بھائیوں کے درمیان یہ تنازعہ ختم ہو جائے ۔۔۔ میں یہ گھر ان لوگوں کو دیئے دیتا ہوں ۔۔۔ وہ یہاں رہیں گے، پرورش پائیں گے ۔۔۔ آرام سے زندگی بسر کریں گے ۔۔۔ میں زلیخا کو لے کر علی نواز کے ساتھ اب اس گھر میں رہنا چاہتا ہوں"۔

غلام خیر جہاندیدہ انسان تھا ۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ شاہ عالم وہ الفاظ تو نہیں کہہ سکے گا جو اس کے دل میں ہیں ۔۔۔ یقینی طور پر وہ کچھ الجھنوں کا شکار رہا ہو گا، لیکن جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس سے صورت حال کا اندازہ ہوتا تھا ۔۔۔ غلام خیر نے اس سلسلے میں اپنے دوست سے تصدیق کی اور کہا کہ شاہ عالم کا یہ فیصلہ درست ہے، لیکن اسی دوران ایک اور چھوٹا سا واقعہ پیش آچکا تھا ۔۔۔ علی شاد کو کچھ رقم کی شدید ضرورت پیش آئی ۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اپنے پاس بھی بہت کچھ موجود تھا، لیکن بڑی رقم کا معاملہ تھا جو اسے اپنے ایک دوست کو دینا تھی ۔۔۔ بھائیوں سے اس نے کہا لیکن دونوں بھائیوں نے معذوری کا اظہار کر دیا ۔۔۔ پھر علی ضیغم نے ہی مشورہ دیا تھا کہ علی نواز کے پاس اچھی خاصی رقم زمینوں سے آتی ہے ۔۔۔ وہ اس سے مانگ کر دیکھے اور جب علی شاد نے علی نواز کے سامنے رقم کی ضرورت کا تذکرہ کیا تو علی نواز اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے جو کچھ علی شاد کے سامنے لا کر رکھا اسے دیکھ کر علی شاد کی

بھیں شدید حیرت سے پھیل گئیں ۔۔۔ خاصے زیورات تھے اور خطیر رقم تھی ۔۔۔ تو یہ بھی ہی نے غلام خیر کے ذریعے ان تک پہنچائی تھی ۔۔۔ بہر حال علی شاد وا... کی رقم مل گئی ۔۔۔ اس بات نے علی ضیغم اور علی داراب کو بھی متاثر کیا ۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ علی نواز کے پاس بہت کچھ ہے، چنانچہ جب شاہ عالم نے اپنے بیٹوں سے اس بات کا تذکرہ کیا تو فوراً ہی علی ضیغم نے اس کی بات اُچک لی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں بابا جان؟ کیا یہ کہ آپ ہم سے دور چلے جائیں؟"۔

"میں تم سے دور تو نہیں جانا چاہتا لیکن جو بات میں تمہیں بار بار سمجھا چکا ہوں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ تم نے اس پر کوئی عمل نہیں کیا"۔

"یعنی؟"۔

"یعنی یہ کہ آج بھی علی نواز تمہاری محبتوں سے محروم ہے"۔

"اصل میں یہ آپ کے اندر موجود محبت ہے بابا جانی جو آپ کو اس بات کا احساس دلاتی رہتی ہے ۔۔۔ ہم ملازمت پیشہ لوگ ہیں ۔۔۔ ہمارے وسائل ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم زندگی کی دوسری ضروریات میں ضرورت سے زیادہ الجھیں ۔۔۔ ان الجھنوں نے اگر آپ کو یہ احساس دلایا ہے کہ ہم کسی بھی طرح علی نواز سے دور رہیں تو از راہ کرم آپ اپنے ذہن سے ان خدشات کو مٹا دیں ۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ۔۔۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارا بھائی ہم سے جدا ہو ۔۔۔ بہر حال اگر آپ کو یہ شکایت ہے تو ہم کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہونے پائے"۔

"لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں خود، تمہاری ماں زلیخا اور علی نواز اور اس کی بیوی اس گھر میں منتقل ہو جائیں جو زمان ملنگی نے اپنی بیٹی کو دیا تھا اور جہاں غلام خیر رہتا ہے"۔

"آپ ایسا مت کیجئے بابا جانی! آپ مجھے حکم دیجئے ۔۔۔ میں اس کی تعمیل کرنے کی کوشش کروں گا اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ آپ کو ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے"۔

تینوں بھائیوں نے مل کر کچھ اس طرح باپ کی خوشامد کی کہ وہ ان ہی کے ساتھ رہنے پر

مجبور ہو گیا...... اس کے ساتھ ہی تینوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ بھی کیا کہ یہ تو بڑی خطرناک بات ہو گی...... سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل جائے گی...... مستقبل میں اگر ان زمینوں کی تقسیم کا معاملہ آیا بھی تو ہو سکتا ہے کہ بابا جانی کوئی ایسی وصیت تیار کر دیں جس کی بناء پر بعد میں بھی انہیں ان زمینوں سے محروم ہونا پڑے...... اب کم از کم یہ تو ہے کہ اگر علی نواز ان کے ساتھ رہے گا تو یہ سب کچھ ان کی تحویل ہی میں رہے گا اور پھر کسی مناسب وقت وہ اس کا تصفیہ بھی کر لیں گے...... مناسب وقت سے علی ضیغم کی مراد یہ تھی کہ جب بابا جانی ان کے درمیان سے ہٹ جائے گا لیکن مستقبل کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا...... باپ کی صحت شاندار تھی...... پہاڑوں میں رہنے والا شاہ عالم آج بھی جوانوں کی طرح طاقت ور اور تندرست تھا...... بیٹے تو خیر باپ کے بارے میں اس برے انداز میں نہیں سوچ سکتے تھے کہ باپ کا سایہ جلد ہی ان کے سروں سے اٹھ جائے لیکن بیویوں کا معاملہ بالکل مختلف تھا...... جب دولت درمیان میں آ جاتی ہے تو ذہنوں میں عجب تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں...... یہ گفتگو بھی ان خواتین کے سامنے ہی ہوئی تھی...... سب سے بری بات یہی تھی کہ شاہ عالم کے تینوں بیٹے زن مرید تھے...... بیویوں کے بغیر ایک قدم آگے نہ بڑھنے والے! سو اس وقت تو عورتوں نے ان کی گفتگو میں کوئی مداخلت نہ کی...... کم از کم اتنا احساس ضرور تھا کہ بیٹوں کے سامنے باپ کو برا نہ کہا جائے اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے جو ان کے لئے نقصان دہ ہو...... ان کے ذہنوں میں کیا تھا...... کسی نے کسی پر ظاہر نہیں کیا...... یوں تو خیر یہ تینوں خواتین بگڑے ہوئے معاشرے کی فرد تھیں، لیکن فروزاں جس ماحول میں پلی بڑھی، جس طرح اس کے گھر میں اس کی پذیرائی ہوئی تھی اور جس طرح اسے اس دوران شدید احساسات کا سامنا کرنا پڑا اس نے اسے کچھ زیادہ ہی برگشتہ کر دیا...... فطرت میں بھی کچھ گھناؤنا پن تھا، چنانچہ اس کے سوچنے کا انداز بالکل مختلف ہو گیا...... اس سوچ میں نہ تو اس نے شوہر کو شریک کیا تھا اور نہ ہی کسی اور کو البتہ یہ تاثر اس کے ذہن میں پیدا ہو گیا تھا کہ اگر آگے کا وقت عزت کے ساتھ گزارنا ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔ کوئی ایسا قدم اٹھانا ہو گا جس سے اچانک ہی اس پر سکون دنیا میں ہلچل پیدا

...نے والوں سے چھٹکارا حاصل ہو سکے، لیکن تعین یہ کرنا تھا کہ کیا قدم اٹھایا جائے......
...روزاں کی سوچوں میں گہرائی تھی اور نہ جانے کیا کیا اس کے دل میں آیا تھا...... وہ منصوبے بناتی رہی تھی...... تعلیم یافتہ اور کسی قدر سازشی ذہن کی مالک تھی، چنانچہ کئی روز کی ذہنی ...پوں کے بعد بالآخر ایک تدبیر اس کے دماغ میں آئی لیکن اس سوچ میں جو کچھ تھا، اس کے ...ہرے سے نمایاں ہو گیا تھا...... سنسنی خیز احساس نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

علی نواز بے وقوف نہیں تھا...... ابتداء میں تو بھائیوں اور پورے خاندان کے مل جانے ...سے اس کے دل میں مسرتوں کے طوفان اٹھے تھے...... غلام خیر کے ساتھ جو وقت گزارا تھا، ...اپنی نوعیت کا منفرد تھا، لیکن آرزوئیں دل میں پلتی رہی تھیں...... پھر باپ کے مقصد کی تکمیل کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا...... معصوم بے شک تھا، لیکن سادہ لوح نہیں تھا...... باپ نے جو مقصد اس کے سپرد کیا تھا، اس کے بارے میں اسے اندازہ تھا کہ اگر کامیابی میں ...زور ذرا بھی کسر رہ گئی تو باقی زندگی کا اللہ ہی حافظ ہے...... جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی ...بھی مقدر ہو سکتی تھی اور پھانسی کا پھندا بھی، جہاں زندگی آخری لمحوں سے گزر جاتی...... پھر ...تقدیر نے دوسرا ہی کھیل کھیلا تھا...... کسی بھی طرح اس کے دل و دماغ میں یہ بات نہیں بیٹھتی تھی کہ زمان ملنگی کی بیٹی اس کی زندگی میں شامل ہو سکتی ہے، لیکن تقدیر ایسے ہی کرشمے دکھاتی ہے...... وہ ہو گیا تھا جو تصور سے باہر تھا...... کیسے ہوا تھا؟ بس یہ ایک عجیب ہی معاملہ ...تھا جس پر اب بھی کبھی کبھی علی نواز کو حیرت ہوتی تھی، مگر جو نگاہوں کے سامنے ہو، جو دل کے قریب ہو، جو وجود میں دھڑکتا ہو، اسے وہم یا خواب نہیں سمجھا جاتا اور اب اس کے بعد زندگی میں جو ٹھہراؤ پیدا ہوا تو اس نے اپنے ماحول پر نظر ڈالی...... بھائیوں اور بھاوجوں کے ...رویئے کو محسوس کیا لیکن باپ کی دل شکنی کے خیال سے کبھی شکایت کا کوئی لفظ زبان پر نہ لایا، ...جہاں تک معاملہ معصوم صنوبر کا تھا تو وہ اللہ میاں کی گائے تھی، جس طرح اس نے اپنے باپ ...سے اپنی واردات دل کہہ دی تھی اور جس طرح زمان ملنگی کی فطرت میں کایا پلٹ ہوئی تھی، ...وہ صرف اس کی معصومیت ہی کا اعجاز تھا...... ورنہ سارے کام اس طرح نہ آسان

ہو جاتے۔ یہاں آنے کے بعد بھی وہ ایک معصوم گائے کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔۔۔ بھابیوں کی بے التفاتی پر مجال ہے کہ اس نے ایک لفظ بھی آج تک کبھی اپنے شوہر سے کہا ہو۔۔۔۔ وہ ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی کا مظاہرہ کرتی تھی۔

علی نواز اب زمانہ شناس ہوتا جا رہا تھا، وہ اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ اسے اور اس کی بیوی کو ہمیشہ ہی نظر انداز کیا جاتا ہے۔۔۔۔ ابھی تک بھائیوں اور باپ کے درمیان وہ ایسی گفتگو نہیں سن سکا تھا، جس میں اس کی دل شکنی کا سامان ہو، لیکن بھائیوں کے رویئے نے یہ بتا دیا تھا کہ وہ اسے خود سے الگ سمجھتے ہیں۔۔۔۔ جب تینوں بھائی خوشگوار موڈ میں بیٹھے چائے سے شغل کر رہے تھے علی نواز ان کے درمیان پہنچ گیا۔۔۔۔ ایک لمحے میں سب کے چہرے سکڑ گئے، لیکن علی نواز نے پرواہ نہ کی اور ان کے قریب پہنچ کر بولا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں آپ کے پاس؟"۔

"بیٹھو علی نواز!" علی ضیغم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔۔۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔۔۔۔ اس نے ایک ایک کی صورت دیکھی۔۔۔۔ پھر چائے کے برتنوں کی طرف دیکھنے لگا اور آہستہ سے بولا: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ چائے کی یہ پیالیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چار ہو جائیں؟"۔

اس کی بات پر سب نے چونک کر اسے دیکھا۔۔۔۔ علی ضیغم نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"چائے پینا چاہتے ہو؟"۔

"نہیں۔۔۔۔ صرف ایک پیالی کا ان پیالیوں کے درمیان اضافہ کرنا چاہتا ہوں"۔

"آج تو تم منطق بگھار رہے ہو" علی داراب نے کہا۔

"نہیں علی داراب! میں وہ زبان بول رہا ہوں جو دل سے نکلتی ہے"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" علی ضیغم نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

علی نواز نے چند لمحے توقف کیا، پھر بولا: "بھائی جان! میری یہ جرات اور یہ مجال نہیں کہ میں کوئی گستاخانہ لفظ اپنے منہ سے نکالوں۔۔۔۔ میری کم علمی اور مجلسی حیثیت نہ ہونے کی بنا پر اگر کوئی جملہ نازیبا ساخت اختیار کر جائے تو اس کے لئے پہلے سے معافی کا خواستگار

ہوں۔۔۔ اصل میں بھائی جان میری پرورش آپ لوگوں سے دور ہوئی، لیکن چاچا غلام خیر آپ سے غائبانہ روشناس کراتے رہے۔۔۔ خیالی طور پر ہی سہی لیکن میں آپ سے واقف تھا۔ مجھے علم تھا کہ میرا ایک گھر ہے۔۔۔۔ آپ سب میرے ہیں۔۔۔۔ میرے بھائی، میرے ابا۔ لیکن میرا ان کے درمیان رہنا ضروری ہے اور ایک ایسا وقت آئے گا جب مجھے آپ لوگوں کے پاس لے جایا جائے گا۔۔۔۔ بھائی جان! دوریاں اپنی ایک الگ زبان رکھتی ہیں۔۔۔۔ میں نے اسی آرزو میں وقت گزارا کہ آپ لوگوں کی قربت مجھے کب حاصل ہو۔۔۔۔ پھر بابا کا مشن میرے سامنے آیا۔۔۔۔ اتنا تو میں جانتا ہوں بھائی جان کہ بابا جانی کا مشن زندگی اور موت کا مشن تھا، لیکن چونکہ مجھے اس کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔۔۔۔ سو میں نے سوچا کہ اپنا فرض پورا کروں۔۔۔۔ تقدیر میں اگر آپ لوگوں کی قربت ہے تو مل جائے گی اور اگر یہ دوریاں ہی میرا مقدر ہیں تو مقدر تو بدلے نہیں جا سکتے۔۔۔۔ بھائی جان یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ وقت نے اپنی تحریر بدلی اور وہ سب کچھ ہوا جو آپ لوگوں کے سامنے ہے۔۔۔ حالات یہ شکل اختیار کر جائیں گے، میرے تصور میں بھی نہیں تھا، لیکن ایسا ہوا اور تقدیر نے مجھے اس کا موقع فراہم کیا کہ میں بھی انسانوں کی مانند اپنے بھائیوں کے درمیان زندگی گزاروں۔۔۔۔ بھائی جان یہ سب کچھ حاصل ہونے کے بعد مجھ سے آپ کی یہ دوری برداشت نہیں ہوتی۔۔۔۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون سا عمل ہو گا جس سے مجھے آپ کی محبت حاصل ہو جائے اور میرے دل کی وہ سب سے بڑی آرزو پوری ہو جسے میں نہ جانے کیسے کیسے خوابوں میں تلاش کرتا رہا ہوں۔۔۔۔ شاید یہ نوبت کبھی نہ آتی کہ میں آپ سے یہ الفاظ کہتا لیکن اب میری حسرتیں شدید ہو گئی ہیں اور میرے دل میں آرزو ہے کہ جو کچھ ہے میرے علم میں آ جائے اور میں ایک مشن کی طرح اسے سر انجام دوں تاکہ مجھے آپ کا پیار حاصل ہو جائے۔۔۔۔ دیکھئے، بھائی جان! اصل میں بات یہ ہے کہ جب معاملہ سمجھ میں نہ آئے تو انسان زیادہ پریشان ہو جاتا ہے۔۔۔۔ میں آپ لوگوں کی بے رخی سے بہت پریشان تھا اور پریشان ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں"۔

کچھ ایسے نرم اور دل گداز الفاظ تھے کہ ان لوگوں پر تھوڑے تھوڑے اثر انداز ہوئے۔

علی ضیغم نے کسی قدر چور نگاہوں سے اپنے بھائیوں کی جانب دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ بھی نگاہیں چرا رہے ہیں..... واقعی علی نواز کا کوئی ذاتی قصور ان کے سامنے نہیں تھا..... بس پہلے تو یہ احساس تھا کہ باپ کی توجہ اس کی جانب زیادہ ہے..... پھر وہ ایک اجنبی اجنبی شخص معلوم ہوا تھا، اپنے درمیان لیکن حقائق تو قبول کرنے پڑتے ہیں..... علی نواز کا سوال اور اس کا مطالبہ بالکل درست تھا..... جب علی ضیغم نے اپنے بھائیوں کی زبان سے کوئی خاص بات نہ پائی تو بولا۔

"نہیں علی نواز! ایسی کوئی بات ہے تو نہیں اگر تم نے محسوس کی ہے تو اسے اپنے دل سے نکال دو"۔

"میرے دل میں کچھ بھی نہیں ہے، صرف ایک سوال ہے اور سوال یہ ہے کہ آپ میری رہنمائی کریں..... مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا جس سے مجھے آپ کی محبت حاصل ہو سکے"۔

"بات یہ نہیں ہے علی نواز..... وقت گزرنے دو..... یہ بات تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ تم ہم سے دور رہے ہو اور طویل عرصہ کے بعد ہم میں شامل ہوئے..... تمہارا اپنا مقام بے شک اپنی جگہ ہے لیکن رفتہ رفتہ ہی سب کچھ ہوتا ہے..... آہستہ آہستہ تم بھی ہم سب میں اس طرح گھل مل جاؤ گے جس طرح ہم آپس میں گھلے ملے ہوئے ہیں"۔

"میں اس وقت کا انتظار کرنے کے لئے تیار ہوں بھائی جان..... بھائی جان! بس اتنا ظاہر ہو جائے مجھ پر کہ میری کیا کوتاہیاں ہیں..... یا مجھے آپ لوگوں کا پیار حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے"۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں..... خود تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"۔

"کچھ بھی نہیں..... مسئلہ تو وہی ہے کہ معاملہ اگر سمجھ میں آ جائے تو انسان کوشش بھی کرے..... میں غور کرتا رہا ہوں، لیکن وجہ معلوم کرنے میں ناکام رہا ہوں"۔

"بس ایسی کوئی بات نہیں..... تم بیٹھا کرو ہمارے پاس..... ہم سے بات چیت کیا

شاید تمہیں اس کے بعد یہ شکایت نہ ہو"۔

"آپ یقین کیجئے میرے دل کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے..... ویسے میں اپنی آپ پر ظاہر کر دوں..... پڑھا لکھا انسان نہیں ہوں..... دنیا کو آپ کے برابر نہیں مجھے آپ کی رہنمائی درکار ہے..... علی داراب میرا چھوٹا بھائی ہے لیکن علی داراب بھی کچھ سیکھنا چاہتا ہوں..... خون کے رشتے سے میری مدد کرو..... مجھے دل سے تسلیم کر لو..... میں تمہاری غلامی کروں گا..... تمہیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دوں ہاں، بھائی جان! آپ لوگ سب اپنے اپنے کام کرتے ہیں..... اپنی ملازمت کرتے گھر میں خوشحالی ہے لیکن میں اپنی خدمات اس طرح پیش کر سکتا ہوں آپ کو کہ گھر ساری ذمہ داریاں مجھے سونپ دیجئے..... میں گھر کے سارے کام کروں گا..... جتنے بھی آپ مجھے بتائیں گے وہ سرانجام دوں گا..... آپ کے ملازم کی طرح! آپ کے ساتھ گا اور آپ کو اور بھابیوں کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دوں گا"۔

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... شاید تم بہت جذباتی ہو کر یہ سوچ رہے ہو..... ویسے ایسی کوئی بات ہے نہیں..... تم اطمینان رکھو..... شاید اس کے بعد تمہیں ایسی کسی شکایت کا موقع نہ ملے..... ویسے دیکھو علی نواز! یہ گھر ہے اور ہم تینوں بھائی اس گھر میں بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ رہ رہے تھے..... گھر بابا جان کی ملکیت ہے..... ہم سب کا مشترکہ! ہمیں اس پر اعتراض نہیں..... اس کے ساتھ ساتھ ہی تم نے غور کیا ہوگا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہے ہم سب بھائی کبھی اسے اپنا اپنا نہیں کہتے..... یہی کیفیت تمہارے اندر بھی ہونی چاہئے، جو کچھ ہے..... بابا جانی کا بنایا ہوا ہے..... خانہ خیل کی وہ زمینیں بھی جن کی بابا جانی نے تمہارے سپرد کر دی ہے..... مطلب یہ ہے کہ کبھی میرا یا تیرا نہ ہونے پائے گھر میں..... وہی سب سے بڑا تنازعہ ہوتا ہے"۔

"کبھی نہیں بھائی جان! بھلا اس کا کیا سوال ہے پھر آپ سب تو میرے بھائی ہیں..... آپ کے ساتھ ایسا کوئی حساب کتاب رکھ کر میں آپ کی محبت حاصل کر سکوں گا؟ آپ

بالکل اطمینان رکھیں ... یہ شکایت آپ کو کبھی نہیں ہوگی"۔

جب علی نواز چلا گیا تو ان لوگوں نے اپنے اپنے طور پر سوچا...... خاصی دیر تک ان میں سے کوئی کچھ نہیں بول سکا تھا ... پھر علی ضیغم نے ہی کہا: "بات تو کسی قدر ٹھیک ہی کہہ رہا ہے وہ...... واقعی ایک فرق تو پیدا کیا ہے ہم لوگوں نے اور شاید ہم اسے غیر فطری نہ کہیں لیکن اگر وہ ہم سے برگشتہ نہیں ہوتا تو پھر بھلا اس سے نفرت کرنے کی کوئی وجہ تو نہیں"۔

دونوں بھائیوں نے کوئی جواب نہیں دیا...... خاموشی اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب کہے گئے الفاظ پر کوئی خاص اعتراض نہ ہو، یا پھر کوئی مصلحت آڑے آ رہی ہو، لیکن ایسی کوئی بات تھی نہیں، چنانچہ معاملہ ٹل گیا...... اس کے بعد تینوں بھائیوں کے رویئے میں خاص لچک پیدا ہوئی تھی...... اب وہ علی نواز کو زیادہ تر اپنے قریب رکھتے تھے...... تھوڑی سی مصلحت، تھوڑی سی انسانیت، اسی کے درمیان کاری چل رہی تھی لیکن خواتین نے اس بات کو خاص طور سے محسوس کیا ... فاصلے تو شاید ہر جگہ ہوتے ہیں خواہ قربتیں کتنی ہی شدید کیوں نہ ہوں ... زندگی بھر کا ساتھ! بے شک اس میں مکمل خلوص بھی شامل ہو، لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو بعض معاملات میں فاصلے نظر آتے ہیں...... یہ فاصلے اس گھر میں رہنے والی خواتین اور ان کے شوہروں کے درمیان موجود تھے...... کبھی موقعہ نہیں آیا تھا ان فاصلوں کو ناپنے کا لیکن اب ایسا ہو رہا تھا ... تینوں خواتین اس تقریب میں لوگوں کے تاثرات اور علی نواز اور صنوبر کی پذیرائی کو شاید زندگی بھر نہیں بھول سکتی تھیں، لیکن اگر وہ ان لمحات کو بھلانے کی کوشش بھی کرتیں تو ہر لمحہ ان کے لئے اسی طرح تکلیف دہ ہوتا تھا...... چند دنوں سے تو وہ یہ محسوس کرنے لگی تھیں کہ علی نواز اور اس کی بیوی کے ساتھ ان کے تینوں شوہروں کا رویہ بدلتا جا رہا ہے...... اب علی نواز اکثر ان کے ساتھ دیکھا جاتا تھا... گو وہ ابھی صنوبر کو کوئی مقام نہیں دے سکے تھے، لیکن علی نواز کو آہستہ آہستہ ان کے درمیان جگہ مل رہی تھی ... فروزاں اپنے طور پر ایک منصوبے پر مسلسل غور کر رہی تھی اور اس وقت بھی وہ کھڑکی کے پاس کھڑی اپنے اس منصوبے پر نگاہ دوڑا رہی تھی...... اس کی نظریں

دوسری طرف باغ کی کیاریوں کے قریب چاروں بھائیوں پر جمی ہوئی تھیں... وہ ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے...... موضوع نہ جانے کیا تھا لیکن ان کے بشاش چہرے فروزاں کو برے لگ رہے تھے اور وہ اس قدر محو تھی کہ نسرین کی آمد کو بھی محسوس نہ کر سکی ... نسرین نے جب یہ دیکھا کہ فروزاں اس کی جانب متوجہ ہی نہیں ہوئی تو اس نے عقب سے فروزاں کے شانے پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل پڑی...... اسے یوں محسوس ہوا جیسے جو کچھ وہ سوچ رہی ہے کسی اور نے بھی تاڑ لیا ہے۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو نسرین مسکرا دی۔

"یوں لگ رہا تھا جیسے تم تو پتھرا گئی ہو۔"

فروزاں نے نسرین کی طرف دیکھا اور بولی: "ذرا کھڑکی کے باہر دیکھو"۔

"ہاں...... میں نے دیکھا تھا یہ سوچ کر کہ آخر تم کون سی چیز میں محو ہو"۔

فروزاں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کھڑکی کے پاس سے ہٹتی ہوئی بولی...... "صرف دیکھا تھا یا کچھ سوچا بھی تھا؟"۔

"آؤ بیٹھو!" نسرین نے کہا اور فروزاں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی...... دونوں صوفوں پر بیٹھ گئیں...... نسرین نے کہا۔

"دیکھا بھی اور سوچا بھی اور بہت پہلے سے دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں"۔

"کیا صرف سوچنا ہی سب کچھ ہوتا ہے! سوچنے کو تو نہ جانے کیا کیا سوچا جا سکتا ہے لیکن آنے والے خطرے کو پہلے سے ذہن میں رکھ لینا ضروری ہوتا ہے نسرین باجی!"۔

فروزاں نسرین کو بھابی کے بجائے باجی کہتی تھی...... نسرین سے کچھ زیادہ ہی انسیت تھی اسے جبکہ عالیہ کو یہ مقام حاصل نہیں تھا، حالانکہ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی...... نسرین نے فروزاں کو دیکھا...... دیکھتی رہی، پھر بولی۔

"میں جانتی ہوں...... تم کیا کہنا چاہتی ہو...... یہی نا کہ آنے والا وقت بالآخر ان سب کو منتشر کر دے گا اور اگر ہم نے اس کے بعد کسی قسم کی مخالفت کی تو شاید اس مخالفت کی کوئی اہمیت

نہ رہے"۔

"بالکل ٹھیک سوچا تم نے، لیکن کیا ہم ایسا ہونے دیں گے"۔

"ہونا تو نہیں چاہئے"۔

"اس کے عوامل پر بھی غور کیا ہے تم نے؟"۔

"کیا ہے؟"۔

"مجھے بتانا چاہو گی؟" فروزاں نے کہا۔

نسرین اسے دیکھنے لگی...... پھر بولی: دیکھو فروزاں! منہ سے نکلی بات پرائی ہوتی ہے"۔

"مجھ پر اعتبار نہیں؟"۔

"تم پر تو بہت اعتبار ہے مجھے لیکن تمہاری زبان شوہر کے سامنے کھل گئی تو؟"۔

"نہیں نسرین باجی! اس دن جو کچھ ہو گیا ہے...... اس پر جب نگاہ جاتی ہے تو آپ یقین کریں خودکشی کرنے کو دل چاہتا ہے"۔

"خودکشی کریں تمہارے دشمن! جو تمہیں خودکشی پر مجبور کر رہے ہیں، انہیں یہ خودکشی کیوں نہ کرنی پڑے!" نسرین نے ہمدردی سے کہا۔

"جاننا چاہتی ہوں نسرین باجی کہ تمہارے اس سلسلے میں کیا تاثرات ہیں؟"۔

"مطلب؟"۔

"موردِ الزام کون ہے؟"۔

"وعدہ کرتی ہو کہ یہ گفتگو ہمارے ہی درمیان رہے گی؟"۔

"ہر اس چیز کی قسم کھا کر جو میری اپنی ہے"۔

فروزاں نے جواب دیا۔

"میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بابا جانی ہیں"۔

"خدا تمہیں خوش رکھے...... ہماری رائے ایک ہے...... تم ذرا غور کرو کہ ہمارے سسر محترم زندگی بھر زمان ملنگی سے انتقام کی آگ میں جلتے رہے...... انہوں نے اپنے صاحبزادے

کو زمان ملنگی سے انتقام کے لئے بھیجا...... صاحبزادے نے انتقام یوں لیا کہ شادی رچا کر زمان ملنگی کی بیٹی کے ساتھ آگئے...... اور والد صاحب نے اس انتقام کو خوشدلی سے قبول کر لیا اور محترمہ صنوبر جیسے اصل میں اس زمین کی باشندہ ہی نہیں ہیں، بلکہ آسمان سے اتری ہوئی ہیں، اپنے آپ کو حور سمجھتی ہیں...... وہ اس گھر میں داخل ہو گئیں اور اس کے بعد جوان کی پذیرائی ہوئی اللہ! لگتا ہے ہماری تقدیر کی مالک بن گئی ہیں...... مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا...... نسرین باجی...... آپ یقین کر لیں...... میں جہنم کی آگ میں جھلس رہی ہوں...... میرے دن رات تاریک ہو گئے ہیں...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں...... اب آپ دیکھ رہی ہیں، کس خوبصورتی سے راستے بنائے جا رہے ہیں...... آج بھائی ایک جگہ کھڑے ہوئے ہنس رہے ہیں...... کل بھاوج بھی ان میں شامل ہوں گی اور ہم کیا کریں گے...... ہم الگ تھلگ ہوں گے...... ہمیں طرح طرح کے احکام ملیں گے...... ہم سے کہا جائے گا کہ صنوبر کو خوش رکھنے کی کوشش کرو...... وہ ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی ہے...... وہ بہت بڑا مقام رکھتی ہے...... اس سب کا محرک کون ہو گا؟ جناب شاہ عامل صاحب! یہ ہمارے سسر...... ہمارے محترم سسر جنہوں نے بہر حال یہ ماحول پیدا کر لیا ہے"۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... کیا ہم لوگ اتنے ہی پسماندہ ہیں؟ کیا ہم کچی بستیوں سے اٹھ کر آئے ہیں؟ ہمارا اپنا ایک مقام ہے...... ہم بھی کسی گھر کی بیٹیاں ہیں...... ہمیں بھی عزت سے طلب کیا گیا تھا اور عزت سے لایا گیا تھا...... کیا ہم اس عزت کے مستحق نہیں؟"۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا ہمارے معاشرے میں بیٹی رخصت کرنے کے بعد والدین بیٹیوں کو بھول جاتے ہیں...... اب ہمارا اس مسئلے میں کون ساتھ دے گا نسرین باجی؟"۔

"کیا ہمیں کسی کے ساتھ کی ضرورت ہے؟"۔

"نہیں...... لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا...... ہاں اگر ایک سے دو ذہن ہوں تو پھر بہت سی باتیں سوچی جا سکتی ہیں...... بہت سے کام کیے جا سکتے ہیں"۔

فروزاں کے ان الفاظ پر نسرین بے اختیار مسکرا دی پھر بولی...... "تین ذہن نہیں؟"۔

فروزاں نے نسرین کا مطلب سمجھا اور سنجیدگی سے بولی..... "برا نہ مانئے نسرین باجی..... تین ذہن نہیں"۔

"کیوں؟ وجہ!" نسرین نے بدستور مسکرا کر کہا۔

"عالیہ بھابی بہت اچھی ہیں لیکن پیٹ کی ذرا ہلکی ہیں..... ہم جس طرح ایک دوسرے کی باتیں راز میں رکھ سکتے ہیں، عالیہ بھابی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی"۔

نسرین کو بہت خوشی ہوئی..... بہر حال یہ اس کے لئے اعزاز کی بات تھی..... پھر اس نے سنجیدگی سے کہا، لیکن فروزاں..... کیا کریں یہ بتاؤ کیا کریں؟"۔

"نسرین باجی! جو دل میں ہے بے دھڑک کہہ دوں"۔

"اگر مجھ پر بھروسہ کرتی ہو تو ضرور کہہ دو"۔

"یقین کیجئے آپ پر بھروسہ کرتی ہوں..... پورا پورا بھروسہ کرتی ہوں"۔

"تو پھر سوال کیوں کر رہی ہو؟"۔

"بات ہی ایسی ہے"۔

"ارے کوئی بات ہے کیا؟"۔

"ہاں، ہے..... شاید آپ میری طرح اس عذاب میں گرفتار نہ ہوں..... آپ کے احساسات مجھ سے مختلف ہوں، لیکن میں تو جھلس رہی ہوں میں..... آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتی ہوں"۔

"اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے..... کوئی ایسی بات جس میں، میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں تو اطمینان رکھو میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گی"۔

"تو پھر ایک منٹ" فروزاں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے بعد بیڈ روم کا دروازہ بند کر دیا..... پھر نسرین کے سامنے آ بیٹھی ب اس کی آنکھوں میں جرم کے سائے لرز رہے تھے اور نسرین اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی..... فروزاں نے کہا۔

❁ ❁ ❁

"نسرین باجی! خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہیں کہ اس وقت میں جو کچھ کہوں گی کبھی زبان پر نہیں لائیں گی..... بات ایسی ہی ہے نسرین باجی لیکن یوں سمجھ لیجئے..... میرے لئے بھی یہ زندگی اور موت ہی کا مسئلہ ہے"۔

"تمہاری تسلی کے لئے میں یہ کہے دیتی ہوں فروزاں کہ تمہارے ہر راز کو راز رکھوں گی، حالانکہ میں جانتی ہوں کہ تم خود بھی مجھ پر مکمل اعتبار کرتی ہو ورنہ مجھے ہی اپنا راز دار کیوں بناتیں"۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں..... ایسی ہی بات ہے نسرین باجی..... میں آپ کو اپنی بھابی نہیں..... بہن سمجھتی ہوں"۔

"تم بتاؤ کیا سوچ رہی ہو؟"۔

"نسرین باجی! ساری زندگی آگ میں سلگتے رہنے سے بہتر ہے کہ انسان اس آگ سے بچنے کے لئے کچھ کر لے..... نسرین باجی! میرے ذہن میں ہے کہ فساد کی جڑ بابا جانی ہیں..... یعنی ہمارے سسر صاحب..... ہم سب کے شوہر صاحبان بہر حال شاہ عالم کی اولاد ہیں..... آج یہ اپنے بھائی کے لئے موم ہوئے ہیں تو کل ہم پر صنوبر مسلط کر دی جائے گی..... نسرین باجی..... میں سب سے پہلے فساد کی اس جڑ سے نمٹنا چاہتی ہوں..... یعنی بابا جانی سے..... اگر بابا جانی کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو پھر ہمارا مد مقابل کوئی نہیں رہتا..... ہمیں یہ کرنا ہو گا نسرین باجی..... یہی کرنا ہو گا ہمیں"۔

نسرین کے چہرے پر شدید حیرت کے اثرات پھیل گئے اس نے کہا: "راستے سے کیسے ہٹا سکتے ہیں ہم انہیں"۔

"انہیں زندگی سے محروم کر دیا جائے"۔

نسرین کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی..... کچھ دیر وہ فروزاں کو دیکھتی رہی، پھر بولی: "لیکن فروزاں کیسے؟ آخر کیسے"۔

"یہ کام میں کرلوں گی..... آپ مجھ پر بھروسہ رکھیں نسرین باجی! یہ کام میں کرلوں گی..... میرے ذہن میں اس کے لئے ایک منصوبہ ہے..... پھر جب بابا جانی راستے سے ہٹ جائیں گے تو ہم اپنے شوہروں کو اپنی مٹھی میں لے لیں گے..... بابا جانی کی زندگی میں یہ ممکن نہیں..... یہ کام ہم دوسرے طریقے سے بھی کر سکتے تھے، لیکن نسرین باجی ذرا غور کریں..... اگر ہم صنوبر کو راستے سے ہٹاتے ہیں تو بابا جانی زندہ رہیں گے اور وہ اتنے چالاک ہیں کہ سارے حقائق کا پتہ چلا لیں گے اور اگر ہم علی نواز کے بارے میں سوچتے ہیں تو نسرین باجی اس کم بخت اتنا دلکش ہے کہ اسے زندگی سے محروم کرنے کو دل نہیں چاہے گا..... ہمارا اس سے جو کوئی بھی رشتہ ہے لیکن اسے دیکھ کر ایک عجیب سا احساس دل میں جاگ اٹھتا ہے..... شاید ہم اسے ہلاک نہ کر سکیں، لیکن ہاں یہ ضرور کر سکتے ہیں ہم کہ جب بابا جانی اس دنیا میں نہیں رہیں گے تو ہم اپنی منوا سکیں گے اور جس طرح بھی بن پڑا کوشش کریں گے کہ اس کا دل مٹھی میں لیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کا باقی سب کچھ بھی"۔

نسرین کے بدن میں سنسنی پھیل رہی تھی..... بہر حال گھریلو عورتیں تھیں..... عورت کی دیوانگی نے جرم کا ایک احساس بے شک پیدا کر دیا تھا، لیکن جرم کے بارے میں سوچنا اور جرم کرنا دو الگ الگ باتیں ہیں..... نسرین سنسنی خیز نگاہوں سے فروزاں کو دیکھ رہی تھی..... فروزاں عالم جنون میں کہہ رہی تھی۔

"بابا جانی کو راستے سے ہٹانے کے لئے میں انہیں زہر دے دوں گی اور زہر کا حصول میری ذمہ داری ہے..... یہ زہر انہیں پلانا بھی میری ذمہ داری ہے..... جانتی ہو نسرین باجی

[illegible] یہ زہر میں خود انہیں نہیں پلاؤں گی، بلکہ صنوبر پلائے گی..... صنوبر! یہ زہر اس کے ہاتھوں بابا جانی تک پہنچے گا اور جب بابا جانی یہ زہر پی کر زندگی سے محروم ہو جائیں گے تو ہم بڑے اطمینان سے یہ بات کہہ سکیں گے کہ صنوبر نے ایک منصوبے کے تحت سب کچھ کیا..... وہ اپنے باپ زمان ملنگی کی موت کا ذمہ دار بابا جانی کو ہی سمجھتی تھی اور اس نے دو تین بار ہم لوگوں پر اس بات کا اظہار کیا تھا..... اس کی گواہی تم بھی دو گی اور میں بھی لیکن خدارا بابا کو اس پروگرام میں شریک نہ کرنا..... انہیں ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے..... نسرین باجی میں نے آپ کو اپنا راز دار بنایا ہے..... آپ سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں میں..... کیا میں یہ کام کرلوں؟"۔

نسرین کو چکر آرہے تھے وہ کچھ لمحے سوچتی رہی..... پھر اس نے کہا: "لیکن یہ تو سوچو..... کیا ہم یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں؟ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو"۔

"تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا..... اگر یہ علم ہو گیا کہ یہ کام میں نے کیا ہے تو میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ کسی کو آپ کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی"۔

"مگر تم اس حد تک جا سکتی ہو فروزاں؟"۔

"ہاں" فروزاں نے دانت پیستے ہوئے کہا..... "میں زندگی سے اتنی ہی تنگ آگئی ہوں کہ اب ایک فیصلہ کر لینا چاہتی ہوں..... ہم بڑی آسانی سے صنوبر کو اس سلسلے میں ملوث کردیں گے اور بالآخر علی نواز کا دل بھی اس کی جانب سے پھر جائے گا..... اس کے باوجود اگر ہمارا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا اور کسی طرح یہ بات منظر عام پر آ ہی گئی تو تم اطمینان رکھو نسرین باجی..... یہ وعدہ میں کرتی ہوں کہ تمہارا نام اس میں کبھی شامل نہیں ہوگا"۔

"میرا یہ مطلب نہیں، میں یہ بھی تو نہیں چاہتی فروزاں کہ تم کسی مشکل کا شکار ہو"۔

"نہیں ہوں گی نسرین باجی..... نہیں ہوں گی یہ سب آپ میری ذمہ داری پر چھوڑ دیجئے"۔

"زہر کا حصول ممکن بھی ہو گا؟"۔

"میں نے کہا ناں...... میں نے دن رات اس موضوع پر سوچا ہے...... میں یہ کام کرلوں گی...... بابا جانی بس راستے سے ہٹ جائیں...... یہ شخص ہمارے مستقبل کا قاتل ہے......اس نے ہم پر جو عذاب مسلط کیا ہے، اس نے ہماری زندگی ہم سے چھین لی ہے"۔

"فرض کرو اس کے بعد بھی اگر علی نواز اپنی بیوی کی جانب سے بددل نہ ہوا تو؟"۔

"تو پولیس تو ہے نا...... کسی ایک شخص کو قتل کر دینے کے جرم میں دوسرے کو انعام تو نہیں مل سکتا...... بالآخر یہ بات باہر جائے گی...... ہم اپنے اپنے شوہروں کو اس پر آمادہ کریں گے کہ مجرم کو سزا دلائی جائے"۔

نسرین نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی...... فروزاں! میں تمہیں صرف ایک بات کا یقین دلانا چاہتی ہوں...... وہ یہ کہ تم نے مجھ سے جو کچھ کہا ہے اسے میں نے اپنے سینے کی گہرائیوں میں اتار لیا ہے...... مجھے اس سلسلے میں کیا کوئی کام کرنا ہوگا؟"۔

"نہیں باجی! آپ سے تو میں صرف مشورہ چاہتی تھی"۔

"تو ٹھیک ہے...... اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ اس طرح ہم کچھ کرلیں گے تو کم از کم میں تمہارے آڑے نہیں آؤں گی"۔

"آپ کے ان الفاظ نے مجھے بڑا سکون بخشا ہے...... میں ایسی ہی آگ میں جھلس رہی ہوں نسرین باجی کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا یہ سب کچھ"۔

اس کے بعد دونوں خاصی دیر تک ایک دوسرے سے گفتگو کرتی رہی تھیں۔

تقدیر بھی دلچسپ کھیل کھیل رہی تھی...... ویسے ہی کون سی کسر رہ گئی تھی، لیکن نسرین...... عالیہ اور فروزاں کے دل پرچے کے پرچے کے لگ رہے تھے...... اس دن صنوبر کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی...... اسے چکر آیا اور زلیخا نے بہ مشکل تمام اسے سنبھالا صنوبر گر کر بے ہوش ہوگئی تھی...... ایک ہنگامہ برپا ہوگیا...... شاہ عالم نے اپنے ایک شناسا ڈاکٹر کو فون کیا اور تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا...... علی نواز بھی پریشان تھا...... باقی لوگ بھی خاصے مضطرب تھے...... ڈاکٹر نے آکر صنوبر کو دیکھا اور تھوڑی دیر کے بعد مسکرا

...ہوا بولا۔

"کمال ہے شاہ عالم! آپ لوگ اتنے عمر رسیدہ ہوگئے ہیں لیکن آپ کا تجربہ آپ کے کسی کام نہیں آیا...... یہ تو ایک مبارک بیماری ہے"۔

"بیماریاں بھی مبارک ہوتی ہیں؟"۔

"آپ جسے بیماری سمجھ رہے ہیں...... وہ اصل میں بیماری ہے ہی نہیں...... بہو ہے نا یہ آپ کی؟"۔

"ہاں!"۔

"تو پھر آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ دادا دادی بننے والے ہیں...... یہ بس اسی کا ایک نشہ ہے...... اور شاہ عالم اور زلیخا مسرت سے دیوانے ہوگئے...... علی نواز گردن جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا...... ڈاکٹر نے کچھ دوائیں تجویز کیں اور اس کے بعد اپنی فیس لے کر چلا گیا لیکن کچھ دلوں میں وہ خوشیاں چھوڑ گیا تھا...... یہ خوشیاں ابھی تک اس کمرے سے باہر تو نہیں نکلی تھیں لیکن اس کمرے میں جو افراد موجود تھے، وہ مسرت سے کانپ رہے تھے......

اس کے بعد جب یہ بات کمرے سے باہر نکل کر دوسروں کے کانوں تک پہنچائی گئی تو تینوں بہویاں مزید عذاب میں گرفتار ہوگئیں، حالانکہ ان کی شادیوں کو خاصا وقت گزر چکا تھا، لیکن ابھی تک انہوں نے یہ اعزاز اس گھر کو نہیں بخشا تھا...... صنوبر کو اس بار بھی فوقیت حاصل ہوگئی تھی...... علی نواز چونکہ اب تینوں بھائیوں کے قدموں میں تھا...... اس لئے جب بھائیوں کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی بظاہر خوشی کا اظہار کیا...... دلوں پر کچھ احساسات تو گزرے ہوں گے لیکن اظہار غلط انداز میں نہیں ہوا اور تھوڑی سی مسرت کا اظہار بھی کیا گیا لیکن تینوں عورتیں جاں بلب ہوگئی تھیں...... ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ صنوبر کو زندہ جلا دیں...... شاہ عالم البتہ واقعی ذہین آدمی تھا اس نے زلیخا سے کہا۔

"زلیخا! اب تم پر ایک اور بڑی ذمہ داری آپڑی ہے دیکھو! نہ تو میری بات کا برا ماننا اور نہ یہ سوچنا کہ میں اپنے بیٹوں سے برگشتہ ہوں اور انہیں مجرم سمجھتا ہوں...... نہ باقی بہوئیں

میرے لئے نفرت کا سبب ہیں، لیکن بس زمانہ شناسی آگئی ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ خبر تینوں بہوؤں کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں ہوگی...... طویل گفتگو نہیں کرنا چاہتا صنوبر کا خیال رکھنا...... اسے کسی حادثے وغیرہ سے بچانا"۔

زلیخا نے تشویش بھری نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور بولی: "تم اطمینان رکھو شاہ عالم اور یہ سمجھو کہ میں تم سے اتفاق کرتی ہوں"۔

بہر حال یہ بھی ان خواتین کے لئے تازیانہ تھا...... فروزاں اپنے گھر گئی اور وہاں سے واپس آگئی...... نسرین بس اس کا چہرہ دیکھتی رہتی تھی...... فروزاں نے جو ہمت کر ڈالی تھی وہ شاید کوئی اور نہیں کر سکتا تھا، لیکن نسرین بہر حال اس کی رازدار تھی...... پھر فروزاں نے اپنے گھناؤنے عمل کا آغاز کر دیا...... موقعے کی تاک میں لگی رہتی تھی اور ایک دن اسے موقع مل گیا تھا...... شاہ عالم تینوں بیٹوں اور بہوؤں کے ساتھ بہت کم بیٹھتا تھا، لیکن رات کو دیر تک اس کے کمرے میں علی نواز...... زلیخا اور صنوبر ضرور ہوا کرتے تھے...... اس دن بھی ایسا ہی تھا...... وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا...... علی نواز بھی موجود تھا اور زلیخا بھی...... صنوبر کسی کام سے اپنے کمرے میں گئی تھی...... وہ کمرے سے باہر نکلی تو فروزاں اس کے پاس پہنچ گئی...... فروزاں کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا۔

"غالباً تم بابا جانی کے لئے دودھ لینے جا رہی تھیں؟"۔

"ہاں"۔

"تو دودھ میں نے نکال لیا ہے لے جاؤ"۔

صنوبر نے شکر گزار نگاہوں سے فروزاں کو دیکھا اور دودھ کا گلاس جو سرپوش سے ڈھکا ہوا تھا، لے کر شاہ عالم کے کمرے کی جانب چل پڑی...... وہ سب لوگ باتیں کر رہے تھے...... زلیخا نے کہا۔

"ارے بیٹا...... میں نے تم کو منع کیا ہے کہ اب تم گھر کے زیادہ کام کاج نہ کیا کرو دودھ میں لے آتی یا کسی اور بہو سے کہہ دیتی"۔

[..]دودھ نکالنا یا لے کر آنا اتنا مشکل کام تو نہیں...... لیجئے بابا جانی دودھ پی لیجئے...... اس [..] دودھ کا گلاس شاہ عالم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا...... شاہ عالم نے دودھ کا گلاس ہاتھ [..]ے لیا اور پھر کسی قدر پر تعرض لہجے میں بولا۔

"[..]ج طبیعت کچھ بھاری ہو رہی ہے...... کچھ کھانے پینے کو دل نہیں چاہ رہا...... غالبا [..]رغن غذا نے طبیعت پر بوجھ طاری کر دیا ہے...... میرا دل نہیں چاہ رہا اس وقت دودھ [..]

"[..]ری بات ہے تو زبردستی دودھ نہ پیو ورنہ طبیعت مزید بوجھل ہو جائے گی" زلیخا [..]

"ٹھیک ہے بیٹا! تم اسے واپس رکھ آؤ...... یا رکھا رہنے دو...... زلیخا واپس جاتے ہوئے [..]ڑھ گئی"۔

"[..]مجھے دے دو" علی نواز نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہاں تم پی لو" زلیخا بولی اور دودھ کا گلاس علی نواز کی طرف بڑھا دیا۔

[..]نواز نے دودھ کا گلاس زلیخا کے ہاتھ سے لے لیا...... پھر وہ عادت کے مطابق ایک [..]ہی گھونٹ میں پورا گلاس خالی کر گیا۔

[..]نے مسکرا کر کہا: "نہیں بیٹا...... یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے...... پانی پیو یا دودھ...... [..]ٹ کر پیا کرو...... یہی طریقہ ٹھیک ہوتا ہے...... بزرگوں نے جو کچھ بتایا ہے اس [..] بہتری ہوتی ہے"۔

"[..]بات مجھے غلام خیر چاچا نے ڈالی ہے...... اکھاڑے میں زور کرانے کے بعد دول [..]دیتے تھے اور کہتے تھے کہ چڑھا جا بیٹا"۔

"اب تم اکھاڑے میں زور نہیں کرتے" زلیخا بدستور مسکرا کر بولی۔

"[..]ت کرتی ہو زلیخا...... اب ہی تو میرا بیٹا صحیح معنوں میں اکھاڑے میں اترا ہے...... [..]میدان تو یہی ہے کہ جہاں ساری جوڑیں پچھاڑنی پڑتی ہیں۔ وہ اکھاڑہ تو کھلاڑی

کا خیال تھا۔ زندگی سے بڑی کشتی تو اب شروع ہوئی ہے۔۔۔۔ شاہ عالم نے کہا۔

"چھوڑو، تم آرام کرو بیٹا بہو کی آنکھوں میں نیند اتر رہی ہے"۔

زلیخا نے کہا۔

"ابھی بیٹھو اماں، نہ جانے کیوں" علی نواز نے آنکھوں کو بند کر کے سر کو زور سے جھٹکا

"کیا بات ہے؟" "سر کیوں جھٹک رہے ہو۔"

"میں کہہ رہا تھا کہ۔۔۔۔ نہ جانے کیوں آج یہاں سے جانے کو دل نہیں۔۔۔۔ وہ چ

رک گیا"۔

"نیند آ رہی ہے تمہیں، بار بار آنکھیں بند کر رہے ہو۔۔۔۔ چلو جاؤ سو جاؤ"۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔۔ چلو۔۔۔۔ صنوبر۔۔۔۔ علی نواز کی آواز ڈوبنے لگی تھی۔۔۔۔ پھر وہ اپنی

جگہ سے اٹھا تو بری طرح لڑکھڑا گیا"۔

"کیا بات ہے علی نواز؟ طبیعت ٹھیک ہے تیری"۔

"ہاں کچھ عجیب" علی نواز زور زور سے سینہ ملنے لگا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟"۔

"ماں۔۔۔۔ سینے میں۔۔۔۔ سینے میں" علی نواز نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

"کیا ہوا سینے میں؟" زلیخا پریشانی سے کھڑی ہو گئی۔

علی نواز نے زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سینہ پکڑ لیا۔۔۔۔ پھر اچانک اسے بڑی

بڑی الٹی ہوئی اور سب گھبرا کر اسے دیکھنے لگے۔۔۔۔ اس کے منہ سے لوتھڑے نکلے تھے۔

"ارے ارے۔۔۔۔ یہ خون۔۔۔۔ ضیغم۔۔۔۔ علی شاد۔۔۔۔ جلدی آؤ۔۔۔۔ علی شاد

ضیغم۔۔۔۔ کوئی ہے ڈاکٹر ڈاکٹر۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔۔ الٰہی یہ کیا ہو گیا" شاہ عالم دروازے کی

طرف بھاگا۔۔۔۔ رات کے سناٹے میں اس کی بلند چیخیں سن کر تینوں بیٹے اپنے اپنے کمروں

سے نکل بھاگے۔

شاہ عالم مسلسل چیخ رہا تھا۔

ڈاکٹر۔۔۔۔ ڈاکٹر کو بلاؤ۔۔۔۔ آہ جلدی کرو"۔

"یہ ہوا بابا جانی۔۔۔۔ ماں ٹھیک ہے آپ ٹھیک ہیں"۔

جلدی۔۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔۔ علی نواز" شاہ عالم کے حلق سے رندھی ہوئی آواز نکلی۔

"یہ ہو گیا علی نواز کو؟" علی شاد نے پوچھا۔

ڈاکٹر کو بلا دو۔۔۔۔ آہ میرا علی نواز۔۔۔۔ مر رہا ہے۔۔۔۔ شاہ عالم رو پڑا"۔

"اب تم جاؤ" ضیغم نے کہا۔۔۔۔ وہ اب باہر بھاگا۔۔۔۔ ضیغم اور علی شاد شاہ عالم کے

ہی کی طرف دوڑے جہاں سے عورتوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔۔۔۔ نواز

سس نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔ اس کا کلیجہ کٹ کٹ کر باہر آ رہا تھا۔۔۔۔ غشی طاری ہو گئی تھی۔۔۔۔

یاں مسلسل ہو رہی تھیں۔۔۔۔ دونوں بھائی یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گئے۔۔۔۔ دونوں

نے علی نواز کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔۔۔۔ علی نواز کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔۔۔۔ شیر جیسا وجود بری

رح نڈھال ہو گیا تھا۔۔۔۔ زلیخا سینہ پکڑے بیٹھی ہوئی تھی اور صنوبر مدھم آواز میں رو رہی

تھی۔ ایک عجیب سا ماحول ایک عجیب سا سماں بندھ گیا تھا۔۔۔۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

کہ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر کے لئے تو دونوں بھائی بھی حواس باختہ ہو گئے تھے۔۔۔۔ یہ فیصلہ کرنا

مشکل تھا ان کے لئے کہ وہ علی نواز کی اس کیفیت پر غمزدہ ہیں، لیکن گھر میں ایک حادثہ ہوا

تھا۔ بہو بھی تھا دل کے تار کہیں نہ کہیں سے علی نواز کے وجود سے بندھے ہوئے تھے اور

نوجوان بھائی کی حالت دیکھ کر ان کے سینے میں غم اتر رہا تھا۔۔۔۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

بات کیا سوال کریں۔۔۔۔ شاہ عالم علی نواز کو دیکھ کر رو رہا تھا۔۔۔۔ اس کے چہرے پر بے پناہ

اذیت تھی۔۔۔۔ علی نواز کا وجود اس کے لئے بڑی ڈھارس کا باعث تھا۔۔۔۔ تینوں بیٹوں نے

ہمیشہ سے یہ احساس دلایا تھا کہ وہ شاہ عالم کے ساتھی نہیں ہیں اور اپنے اپنے رنگوں

میں رنگے ہوئے ہیں، لیکن علی نواز ایک کپڑے کی مانند تھا، جس پر کوئی داغ نہیں تھا۔۔۔۔

وہ نیم وجود اب داغ داغ ہو گیا تھا۔۔۔۔ بدن پر خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔۔۔۔

آوازیں نکل رہی تھیں لیکن اب سانس کی رفتار مدھم ہوتی جا رہی تھی۔۔۔۔ وہ جان کنی کی

کیفیت میں مبتلا تھا اور باقی سب لوگ پتھرائے ہوئے سے تھے..... داراب ڈاکٹر کو لے کر آگیا..... یہ ڈاکٹر یہاں سے کچھ فاصلے پر ہی تھا..... اس کا کلینک بھی اس کی کوٹھی میں ہی بنا ہوا تھا اور اوپری منزل پر وہ خود رہتا تھا..... وہ عمر رسیدہ اور سنجیدہ سا آدمی تھا..... علی داراب اسے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوگیا..... ڈاکٹر نے فوراً حادثے کا شکار علی نواز کا معائنہ کیا..... علی نواز اب ساکت لیٹا ہوا تھا..... ڈاکٹر اس کے سینے اور نبض کا جائزہ لینے لگا..... پھر اس نے افسردہ نگاہوں سے ان سب کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہوں"۔

"کک..... کیا مطلب ڈاکٹر؟" شاہ عالم نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہ اب اس دنیا میں نہیں رہے" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

زلیخا کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ سر پیٹنے لگی..... صنوبر جس جگہ کھڑی تھی، وہیں سر پکڑے ہوئے زمین پر بیٹھ گئی اور شاہ عالم پر ایک لمحہ کے لئے سکتہ طاری ہوگیا..... ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر قرب وجوار کا معائنہ کیا اور بولا۔

"یہ قصہ کیا ہے! کیا ان صاحب نے خودکشی کی ہے۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم ڈاکٹر"۔

"یہ زہر خورانی کا کیس ہے..... یا تو انہوں نے بہت طاقتور قسم کا زہر پی لیا ہے یا ڈاکٹر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا"۔

"زہر" علی ضیغم علی شاہ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"سو فیصدی" ڈاکٹر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا پھر اس کی نظر دودھ کے گلاس پر پڑی..... اس نے آگے بڑھ کر دودھ کا یہ گلاس اٹھالیا، اسے قریب لے جا کر دیکھا..... سونگھا اور بولا "زہر اسی دودھ میں شامل تھا"۔

"لیکن ڈاکٹر یہ دودھ تو انہوں نے نہیں پیا" علی ضیغم نے کہا اسے اتنا معلوم تھا کہ رات کو شاہ عالم دودھ پیتا ہے..... علی نواز نہیں لیکن شاہ عالم نے کہا۔

"اسی نے پیا ہے یہ دودھ اسی نے پیا ہے..... آہ یہ دودھ میرا تھا..... مجھے پینا تھا یہ۔ لیکن..... لیکن اس دودھ میں یہ زہر کہاں سے آیا؟"۔

"اب ظاہر ہے جناب یہ بات تو آپ ہی بتا سکتے ہیں ویسے میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں" ڈاکٹر نے کہا۔

"کیا ڈاکٹر؟" علی ضیغم نے پوچھا۔

"دیکھئے میری تمام زندگی بے داغ گزری ہے..... میں نے خدا کے فضل سے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے میرا ضمیر داغدار ہو، یعنی کوئی غیر قانونی عمل کیونکہ یہ زہر خورانی کا کیس ہے اس لئے اس سلسلے میں پولیس کو اطلاع دینا ضروری ہے"۔

"پ..... پولیس" شاہ عالم نے افسردہ نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

"جی ہاں! چونکہ آپ نے مجھے بلایا ہے اور میں نے ان کی موت کی تصدیق کی ہے..... اس لئے پولیس کو اس بارے میں اطلاع دینا میرا فرض ہے"۔

"اپنا فرض بے شک پورا کیجئے لیکن، لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ زہر اسی دودھ میں ملایا گیا ہے؟" علی داراب نے سوال کیا۔

"سو فیصدی! دودھ کا یہ گلاس میں اپنے پاس محفوظ کرنا چاہتا ہوں"۔

"ہم اس سلسلے میں پولیس سے خود رابطہ قائم کرلیں گے ڈاکٹر"۔

"آپ ضرور کیجئے"۔

"آپ اس قدر بے مہری کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں؟" علی داراب ترش لہجے میں بولا۔

"دیکھئے ایسی فضا قائم نہ کیجئے جو تلخ ہو..... میں نے آپ سے عرض کردیا..... قانونی آدمی ہوں اور قانون کی بالادستی کو دنیا کی ہر شے سے قیمتی سمجھتا ہوں..... بتائیے اس شیر جیسے انسان کو موت کی نیند سلادیا گیا..... یہ الگ بات ہے کہ ایسا کیسے ہوا؟" اس کی تفتیش پولیس کو کرنا ہوگی آپ لوگ مجھے روک نہیں سکتے"۔

"نہیں ڈاکٹر..... ایسی کوئی بات نہیں..... مطلب یہ تھا کہ ہم ذرا"۔

"یہ معاملات میں ذرا کی گنجائش نہیں ہوتی" ڈاکٹر نے جواب دیا اور گلاس اپنی تحویل میں لے لیا پھر وہ بولا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا فون استعمال کر لوں"۔

"نہیں ڈاکٹر...... اس سلسلے میں آپ کہیں اور سے پولیس سے رابطہ قائم کیجئے اور ہم سب کو پولیس سے گرفتار کرا دیجئے گا" علی شاد نے کہا۔

"بہتر..... میں اجازت چاہتا ہوں" ڈاکٹر نے کہا وہ بھی واقعی کچھ سر پھرا سا آدمی تھا، پھر بہت زیادہ قانون پرست جیسا کہ انسان کو ہونا چاہئے...... ڈاکٹر اپنا بیگ لے کر نکل گیا تو علی شاد نے کہا: "لیکن زہر، یہ دودھ...... بابا جانی اپنے آپ کو سنبھالئے خدارا بتایئے تو سہی یہ ہوا کیا ہے؟"۔

"آہ میری موت بھی اس نے قبول کر لی" شاہ عالم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر زلیخا سے بولا: "زلیخا خود کو سنبھال...... خود کو سنبھال...... زلیخا جو حادثہ ہمارے ساتھ ہوا ہے، وہ ہم سب کی تباہی بھی بن سکتا ہے..... ارے علی شاد تو ذرا جلدی سے غلام خیر کو بلا لے...... جلد چلا جا...... جتنی جلد ممکن ہو آ دیٹا گیا...... آہ میرا بیٹا گیا" شاہ عالم نے سینے پر پتھر کی چٹان رکھ لی ورنہ اس وقت اس کی حالت سب سے زیادہ خراب ہو رہی تھی...... زلیخا تو خیر ماں تھی اور مزید تین بیٹے اس کے سہارے کے لئے موجود تھے لیکن یہ بات شاہ عالم ہی جانتا تھا کہ علی نواز جیسا ان میں سے کوئی بھی نہیں...... وہ نہ جانے کون کون سے جذبوں کے تحت اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا...... علی داراب دوڑ کر گیا وہ جانتے تھے کہ ڈاکٹر پولیس کو ضرور طلب کر لے گا لیکن اس بات سے اختلاف کسی کو بھی نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ صورت حال بہر حال بڑی خطرناک تھی...... نہ جانے کیا ہو! ایک تو گھر میں اتنا سنگین حادثہ اس کے بعد پولیس کی آمد یقینی طور پر ان کے لئے پریشانیوں کا باعث بن سکتی تھی...... کچھ دیر کے بعد غلام خیر بھی آ گیا...... علی شاد نے شاید غلام خیر کو بھی صورت حال بتا دی تھی...... غلام خیر خود پاگل ہو رہا تھا...... کمرے میں پہنچا، علی نواز کو دیکھا...... ایک دلدوز چیخ ماری اور اس سے

پڑ گیا۔

"یہ کیا ہو گیا...... یہ کیا ہو گیا میرے شیر! تجھ پر تو میں نے اپنا سارا مستقبل قربان کر دیا تھا...... کیا تجھے اس طرح چلے جانا تھا...... کیسے ہوا؟ شاد عالم...... یہ کیسے ہوا اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ علی نواز صرف تیرا ہی بیٹا تھا تو یہ خیال اپنے دل سے نکال...... ارے تو نے تو زندگی کے برس اس سے دور رہ کر گزارے...... میری تو زندگی کی پوری کتاب میں اسی کا نام لکھا ہوا ہے...... کیسے ہو گیا آخر یہ کیسے ہو گیا۔

علی ضیغم نے غلام خیر کو ساری صورت حال بتائی اور غلام خیر سناٹے میں رہ گیا۔

"کیسے آخر کیسے؟"۔

"اس وقت غلام خیر چچا کیسے کا مسئلہ نہیں ہے...... پولیس آنے والی ہے ہم اس حادثے سے پہلے ہی دل برداشتہ ہیں...... اوپر سے اگر ہمیں قانون کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو کیا ہو گا؟"۔

"ہیں؟" غلام خیر پر خیال انداز میں بولا، پھر وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل آیا...... اس کا رخ باورچی خانے کی جانب تھا...... پھر باورچی خانے میں وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا...... ٹیوب لائٹ جل رہی تھی اس کے گرد چھپکلیاں اپنے شکار کی تلاش میں اونگھ رہی تھیں...... غلام خیر نے جیب سے رومال نکالا اور آہستہ آہستہ ایک چھپکلی کی جانب بڑھ گیا...... وہ بڑی احتیاط کے ساتھ رومال کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے چھپکلی کی جانب ہاتھ بڑھا رہا تھا، پھر دوسرے لمحے اس نے جھپٹا مار کر چھپکلی رومال کی گرفت میں لے لی...... چھپکلی کلبلا رہی تھی...... غلام خیر نے چولہے پر رکھی دودھ کی دیگچی کا ڈھکن کھولا اور چھپکلی اس میں ڈال دی...... پھر ڈھکن بند کر کے وہ برق رفتاری سے واپس پلٹ پڑا...... اس تمام بھاگ دوڑ کو سن کر دونوں بیٹوں کی بیویاں اپنے اپنے کمروں سے نکل آئی تھیں...... فروزاں کو تو معلوم تھا کہ یہ بھاگ دوڑ کس سلسلے میں ہو رہی ہے لیکن اس وقت دوسری دونوں عورتوں کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا، چنانچہ وہ ایک دوسرے سے استفسار کر رہی تھیں اور ابھی تک صورت حال کسی کے علم میں نہیں آئی تھی اور چونکہ بھاگ دوڑ کا مرکز وہ کمرہ تھا جس میں شاہ عالم رہتا تھا،

چنانچہ وہ اسی کی جانب بڑھ گئیں اور یہاں انہوں نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر وہ سب سکتے میں رہ گئیں...... فروزاں ہکا بکا رہ گئی تھی...... یہ سب کچھ تو اس کے منصوبے کے بالکل خلاف ہوا تھا...... عالیہ اور نسرین بھی شدید حیران تھیں اور ان کی نگاہوں میں تاسف کے آثار تھے...... انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ علی نواز اس دنیا سے اس طرح رخصت ہو جائے گا...... زلیخا کی کیفیت اور صنوبر کو دیکھ کر کچھ لمحوں کے لئے ان کے دلوں میں انسانیت جاگی تھی لیکن صورت حال کا جو بھی علم انہیں ہوا اس سے انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ فروزاں اپنا کام دکھا چکی ہے، لیکن شکار علی نواز ہو گیا ہے، جبکہ اصل شکار شاہ عالم تھا...... ان سب کے چہروں پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی...... وہ سب خاموش کھڑی تھیں...... غلام خیر اپنا کام کر کے واپس آ گیا تھا اور غم زدہ انداز میں ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا...... اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی...... سب کے سب سکتے کے سے عالم میں تھے...... زلیخا خاموش ہو گئی تھی...... صنوبر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا...... نہ جانے معصوم عورت کے دل پر کیا بیت رہی تھی...... رہ رہ کر شاہ عالم کی آواز بلند ہو جاتی تھی...... وہ سرد آہ لیتا اور کہتا۔

"علی نواز تو نے تو زندگی میں کچھ بھی نہ پایا...... بچپن سے میں نے تیرے شانوں پر اپنی ذمہ داری ڈال دی اور جب تو میری ذمہ داری سے سبکدوش ہوا تو تو نے اپنے لئے موت حاصل کر لی...... آہ میرے مظلوم بیٹے! میں تو بہار آنے سے پہلے ہی اجڑ گیا...... میں تجھے کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا علی نواز...... کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا...... میرے بچے میرے لعل! میں تجھے کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔" زلیخا کی آواز بند ہو گئی...... پھر اسی وقت پولیس کے آنے کی اطلاع ملی...... ڈاکٹر پولیس کے ساتھ تھا...... پولیس آفیسر کو احترام سے اندر لایا گیا...... اس نے لاش کا معائنہ کیا اور اس کے بعد شاہ عالم سے کہنے لگا۔

❀ ❀ ❀

"معزز بزرگ...... ڈاکٹر صاحب نے مجھے تمام تفصیلات بتائی ہیں...... مجھے علم ہے کہ یہ آپ کا بیٹا تھا، لیکن یہ بات تو آپ ہی بتا سکیں گے کہ زہر کس طرح گلاس میں پہنچا اور کس طرح اس نوجوان کی موت واقع ہوئی...... براہ کرم اپنے غم کو تھوڑی دیر کے لئے بانٹ کر مجھ سے تعاون کریں تاکہ میں کوئی کارروائی کر سکوں...... آپ میں سے کون میرے سوال کا جواب دے گا؟"۔

"کسی سے بھی پوچھ لو آفیسر...... مجھ ہی سے پوچھ لو...... میں بتاؤں گا کہ میرا بیٹا کس طرح موت کا شکار ہوا"۔

"کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں معزز بزرگ کہ اس نوجوان کو زہر دیا گیا...... کیا نام تھا اس کا"۔

"علی نواز! یہ میرا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا"۔

"کیا یہ معمول کے مطابق دودھ پیتا تھا"۔

"نہیں...... آج میں بدبخت اس زہر والے دودھ سے محروم رہا...... آہ کاش میری طبیعت ناساز نہ ہوتی اور میں ہی یہ دودھ پی لیتا...... اس نے تو اپنے آپ کو مجھ پر قربان کر دیا...... بچپن سے وہ میرے لئے قربانیاں دیتا چلا آ رہا ہے...... آہ میں بدنصیب بچ گیا...... بدنصیب اپنے شانوں پر اٹھانے کے لئے مجھے مرنا چاہئے تھا آفیسر"۔

"دودھ کس نے دیا؟" پولیس آفیسر نے سوال کیا۔

اور سب چونک پڑے ...... شاہ عالم نے صنوبر کی طرف دیکھا، لیکن معصوم لڑکی تو کوئی جواب دینے کے قابل ہی نہیں تھی ...... اس کے چہرے پر جو کیفیت اس وقت طاری تھی اسے دیکھ کر اچھے اچھوں کا کلیجہ دہل جاتا ...... علی ضیغم نے کہا۔

"بابا جانی ...... بتایئے علی نواز کو دودھ کس نے دیا تھا؟"۔

"صنوبر لے کر آئی تھی میرے لئے دودھ صنوبر لائی تھی اور میں نے دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا ...... میری طبیعت کچھ بھاری تھی ...... علی نواز نے دودھ کا گلاس ہاتھ میں لے کر اسے پی لیا"۔

"یہ خاتون صنوبر کون ہیں؟" پولیس آفیسر نے سوال کیا۔

"علی نواز کی بیوی"۔

"اوہ!" وہ آہستہ سے بولا پھر اس نے صنوبر سے کہا۔

"بی بی آپ بتا سکتی ہیں کہ دودھ میں زہر کس نے ڈالا ہو گا؟"۔

"صنوبر نے کوئی جواب نہیں دیا تو آفیسر نے پھر کہا"۔

"یہ دودھ کہاں سے لایا گیا تھا؟"۔

"باورچی خانے سے؟"۔

"کیا باورچی خانے میں اور بھی دودھ موجود ہے"۔

"دودھ کی دیگچی ہمیشہ چولہے پر ہی رہتی ہے" نسرین نے جواب دیا۔

"گویا ابھی اسے چھوا نہیں گیا"۔

"نہیں"۔

"براہ کرم میں باورچی خانے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں" پولیس آفیسر نے کہا اور تیزی سے چلتا ہوا باورچی خانے تک جانے لگا ...... علی ضیغم ...... علی شاد اور غلام خیر اس کے ساتھ تھے ...... باورچی خانے کی روشنی جلا کر پولیس آفیسر نے کہا۔

"دودھ کون سی دیگچی میں ہے؟"۔

"یہ دیگچی جو چولہے پر رکھی ہوئی ہے"۔

پولیس آفیسر نے دیگچی کا ڈھکن کھول کر دیگچی میں دیکھا اور پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"اوہو ...... دیکھو یہ کیا ہے؟"۔

"کیا ہے آفیسر؟" علی ضیغم حیرت سے بولا۔

"چھپکلی"۔

"اوہ میرے خدا"۔

"تو یہ سلسلہ ہے ...... یہ موت ایک اتفاقی حادثہ ہے ...... دودھ میں چھپکلی گری اور چھپکلی کے بارے میں یہی تفصیل سنی جاتی ہے کہ وہ سخت زہریلی ہوتی ہے ...... آپ لوگوں کی بے پرواہی نے ایک انسانی زندگی چھین لی ...... مجھے افسوس ہے ...... پھر بھی تھوڑی سی قانونی کارروائی کے لئے یہ دودھ کا گلاس وغیرہ میں اپنے قبضے میں لے لیتا ہوں ...... میرے ساتھ ہر آدمی ہے جو رپورٹ لکھ لے گا ...... اس حادثے کا مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب! آپ نے بھی اپنا فرض پورا کیا"۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ ایک معزز خاندان ہے ...... شاہ عالم صاحب آج سے نہیں برسوں سے میرے پڑوسی ہیں ...... ہمارے درمیان علیک سلیک ہے لیکن یہ میرا فرض تھا کہ زہر خورانی کے اس واقعہ کو پولیس کے علم میں لاؤں"۔

"اسے ایک حادثہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ گھروں میں ذمہ داروں کی تھوڑی سی لاپرواہی اس قسم کے حادثے رونما کرتی ہے ...... ہو سکتا ہے یہ دودھ اور بھی لوگ پیتے لیکن تقدیر اچھی تھی کہ صرف ایک ہی شخص نے پیا ...... بہر حال ضابطے کی کارروائی کئے لیتا ہوں ...... آپ لوگ اپنے معمولات جاری کر دیجئے ...... مجھے اس میں کوئی الجھنیں نظر نہیں آتی جو قانون کے لئے قابل گرفت ہو" پولیس آفیسر نے اپنے کام سرانجام دیئے ...... سب حیران تھے ...... علی ضیغم، علی داراب اور علی شاد اس واقعے کی تحقیقات کے لئے ایک دوسرے سے سوالات کر رہے تھے ...... غم آنکھوں میں بھی تھا لیکن

اس شدت سے نہیں جس شدت سے اس وقت ہوتا جب ان بھائیوں میں سے کوئی موت کا شکار ہو جاتا...... ہاں، جو غم زدہ تھے ان کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے، لیکن اب اسے ایک اتفاقیہ واقعہ ہی سمجھا جا رہا تھا اور صورت حال بڑی عجیب ہو گئی تھی...... بہر حال غم واندوہ کے اس طوفان میں علی نواز جیسے شیر کی تدفین کا انتظام کیا جانے لگا...... صنوبر پر تو سکتہ طاری ہو گیا تھا...... باقی سب تو اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھے...... شاہ عالم اور زلیخا کی حالت بھی خراب تھی...... تینوں بھائی بھی بہتر حالت میں نہیں تھے، پھر دوسرے دن علی نواز کو قبر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا گیا اور اس پورے گھرانے پر ایک گہرا سوگ طاری ہو گیا...... کوئی اس سلسلے میں اپنی زبان نہیں کھول رہا تھا اور فوری طور پر زبان بند رکھنا بھی ضروری تھا، لیکن پھر چند روز کے بعد جب غلام خیر نے اس بات کا انکشاف شاہ عالم پر کیا کہ دودھ کی دیگچی میں چھپکلی اس نے ڈالی تھی تاکہ قانون کے لئے اس گھرانے پر کوئی گرفت نہ ہو سکے تو شاہ عالم شدت حیرت سے گنگ رہ گیا تھا! "تم نے؟"۔

"ہاں میں نے"۔

"آہ اس کا مطلب ہے کہ یہ اتفاقیہ واقعہ نہیں تھا"۔

"نہیں شاہ عالم! میں جانتا ہوں کہ علی نواز کی موت نے تمہارے دل پر کیا اثرات مرتب کئے، لیکن علی نواز کی موت اصل میں قتل کا واقعہ ہے" غلام خیر نے آخری لہجے میں کہا۔

"کس نے قتل کیا ہے میرے شیر کو؟ کون اس کا قاتل ہے غلام خیر؟ میں اس کی ہڈیاں چبا جاؤں گا چاہے وہ میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ ہو...... وحدہ لاشریک کی قسم میں اسے نہیں چھوڑوں گا...... اگر میرے تینوں بیٹے علی نواز کے قاتل ہیں تو ان تینوں کو قانون کے حوالے نہیں کروں گا...... موت کی سزا میں اپنے ہاتھوں سے دوں گا انہیں...... انہوں نے مجھے لاولد کر دیا ہے...... ہاں ان میں سے کوئی مجھے اپنا نہیں لگتا، جو میرا اپنا تھا، وہ اس دنیا سے چلا گیا...... چھین لیا گیا اسے مجھ سے...... غلام خیر چھین لیا انہوں نے مجھ سے...... اس کے بغیر مجھے دنیا تاریک معلوم ہوتی ہے...... آہ! میں کس زبان سے اس کے بارے میں کچھ کہوں...... ننھی سی

ننھی اس کی، معصوم سا آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا...... یہ بھی نہ پوچھا تھا بابا جانی کہ مجھے لے جا رہے ہو اور پھر میں نے اسے اپنے آپ سے جدا کر دیا...... وہ ساری محبتوں سے محروم ہو گیا اور یہ سب عیش کرتے رہے...... غلام خیر کبھی تکلیف نہیں دی میں نے انہیں"۔

"میں غیر انسان ہوں...... ایک بالکل غیر آدمی ہوں میں شاہ عالم! لیکن تم جانتے ہو میرا کوئی اولاد نہیں، میں نے اسے اولاد سے کم نہیں سمجھا...... آج میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے قاتل کو اپنے ہاتھ سے سزا دوں شاہ عالم چاہے میری تمہاری دوستی ختم ہو جائے...... ایسے تو مناسب نہیں تھا...... شاہ عالم کہ اسے اس طرح زندگی سے محروم کر دیا گیا" غلام خیر نے کہا۔

"غلام خیر پتہ لگاؤ...... پتہ لگانا ہی چاہئے اس بات کا...... میں تمہارا مکمل طور سے ساتھ دوں گا...... پتہ لگنا چاہئے میرے بیٹے کے قاتل کا"۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن یہاں کچھ اور مسئلے سامنے آتے ہیں"۔

"کیا؟"۔

"وہ تو اتفاق تھا کہ علی نواز نے دودھ پی لیا ورنہ کیا وہ دودھ تمہارے لئے تو نہیں تھا"۔

"ہاں میرے ہی لئے تھا اور میں اپنی بدنصیبی پر زندگی کی آخری سانس تک ماتم کرتا رہوں گا...... کاش وہ دودھ میں پی لیتا" شاہ عالم کی آواز رندھ گئی۔

"گویا کوئی علی نواز کو نہیں تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا"۔

غلام خیر نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی...... اس کے چہرے پر عجیب سی شکنیں پھیلی ہوئی تھیں...... پھر وہ آہستہ سے بولا...... دودھ صنوبر لے کر آئی تھی؟۔

"ہاں لیکن ایسا ہوتا نہیں تھا...... صنوبر پہلی بار ہی دودھ لے کر آئی تھی اور میں نے اسے کہا بھی تھا کہ باقی لوگ کہاں چلے گئے...... اصل میں جب ڈاکٹر نے اس کے متعلق بتایا تھا غلام خیر اس وقت سے زلیخا کی اور میری یہی کوشش رہی ہے کہ صنوبر کو کوئی کام نہ کرنے دوں، لیکن تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" اچانک ہی شاہ عالم کے چہرے پر عجیب سی کیفیت

پھیل گئی...... وہ تعجب بھری نگاہوں سے غلام خیر کو دیکھنے لگا۔

نسرین نے فروزاں سے کہا: "فروزاں ایسا کیسے ہو گیا؟"۔

فروزاں علی نواز کی موت کے بعد سے ایک دم مغموم ہو گئی تھی...... ویسے تو پورے گھرانے پر سوگ طاری تھا...... مرد متاثر تھے تو عورتیں بھی متاثر تھیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ تینوں نوجوان عورتیں علی نواز کی مردانگی اور وجاہت کی قائل تھیں اور تینوں کے دلوں میں یہ احساس تھا کہ یہ ایک دردناک موت ہوئی ہے لیکن بہر حال یہ الگ قصہ تھا۔

نسرین نے عالیہ کو بھی اپنے راز میں شریک کر لیا تھا...... تینوں دیورانیوں اور جیٹھانیوں میں آپس میں خوب بنتی تھی...... وہ تینوں کی تینوں علی نواز اور صنوبر کے سلسلے میں بھی متاثر تھیں...... ایک وجیہہ نوجوان کی موت ان کے لئے بھی باعث افسوس تھی...... اصل معاملہ تو کچھ اور ہی تھا...... فروزاں پشیمان ہو کر بولی۔

"کیا بتاؤں بھابی! بس اسے تقدیر کا لکھا ہی کہا جا سکتا ہے"۔

مگر فروزاں کیسے؟

"جو کچھ کیا تھا بھابی آپ کے علم میں ہے لیکن یہ بات آپ جانتی ہیں کہ علی نواز کے لئے نہیں تھا...... اس سے تو وہ کم بخت صنوبر ہی دودھ پی لیتی...... اصل معاملہ جس کا تھا وہ آج بھی ہمارے سینوں پر سانپ بنا بیٹھا ہے"۔

"تو غلطی تم سے ہوئی؟"۔

"اسے غلطی بھی نہیں کہا جا سکتا...... آپ سب کچھ جانتی ہیں بھابی لیکن اصل بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی...... دودھ میں چھپکلی اور پھر اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو ابھی تک شبہے میں مبتلا کرتی ہیں"۔

"فروزاں خدا سے توبہ کرو اپنے اس عمل کی ...... بہت برا ہو گیا ہے"۔

"مگر بھابی اگر کبھی صورت حال سامنے آ گئی تو کیا ہو گا؟"۔

میں خود بھی اس کے لئے اکثر سوچتی رہی ہوں مگر تم تو سرے سے انکار ہی کر جاتا۔

اور دودھ تو صنوبر ہی لے کر گئی تھی۔

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا ہے بھابی...... پتہ نہیں کس طرح تقدیر نے میرا ساتھ دیا اور میری سمجھ میں یہ بات آ گئی"۔

"فروزاں ویسے تو یہ بہت بڑا گناہ ہوا ہے...... بعد میں مجھے احساس ہوا کہ کاش میں نہیں اسے منع کرتی، لیکن اب اپنی جان بچاؤ اور سنو! میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ بات تھوڑی ذرا مختلف رنگ بھی اختیار کر گئی ہے...... تم اگر چاہو تو اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہو؟"۔

"کیسے بھابی؟" فروزاں نے پوچھا اور نسرین آہستہ سے کچھ سمجھانے لگی۔

فروزاں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا...... "بات تو کچھ ٹھیک ہی نظر آتی ہے آپ میرا ساتھ دیں گی ناں؟"۔

"نا صرف میں بلکہ عالیہ بھی...... تم بے فکر رہو" نسرین نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

حادثے ہوتے ہیں وقت گزر جاتا ہے...... داستانیں بھلا دی جاتی ہیں، لیکن یہ صرف ایک خیال ہے...... قدرت نے انسان کے دل میں محبت کے جو جذبے رکھے ہیں...... ان کی ترتیب ہی کچھ اور ہے، صبر کو اہمیت دی جاتی ہے، لیکن غور کیا جائے تو صبر تو مجبوری کا نام ہے...... جب کچھ نہیں دیا جاتا تو صبر کیا جاتا ہے...... اپنے آپ کو سمجھایا جاتا ہے، بہلایا جاتا ہے...... ویسے تو شاہ عالم کے گلشن کے تین پھول اور تھے...... اس کے تین بیٹے لیکن، وقت کی ترتیب نے شاہ عالم کو یہ احساس دلا دیا تھا...... ایک وہ جس نے ہنسی خوشی زندگی کے بیس سال باپ کو دیئے اور اس کے بعد چند لمحوں کی خوشی حاصل کر کے زندگی بھی باپ پر ہی قربان کر دی...... شاہ عالم یہ تو اچھی طرح جانتا تھا کہ دودھ اس کے لئے تھا، لیکن صبر کیا تھا کہ قدرت کی رضا یہی تھی کہ علی نواز عالم نوجوانی میں اس دنیا سے چلا جائے، لیکن اس کے ذہن میں الجھن ضرور تھی...... غلام خیر خاموشی ہی اختیار کر لیتا تو شاید یہ کرید اس قدر نہ ہوتی، لیکن وہ بھی ایک سیدھا سادہ دیہاتی انسان تھا...... عقل سے کام لے کر اس نے

بہت بڑی مشکل سے تو اس خاندان کو بچا لیا تھا، لیکن ذہنی طور پر ان کے دماغوں میں جو خلش پیدا ہو گئی تھی..... اسے مٹانا آسان نہیں تھا اور اب شاہ عالم کو گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے دیکھا جاتا تھا..... صنوبر پر جب بھی اس کی اور زلیخا کی نظر پڑتی..... ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا..... بیٹے کے غم کو بھلانا تو خیر بہت مشکل کام تھا، لیکن ایک نوخیز اور نوجوان بڑی جسے زندگی کے اس حسین دور میں قدم رکھے ہوئے چند لمحے ہی ہوئے تھے..... اب ساری زندگی کے لئے بجھ گئی تھی، حالانکہ ایک ننھی سی خوشی اس کے وجود میں پل رہی تھی، لیکن اس خوشی کا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہیں آتا تھا اور آ بھی کیسے سکتا تھا، اک ننھی سی خوشی کے ساتھ جو ایک بڑی خوشی کا تصور تھا وہ ختم ہو گیا تھا..... گھر کی سوگوار فضا میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی..... سوائے یہ کہ تینوں دلہنیں جب یکجا ہوتیں تو دبی دبی زبان میں سرگوشیاں کرتی رہتیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ علی ضیغم..... علی شاد اور علی داراب بھی علی نواز کی موت سے بہت متاثر تھے..... باپ کی صورت دیکھتے اور ماں کی شکل دیکھتے تو دلوں پر یہ بوجھ اور گہرا ہو جاتا..... سوچتے بھی تھے کہ علی نواز ان کے لئے ہر طرح سے ایک کارآمد شخصیت تھا..... بلاوجہ انہوں نے اتنی سی مختصر زندگی کے لئے اس سے بیر باندھا..... بہرحال وقت گزر رہا تھا..... صنوبر کے چہرے کی کیفیت اس قدر خراب تھی کہ اسے دیکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا..... حسرت و یاس کی تصویر اکثر شاہ عالم سے کہتی۔

"بابا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے..... ماں تو تھی ہی نہیں..... خانہ خیل میں تو اب کوئی ہے ہی نہیں..... کبھی کبھی وہاں جانے کو دل چاہتا ہے..... بہت سی دوست تھیں میری لیکن مجھ سے پوچھیں گی کہ کیا ہوا یہ سب کچھ تو میں کیا بتاؤں گی انہیں..... وہ اس قدر بے وفا تو نہیں تھا..... مجھ سے ہی پوچھ لیتا..... ہم دونوں ہی مر جاتے..... یہ بات تو پہلے ہی ہمارے درمیان طے ہو گئی تھی بابا کیا میں مر جاؤں"۔

جواب میں شاہ عالم کی سسکیاں رک نہیں پاتی تھیں..... اس نے اسے سمجھایا تھا۔

"نہیں بیٹی! ان ساری باتوں سے الگ احکام الٰہی بھی ہیں..... اپنے آپ کو زندگی سے

موت کی طرف لے جانا اللہ کے نزدیک بڑا ناپسندیدہ عمل ہے..... یہ گویا اس کے کاموں میں مداخلت کے مترادف ہے اور ایسا کرنے والے کبھی بخشش نہیں پاتے"۔

"تو پھر میں کیا کروں؟"۔

"موت کے بعد اگر تم سرخرو ہو کر اللہ کے حضور پہنچیں تو علی نواز تمہیں مل جائے گا اگر تم نے کوئی ایسا ویسا قدم اٹھایا تو پھر تم خود سوچ لو..... آخرت میں بھی تم اس کی قربت سے محروم رہو گی"۔

"نہیں..... ایسا تو میں نہیں کرنا چاہتی..... میں انتظار کر لوں گی اس کا..... انتظار کروں گی"۔

"اس کے علاوہ اب تمہیں اپنے آپ کو سنبھالنا چاہئے..... ہم ہیں نا تمہارے ...نو میں تمہارا بابا جانی ہوں اور یہ تمہاری ماں ہیں..... ہم سب تمہارا زندگی بھر خیال ...یں گے اور پھر علی نواز کو تو اللہ تعالیٰ ایک اور شکل دے رہا ہے جو اس دنیا میں آنے والی ہے..... خداوند عالم سے آرزو ہے میری کہ علی نواز کو دوبارہ اس دنیا میں بھیج دے کسی اور شکل میں" بیچاری صنوبر اس بات کا مفہوم کیا جانتی! بس خاموشی سے شاہ عالم کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

ایک روز فروزاں نے علی داراب سے کہا۔

"علی داراب! میرا سینہ سخت گھٹن کا شکار ہے..... میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں" علی داراب چونک کر بیوی کو دیکھنے لگا پھر بولا "سینہ گھٹن کا شکار ہے"۔

"ہاں ایک راز میرے سینے میں دفن ہے، لیکن جانتے ہو میری پوزیشن کیا ہے..... میں ...نام ہو جاؤں گی اور خود ذلیل و خوار ہو جاؤں گی، لیکن میں کیا کروں..... جو کچھ دل میں ہے اسے نکالنے کے لئے بھی بے چین ہوں"۔

"یہ کہانیاں شروع کر دیں تم نے..... بات ہے تو صاف بیان کر دیا کرو یا پھر اپنے اندر ہی رکھو..... میں اس قسم کی فضول باتوں میں دلچسپی نہیں لیتا" علی داراب جھلاتے ہوئے بولا۔

"بھلا وہ نہیں..... بات ہی کچھ ایسی ہے کہ تم میری کشمکش کو تسلیم کرو گے"۔

"کیسی کشمکش؟ آخر کیا بات ہے"۔

"علی داراب..... صنوبر ایک پہاڑی لڑکی ہے..... میں پہاڑوں میں رہنے والوں کو برا بالکل نہیں کہتی..... سادہ لوح ہوتے ہیں اور معاف کرنا، ذہنی طور پر پسماندہ"۔

"جی آگے فرمایئے" علی داراب نے طنزیہ لہجے میں کہا..... بات چونکہ اس تک آئی تھی..... وہ بھی تو بہر حال خانہ خیل کا رہنے والا تھا۔

"صنوبر اپنی معصومیت اور سادگی میں ایک بھیانک جرم کا ارتکاب کر بیٹھی ہے"۔

"کیا جرم؟" علی داراب سنجیدگی سے بولا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ سادہ لوح ہے اور کبھی کبھی ایسی بے تکی باتیں کر بیٹھتی ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئیں، لیکن بس انسانی زندگی کی پیچ ہی کتنی؟"۔

"دیکھو فروزاں! یا تو مجھ سے کھل کر بات کرو..... یا پھر خاموش ہو جاؤ"۔

"علی داراب اب، اگر میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ علی نواز کو صنوبر نے قتل کیا ہے تو کیا تم اس کو تسلیم کر لو گے"۔

"کیا؟"۔

"ہاں..... بڑا عجیب واقعہ ہوا ہے..... ایک دن وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی..... خانہ خیل کی باتیں ہو رہی تھیں..... وہ اپنے بچپن کے واقعات سنا رہی تھی کہ اچانک خاموش ہو گئی..... گفتگو درمیان ہی میں رہ گئی تھی، اس لئے میں نے کہا کہ صنوبر کیا بات ہے خاموش کیوں ہو گئیں تو جانتے ہو وہ کیا بولی؟"۔

"کیا بولی؟" علی داراب نے سوال کیا۔

"اس کے چہرے پر ایک عجیب سی وحشت چھا گئی کہنے لگیں..... خانہ خیل میرے بچپن کی سرزمین تھی..... وہاں میرا بابا رہتا تھا..... وہاں میرے غلام رہتے تھے..... شاہ عالم نے مجھ سے میرا باپ چھین لیا اور جب میرا باپ اس دنیا میں نہ رہا تو دنیا میرے لئے تاریک

گئی..... میں تمہیں بتاؤں فروزاں بھابی..... میرے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہے..... مجھ پر زندگی حرام ہو گئی ہے..... کھانے پینے کو دل نہیں چاہتا..... بابا میرے سامنے آ کھڑا ہو جاتا ہے..... وہ مجھ سے کہتا ہے کہ صنوبر کاش تو میرا بیٹا ہوتی..... دیکھ! علی نواز نے کس طرح اپنے باپ کا انتقام مجھ سے لیا..... اگر میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو شاہ عالم سے میرا انتقام لیتا..... پھر وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی، میں شاہ عالم کو قتل کر دوں گی..... تم دیکھنا فروزاں بھابی ایک دن میں شاہ عالم کو ہلاک کر دوں گی..... یہ الفاظ اس نے مجھ سے کہے تھے علی داراب..... علی نواز تو شکار ہو گیا..... تم بھی اچھی طرح جانتے ہو اور میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ دودھ جو تھا وہ بابا جانی کے لئے تھا اور یہ بھی تمہارے علم میں ہے کہ وہ دودھ بابا جانی کو صنوبر نے دیا تھا اور یہ بھی تمہارے علم میں ہے اتفاقیہ طور پر بابا جانی نے وہ دودھ نہیں پیا تھا اور علی نواز نے وہ دودھ خود پی لیا تھا..... گویا وہ واقعہ صرف اتفاقی تھا لیکن اصل میں بابا جانی کو قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی"۔

"فروزاں دیکھو بکواس کر رہی ہو کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو؟"۔

"دیکھو! اس لئے میں نے اب تک اپنی زبان بند رکھی تھی کہ میری بات کو بکواس قرار دیا جائے گا..... ارے میں اس شخص کی بہو ہوں جس نے اپنے بیٹے کو میری زندگی میں شامل کیا..... میں یہ نہیں کہتی کہ بابا جانی سے محبت کرتی ہوں لیکن بہر حال وہ میرے بزرگ ہیں..... میں ان کی بہتری کی خواہاں ہوں..... میں تو صرف اس لئے تم پر انکشاف کر رہی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ صنوبر اپنا پہلا وار خالی جاتے دیکھ کر ان پر دوسرا وار کرے..... وہ اب اپنے شوہر سے بھی محروم ہو گئی ہے..... انتقام کی آگ اس کے دل میں کتنی شدید ہو گئی ہو گی..... اس کا تصور تم بھی کر سکتے ہو اور میں بھی کر سکتی ہوں..... کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے بلی بھاگ نہیں جاتی علی داراب..... میں نے یہ انکشاف تم پر کر دیا ہے..... یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تم سے بے وفائی کی..... یا میں نے بھی بابا جانی کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہ لی..... اس سے پہلے کہ کوئی اور واقعہ ہو جائے جو مناسب سمجھو قدم اٹھا لو، ورنہ ہم بابا جانی

سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے"۔

علی داراب شدت پریشانی سے دیوانہ ہو گیا..... اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا اور کہنے لگا

"فروزاں..... یہ بات تم جھوٹ تو نہیں کہہ رہیں؟"۔

"مجھ سے جو قسم چاہے لے لو..... میں ہر طرح کی قسم کھاتی ہوں..... بھلا جھوٹ کا ... کیا سوال ہے"۔

"اوہ میرے خدا! میرے خدا..... یہ بات پہلے ہی پتہ چل چکی ہے کہ دودھ میں ... غلام خیر چاچا نے ڈالی تھی..... ورنہ درحقیقت یہ سارا مسئلہ اس انداز میں نہیں ہوا تھا، مگر ... کیا کروں! کیا کرنا چاہئے مجھے..... آہ یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو..... وہ بابا جانی پر دوسرا وار ضرور کرے گی..... ضرور کرے گی وہ دوسرا وار..... وہ تو ناگن نکلی..... میں تو یہ سوچ بھی نہیں ... تھا کہ یہ معصوم چہرے والی اس قدر خوفناک ثابت ہو گی، لیکن..... لیکن اسے زہر کہاں سے حاصل ہوا؟" آخر اس نے اتنا خطرناک زہر کہاں سے حاصل کر لیا"۔

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے" فروزاں نے کہا..... علی داراب ٹہلتا رہا..... اس کی ... اس کی بے چینی نے اسے باز نہیں رہنے دیا..... اپنے کمرے سے نکل کر شاہ عامل کے کمرے کی طرف چل پڑا تھا..... شاہ عامل زلیخا کے ساتھ اپنے کمرے میں موجود تھا اور صنوبر اپنے کمرے میں تھی..... شاہ عامل اور زلیخا علی نواز کی باتیں ہی کر رہے تھے کہ علی داراب اندر داخل ہو گیا۔

"اگر بے وقت آیا ہوں تو معافی چاہتا ہوں بابا جانی"۔

"آؤ بیٹھو" شاہ عامل نے بھاری لہجے میں کہا۔

"بابا جانی ایک ایسی بات میرے علم میں آئی ہے جسے بیان کرتے ہوئے میری زبان لرزتی ہے، لیکن کہے بغیر بھی چارۂ کار نہیں ہے"۔

"کیوں..... کیا ہوا؟" شاہ عامل نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

علی داراب نے آگے بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر باپ کے قدموں ...

"بابا جانی آپ کی زندگی ہمیں اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے..... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم لوگ اپنے بکھیڑوں میں پڑ کر وہ خدمت نہیں سرانجام دے پاتے جو ہمیں دینی چاہئے، لیکن بابا جانی آپ کا سایہ ہمارے سروں پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

"تمہاری محبت ہے بیٹے، لیکن بہرحال زندگی کے دوسرے لوازمات بھی پورے کرنا ہوتے ہیں"۔

"بابا جانی..... کیا آپ سے میں وہ بات کہہ دوں جو میرے علم میں آئی ہے اور جس نے مجھے پریشانی سے پاگل کر دیا ہے"۔

"ایسی کیا بات ہے؟"۔

"بابا جانی یہ علی نواز کی موت سے ہی تعلق رکھتی ہے"۔

"کیا مطلب؟" اب شاہ عامل بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"بابا جانی آپ نے یہ غور نہیں کیا آخر علی نواز کو زہر دیا گیا تو کس نے دیا؟"۔

"بہت غور کیا ہے بیٹے..... لیکن کچھ باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں، ہم اس کے لئے بھی اتنے ہی پریشان ہیں"۔

"لیکن بابا جانی مجھ پر انکشاف ہو چکا ہے کہ زہر دینے والا کون ہے..... آہ کیا حادثہ ہوا ہے..... کیا سانحہ ہوا ہے..... وہ تو بابا جانی پولیس کی کارکردگی ایسی رہتی ہے، اگر انسپکٹر کسی لیبارٹری میں اس دودھ کا تجزیہ کرا لیتا تو ہم لوگوں کی گردن پھنس چکی ہوتی..... ہم اس وقت نہ جانے کس حال میں ہوتے..... ہم پر ایک انسان کے قتل کا مقدمہ چل رہا ہوتا..... اس وقت میں کس کی گردن پھنستی، کوئی نہیں جانتا"۔

"آخر تیرا مطلب کیا ہے علی داراب؟ کیا تجھے اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ دودھ میں زہر ملایا گیا"۔

"ہاں بابا جانی..... بدقسمتی سے، لیکن یہ انکشاف کرتے ہوئے شرط یہ ہے کہ آپ ... پر کوئی شبہ نہیں کریں گے"۔

"کیا بات ہے کیا کہنا چاہتا ہے؟ تجھے خدا کا واسطہ تو نے جو کہنا ہے جلد کہہ..... کیوں مجھے خلجان کا شکار کر دیا ہے" شاہ عالم نے پریشان لہجے میں کہا۔

"بابا جانی وہ زہر صنوبر نے دودھ میں ملایا تھا" علی داراب نے الفاظ چباتے ہوئے کہا اور شاہ عالم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا..... وہ کرخت نگاہوں سے علی داراب کو دیکھنے لگا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اس بات کا علم تجھے کیسے ہوا؟"۔

"بابا جانی..... صنوبر کے دل میں انتقام کی آگ روشن ہے..... اس کا خیال ہے کہ اس کے باپ کے قاتل ہم لوگ ہیں اور خاص طور سے آپ..... وہ اپنے باپ کے قتل کو نہیں بھول سکی"۔

"مگر اس کا باپ قتل کہاں ہوا تھا؟" زلیخا نے کہا۔

"اس نے آپ ہی کی وجہ سے موت کو گلے لگایا تھا"۔

"اور یہ انکشاف تجھ پر کیسے ہوا؟" شاہ عالم نے سرد لہجے میں کہا۔

"ایک دن صنوبر نے فروزاں سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی"۔

"فروزاں نے یہ بات تجھے بتائی ہے؟"۔

"ہاں"۔

"ہونہہ..... اچھا"۔

"بابا جانی میں اس خوف کا شکار ہوں کہ اپنی پہلی کوشش میں ناکام رہ کر وہ دوبارہ آپ پر حملہ آور نہ ہو"۔

"ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے" شاہ عالم نے آہستگی سے کہا۔

"تو پھر بابا جانی کیا کریں گے اس سلسلے میں؟"۔

"تمہارا کیا مشورہ ہے علی داراب؟" شاہ عالم نے سوال کیا۔

"بابا جانی میں آپ سے کیا کہہ سکتا ہوں..... اس بارے میں، لیکن اتنی خطرناک

عورت کو ہم اپنے درمیان رکھ تو نہیں سکتے..... علی نواز تو اس دنیا سے ہی چلا گیا..... وہ اپنی موت کا شکار ہو گیا، لیکن اس عورت کو بھی یہاں سے چلے جانا چاہئے"۔

"مجھے سوچنا پڑے گا..... علی داراب مجھے سوچنا پڑے گا..... ایسا کرو کہ ابھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر جاؤ..... کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا اور فروزاں کو بھی منع کر دینا"۔

"جی بابا جانی..... میں ایسا ہی کروں گا، لیکن آپ اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ کیجئے۔ مجھے ہر قیمت پر آپ کی زندگی درکار ہے" شاہ عالم نے رخ تبدیل کیا اور گردن ہلا دی۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد علی داراب کمرے سے نکل گیا..... زلیخا پتھرائی ہوئی کھڑی تھی۔ شاہ عالم بھی رخ بدلے ہوئے کھڑا تھا..... اس کے چہرے کے تاثرات سے کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا..... کچھ دیر کے بعد اس نے زلیخا کی جانب رخ کیا..... اسے غور سے دیکھا، پھر آہستہ سے بولا: "زلیخا تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"۔

"مجھ سے میرا خیال نہ پوچھو شاہ..... میں اپنا خیال نہ بتا سکوں گی" زلیخا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک کرسی پر آ بیٹھی۔

شاہ عالم اس کے قریب آیا، پھر اس نے آہستہ سے کہا..... "زلیخا میں نے اور تم نے زندگی اس طرح گزاری ہے، میرے خیال میں وہ ایک مثالی زندگی ہے، لیکن وقت شاید اس بات کا تقاضہ کر رہا ہے..... اب ہمارے درمیان وہ چیز باقی نہیں رہی۔

"میرے اور تمہارے درمیان شاہ عالم؟" زلیخا نے تعجب بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے"۔

"میری اور تمہاری کیا بات ہے؟"۔

"نکل سکتی ہے..... زلیخا نکل سکتی ہے"۔

"مجھے بتاؤ گے نہیں شاہ عالم؟" زلیخا نے سوال کیا اور شاہ عالم خاموش ہو گیا..... پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا" بتا دوں گا..... بتا دوں گا"۔

❁ ❁ ❁

دوسرے دن شاہ عالم نے غلام خیر کو طلب کر لیا..... لڑکے اپنے اپنے کاموں پر نکل گئے تھے..... بہوئیں اپنے اپنے کمروں میں تھیں..... غلام خیر شاہ عالم کے پاس پہنچا تو شاہ عالم نے اسے ساتھ لیا اور ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں ان دونوں کی گفتگو کوئی بھی نہ سن سکے..... غلام خیر نے کہا: کیا بات ہے شاہ عالم..... کچھ الجھے ہوئے سے لگ رہے ہو؟"۔

"ہاں غلام خیر انسان سوچتا کچھ ہے اور ہو کچھ جاتا ہے..... میں نے ساری زندگی جس انداز میں گزاری ہے غلام خیر، تم اس سے بخوبی واقف ہو..... اپنی اولاد کو اپنی زندگی کا محور بنا لیا تھا..... اپنی ہر خوشی ہر فکر اس کے لئے مخصوص کر دی تھی اور یہ بھی سوچا تھا کہ جب میں اپنے فرائض سے فارغ ہو جاؤں گا تو سکون سے زندگی گزاروں گا، لیکن انسان کی سوچیں بے اثر اور بے مقصد ہوتی ہیں..... شاید الجھنیں تو زندگی کی آخری سانس تک پیچھا نہ چھوڑیں..... وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جو اس دنیا سے چلے جاتے ہیں کسی بھی طرح کسی واقعے سے، کسی حادثے کے تحت، کم از کم الجھنوں سے تو نجات مل جاتی ہے انہیں اور وہ جن کی تقدیر میں الجھنیں ہی لکھ دی گئی ہوں؟"۔

"خیر تمہارے اس غم کو تو میں زندگی بھر نہیں بانٹ سکتا..... اگر کوئی ایسی الجھن ہے جس کے لئے میں تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں تو مجھے بتاؤ شاہ عالم" قابل فخر دوست نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"غلام خیر رات کو علی داراب میرے پاس آیا تھا اور اس نے اپنی بیوی کے حوالے سے

ایک عجیب انکشاف کیا"۔

"کیا؟" غلام خیر نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ صنوبر نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے مجھے دودھ میں زہر شامل کر کے دیا اور یہ قسمتی سے میرے بجائے علی نواز نے دودھ پی لیا..... علی داراب کی بیوی کا یہ کہنا ہے کہ صنوبر اپنے دل میں میرے لئے انتقام کا جذبہ رکھتی ہے اور اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار مجھے سمجھتی ہے..... میری ہی وجہ سے زمان ملنگی نے اپنے آپ کو ہلاک کیا..... علی داراب کا کہنا ہے کہ مستقبل میں بھی وہ مجھ پر وار کر سکتی ہے..... غلام خیر اس انکشاف نے مجھے بری طرح پریشان کر دیا ہے..... میں تم سے اس بارے میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں"۔

غلام خیر کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہو گیا تھا..... اس نے چند لمحے شاہ عالم کا چہرہ دیکھا پھر بولا: "تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے شاہ عالم؟"۔

"میں اپنی رائے تو تمہیں بعد میں بتاؤں گا..... غلام خیر تم سے اس بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں..... تم میرے بہترین دوست اور جہاندیدہ انسان ہو..... مجھے بتاؤ اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟"۔

"جو میں کہوں گا برداشت کر سکو گے شاہ عالم" غلام خیر نے کہا۔

"ہاں میں برداشت کروں گا"۔

"تو پھر سنو شاہ عالم! میں تمہارا غلام نہیں ہوں..... صرف دوست ہوں اور دوست ہونے سے پہلے ایک انسان ہوں اور انسان ہونے کے ناطے اپنے معبود سے ڈرتا ہوں اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا..... شاہ عالم تمہارے یہ بیٹے اور تمہاری یہ بہوئیں اس زمین کا بوجھ ہیں..... وہ اتنے بدفطرت اور کمینے ہیں کہ شاید ان کی مثال ملنی مشکل ہو جائے..... تم نے مجھے جہاندیدہ کہا ہے تو سنو! میں بھی آنکھ رکھتا ہوں..... دیکھتا بھی ہوں..... سوچتا بھی ہوں..... تمہارے وہ تینوں بیٹے اور ان کی دلہنیں علی نواز اور صنوبر سے بے پناہ جلتے تھے

کی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے یہ کبھی نہیں کہہ سکا کہ ان معصوم پھولوں کو ان جہنمی سانپوں سے دور کر دو، ورنہ یہ اپنی زہریلی سانسوں سے انہیں ہلاک کر دیں گے...... شاہ عالم میری یہی رائے ہے ان کے بارے میں...... وہ تو تقدیر نے تمہارا ساتھ دیا اور میرے ذہن میں چھپکلی والی بات آ گئی اور یہ بھی بہتر ہوا کہ اس پولیس آفیسر نے اس سلسلے میں زیادہ چھان بین نہیں کی...... ہم تو اسے خدا کی مدد ہی کہہ سکتے ہیں، ورنہ اگر تحقیقات ہو جاتیں تو شاہ عالم نہ جانے کیا ہوتا...... شاید وہ لوگ یہی چاہتے تھے کہ صنوبر اس جرم میں پھنس جائے...... ذرا صنوبر سے معلومات تو حاصل کرو...... اس سے پوچھو تو سہی کہ دودھ کس طرح اس تک پہنچا...... تم پر بہت سی حقیقتیں واضح ہو جائیں گی...... یہ بات میں تم سے پہلے بھی کہہ سکتا تھا، لیکن دوست ہوں تمہارا...... کسی عذاب میں گرفتار نہیں کرنا چاہتا تھا تمہیں...... لیکن اگر میرے دل کی بات پوچھتے ہو تو جاؤ شاہ عالم تحقیقات کرو...... حقیقتیں کھل جائیں گی، جہاں تک بات رہی اس بچی کی تو ظاہر ہے وہ ایک لاوارث بچی ہے...... تم لوگ جو تمہارا دل چاہے اس کے ساتھ سلوک کر سکتے ہو...... پھنسا دو اس کم بخت کو...... علی نواز کے قتل کے الزام میں جیل ہو جائے گی یا سزائے موت ہو جائے گی...... ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے...... زندگیاں اس طرح بھی گزرتی ہیں اور کبھی کبھی باپ کا گناہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے...... زمان ملنگی نے بہت سوں کی آہیں لی ہوں گی...... اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ایک قدرتی عمل تھا، لیکن شاید قدرت کا انتقام یا اس کی دی ہوئی سزا ابھی پوری نہیں ہوئی...... اب وہ سزا اس کی بیٹی کو ملنے والی ہے...... ٹھیک ہے...... ظاہر ہے تمہارے بیٹوں نے اور تمہاری لاڈلی بہوؤں نے یہ انکشاف کیا ہے، چنانچہ سچ ہی ہو گا اور واقعی وہ ناگن اب تمہیں ڈسنے کے لئے پکار رہی ہے...... جلدی سے کچھ کرو شاہ عالم!" غلام خیر شدت جوش میں کہہ رہا تھا...... اس کے چہرے پر غلام خیر کے الفاظ سے کسی قسم کا غصہ پیدا نہیں ہوا تھا...... غلام خیر جب دل کی بھڑاس نکال چکا تو شاہ عالم نے کہا: "تو ہمیں اب کیا کرنا چاہئے غلام خیر...... مشورہ تو دو مجھے؟"۔

غلام خیر نے چونک کر شاہ عالم کو دیکھا...... وہ تو سوچ رہا تھا کہ اس کے ان الفاظ پر شاہ

عالم غصے سے آگ بگولہ ہو چکا ہو گا اور اب اس کی زبان سے تلخ الفاظ نکلیں گے، لیکن شاہ عالم کا چہرہ نرم تھا اور اس میں دوستی کی جھلکیاں تھیں۔

غلام خیر نے کہا: میں کچھ نہیں کہہ سکتا شاہ عالم...... تمہارے معاملات میں جتنا دخل انداز ہو چکا ہوں میرے خیال میں وہ بھی بہت زیادہ ہے...... کسی کو کسی کے معاملات میں اس قدر مداخلت نہیں کرنی چاہئے مگر تم سے معافی نہیں مانگوں گا اپنے الفاظ کے لئے...... جو کچھ تمہارے بیٹوں کے سلسلے میں کہہ چکا ہوں۔

"میں نے تیری دوستی پر ہمیشہ فخر کیا ہے غلام خیر اور تیرے ہر لفظ پر ہمیشہ اعتماد کیا ہے...... پتہ نہیں میں نے ایسی کون سی بات کہی جس سے تو مجھ سے ناراض ہو گیا" شاہ عالم مدھم لہجے میں بولا۔

غلام خیر نے شاہ عالم کی صورت دیکھی اور کہا: "تو سب سے پہلے مجھے اپنے خیالات سے آگاہ کر...... کیا زمان ملنگی کی بیٹی یہ سازش کر سکتی ہے...... یہ کوشش کر سکتی ہے وہ؟"۔

"غلام خیر جس طرح مجھے اپنے اللہ پر ایمان ہے، اسی طرح میں پورے ایمان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ معصوم بچی موم کے ڈھیر کی مانند ہے...... سادہ لوح اور کوئی بھی بری بات نہ سوچنے والی...... میں نے تو بڑی جرات اور ہمت سے کام لیا ہے کہ علی داراب کی اس بات کو پی گیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرا دل چاہا تھا کہ میں اس کو گولی مار دوں...... وہ بدبخت اپنی بیوی کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اور اگر اس عورت نے ایسا کہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس سلسلے میں براہ راست ملوث ہے...... ارے میں تو روز اول ہی سے اس بات سے آگاہ ہو گیا تھا کہ یہ تینوں بدنصیب اپنے بھائی سے خوش نہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں، لیکن اس بات کی امید نہیں تھی...... غلام خیر اگر میں چاہوں تو اس سلسلے کی پوری تفتیش کرا کر اصل مجرم کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا ہوں، لیکن میں کیا کروں وہ کم بخت بیٹے ہیں...... یہ الگ بات ہے غلام خیر کہ اب میں صنوبر کو ان کے سائے سے بھی بچانا چاہتا ہوں"...

"علی نواز اس دنیا سے چلا گیا، شاہ عامل ..... لیکن قدرت کے کھیل عجیب ہوتے ہیں..... وہ اپنی نشانی چھوڑ گیا ہے..... شاید اللہ یہ چاہتا ہے کہ ہم بھی تو اپنا فرض پورا کریں"۔

"تو پھر سنو غلام خیر! یوں کرو کہ فوری طور پر اس مکان کو آراستہ کرلو..... ہمارا چلے جانا بہت ضروری ہے یہاں سے..... میں اب ایک لمحے بھی یہاں رہنا نہیں چاہتا"۔

"کیا ان لوگوں کو اس خیال سے آگاہ کرو گے؟"۔

"بالکل نہیں..... بس میں نے جو تم سے کہا"۔

"لیکن عین وقت پر یہ لوگ اپنی سی کوششیں کریں گے"۔

"وہ بے چارے کیا کر سکتے ہیں..... وہ تو خود وقت کے غلام ہیں..... کچھ بھی نہیں کر پائیں گے اور پھر میرا نام شاہ عامل ہے..... بہت الٹ پھیر دیکھے ہیں میں نے زندگی کے..... بھول کر بھی نہ سوچو کہ وہ کچھ بگاڑ سکیں گے"۔

"میں بگاڑنے کی بات نہیں کر رہا..... ظاہر ہے وہ تمہاری منت سماجت کریں گے"۔

"اس وقت میں جو ان لوگوں سے کہوں گا وہ ان لوگوں کی زبانیں بند کر دے گا" شاہ عامل نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تو پھر میں جا رہا ہوں..... تم کب تک وہاں پہنچ جاؤ گے؟"۔

"آج ہی..... آج ہی رات تک..... تم وہاں تمام انتظامات کرلو غلام خیر اور یہ تھوڑی سی رقم رکھ لو..... ضروریات تو پیش آتی رہتی ہیں"۔

"ٹھیک ہے مگر میرے پاس بھی بہت کچھ ہے اور اس کا کوئی مصرف نہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ ہے پہلے علی نواز کے لئے تھا اور اب اس کی اولاد کے لئے ہوگا"۔

"جاؤ غلام خیر..... ہمیں اپنا کام سرانجام دے دینا چاہئے"۔

غلام خیر چلا گیا..... پھر دوپہر کے کھانے کے بعد شاہ عامل نے اپنے طور پر تیاریاں شروع کر دیں..... وہ یہاں سے کوئی خاص چیز نہیں لے کر جانا چاہتا تھا..... اول تو زمان ملنگی نے اپنی بیٹی کے لئے جو گھر آراستہ کرایا تھا، اس میں دنیا کی ہر شے موجود تھی..... کسی چیز کی

...نہیں تھی، لیکن کسی بھی طرح کی کمی شاہ عامل اپنے طور پر بھی پوری کر سکتا تھا اور پھر ...کے ذرائع آمدن خاصے بڑھ گئے تھے..... خانہ خیل میں جو کام ہو رہا تھا، اس کی آمدنی بھی برابر آ رہی تھی..... پھر زمان ملنگی سب کا سب کچھ واپس کرنے کے بعد ...چھوڑ گیا تھا وہ بھی صنوبر ہی کی ملکیت تھا، چنانچہ ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے ...کا سامنا کرنا پڑے..... یہ تمام تیاریاں خفیہ طور پر کی گئیں..... شاہ عامل نے زلیخا کو ...میں کچھ نہیں بتایا تھا..... پھر جب شام کو تمام بچے واپس آ گئے تو شاہ عامل نے ...اپنی خاص نشست گاہ میں طلب کر لیا..... اس نے حکم دیا تھا کہ تینوں بیٹوں کی بیویاں ...کے پاس پہنچ جائیں، چونکہ علی داراب یہ بات شاہ عامل کے کانوں میں ڈال چکا تھا اس ...کے ذہن میں تجسس پیدا ہوا کہ طلبی اسی سلسلے میں ہے اس نے باپ کے کمرے کی ...جاتے ہوئے فروزاں سے کہا: "تم پوری صاف گوئی کے ساتھ..... بابا جانی جو کچھ ...پوچھیں گے بتا دینا"۔

"ٹھیک ہے" فروزاں گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

بہرحال جرم تو جرم ہی ہوتا ہے اور کسی نہ کسی شکل میں سامنے آتا ہے..... جب سب ...کمرے میں جمع ہو گئے تو شاہ عامل نے کہا: "دروازہ بند کر دو زلیخا"۔

"کیا میں صنوبر کو بھی طلب کراوں؟"۔

"ابھی نہیں..... اسے اس وقت بلانا جب میں خود کہوں" شاہ عامل نے کہا۔

سب لوگوں کے چہروں پر تجسس رقصاں تھا..... زلیخا نے دروازہ بند کر دیا تو شاہ عامل ...بولا

"علی ضیغم تم میرے سب سے بڑے بیٹے ہو..... علی شاد، تم دوسرے نمبر پر ہو..... ...نمبر پر جو تم ہمارے درمیان تھا وہ مٹایا گیا ہے..... علی داراب اب تم بھی موجود ہو ...کبھی" شاہ عامل نے بہوؤں کی طرف دیکھ کر کہا..... پھر بولا "علی ضیغم! کیا تم ...اسے جو علی داراب نے مجھے بتائی؟"۔

"نہیں بابا جانی، کوئی ایسی بات تھی؟"۔

"گویا علی داراب نے تمہیں بھی وہ حقیقت نہیں بتائی؟"۔

"نہیں بابا جانی..... بات چونکہ اتنی سنسنی خیز تھی کہ پہلے میں اسے آپ کے کانوں تک پہنچانا چاہتا تھا اور آپ کی ہدایت کے مطابق بعد میں کسی اور کے کانوں تک..... میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے اپنے بھائیوں پر پورا اعتماد ہے، لیکن وہی بات کہ مسئلہ بڑا مشکل تھا..... زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی ہوتی ہے..... پتا نہیں اس کے کیا نتائج ہوتے"۔

"ہونہہ..... تم اپنے بھائیوں کو تمام صورت حال بتاؤ"۔

"کیا بات ہے علی داراب..... یہ کیا سنسنی خیز فضا پیدا کر دی ہے تم نے..... ہم لوگ ویسے ہی الجھنوں کا شکار ہیں..... کیا بات ہے، براہ کرم مجھے بتاؤ..... ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے بابا جانی نے ہم سب کو اس طرح طلب کر لیا ہے" علی داراب نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بات تو آپ کو معلوم ہے بھائی ضیغم کہ دودھ میں پڑی ہوئی چھپکلی چچا غلام خیر نے دودھ میں ڈالی تھی اور بہت بڑا کام کیا تھا انہوں نے..... پولیس کو کم از کم دوسرے راستوں پر ڈال دیا تھا، ورنہ آپ کو پتا ہے کہ پولیس تفتیش کرتی اور یہ بھی اتفاق ہے کہ پولیس آفیسر بھی کوئی سیدھا سادہ یا پھر دوسرے معنوں میں کاہل آدمی تھا، جس نے اس سلسلے میں مزید تحقیقات نہ کیں..... گلاس میں پائے جانے والے دودھ اور چھپکلی کے زہر کا تجزیہ کیا جاتا تو صاف پتہ چل جاتا کہ گلاس میں دودھ اور ہے اور دیگچی کا دودھ اور..... اس زہر کا آپس میں کوئی تعلق نہیں..... جب یہ بات سامنے آ گئی تو یہ سوال ہمارے ذہنوں میں پیدا ہونا ضروری تھا کہ زہر آخر کس نے اور کیوں دیا۔

میرا بھائی علی نواز..... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سے دور رہا تھا، لیکن خون تو تھا وہ ہمارا میرے دل میں اس کا غم تھا بعد میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر اسے زہر دینے والا کون ہے۔ لیکن چونکہ بابا جانی کی طرف سے اس کا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا..... اس لئے میں نے ابھی تک خاموشی اختیار کر رکھی تھی لیکن فروزاں نے مجھ پر ایک عجیب انکشاف کیا"

فروزاں کی تمام باتیں سننے کے بعد یہ بات میرے علم میں آ گئی کہ اصل واقعہ یہ ہے"۔

"کیا مطلب؟" علی ضیغم نے چونک کر کہا۔

"فروزاں نے مجھے بتایا کہ ایک بار صنوبر نے نہایت طیش کے عالم میں یہ بات کہی۔ ان کے باپ کی موت کی وجہ بابا جانی ہیں..... وہ اپنے باپ کی موت کا انتقام لے گی..... فروزاں یہ بات سن کر خاموش ہو گئی، لیکن بعد میں جو ہوا ہم سب کے سامنے ہے..... وہ دودھ اصل میں صنوبر لائی تھی اور بابا جانی کے لئے لائی تھی..... وہ ہمارے بابا جانی کو ہلاک کرنا چاہتی تھی، لیکن بد قسمتی سے اس کا کام الٹا ہو گیا اور دودھ علی نواز نے پی لیا..... "یہ بات بالکل صاف ہے کہ یہ کام صنوبر نے کیا"۔

علی ضیغم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا..... علی شاد بھی سانپ کی طرح بل کھانے لگا..... اس نے کہا: "اوہ..... یہ تو ایک ایسی مذموم سازش ہے جسے کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جا سکتا..... علی نواز بھی ہمارے لئے اتنا ہی قیمتی تھا جتنے بابا جانی لیکن ہم اپنے سروں پر ہر قیمت پر باپ کا سایہ چاہتے ہیں..... یہ تو بہت ہی غلط بات ہوئی..... بہت بری بات"۔

"پھر اب بتاؤ..... ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"۔

"پوچھئے بابا جانی..... پوچھئے اس سے..... معلومات کیجئے..... فیصلہ کرنا ہو گا آپ کو..... فیصلہ کرنا ہو گا بابا جانی"۔

"زلیخا..... صنوبر کو بلا کر لاؤ"۔

"ٹھیک ہے" زلیخا اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور کچھ لمحوں کے بعد صنوبر کے ساتھ واپس آ گئی۔

شاہ عالم نے صنوبر کو دیکھتے ہوئے کہا: "صنوبر! پورے ہوش و حواس کے عالم میں اپنی وحشت کو جمع کر کے کہو کہ اس دن تم نے دودھ دیگچی سے نکالا تھا جب ہمارا علی نواز ہم سے رخصت ہوا؟"۔

صنوبر نے شاہ عالم کو اور باقی سب لوگوں کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی "نہیں بابا جانی"۔

"پھر دودھ کا گلاس تم لے کر کیوں آئی تھیں؟"۔

"باباجانی میں وہاں سے گزر رہی تھی کہ فروزاں بھابی نے مجھے دودھ دیتے ہوئے کہا کہ میں اسے آپ کو پہنچادوں...... میں چونکہ آپ ہی کی طرف آرہی تھی اس لئے دودھ لے کر آپ کے کمرے میں داخل ہوگئی"۔

"مم...... میں نے...... میں نے کہاں دیا تھا تمہیں دودھ!" فروزاں نے کہا۔

"بس زلیخا...... صنوبر کو اس کے کمرے میں چھوڑ آؤ" شاہ عامل نے کہا۔

"مگر باباجانی...... یہ بات تو صاف کر دیجئے...... یہ تو بالکل جھوٹ بول رہی ہے"۔

صنوبر نے کوئی جواب نہیں دیا...... خاموشی سے ایک ایک کی صورت دیکھتی رہی۔

زلیخا نے کہا...... "آؤ بیٹی!"۔

"مم...... مگر مجھے دودھ فروزاں بھابی نے ہی دیا تھا...... شاید انہیں یاد نہ آرہا ہو"۔

"ٹھیک ہے تم آؤ" زلیخا نے کہا اور صنوبر کو لے کر کمرے سے باہر نکل گئی...... پھر شاہ عامل زلیخا کی واپسی تک خاموش رہا...... جب وہ واپس آئی تو اس نے کہا: "دروازہ بند کرلو زلیخا۔

زلیخا نے دروازہ بند کر دیا...... تب شاہ عامل نے کہا: "پہلی بات تو یہ ہے کہ دودھ میرے لئے اس سے پہلے کبھی صنوبر نہیں لے کر آئی...... کیا کسی کی یادداشت میں یہ بات ہے...... زیادہ تر مجھے نسرین...... زلیخا یا پھر فروزاں دودھ دیتی رہی ہے...... زلیخا کیا تم اس بات کی گواہی دوگی؟ کیا اس سے پہلے کبھی صنوبر دودھ لے کر آئی؟"۔

"کبھی نہیں"۔

"مگر باباجانی...... یہ کوئی ایسی بات نہیں...... وہ بھی اس گھر کی بہو ہے"۔

وہ یہ کام کر سکتی تھی اور اس نے منصوبے کے مطابق یہ کیا۔

"فروزاں نے اگر اس کی زبانی یہ بات سنی تھی تو علی داراب کیا اس سے پہلے کبھی اس نے تم سے اس کا تذکرہ نہیں کیا؟"۔

علی داراب آہستہ سے بولا "نہیں باباجانی کبھی نہیں۔

"مم...... مگر میں نے...... میں نے" فروزاں ہکلا رہی تھی۔

شاہ عامل نے اسے دیکھ کر ملامت آمیز لہجے میں کہا: "یہ بات تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ تم ...ے کس کو کس سے دشمنی ہے...... کون کس کے لئے کیا کرنا چاہتا تھا...... حکم ہے کہ جب ...ی کی بات کا واضح ثبوت نہ ہو، کسی کو الزام نہ لگاؤ...... میں ایسا نہیں کر رہا لیکن اتنا میں جانتا ...وں کہ تم میں سے ہر شخص علی نواز کا دشمن تھا...... اس کی بیوی کا دشمن ہے اور یہ بات بھی ...اس طرح سے جانتا ہوں جس طرح مجھے اپنے خدا پر یقین اور اعتماد ہے کہ صنوبر ایک ...صوم اور بے گناہ لڑکی ہے...... خدا کی قسم اگر کبھی کوئی میری گردن پر تلوار بھی رکھ دے اور ...ے یہ کہلوانا چاہے کہ صنوبر کسی بھی طرح غلط قدم اٹھا سکتی ہے تو گردن کٹوالوں گا...... یہ ...وہ اپنی زبان سے نہیں کہوں گا...... مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ یہاں میرے گھر میں اس لڑکی ...ے دشمن سانس لے رہے ہیں...... زمان ملنگی اس دنیا سے رخصت ہو گیا، لیکن اسے اتنا اعتماد ...ضرور ہوگا کہ اس کا داماد اس کی بیٹی کی صحیح نگہداشت کر سکے گا...... علی نواز اس دنیا سے چلا گیا ...لیکن اس کی روح کو یہ اطمینان ضرور ہوگا کہ اس کا باپ زندہ ہے...... وہ اس کی نسلوں کی ...حفاظت کرے گا...... معبود کریم مجھے استقامت بخشنا...... مجھے حوصلہ دینا کہ میں علی نواز کی ...اولاد کو پروان چڑھا سکوں...... علی ضیغم...... علی شاد اور علی داراب تم میں سے کوئی بھی ...میرے لئے علی نواز سے کم نہیں تھا، لیکن قربانی دینے والا مقام اونچا کر گیا...... بس مجھے تم ...سے یہی کہنا تھا...... اگر فروزاں نے یہ عمل کیا ہے تو میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ میرا معبود ...اسے سزا دے...... یا کسی اور نے یہ عمل کیا ہے تو اسے سزا دی جائے...... یہ معاملہ میں نے ...اپنے اور اللہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے...... بس میرا اور تمہارا اتنا ہی ساتھ تھا...... زلیخا کو ...اختیار ہے کہ اپنے تینوں بیٹوں کا ساتھ قبول کرے یا میرے ساتھ اس گھر میں چلے جو زمان ...ملنگی نے اپنی بیٹی کو دیا تھا...... میں اب سے کچھ دیر بعد یہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں"۔

"مگر باباجانی! ایسا کیسے ہو سکتا ہے"۔

"...تم تینوں کے ساتھ میں نہیں رہ سکتا" علی ضیغم اور نہ کوئی لفظ ادا کرو جو مجھے روکنے ...کے لئے ہو...... فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے میں نے...... اللہ کے بعد اس بچی کی حفاظت

مجھے سوجھی ہے "پھر اس کے بعد تینوں بیٹے باتیں کرتے رہے..... باپ کو سمجھاتے رہے،

لیکن شاہ عامل نے کہا۔

"میں نے تمہاری بکواس کی طرف سے کان بند کر لئے ہیں..... ظاہر ہے مجھے وہی کرنا

ہے جو میں سوچ چکا ہوں..... زلیخا تم نے کیا فیصلہ کیا؟"۔

"شاہ عامل! تم میرے شوہر ہو..... پہلے میں نے تمہارا چہرہ دیکھا..... اس کے بعد اس

اولاد کا..... جب تک میری سانس میں سانس ہے اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی عطا کرے تمہاری

خدمت ہی میرا ایمان ہے"۔

"تو پھر چلو"۔

بیٹے بہت دیر تک دہائیاں دیتے رہے..... نہ جانے کیا کیا کہتے رہے..... علی داراب کی

نگاہیں فروزاں پر پڑ رہی تھیں اور نہ جانے کیوں اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ

فروزاں کے چہرے پر جرم چسپاں ہے، لیکن یہ مرحلہ ایسا نہیں تھا کہ اس سلسلے میں کوئی بات

ہو سکے..... پھر علی داراب اور اس کے دونوں بھائی باہر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد شاہ

عامل، زلیخا اور صنوبر کو لے کر اس گھر سے باہر نکل گیا، سب سناٹے میں تھے..... نسرین، عالیہ

شاد عجیب سی نگاہوں سے فروزاں کو دیکھ رہی تھیں اور فروزاں کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

UPLOAD BY SALIMSALKHAN

معصومہ گل نے پہلے بھی دنیا کے لئے بے ضرر تھی اور اب بھی اس کی یہی کیفیت

وہاں سے منتقل ہو کر اپنے گھر میں آ گئی تھی لیکن اس نے کسی سے کوئی سوال نہیں کیا

وہ تو بس اپنے غم میں ڈوبی ہوئی تھی..... علی نواز کے ساتھ گزارا ہوا ہر لمحہ اس کی

یادوں میں گردش کرتا رہتا تھا اور زیادہ تر وہ علی نواز کے خیال میں ہی کھوئی رہتی تھی، لیکن

عامل نے دوسرے گھر میں آتے ہی اپنے اندر نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں..... فرض کا شدید

احساس اس کے وجود میں توانائی بن گیا..... غلام خیر تو ایک ایسا ساتھی تھا جس پر ہزاروں

جانیں نچھاور کی جا سکتی تھیں..... اتنا سچا، اتنا مخلص، اتنا وفادار کہ اس نے اپنی تمام زندگی

شاہ عامل کے معاملات میں صرف کر دی تھی..... شاہ عامل نے گھر آ کر دیکھا غلام خیر نے

ہر چیز کو بہتر حالت میں کر دیا ہے..... یہاں تک کہ اس نے نہایت ہی مختصر وقت میں

رہنے سہنے کے سامان اور دوسری تمام چیزوں کا بھی انتہائی معقول بندوبست کر دیا تھا..... شاہ

عامل بڑے اعتماد کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا، چنانچہ

اس نے غلام خیر سے کہا۔

"غلام خیر..... اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہم ایک بہتر زندگی گزارنے میں کوئی مشکل

محسوس نہیں کریں گے..... یہاں فوری طور پر کچھ ملازموں کا بندوبست کرو تاکہ گھر کے کام

سنبھالے جا سکیں..... اس کے علاوہ زندگی کا تھوڑا سا انداز بدلو..... وہاں تو میں نے اپنا

سب کچھ بیٹوں کے سپرد کر دیا ہے اور اب وہ مجھ سے کسی شے کے حق دار نہیں ہیں.....

علی نواز میرے سپرد ایک ذمہ داری کر گیا ہے..... اب یہ بات کہنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی کیونکہ میرے بیٹے کے قاتل اس گھر میں موجود ہیں لیکن چونکہ میں نے اپنا سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے اس لئے اب میں اس طرف توجہ نہیں دوں گا، تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے غلام خیر کہ ملازموں کا بندوبست کیا جائے..... زندگی کی ضروریات پوری کی جائیں..... مثلاً ایک کار خرید لی جائے، اس کے لئے ڈرائیور ملازم رکھ لیا جائے ہم یہ سب کچھ خرید سکتے ہیں"۔

"میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عالم یہ سب کچھ واقعی بہت ضروری ہے..... ہمارے ساتھ صرف ایک بچی کو پالنے کا مسئلہ نہیں، بلکہ اس نئے وجود کی آمد بھی ہے جو بہر حال علی نواز کا نعم البدل ہوگا..... یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہے..... ہمیں بچی کو پروان چڑھانا پڑے گا یا ایک ننھے سے بچے کی پرورش کرنی ہوگی"۔

"ہاں یہ سب اللہ کی دین ہے غلام خیر اور جب اس کے معاملات وہ خود ہی جانتا ہے تو ہمیں اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے"۔

"ٹھیک ہے میں کل سے سرگرداں ہو جاتا ہوں اور اس سلسلے میں تمام کارروائی کر لیتا ہوں"۔

صنوبر کو ایک محفوظ کمرہ دیا گیا تھا..... زلیخا ہر لمحہ اس کے ساتھ تھی..... حالانکہ بیٹوں کو چھوڑ آئی تھی، لیکن پیشانی شکن آلود نہیں تھی کیونکہ جانتی تھی کہ یہ شوہر کا حکم ہے اس کے علاوہ علی نواز کے لئے اس کے دل میں جو مقام تھا وہ بالکل مختلف ہی تھا..... یہ وہ بچہ تھا جو اس کی ماتا سے محروم رہا تھا..... اس نے زندگی کے بیس برس ماں سے دور رہ کر گزارے تھے..... بیس برسوں میں اور اب جبکہ تمام مسئلے حل ہو گئے تھے تو علی نواز کو اس سے چھین لیا گیا تھا اور اس کے ذمہ دار بیٹے اور بہوئیں ہی تھے زلیخا کو اچھی طرح علم ہو چکا تھا، لیکن بہر حال ماں تھی، ماں کا دکھ اپنی جگہ! شاہ عالم نے خود ہی اسے محسوس کیا اور کہا:

"اگر وہ لوگ تم سے اور مجھ سے ملنے آئیں گے تو میں انہیں انکار نہیں کروں گا،

[illegible] نہیں چاہتا کہ میں ان کی صورت دیکھوں لیکن میں ماں سے ان [illegible]
وہ جو گیٹ کے پاس بڑے حصے کا بڑا ہال ہے ہم اسے مہمان خانے [illegible]
..... اس مہمان خانے میں انتظامات کر دیئے جائیں گے اور چوکیدار کو ہدایت کر دی
[illegible] کہ اگر وہ لوگ یہاں آئیں تو انہیں صرف مہمان خانے تک محدود کر دیا جائے.....
[illegible] کو بھی کے اندرونی حصے میں آنے کی اجازت کبھی نہ دی جائے..... یہ میرا حکم ہے، زلیخا
خبردار اس میں کوئی ترمیم کرنے کی کوشش نہ کرنا"۔

زلیخا گردن جھکا کر خاموش ہو گئی تھی..... تین دن تک ان میں سے کوئی بھی ادھر [illegible] ..... وہ خود غالباً کسی الجھن اور مشکل کا شکار تھے..... ان تین دنوں میں غلام خیر نے [illegible] محنت کر کے چند افراد یہاں بلا لئے تھے..... گھر میں کام کرنے والی دو ملازمائیں..... [illegible] ..... ایک اور ملازم اور گیٹ کا ایک چوکیدار یہ افراد یہاں نوکر رکھ لئے گئے تھے اور [illegible] وہ تمام ہدایات دے دی گئی تھیں جن کی خواہش شاہ عالم نے کی تھی..... ملازماؤں نے [illegible] سارا انتظام سنبھال لیا..... زلیخا صنوبر کے ساتھ رہنے لگی..... صنوبر کی بے کسی اور بے [illegible] دیکھنے کے قابل تھی..... وہ حسرت و یاس کی تصویر بنی بیٹھی تھی..... کسی سے کچھ نہ [illegible] تھی..... بہت صابر تھی کہ اس نے آنسو بہانا بھی چھوڑ دیا تھا..... زلیخا نے اسے سمجھایا۔

"صنوبر میں جانتی ہوں بیٹی تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے لیکن ہم بے بس اور لاچار ہیں [illegible] کے حکم کے سامنے..... اور ہمیں صبر کی تلقین کی گئی ہے اور اس تلقین کا انعام بھی ملتا ہے..... تم اپنے آپ کو حوصلہ دو بیٹی..... یہ گھر تمہارے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ ہے اور یہاں [illegible] کوئی مشکل نہ ہوگی..... دل میں کوئی بھی بات آئے تو مجھ سے کہہ دینا..... میں تمہیں [illegible] تلقین کرتی ہوں میری بیٹی کہ صبر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں"۔

صنوبر نے گردن جھکا دی تھی، لیکن آنکھوں سے گرنے والے آنسو چغلیاں کھا رہے [illegible] کہ دل کی کیا کیفیت ہے..... پھر چوتھے دن علی ضیغم اور علی شاد وہاں پہنچ گئے..... وہ اب [illegible] صورت حال کو کافی حد تک سمجھ چکا تھا..... اس کی ہمت نہیں پڑی تھی، لیکن جب گیٹ

چوکیدار نے ان سے کہا کہ کسی کو بھی کوٹھی کے اندرونی حصے میں جانے کی اجازت نہیں تو علی ضیغم بگڑ گیا ..... اس نے کہا "تمہیں کس نے ملازم رکھا ہے؟"۔

"اس کوٹھی کے مالکان نے"۔

"کون ہے اس کوٹھی کا مالک؟"۔

"شاہ عامل! ہمیں غلام خیر نے ملازم رکھا ہے"۔

"تو پھر تمہیں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ میں شاہ عامل کا بیٹا ہوں"۔ علی ضیغم نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے جناب اور میرے لئے یہ حکم ہے کہ آپ لوگوں کو کوٹھی کے اندرونی حصے میں نہ جانے دیا جائے بلکہ گیٹ کے برابر وہ جو ہال آپ کو نظر آرہا ہے وہاں آپ کو پہنچا دیا جائے"۔

"یہ فضول بات ہے تم ہمیں اندر جانے سے نہیں روک سکتے ..... یا پھر غلام خیر چچا کو بلوالیا جائے گا"۔

"دیکھو صاحب! ڈیوٹی ڈیوٹی ہوتی ہے، جو ہمیں بتادیا گیا ہمیں وہ کرنا ہے ..... آپ لوگ رکنا چاہتے ہو رکو، جانا چاہتے ہو جاؤ"۔

علی ضیغم نے حیرانی سے علی شاد کی طرف دیکھا تو علی شاد نے کہا: "اس سے الجھنا بیکار ہے علی ضیغم! آؤ ذرا دیکھیں تو سہی قصہ کیا ہے" پھر وہ چوکیدار کے ساتھ مہمان خانے میں چلے گئے ..... چوکیدار نے کہا: میں اطلاع کراتا ہوں صاحب آپ ادھر ہی بیٹھو"۔

ضیغم اور علی شاد بڑی شرمندگی محسوس کر رہے تھے، لیکن بہرحال بیٹھ گئے چوکیدار اندر چلا گیا تھا ..... ضیغم نے کہا۔

"یہ سب کچھ کیا ہے علی شاد؟"۔

"پتہ نہیں بھائی جان!" علی شاد نے جواب دیا ..... تھوڑی دیر کے بعد زلیخا پہنچ گئی دونوں تڑپ کر اٹھے ..... زلیخا نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ان کے سروں پر

بچو! یہ زمان منگنی کا گھر ہے نا!!" اس لئے ہمارے ساتھ یہاں یہ سلوک ہو رہا ہے؟ چوکیدار ہمیں مہمان خانے میں لے آیا ہے۔

"بچو!" زلیخا نے بھاری الفاظ میں کہا ..... پھر بولی: "علی داراب نہیں آیا؟"۔

"اچھا ہی ہوا نہیں آیا ماما! ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے شکر ہے وہ اس سے بچ گیا ..... پوچھ سکتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہے ہمارے ساتھ"۔

"تمہارے باپ کا حکم ہے ..... تمہیں اندرونی عمارت میں آنے سے منع کیا گیا ہے۔

"مگر کیوں؟" علی شاد بولا۔

"بس وہ تم لوگوں سے شاید بہت ناراض ہیں"۔

"ہم تو ان کے لئے پیدائشی برے ہیں، لیکن ہمارے ساتھ ہمارا باپ بھی یہ سلوک کرے گا ..... یہ ہمیں نہیں معلوم تھا" زلیخا نے سرد نگاہوں سے بیٹوں کو دیکھا اور بولی: میں ماں ہوں تمہاری اگر وہ مجھے بھی تم سے ملنے سے منع کر دیتے تو شاید میں بھی تمہارے پاس نہ آتی ..... تم لوگ کیا سمجھتے ہو، جو کچھ کیا گیا ہے علی نواز کے ساتھ وہ بہتر تھا"۔

"لیکن ماما کس نے کیا ہے؟

"اب بھی یہ سوال کرو گے مجھ سے؟ ارے کم بختو علی نواز کو قتل کر کے تم لوگوں کو کیا ملا ..... میرے لئے تو تم سبھی ایک جیسے تھے ..... وہ مظلوم تو زندگی بھر حالت جنگ میں ہم سے دور اور جب آیا تو تم نے اسے ہم سے دور کر دیا"۔

"ماما یہ آپ الزام لگا رہی ہیں ہم پر ماں ہو کر"۔

"ثابت ہو چکا ہے علی شاد ..... ثابت ہو چکا ہے ضیغم ..... فیروزاں نے مجھ سے میرا بیٹا چھینا ..... تمہیں یہ نہیں کرنا چاہئے تھا ..... اگر آج شاہ عامل فیروزاں کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو ساری حقیقتیں سامنے آجائیں گی ..... اب ان پر کوئی پردہ نہیں پڑا ہوا ہے ..... تم جانتے ہو اور اچھی طرح جانتے ہو اور برا مت ماننا کہ تمہاری بیویاں بھی اس بات کو

اچھی طرح جانتی ہیں..... ٹھیک ہے میں ایک سادہ لوح عورت ہوں، میں نے زندگی میں مکر و فریب نہیں دیکھے اور نہ خود کئے لیکن اتنا تو جانتی ہوں کہ ہوا کیا ہے؟"۔

"مگر ماما تعجب کی بات نہیں ہے آخر فروزاں کو علی نواز سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے"۔

"یہ بھی پتہ چل گیا ہے..... تم سب کی دشمنی علی نواز سے نہیں..... شاہ عالم سے تھی..... شاہ عالم کو راستے سے ہٹایا جا رہا تھا..... آہ میرے علی نواز نے باپ کے لئے آخری قربانی دے دی"۔

"ماما خیر جو کچھ بھی ہوا ہے وہ بہت برا ہوا ہے، لیکن اگر آپ فروزاں کے خلاف کچھ کرنا چاہیں گے تو ہم آپ کا راستہ نہیں روکیں گے..... آخر بابا جانی ہمارے لئے جتنی بڑی حیثیت رکھتے ہیں تم بھی جانتی ہو"۔

"ٹھیک ہے بہر حال مجھ سے سب کچھ چھن گیا ہے..... میں تم سب کے لئے برابر ہوں مگر تم نے میرے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہے"۔

"ہم نے نہیں ماما..... ہم نے نہیں" علی ضیغم نے غم آلود لہجے میں کہا۔

"بس کیا کہوں! جس نے بھی یہ سب کچھ کیا ہے، بہت برا کیا ہے"۔

ہم تو بلاوجہ ہی مجرم بن گئے ہیں ماما..... کیا بابا جانی ہم سے اب کبھی نہیں ملیں گے؟"۔

"جو کچھ ان کے سینے میں.....! اور پھر معاف کرنا جو الزام اس معصوم بچی پر لگایا گیا ہے، اس کے بعد اس کی حفاظت ہم سب پر ضروری ہو گئی ہے"۔

تو کیا آپ کا خیال ہے ہم اس سے دشمنی کریں گے؟"۔

"کر چکے ہو..... تم لوگ کر چکے ہو" فروزاں نے جو داؤ لگایا تھا اس پر شکر ہے اللہ نے اس کا محافظ نہیں بنایا"۔

"بہر حال ہمارے ساتھ برا سلوک ہوا ہے ماما..... ہم جا رہے ہیں..... اگر تم بھی ہم سے ملنا چاہو تو ہمیں بتا دینا..... آنسو بہا کر خاموش ہو جائیں گے"۔

"شاہ عالم نے کہہ دیا ہے کہ تم لوگ جب بھی آنا چاہو مجھ سے ملنے آ سکتے ہو، لیکن اسی

طرح جس طرح شاہ عالم نے کہا ہے"۔

"ہم غور کریں گے ماما کہ ہماری غیرت اس بات کو گوارا کرتی ہے یا نہیں..... ہم تو سینے پر صبر کی سل رکھیں گے"۔

علی ضیغم اور علی شاد وہاں سے رخصت ہو کر چل پڑے..... راستے میں علی ضیغم نے کہا۔

"اگر فروزاں نے واقعی ایسا کیا ہے علی تو تمہارا کیا خیال ہے..... کیا یہ انتہائی خوفناک بات نہیں خاص طور سے اس سلسلے میں ہم لوگوں کو سوچنا پڑے گا کہ اگر فروزاں اتنی ہی بد مزاج ہے کہ وہ اتنا خطرناک قدم اٹھا سکتی ہے تو کیا اس سے پرخاش لینے والے کسی اور شخص کو اس خطرے سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا"۔

"اگر ہمارے بابا کو زہر دیا جا رہا تھا تو کیا ہم اسے معاف کر دیں گے؟"۔

"دیکھو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے علی شاد، لیکن سراغ لگانا پڑے گا..... معلوم کرنا پڑے گا کہ ایسا کیوں ہوا..... ویسے واقعی یار کچھ غلطی نہیں ہو گئی ہم سے..... بلاوجہ ہی علی نواز کو اپنے سے دور رکھا..... اب بہت یاد آتا ہے" ضیغم کی زبان میں ایک بھرّاہٹ سی پیدا ہو گئی..... بہر حال خون کہیں نہ کہیں بول ہی پڑتا ہے اور اس وقت خون ہی بول رہا تھا..... علی شاد نے کہا۔

"اس کے علاوہ بھائی ضیغم اب تو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ وہ مالی طور پر ہماری مدد کر سکتا ہے..... آپ دیکھئے نا اس نے کبھی اپنے ہاتھ نہیں روکے"۔

"ہاں یہ بات تو باعث تشویش بھی ہے کیونکہ جہاں تک خانہ خیل کا تعلق ہے بابا جانی نے ایک طرح سے ان زمینوں سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا..... پتہ نہیں کاغذات کی کیا نوعیت ہے یہ معلوم کرنا پڑے گا"۔

"ہاں بہت نقصان ہوا ہے اور اس کے علاوہ علی داراب سے بات کرنا ہو گی کہ فروزاں سے معلوم کر کے بتائے کہ جو بات منظر عام پر آئی ہے وہ بات سچ بھی ہے یا غلط"۔

"علی داراب بگڑ جانے کا نام ہے"۔

"مگر تم دیکھو تو سہی اگر بابا جانی اس زہر کا شکار ہو گئے ہوتے تو؟"۔

"چھوڑو ذہن الجھ گیا ہے بری طرح" علی شاد نے جواب دیا اور ضیغم پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

شاہ عالم اب ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو گیا تھا، چنانچہ سب سے پہلے اس نے غلام خیر سے مزید کچھ باتیں کیں اور اس کے نتیجے میں بیرسٹر سلطان علی سے ان لوگوں کی ملاقات ہوئی..... شاہ عالم نے بیرسٹر سلطان علی کو اپنا مقصد سمجھاتے ہوئے کہا: "بات اصل میں یہ ہے کہ بیرسٹر صاحب میں نے اپنی ذاتی جائیداد میں سے تو حصے کر دیئے ہیں اور اپنے بیٹوں کو یہ جائیداد تقسیم کر دی ہے..... میرے ایک بیٹے کا انتقال ہو چکا ہے اس کی بیوی میرے پاس موجود ہے اور وہ صاحب اولاد ہونے والی ہے..... اس کے علاوہ غلام خیر آپ کو تمام تفصیلات مہیا کر دیں گے..... خانہ خیل میں کچھ زمینیں ہیں اس کے علاوہ ایک باغ بھی ہے..... میں تمام چیزوں کو باقاعدہ قانونی شکل میں لا کر اپنی بہو کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں..... غلام خیر آپ کے مکمل طور پر مددگار ثابت ہوں گے، ان کی مدد سے آپ یہ کاغذات تیار کر لیجئے اور ذمہ داری خود ہی سنبھال لیجئے..... میں، جس طرح بھی آپ حکم دیں گے حاضر ہوں اور معاف کیجئے گا آپ کی فیس جو کچھ بھی بنتی ہو وہ میں پیش کر دوں گا"۔

بیرسٹر سلطان نے کہا! "آپ فکر نہ کیجئے سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہو جائے گا..... کیونکہ بہر طور یہ ایک صاف ستھرا کام ہے"۔

اس طرح کم از کم شاہ عالم نے صنوبر اور اس کے بچے کا مستقبل محفوظ کر دیا تھا، لیکن جو واقعہ پیش آ چکا تھا وہ اس کے ذہن سے کسی طور محو نہ ہوتا تھا..... بار بار علی نواز کو اس نے خوابوں میں دیکھا..... خاموش کھڑا ہوتا تھا آنکھوں میں شکایت لئے اور اس کے بعد شاہ عالم کئی کئی دن افسردہ رہتا تھا..... وہ صنوبر کی حالت بھی دیکھتا تھا..... اس کے چہرے سے تو زندگی جیسے رخصت ہی ہو گئی تھی..... سوکھا اور ستا ہوا چہرہ..... بہرحال اس سلسلے میں شاہ عالم کو زیادہ تشویش تھی کیونکہ صنوبر جن لمحات سے گزر رہی تھی ان میں اسے ایسی کیفیات کا شکار نہیں

ہونا چاہئے تھی..... ایک زنانہ ہسپتال میں اس کے لئے انتظامات کر دیئے گئے تھے..... لیڈی ڈاکٹر تھی، ڈاکٹر معرا! اس نے تشویش بھرے انداز میں کہا تھا۔

"چونکہ تمام صورت حال میرے علم میں آ چکی ہے..... اس کی روشنی میں آپ سے درخواست کروں کہ بچی کے غم کا مداوا بے شک نہیں لیکن کوئی ایسا عمل ضرور کیجئے جس سے اس کی کیفیت دور ہو ورنہ جس انداز کا اس نے اپنے اندر غم چھپا رکھا ہے۔ اس سے بچے کی ذہنی صحت پر برے اثرات پڑ سکتے ہیں"۔

"ڈاکٹر وہ اثرات کیا ہو سکتے ہیں؟"۔

"میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن کوئی بھی نقصان ہو سکتا ہے..... بچہ ابنارمل ہو سکتا ہے"۔

"لیکن سمجھ نہیں آتا کہ میں اس کے لئے کیا کروں"۔

"آپ سوچئے کچھ کیجئے..... میں آپ کو اس خطرے سے آگاہ کئے دے رہی ہوں"۔

شاہ عالم بھلا کیا کر سکتا تھا۔

زمان ملنگی اگر زندہ ہوتا تو شاید وہ اپنی بیٹی کے دکھ بانٹنے میں کامیاب ہو جاتا، لیکن اب ٹوٹی ہوئی شاخ کو کیسے سر سبز کیا جا سکتا تھا..... شاہ عالم نے چونکہ خود بھی فروزاں کے معاملے میں ڈھیل دے رکھی تھی..... اپنے بیٹوں کا گھر برباد نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن بہرحال وہ اسے قاتل ہی قرار دیتا تھا..... علی داراب تو اس سلسلے میں ناراض بھی ہو گیا تھا اور اس نے شکایت بھرے لہجے میں ماں سے کہا تھا۔

"اماں یہ زیادتی ہے فروزاں کے ساتھ..... کوئی بھی ثبوت نہیں ہے اس کے خلاف"۔

"بیٹے میں کیا کہہ سکتی ہوں..... جہاں تک بات رہی شکایت کی تو اس ثبوت کو اگر ڈھونڈا جاتا تو شاید مل بھی جاتا"۔

"آپ لوگ ظلم کر رہے ہیں ہم پر..... خیر ٹھیک ہے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح پھنسا دیں تو آپ جانئے"۔

بہر حال تین چار مہینے میں زلیخا نے اتنا ضرور کر دیا تھا کہ شاہ عالم اپنے بیٹوں سے ملا کرتا تھا، لیکن اس نے بہوؤں کی طرف دیکھنے سے انکار کر دیا تھا اور ان بیٹوں سے بھی ملاقات مہمان خانے میں ہوتی تھی...... جہاں وہ اپنے آپ کو بڑی شرمندگی کا شکار محسوس کرتے تھے۔

علی ضیغم کو کچھ پیسوں کی ضرورت پڑی تو اس نے شاہ عالم سے کہا: "بابا جانی مجھے کچھ رقم چاہئے"۔

"بیٹے...... میں تو تم سے کبھی رقم نہیں مانگتا"۔

"ہمارے پاس ہے ہی کیا بابا جانی!"

"یہ تو تمہاری محنت پر منحصر ہے...... اپنے لئے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرو"۔

"بابا جانی! آخر ہمارا حصہ بھی تو کچھ بنتا ہے"۔

جس مکان میں تم رہ رہے ہو اور جو کچھ میں نے تمہارے لئے چھوڑا ہے...... وہی تمہارا حصہ تھا...... بس اب اس کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہیں"۔

"لیکن باغوں کی آمدنی تو ہے"۔

"پہلی بات تو یہ کہ زمان ملنگی ان باغوں کا مالک تھا...... اس نے جذباتی ہو کر مجھے جو کچھ واپس کر دیا تھا، میں اسے اپنی ملکیت نہیں سمجھتا چنانچہ وہ صنوبر کے نام ہو چکا ہے"۔

"اس نے تو دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی ان کی زمینیں واپس کی تھیں، آپ کی بھی تو زمین اس نے چھینی تھی۔

"بہت پرانی بات ہے...... میں اس خیال کو دل سے نکال چکا تھا اور بہتر ہوگا کہ اب لین دین کے سلسلے میں تم مجھ سے کوئی بات نہ کرو"۔

"مگر یہ تو ہمارا قانونی حق ہے"۔

"تو پھر جاؤ قانون کا استعمال کرو" شاہ عالم نے کرخت لہجے میں کہا تھا۔

"بھائیوں میں پھر میٹنگ ہوئی تھی...... بیویاں بھی ساتھ تھیں اور اس بات پر خوب ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔

"ارے ہمیں تو بلاوجہ ہی دشمن سمجھ لیا گیا...... سسر جی شروع ہی سے ہمیں ناپسند کرتے تھے...... تم لوگوں کے جھگڑے میں ہم بھی بلاوجہ ملوث ہو گئے...... ارے فرزانہ اگر قاتل تھی تو اسے گرفتار کیوں نہ کیا گیا؟"۔

"ایسی باتیں نہ کریں بھابی جان" علی شاد نے نسرین سے کہا۔

"لو...... کیوں نہ کروں ایسی باتیں! کیا بنا کر رکھ دیا ہے انہوں نے ہمیں"۔

"وہ لوگ کب آپ سے ملنے آ آتے ہیں اور جہاں تک بات رہی دوسری تو چھوڑیئے...... زخم تازہ ہو جائیں گے بلاوجہ بری بات ہو جائے گی کوئی"۔

"اونہہ...... پتہ نہیں کون سے زخم لگائے ہیں ہم نے" نسرین نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا لیکن فرزانہ ایسے موقعوں پر کچھ کھوئی کھوئی سی رہتی تھی...... جرم تو کر ڈالا تھا اس نے اور اس کا نتیجہ بھی غلط نکلا، لیکن بہر حال علی داراب پر اب بھی حاوی تھی...... اس لئے خوب دبا کر علی داراب کو ایک بار پھر اپنی مٹھی میں کر لیا تھا، نہ جانے کیسی کیسی قسمیں کھائی تھیں اور علی داراب کشمکش کا شکار ہو گیا تھا...... بعد میں یہی طے پایا کہ خاموشی اختیار کی جائے اور وقت کا انتظار کیا جائے بابا جان نے دودھ کی مکھی بنا کر نکال دیا ہے لیکن کب تک ایک نہ ایک دن تو موقع ملے گا...... ان لوگوں کے ساتھ نمٹنے کا، چنانچہ وقت گزرتا رہا پھر اس کے بعد ایک رات زلیخا نے سوئے ہوئے شاہ عالم کو اٹھایا اور شاہ عالم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا بات ہے"۔

"صنوبر کو ہسپتال لے جانا ہے"۔

"ایں...... کیوں خیریت؟"۔

"بھئی سمجھنے کی کوشش کرو...... جلدی اٹھو...... غلام خیر کو جگاؤ"۔

"اوہو...... معاف کرنا ذہن نیند میں ڈوبا ہوا تھا" شاہ عالم نے کہا اور پھر بری طرح غلام خیر کو پکارتا ہوا باہر بھاگا...... غلام خیر کے کمرے میں جاکر اسے جگایا اور غلام خیر نے ڈرائیور کو، پھر سب ہسپتال چل پڑے...... ایک عجیب سی خوشی، ایک عجیب سا احساس شاہ

اس کے دل کو لرزا رہا تھا...... آنکھوں میں آنسو تھے...... نجانے کیا کیا یاد آ رہا تھا۔ علی نواز اگر زندہ ہوتا تو اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوتی! اس کے آنگن میں پھول کھلا تھا اور وہ زمین کی گہرائیوں میں سو رہا تھا۔ زلیخا بہو کو سنبھالے ہوئے تھی...... صنوبر کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی...... اس کی آنکھیں بند تھیں...... رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ رہا تھا اور وہ نڈھال تھی۔ ہسپتال میں فوراً ہی انتظامات ہو گئے اور صنوبر کو ڈیلیوری روم میں پہنچا دیا گیا. ڈیوٹی ڈاکٹر نے ڈاکٹر معرا کو فون کر دیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی پہنچ گئی۔ تھوڑے فاصلے پر ویٹنگ ہال میں غلام خیر...... شاہ عامل اور زلیخا بیٹھے ہوئے تھے۔ زلیخا کے ہونٹوں پر کوئی دعا متحرک تھی، جبکہ شاہ عامل آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ غلام خیر نے اس کی تراش خراش کی تھی۔ ایک ایک لمحہ یاد آ رہا تھا اور یہ لمحے اس کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کی نمی پیدا کر رہے تھے۔ اس نے شاہ عامل کی کیفیت دیکھی...... زلیخا تو خیر ماں تھی، جس طرح بھی صبر کر رہی تھی یہ ایک پر وقار عورت ہی کا کام تھا، لیکن شاہ عامل جیسا آہنی انسان بھی اپنے اکلوتے ہاتھ سے بار بار آنکھوں کی نمی خشک کر رہا تھا...... غلام خیر اس کے پاس بیٹھ گیا، اس نے کہا۔

"اور جو قدرت کرتی ہے اس میں نہ جانے کیسے کیسے راز پوشیدہ ہوتے ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر صرف اتنا بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ برداشت کر سکیں۔ شاہ عامل! باپ ہو نا تم علی نواز کے...... اسے یاد کر رہے ہو ناں! میرے سینے میں جھانک کر دیکھو...... آہ کاش! انسانی وجود میں کوئی کھڑکی ہوتی...... سینے کے پاس جس سے اس کے اندر جھانک کر دیکھا جا سکتا...... یہ زبان کمبخت دل کا حال کہنے سے قاصر رہتی ہے۔ ارے اس چھوٹی سی زبان میں کیا رکھا ہے! یہ ان وسعتوں کو کہاں ناپ سکتی ہے جو سینے میں چھپی ہوئی ہیں۔ شاہ عامل میرے سینے میں بھی کم دکھ نہیں۔ اب چاہے میری اس کیفیت کو کچھ بھی کہہ لو اور سنو شاہ عامل! علی نواز کی اولاد بیٹا ہو یا بیٹی، اس کی پرورش بھی میں کروں گا...... میں علی نواز کی نشانی کو اس طرح اپنے سینے پر بٹھا کر پروان چڑھاؤں گا جس طرح میں نے علی نواز کو

پروان چڑھایا تھا اور تم مجھے منحوس نہ سمجھنا...... میں منحوس نہیں ہوں شاہ عامل...... میں منحوس نہیں ہوں" غلام خیر کی آواز بھرا گئی۔

شاہ عامل نے آنسو بھری نگاہوں سے اپنے محسن کو دیکھا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ایسے الفاظ کہہ کر میرا دل دکھاؤ گے غلام خیر...... تم منحوس ہو، جس نے میری زندگی کو سہارا دیا؟ نہیں...... ایسی باتیں نہ کرو غلام خیر...... خوشیوں کو ترس گیا ہوں...... تقدیر تو میری ایسی ہے غلام خیر...... علی نواز کی اولاد تمہاری ہے...... خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہا ہوں کہ اس کے اور تمہارے درمیان نہیں آؤں گا۔"

غلام خیر کی آنسو بھری آنکھوں کے نیچے مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایک بار پھر علی نواز کو پالنا پڑے گا...... آہ یہ تو پہلے سے بھی چھوٹا ہو گا، لیکن کوئی بات نہیں...... اب مجھ پر کون سی اکھاڑے کی ذمہ داریاں ہیں...... بس میں ہوں گا اور وہ...... غلام خیر کی آنکھوں میں امیدوں کے چراغ جل اٹھے تھے...... زلیخا مقدس آیات کا ورد کر رہی تھی اور رب خیر کے طلب گار تھے۔

لیکن مشیت ایزدی اپنے عمل کرتی ہے اور کون جانے اس کے عمل کس حیثیت کے حامل ہوتے ہیں...... وقت گزرا...... ڈاکٹر معرا ہاتھوں کو تولیے سے خشک کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی...... اس کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر اور نرس بھی تھی...... سب لوگ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے...... زلیخا کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اس کی جانب اٹھیں...... ڈاکٹر معرا نے منتظر لوگوں کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر وہ رونق...... تازگی اور مسکراہٹ نہیں تھی جو کسی کو خوشخبری سناتے وقت ہوا کرتی ہے...... وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی۔

شاہ عامل اور غلام خیر اس کی جانب بڑھے تو اس نے جلدی سے کہا:

"سب ٹھیک ہے...... زچہ اور بچہ دونوں خیریت سے ہیں...... آپ لوگوں کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں...... خاتون آپ ذرا ادھر آئیے" اس نے زلیخا کو اشارہ کیا اور سیدھی سادی

اس کی جانب بڑھ گئی۔

شاہ عالم سوچنے لگا: ڈاکٹر معرا کیا کہنا چاہتی ہے؟ اور اس نے خصوصی طور پر زلیخا کو کیوں بلایا ہے؟ بہرحال زلیخا اس کے قریب پہنچ گئی۔

"بچہ پیدا ہو چکا ہے...... لیکن......"

"لیکن کیا ڈاکٹر؟" زلیخا نے سوال کیا۔

"بات ذرا پریشان کن ہے۔"

"کیا؟" زلیخا کی آواز گھبرا گئی۔

"نہیں...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... دونوں ٹھیک ہیں اور صحت مند ہیں۔"

"تو پھر ڈاکٹر پھر؟"

"وہ (Homosexual) ہوموسیکچوئل ہے۔"

"جی!" زلیخا کچھ سمجھ نہ پائی۔

"Eunuch (اینوک) سمجھتی ہیں آپ Eunuch"۔

"نہیں ڈاکٹر میں پڑھی لکھی نہیں۔"

"اوہو بچی تو یوں سمجھ لو کہ وہ Effeminat (افی می نیٹ) پرسن ہے...... جاؤ تم شوہر کو بلاؤ۔"

"سنیے شاہ عالم...... سنیے!" زلیخا نے شاہ عالم کو آواز دی اور شاہ عالم لرزتا ہوا ڈاکٹر معرا کے پاس پہنچ گیا...... اس نے کہا۔

"جی ڈاکٹر...... کیا بات ہے؟"

"میں ان خاتون کو بتا رہی تھی کہ بچہ (Homosexual) ہے۔"

(Effeminat Person) میرا مطلب ہے Eunuch۔

"ڈاکٹر اردو میں بتائیے۔"

"بچی وہ مخنث ہے۔" ڈاکٹر معرا نے جواب دیا۔

ورشہ دل کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین اچانک الٹ گئی ہو۔۔۔ آسمان نیچے آ گیا ہے
زمین کی بلندیوں سے آسمان کے خلا میں گر رہا ہو۔۔۔۔ کچھ دیر تک تو اس کی سمجھ میں یہ
ہی نہیں سکے تھے، لیکن اب وہ سب کچھ غور کر رہا تھا۔۔۔ ڈاکٹر معراج نے کہی تھی

انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا۔۔۔۔ زچہ پر جو اثرات شروع سے مرتب تھے ان
سے بچے میں خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ ممکن ہے ان کا اثر بچے کے وجود پر نہ پڑے۔۔۔۔ وہ کسی بھی
طرح پیدا ہو سکتا تھا۔۔۔۔ کوئی بھی ایسی کمی اس کے اندر واقع ہو سکتی تھی۔۔۔ وہ تو شکر
ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں، چہرے کے نقوش، بدن کی جسامت، ہر چیز تندرست تھی۔۔۔
بس وہ تیسری جنس سے تعلق رکھتا ہے۔"

❀ ❀ ❀

شاہ عالم نے اپنا اکلوتا ہاتھ سینے پر رکھ لیا ۔۔۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا
غلام خیر نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔
"کیا ہوا شاہ عالم؟" "خیریت تو ہے۔
"آپ لوگ پلیز اپنے آپ کو سنبھالئے ۔۔۔ ویسے تو ان دونوں کی زندگی اور تندرستی کی ضمانت دی جاتی ہے آپ کو ۔۔۔ باقی معاملات اللہ کے ہیں، ہم اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے ۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو کمرے میں منتقل کر دیا جائے گا ۔۔۔ بچہ بھی اس کے ساتھ ہوگا ۔۔۔ آپ لوگوں کو تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا ۔۔۔ ڈلیوری روم میں نرسیں اپنا کام کر رہی ہیں ۔۔۔ آپ براہ کرم تھوڑی دیر تک تشریف رکھیے"۔
ڈاکٹر معرا وہاں سے چلی گئی ۔۔۔ غلام خیر نے کہا ۔۔۔ کیا کہہ گئی ہے وہ ۔۔۔ کیوں یہ حالت ہو گئی ہے تمہاری مجھے بتاؤ گے نہیں۔
جواب میں شاہ عالم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا ۔۔۔ کسی نے چٹانوں سے آنسو نکلتے ہوئے کہاں دیکھے ہوں گے ۔۔۔ کسی نے چٹانوں کو موم کی طرح پگھلتے ہوئے کہاں دیکھا ہوگا ۔۔۔ ساری زندگی کسی سر بلند پہاڑ کی مانند گزارنے کے بعد آج موم کی چٹان پگھل گئی تھی اور غلام خیر کا کلیجہ خون ہوا جا رہا تھا۔
"بھابی! آپ مجھے بتاؤ گی کیا بات ہے؟" لیکن زلیخا کیا بتاتی اسے ۔۔۔ ڈاکٹر معرا جو کچھ کہہ گئی تھی، وہ برچھے تھے ۔۔۔ بھالے تھے ۔۔۔ اس سے زیادہ بری حالت شاہ عالم کی تھی

ہے اور نے ہاتھوں کو سر پر رکھے بیٹھا ہوا تھا ۔۔۔ غلام خیر کی جھنجھلاتی ہوئی آواز ابھری۔
"اور ایسے موقعوں پر ہی مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں تم لوگوں میں سے نہیں ہوں ۔۔۔ تم اپنے غموں اور خوشیوں میں اپنے ہوتے ہو اور بعد میں اخلاقی طور پر غیر ۔۔۔ ٹھیک ہے نہ بتاؤ مجھے، پھر مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟" وہ واپسی کے لئے پلٹا تو شاہ عالم نے کہا
"غلام خیر ۔۔۔ برا نہ مان ۔۔۔ برا نہ مان میرے یار ۔۔۔ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہوں ۔۔۔ ان کرچیوں کو ٹھکرا کر آگے نہ بڑھ میرے دوست! آ مجھے سہارا دے! آ میرے پاس آ ۔۔۔ مجھے بتا تو سہی، یہ کیا کھیل ہے میرے معبود کا ۔۔۔ خوشیوں کا کوئی لمحہ مجھ تک نہیں پہنچ پاتا ۔۔۔ ہر لمحہ ایک نئے امتحان کا حامل ہوتا ہے ۔۔۔ کتنے امتحان دوں آخر، کیوں ۔۔۔ "آخر کیوں؟"۔
"ٹھیک ہے اپنے غم میں ڈوبے رہو ۔۔۔ بہت اچھے لوگ ہو تم ۔۔۔ کبھی کسی کو تکلیف نہیں دیتے ۔۔۔ کبھی کسی کو اپنے غم میں شریک نہیں کرتے"۔
"غلام خیر جو کچھ وہ کہہ گئی ہے اس نے ایک بھیانک مستقبل میرے سامنے کھڑا کر دیا ہے ۔۔۔ ایک ایسا خوفناک مستقبل جس کے بارے میں سوچتا ہوں تو کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں ۔۔۔ سارے بدن میں سنسنی دوڑ جاتی ہے ۔۔۔ ارے یہ کیا ہے ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے ۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا ہے؟"۔
"جب میں یہ جانتا ہی نہیں کہ کیا ہو گیا ہے تو میں اس سلسلے میں تمہیں ڈھارس کیسے دے سکتا ہوں"۔
"کیا کہوں غلام خیر ۔۔۔ کچھ سمجھ میں جو آ رہا ہو سن ۔۔۔ برا مت مان میرے یار ۔۔۔ اصل میں ڈاکٹر معرا نے کہا ہے کہ ہمارے بیٹا پیدا ہوا ہے نہ بیٹی بلکہ ہم قدرت کے ایک عجیب و غریب مگر نہیں میں کوئی برا لفظ استعمال نہیں کروں گا ۔۔۔ میں صرف اور صرف اللہ سے خیر مانگوں گا ۔۔۔ وہ ۔۔۔ وہ غلام خیر پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے نہ لڑکی ۔۔۔ ڈاکٹر کہتی ہے اس کا

تعلق تیری جنس سے ہے"۔

"ہیں!" غلام خیر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"اب تو کم از کم ایک قہقہہ تو لگا دے میری تقدیر پر غلام خیر مجھ پر ہنسنے کی ابتدا تو

کر میرے دوست تاکہ مجھے جو کچھ ملے اپنے دوست سے ہی ملے نہیں میرے یار

نہیں کم از کم ہنس تو دے دیکھ تیرا شاہ عالم کیسے کیسے امتحانات سے گزر رہا ہے۔

بول کیا بتائیں دنیا کو! کس طرح میں اپنی خوشی کا اعلان کروں کیسے کہوں کہ میرا اعلیٰ نواز

دنیا سے چلا گیا اور میرے لئے اپنی نشانی چھوڑ گیا ہے کیا بتاؤں دنیا کو کہ وہ نشانی کیا ہے!

اسے بیٹی ہی ہو جاتی کیا فرق پڑ جاتا ایک اور ذمہ داری کو اپنے سینے پر سجا لیتا لیکن اب"۔

غلام خیر دیر تک سکتے میں بیٹھا رہا وہ سوچ رہا تھا کہ واقعی کیا ہی انوکھی داستان ہے

اس دوست کی زندگی میں اس نے کیا کیا کچھ پایا اور واقعی اس کا یہ سوال بالکل درست ہے

کہ کیوں آخر کیوں" لیکن ساری عمر کا ساتھی ہمیشہ دوستی نبھانے والا ان لمحات میں

دوست کو تنہا کیسے چھوڑ سکتا تھا اس نے شاہ عالم سے کہا۔

"شاہ عالم! سمجھ گیا میں تیرے دکھ کو سمجھ لیا میں نے تیری تکلیف کو لیکن

سنبھال خود کو سنبھال شاہ عالم ہم بھی طے کر چکے ہیں کہ ہر امتحان میں ثابت قدم

رہیں گے سنبھال خود کو فیصلہ کریں گے سوچیں گے کہ ہمیں آگے کیا کرنا

ہے ابھی سے اگر ہمت ہار بیٹھا تو اس ٹوٹی ہمت کے ساتھ کچھ نہیں کر سکے گا، تو خود

سوچ میرے دوست میرے بھائی میرے محترم ساتھی خدا کے لئے اپنے آپ

کو سنبھال بھائی سنبھالئے اپنے آپ کو ہم پر ہنسنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے

ہمیں دکھوں میں دیکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ہمیں دکھوں میں دیکھنے والے ہماری

جانب نگاہیں جمائے ہوں گے ہم انہیں خوش ہونے کا موقع نہیں دیں گے بھائی اس

راز کو سینے میں دفن کرنا ہوگا بھائی سنئے آپ کو آپ کو اللہ کا واسطہ"۔

اس کے بعد ٹوٹے دل مرجھائے چہرے انتظار کر رہے تھے اس کے بعد

...وں کو دیکھ بوان کے ہونٹوں میں کھلا تھا۔

...نے صنوبر کو کمرے میں منتقل کر دیا ننھے بچے کو دیکھ...

...دیا تھا زینب شاہ عالم اور غلام خیر کمرے میں پہنچ گئے تھے

...تھی لیکن آنکھیں بند کئے نہ جانے کون سے جہانوں کی سیر کر رہی تھی

...دعا دے رہی ہو کہ اللہ نے اسے بامراد کر دیا ہے اور اب وہ آسمان کی تجلیوں

...نہیں بلکہ ایک بار پھر زمین پر ایک ننھے سے وجود کی شکل میں موجود ہے اور وہ اس

...وجود کو علی نواز کی امانت سمجھ کر پرورش کرے گی۔

...خیر نے سرگوشی کے انداز میں زینب اور شاہ عالم سے کہا۔

"صنوبر معصوم ہے ہم نے اگر اس کے دل کو ایک اور چرکا لگایا تو نہ جانے اس پر کیا

...پڑے کہ وہ پوچھے تو اس سے یہی کہا جائے کہ بیٹا پیدا ہوا ہے"۔

"...خود بھی زینب سے یہی کہنے والا تھا"۔

"...دونوں کو بھی ہمیں یہی بتانا ہے یہ راز صرف ہم تینوں کے سینے میں دفن

...مستقبل میں ہم فیصلے کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے"۔

...بچے کو دیکھا تو حسن و جمال کا ایک نیا شاہکار نظر آیا جسے دیکھ کر دل محبت سے مچل

...بے اختیار جی چاہے اس نگینے کو آنکھوں میں سجا لیا جائے تاکہ وہ تارہ بن کر

...کسی پھول کو سینے میں محفوظ کر لیا جائے اتنا خوبصورت بچہ تھا کہ نگاہیں اس پر

...تھیں بڑی بڑی بند آنکھیں، بہت تیکھے نقوش اور ایسا گلاب جیسا رنگ کہ بس

...بعد میں ڈاکٹر معراج نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے ظاہر ہے کہ سب کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کہ وہ ایک

...بچے کے عزیز بن جائیں، لیکن اللہ کی قدرت باقی جہاں تک رہا معاملہ

...نے آپ سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا زینب جس کیفیت کا شکار تھی،

...قوت ردعمل ہو جاتے ہیں"۔

"اس کا کوئی حل ہے ڈاکٹر؟"۔

"نہیں..... قدرت کے کھیل..... قدرت کے کھیل ہی ہوتے ہیں..... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ چار پانچ سال کے بعد اس کی کیفیت خود بخود بحال ہو جائے اور وہ ایک جنس اختیار کر لے..... باقی میری تو رائے یہ ہے کہ آپ مختلف ڈاکٹروں سے مشورہ لے کر بچے کی زندگی کے لئے خطرہ مول نہ لیں..... ہر شخص اپنے اپنے خیالات کے مطابق ہی مشورہ دے گا..... میں نے اپنا مشورہ دے دیا ہے..... انتظار کریں..... ایک معزز خاندان میں کسی ایسے مذاق کا کھیل نہ شروع ہو..... اس لئے اللہ سے دعائیں کریں..... سب کچھ ممکن ہے، سب کچھ ہو سکتا ہے..... آپ سمجھ رہیں ہیں نا میری بات؟ پانچ سال کے بعد اگر ہو سکے اور آپ چاہیں تو اسے بہتر ڈاکٹروں کو دکھا دیں..... ہو سکتا ہے وہ کوئی صحیح تجویز دے سکیں..... اگر ابھی سے آپ نے اس پر عمل کا آغاز کیا تو بچے کی زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے"۔

شاہ عالم نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: "ہم انتظار کریں گے..... ہم انتظار کریں گے..... اللہ کا جو حکم..... جو اس کی مرضی"۔

صنوبر نے پھول جیسے بچے کو دیکھا..... "کیا نام ہے اس کا؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"تم بتاؤ!" زلیخا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم؟"۔

"تمہارے دل میں اپنے بیٹے کے لئے کوئی نام ہو تو بتاؤ؟" زلیخا بولی۔

"نہیں"۔

"تو پھر اس کا نام شاہ عالم رکھیں گے"۔

"نہیں..... میں نہیں..... غلام خیر یہ کام کریں گے"۔

"میں..... میں کیا" غلام خیر گھبرا کر بولا۔

"اس کا نام تم ہی رکھو گے غلام خیر!" شاہ عالم نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"تو پھر..... تو پھر" غلام خیر گھبرا کر بولا۔

"ہاں بولو!"۔

"تو پھر..... شاہ گل نواز" غلام خیر نے جواب دیا۔

نسرین کہیں باہر سے آئی تھی..... اس نے پنکھا کھولا اور آرام کرسی پر دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں..... باہر سخت دھوپ اور گرمی پڑ رہی تھی..... اسی وقت فروزاں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

"تھک گئیں بھابی؟" اس نے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"غضب کی گرمی پڑ رہی ہے فروزاں..... ذرا باہر نکل کر تو دیکھو"۔

"گھر کے اندر ہی اندازہ ہو رہا ہے..... کچھ سنا ہے آپ نے؟" فروزاں پر شوق لہجے میں بولی۔

"کیا؟"۔

"صنوبر کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے"۔

"ایں..... کب؟" نسرین چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"وقت اور دن کا تو پتہ نہیں"۔

"کیسے معلوم ہوا؟"۔

"داراب نے فون پر بتایا ہے"۔

"خوب!" نسرین پر خیال لہجے میں بولی..... فروزاں بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی، پھر اس نے کہا۔

"داراب کو بھی تفصیل نہیں معلوم..... کہیں سے پتہ چلا ہوگا..... ویسے صنوبر کی جائیداد کا وارث پیدا ہو گیا"۔

"ہوں..... خوش نصیب ہے صنوبر..... عیش سے بسر ہو رہی ہے..... ویسے فروزاں تم نے بہت کچا کھیل کھیلا ہے جس کے نقصانات ہی ہوئے ہیں..... بے چارے علی نواز کی موت سے ہمیں کیا فائدہ ہوا..... بڑے میاں اصل سانپ تھے..... عیش سے جی رہے ہیں اور وہ بے

"کیا ہوا؟" عالیہ نے چونک کر پوچھا۔

"عالیہ...... ضیغم کو سب کچھ معلوم ہو گیا"۔

"کیا؟"۔

"یہی کہ علی نواز کو فروزاں نے زہر دیا ہے"۔

"کیسے؟"۔

"آہ! میں باہر گئی تھی...... مجھے یاد نہیں رہا کہ آج ہاف ڈے ہے...... واپس آئی تو فروزاں میرے پاس آ گئی اور ہم صنوبر کے بچے کے موضوع پر بات کرنے لگے...... ضیغم اس وقت غسل خانے میں تھے"۔

"تو پھر؟"۔

"زہر دینے کے پورے واقعے کو انہوں نے سن لیا...... انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ ہم دونوں بھی فروزاں کے ساتھ شریک تھے"۔

"ارے واہ، ہم کہاں شریک تھے...... میرے تو فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا...... مجھے آپ نے ہی بتایا تھا بھابی" عالیہ چمک کر بولی۔

"منصوبہ تو میرا بھی نہیں تھا...... وہ تو میں نے بس فروزاں کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

"مگر میرا تو کوئی قصور نہیں ہے"۔

"اب بتاؤ کیا کریں...... ضیغم بہت بگڑے ہوئے ہیں"۔

"جو قصوروار ہے اس پر بگڑیں...... ہم نے کیا کیا ہے؟"۔ عالیہ نے کہا اور نسرین سوچ میں ڈوب گئی...... پھر بولی، "تمہیں پتہ چل گیا صنوبر کے بچے کا؟"۔

"کیا؟"۔

"لڑکا پیدا ہوا ہے"۔

"اوہ مجھے نہیں معلوم تھا مگر...... ہمیں کیا، واہ اچھی رہی...... بلاوجہ کو کلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے ہوئے" عالیہ بڑبڑانے لگی۔

علی شاد بھی آ گیا تو علی ضیغم نے اسے اور علی داراب کو اپنے کمرے میں بلا لیا...... اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی...... پھر اس نے کہا۔

"تم لوگوں کو علم ہے کہ صنوبر کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے"۔

"مجھے پتہ چلا ہے بھائی جان" علی داراب نے کہا۔

"میں تم دونوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں" علی ضیغم گھمبیر لہجے میں بولا...... دونوں سوالیہ نظروں سے علی ضیغم کو دیکھنے لگے...... علی ضیغم نے پھر کہا: "یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ فروزاں نے بابا جانی کو زہر دینے کا منصوبہ بنایا اور ان کے لئے دودھ میں زہر شامل کر کے معصوم صنوبر کو آلہ کار بنایا لیکن بابا جانی کی بجائے دودھ علی نواز نے پی لیا اور یہ بات نسرین اور عالیہ کو بھی معلوم تھی...... علی شاد اور علی داراب! ہم کسی نیچ خاندان کے لوگ نہیں ہیں...... ہمارہ شجرۂ نصب بے داغ ہے، لیکن ہماری بیویاں یہ بھی کر سکتی ہیں! ایسا تو بہت برے خاندانوں میں ہوتا ہے...... آج میں سوچتا ہوں تو مجھے سخت غم کا احساس ہوتا ہے...... واقعات ہمارے علم میں ہیں...... کیا ہمارا باپ اسی قابل تھا کہ اسے زہر دے کر مار دیا جائے...... ان عورتوں کو اس کی اجازت کس نے دی؟"۔

"لیکن بھائی جان؟" علی داراب بے چینی سے بولا۔

"ہاں کہو"۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فروزاں نے...... اس نے دودھ میں زہر شامل کیا؟"۔

"پوچھ سکتے ہو تو فروزاں سے پوچھو؟"۔

"کیا مطلب...... کیا بھابی جان نے آپ سے یہ کہا ہے اگر ایسا ہے تو میں کہوں گا کہ"۔

"نہیں...... نسرین نے مجھے نہیں بتایا"۔

"تو کیا عالیہ بھابی نے؟"۔

"نہیں"۔

"تو آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"۔

"خود فروزاں سے" علی ضیغم نے کہا اور دونوں بھائی حیران رہ گئے۔

"فروزاں نے خود آپ کو یہ بات بتائی ہے؟" علی داراب کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں..... تب علی ضیغم نے پوری داستان سنائی اور وہ سکتے میں رہ گئے..... اس کے بعد علی داراب نے کہا۔

"نسرین بھابی سب سے بڑی ہیں سمجھدار ہیں..... فروزاں کو سمجھا سکتی تھیں، لیکن وہ بھی شریک جرم رہیں..... آپ انہیں کیا سزا دے رہے ہیں..... ٹھیک ہے میں فروزاں کو مجرم تسلیم کرتا ہوں لیکن سزا تو باقی دونوں کو بھی ملنی چاہئے" علی داراب کے لہجے میں طنز تھا..... ضیغم نے جلتی نظروں سے بھائی کو دیکھا اور بولا۔

"جسے میں سزا دے سکتا ہوں اسے سزا دے رہا ہوں علی داراب! نسرین میری بیوی ہے اس نے میرے باپ کے قتل کی سازش سے واقف ہو کر مجھے اس بارے میں اطلاع نہیں دی..... اس طرح وہ غداری کی مرتکب ہوئی اور میں کسی غدار عورت کو اپنی بیوی کے طور پر قبول نہیں کر سکتا، چنانچہ میں نے اسے طلاق دینے کا فیصلہ کیا ہے..... سمجھ رہے ہو نا علی داراب! میں نسرین کو طلاق دے رہا ہوں"۔

علی داراب کا چہرہ زرد پڑ گیا..... علی شاد بھی چونک پڑا..... اگر علی ضیغم یہ کر سکتا ہے تو پھر ان پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں..... علی شاد نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا۔

"نہیں بھائی جان نہیں..... یہ بہت جذباتی فیصلہ ہے، اس میں شدت ہے بھائی جان"۔

"علی شاد..... وہ کرنا ہے نہیں جس سے ان سازشیوں کو سزا ملے تو میں تم لوگوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم اس سلسلے میں کیا قدم اٹھا رہے ہو؟ وہی جو میں اٹھانے جا رہا ہوں؟"۔

"ہم آپ کو بھی ایسا نہیں کرنے دیں گے بھائی جان..... میں اس سلسلے میں کچھ دلائل پیش کرنا چاہتا ہوں" علی شاد نے کہا۔

"کیسے دلائل؟"۔

"دیکھئے پہلی بات تو یہ کہ اس سے پورا خاندان رسوا ہو جائے گا..... ہمارا اپنا بھی ایک ماحول ہے، کسی نے ساتھ دیا ہمارے اس ماحول کا..... کس نے ہمیں عزت دلانے کی کوشش کی بابا جانی ہمارے لئے آسمان کا مقام رکھتے ہیں..... وہ علی نواز کے نہیں ہمارے بھی باپ ہیں..... علی نواز بے شک ظلم کا شکار ہوا، لیکن آپ سوچئے بھائی جان اس ماحول کو ہوا دینے میں کیا بابا جانی کا ہاتھ یا ماما کا ہاتھ شامل نہیں تھا..... ٹھیک ہے علی نواز بابا جانی سے دور رہا..... یہ کام ہم نے تو نہیں کیا تھا..... خود بابا جانی نے اسے اپنے مقصد کے تحت بھیجا تھا..... پھر بعد میں جو بھی عوامل ہوئے ان میں ہمارا ہاتھ نہیں تھا..... یہ ماحول تو بابا جانی نے ہی پیدا کیا..... ہم فطری طور پر اس سے رقابت کا شکار ہوئے..... انسان تو انسان ہی ہوتا ہے لیکن کیا آج آپ کے دل میں علی نواز کے لئے غم نہیں..... مجھے صرف اس بات کا جواب دیجئے"۔

"تمہارے اس سوال کا میرے اس فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہے علی شاد..... بابا جانی کا اور ہمارا معاملہ تھا، ہماری بیویوں کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ ہمارے خاندان کے افراد کو قتل کرنے پر تل جائیں..... ہمارے باپ کو ایڑیاں رگڑنے پر مجبور کر دیں..... بتاؤ یہ حق فروزاں کو کس نے دیا اور اس نے ایسا کیوں کیا..... ارے اپنے ماحول، اپنے حالات کا فیصلہ کرنے والے تو ہم ہیں..... فیصلے کا حق ہماری بیویوں نے اپنے ہاتھوں میں کیوں لیا؟"۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں بھائی جان لیکن..... لیکن"۔

"نہیں علی شاد..... یہ میرا عمل ہے کہ میں نسرین کو طلاق دے دوں اور جانتے ہو اس کے بعد میں کیا کروں گا؟ میں اس سلسلے کی تفصیلی رپورٹ پولیس کو دوں گا اور اس کے بعد قانون اپنا فرض پورا کرے گا..... نسرین جب میری بیوی نہیں ہوگی تو پھر اس کے مستقبل سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے..... وہ معاون کار کے طور پر جس قدر بھی سزا پائے گی وہ اس کی اپنی کرنی کا پھل ہوگا"۔

"مگر بھائی جان! ان کا کیا ہوگا؟" علی داراب نے دردمندی سے کہا۔

"آپ اس قدر شدت میں احتیاط کریں بھائی جان! آپ ہمارے بڑے ہیں..... بے شک علی نواز دنیا سے چلا گیا..... بابا جانی ہم سے دور ہو گئے، لیکن اب خاندان کو ریزہ ریزہ نہیں کرتے ہیں۔ ایسا نہ کریں بھائی جان"۔

"تو کیا تم ان غدار عورتوں کو برداشت کر لو گے؟"۔

"بہت سے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں..... فروزاں نے جو کچھ بھی کیا ہے اب قانون اس راستے سے ہٹ چکا ہے تو آپ اسے اللہ کے حوالے کر دیجئے..... فروزاں کو جو بھی سزا ملے گی اس کے عمل کی سزا ہو گی..... بھائی جان! ہم لوگ بھی جینا چاہتے ہیں..... ہم برے لوگ نہیں ہیں بھائی جان..... بے شک علی نواز کے سلسلے میں ہم نے تھوڑی سی شدت کے ساتھ سوچا تھا لیکن آج ہم اپنے دلوں میں افسردہ ہیں..... یہ جذبات ہیں بھائی جان جنہوں نے آپ کو اس قدر شدید کر دیا ہے..... خدارا ہوش سے کام لیجئے..... سب ہی برباد ہو کر رہ جائیں گے..... علی شاد اور علی داراب نے کچھ اس طرح علی ضیغم کی خوشامد کی کہ علی ضیغم کے دل میں بھی نرمی پیدا ہو گئی..... پھر رات تینوں خواتین کو طلب کر لیا گیا..... علی شاد نے کہا۔

"فروزاں! کیا تم سچ بولنا پسند کرو گی جواب دو مجھے"۔

"یہ کیا میری جان کے پیچھے پڑا جا رہا ہے..... کیا رویہ اختیار کیا ہے آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ؟"۔

"اصل میں فروزاں! بھائی صاحب نے شاید نسرین بھابی کو بتا بھی دیا ہے..... یہ بات تو اب سامنے آ چکی ہے کہ علی نواز کی قاتل آپ ہیں اور یہ دونوں آپ کی معاون کار..... ہم یہ کیس پولیس کو دینے جا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہم تینوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ لوگوں کو طلاق دے دی جائے..... ہمارا تینوں بھائیوں کا مشترکہ فیصلہ ہے اپنے معاملے میں آپ لوگ جس طرح چاہیں اپنے والدین کے ذریعے عدالت سے رجوع کر سکتی ہیں..... آپ لوگ

بتائیے کہ ہمیں جواب دیں" ان الفاظ نے ان عورتوں کے ہوش اڑا دیئے۔

فروزاں نے علی داراب کی طرف دیکھا اور بولی۔

"علی داراب یہ..... یہ"۔

"بکواس مت کرو فروزاں! میرے باپ کو قتل کرنے کی کوشش کرنے والی میری بیوی نہیں رہ سکتی"۔

"تو آپ بھی" فروزاں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ہاں..... میں بھی اپنے بھائی سے الگ کام نہیں کروں گا" علی داراب کے ان الفاظ نے تینوں عورتوں کے حوصلے پست کر دیئے اور اس کے بعد جو انہوں نے رونا اور گڑگڑانا شروع کیا تو آنسوؤں کے دریا بہا دیئے..... بلک بلک کر رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

"گناہوں کو معاف کرنے والا اللہ ہوتا ہے مگر آپ لوگ یہ بتائیے کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے؟"۔

"ہمیں معاف کر دیجئے..... ہمیں اپنی غلطی پر ندامت ہے"۔

نسرین نے کہا اور بمشکل تمام ان لوگوں نے خاموشی اختیار کی، البتہ علی داراب نے کہا۔

"ٹھیک ہے فروزاں..... بھائی صاحب اگر اس بات پر تیار ہو گئے ہیں تو مجھے بھی وہی کرنا ہو گا جو ان کا حکم ہے لیکن معاف کرنے کی قدرت نہ ہمیں حاصل ہے اور نہ بھائی صاحب کو۔ اگر قدرت نے تمہارے سلسلے میں کوئی فیصلہ کیا تو تم اس فیصلے کی پابند ہو گی"۔

❁ ❁ ❁

یہ مسئلہ اس طرح کیون پذیر ہو گیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تینوں بھائیوں نے خو
بھی علی نواز کے ساتھ یا شاہ عالم کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کیا تھا بلکہ فروزاں نے تو
معصوم صنوبر کو بالکل ہی ملیامیٹ کرنا چاہا تھا...... وہ تو شاہ عالم ایک آہنی انسان تھا جس نے
...ت کو سمجھ کر ان لوگوں سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا تھا، ورنہ پتہ نہیں ان سازشوں کا سلسلہ
یہاں تک جاری رہتا اور خصوصاً اب ان حالات میں تو صنوبر وغیرہ کی زندگی ہی مشکل
ہو جاتی...... بہر حال تینوں بھائیوں نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا تھا...... ادھر صنوبر کو خوشی مل
واپس آگئی تھی اور اب اس میں زندگی جھلکنے لگی تھی...... شاہ گل نواز کی معصوم قلقاریاں اس
کی حسین مسکراہٹ...... اس کی انتہائی حسین آنکھوں کی چمک نے صنوبر کے دل کو منور کر دیا
تھا...... ننھا بچہ، حسن کائنات ہوتا ہے...... ہر ایک دل اس میں الجھ گیا تھا...... صنوبر
در حقیقت اس قدر معصوم تھی کہ اس کے فرشتوں کو بھی بچے میں کسی خاص تبدیلی کا احساس
نہیں ہوا اور زلیخا شاہ عالم اور غلام خیر کو صنوبر کی طرف سے کسی خاص مشکل کا سامنا نہیں
کرنا پڑا۔

وقت سست روی سے گزرنے لگا...... کافی دنوں سے ضیغم وغیرہ یہاں نہیں آئے
تھے...... شاہ عالم تو خیر ان لوگوں سے ملتا ہی نہیں تھا، لیکن زلیخا بہر حال ماں تھی اور اس کا
دل...... اپنے ان بیٹوں کے لئے تڑپتا تھا آ جاتے تو شاہ عالم کی طرف سے ملاقات پر پابندی
نہیں تھی، لیکن خود شاہ عالم ان سے کبھی نہیں ملتا تھا...... اس دن بھی ضیغم...... علی شاہ اور

علی داراب تینوں ہی آئے تھے...... انہیں اپنی اوقات معلوم تھی، چنانچہ وہ اس بڑے ہال میں
پہنچے جسے مہمان خانے کا نام دیا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد زلیخا وہاں پہنچ گئی...... تینوں بیٹے
ماں سے گلے ملے...... علی ضیغم مٹھائی کا ڈبہ لے کر آیا تھا...... زلیخا جب تینوں بیٹوں سے مل
چکی تو اس نے بہوؤں کی خیریت پوچھی...... علی ضیغم نے کہا۔

"جو سزا بابا جانی نے ہمیں دی ہے...... شاید کسی باپ نے اپنی اولاد کو نہیں دی
ہوگی...... ہم بابا جانی سے منحرف تو نہیں ہوئے...... ہم تو زندگی کی آخری سانس تک ان کی
خدمت کرنے کے لئے تیار تھے، جو ہوا ہے ماما...... کم از کم اتنا تو آپ بھی جانتی ہیں کہ اس میں
ہمارا قصور نہیں...... کتنا عرصہ ہوا بابا جانی کی صورت تک نہیں دیکھی...... علی نواز کو خدا نے
بخشا...... بے شک وہ اس دنیا میں نہیں لیکن ماما ہم بھی تو کچھ ہیں اس کے"۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتی...... میری ممتا کو اس طرح بے قرار نہ کرو...... یہ تذکرہ نہ
کرو تو بہتر ہے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں تمہاری آمد پر بھی پابندی لگ جائے"۔

شاہ عالم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ تینوں بیٹے آئے ہوئے ہیں...... بس وہ اتفاقیہ طور پر ہی
اس طرف نکل آیا تھا...... اندر داخل ہوا تو ان تینوں کو پایا...... نفرت سے منہ پھیر کر پلٹنے والا
تھا کہ علی ضیغم دوڑ کر اس کے سامنے آ گیا۔

"صورت تو دیکھ لینے دو بابا جانی...... اس پر تو پابندی نہ لگاؤ...... ہم سے بات بے شک نہ
کریں...... لیکن ہم از کم"۔

"جو چھین لیا ہے تم نے مجھ سے...... مجھے واپس کر دو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا"۔

"بابا جانی اول تو ہم نے آپ سے کچھ نہیں چھینا اور اگر ایسا ہی سمجھتے ہیں آپ تو ہم کھوئی
ہوئی شے کو واپس کیا کریں گے...... اللہ نے آپ کو وہ شے واپس کر دی ہے...... ہمیں
معلوم ہوا ہے کہ اب علی نواز کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے...... بابا جانی ہم تایا ہیں اس کے...... علی داراب
بولا...... ہمیں اس کی شکل تو دیکھ لینے دیجئے...... ہمارے دل میں بھی کچھ ارمان ہیں......
انہیں پورا کر لینے دیجئے"۔

شاہ عالم کی نگاہ مٹھائی کے ڈبے پر پڑی تو اس نے کہا: واہ کیا کوئی نیا منصوبہ لے کر آئے ہو...... میرے پیارے بچو! کیا ہے اس میں؟ اب کیا منصوبہ بنایا ہے تم نے؟"۔

"اس میں کوئی منصوبہ نہیں ہے بابا جانی مٹھائی ہے جو ہم اپنی خوشی کے اظہار کے لئے لائے ہیں"۔

"غلام خیر...... غلام خیر کہاں ہو تم...... جلدی آؤ...... خطرہ ایک بار پھر سامنے آ گیا ہے...... دیکھو زہر کا ڈبہ لایا گیا ہے اس بار ہم سب کے لئے...... اسے اٹھا کر اتنے فاصلے پر پھینک دو کہ کتے بھی اسے نہ کھا سکیں...... کتوں کی بھی زندگی ہوتی ہے...... یہ خونی ایک بار پھر شکار کی تلاش میں نکلے ہیں...... پھینک دو مٹھائی کے اس ڈبے کو، شاہ عالم پر دورا سا پڑ گیا تھا...... غلام خیر دوڑتا ہوا آیا تھا۔

"نکال دو ان سب کو...... ایک بار پھر یہ ہماری بربادی لے کر یہاں آئے ہیں...... زلیخا بھاگ جاؤ یہاں سے...... خونی آ گئے ہیں...... خونی آ گئے ہیں...... شاہ عالم کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں...... گردن کی رگیں تن گئی تھیں...... چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا...... وہ مسلسل چیخ جا رہا تھا اور ضیغم اور دوسرے لڑکے خوفزدہ ہو گئے تھے...... شاہ عالم کو غلام خیر اپنے ساتھ لے گیا تھا تو زلیخا نے کہا: "دیکھ لیا تم نے! ایک بات سمجھ لو...... کبھی شاہ عالم سے انحراف نہیں کر سکتی میں...... ہو سکتا ہے شاہ عالم مجھے بھی تم سے ملنے سے منع کر دے"۔

"ماما اب ہم نہیں آئیں گے لیکن آپ...... آپ ماں ہیں ہماری...... بابا جانی ہم سے ہمارا حق چھین رہے ہیں اور یہ مناسب نہیں ہے...... وہ ہمارے دل میں یہ احساس پیدا کر رہے ہیں کہ انہوں نے ہماری ماں کی ممتا پر قبضہ جما رکھا ہے...... یہ نہیں ہونا چاہئے...... ہم جا رہے ہیں...... آپ سوچیں، انہیں سمجھائیں یہ آپ کا فرض ہے...... آؤ علی شاد آ جاؤ علی دراب...... ہمیں جن الفاظ سے نوازا گیا ہے اس کے بعد ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ ماں کی نسبت ہمیں کتنا صبر دیتی ہے" علی ضیغم اپنے دونوں بھائیوں کو لے کر باہر نکل گیا اور زلیخا آنسو بہانے لگی۔

اتنا ہی بددل ہو گیا تھا شاہ عالم اپنے بیٹوں سے...... ان کی صورتوں سے نفرت ہو گئی تھی اسے کہ اب اس نے خود کو شاہ گل کے وجود میں ضم کر دیا تھا...... چار چار چاہتیں تھیں ان کے لئے...... علی نواز کے خیال میں پل رہا تھا وہ، بس ایک زخم ایک ناسور تین افراد کے دلوں میں تھا...... اس کی کیفیت! ہاں صنوبر تھی جو نا آگہی کے انعام سے مالامال تھی اور شاہ گل میں گم ہو گئی تھی...... بہت سنبھال لیا تھا شاہ گل نے اسے...... اس کے وجود میں ایک کمی تھی، لیکن قدرت نے اسے اس کے بدلے میں بہت کچھ دے دیا تھا...... ذہانت اس کی آنکھوں میں بنی تھی...... دیکھنے والے کو بھی احساس ہو جاتا تھا کہ یہ ناواقف وجود ہر شے کا شناسا ہے...... زبان نا سمجھ تھی لیکن آنکھیں بولتی تھیں...... اتنا خوبصورت ہوتا جا رہا تھا کہ دیکھنے والی آنکھ دیوانی ہو جائے...... دہکتا ہوا انگارہ لگتا۔

یوں زندگی کے کئی برس گزر گئے۔

اس عرصہ میں نسرین، عالیہ اور فروزاں کی بھی خدا نے گود بھر دی تھی۔

شاہ گل نواز جس طرح پروان چڑھ رہا تھا وہ قابل رشک کیفیت تھی...... ادھر غلام خیر اس کا غلام بنا ہوا تھا...... شاہ عالم ایک ایسا سرپرست اور نگران جو اسے دنیا کی ہر مشکل سے دور کر دینا چاہتا تھا...... زلیخا ایک تجربہ کار آیا اور اس کے بعد تینوں اپنے حقوق سے اس وقت دستبردار ہو جاتے جب وہ صنوبر کی آغوش میں ہوتا...... اس معصوم لڑکی کو ملا ہی کیا تھا...... بہت بار شاہ عالم نے سوچا کہ وہ زمان ملنگی کی موت کے بعد صنوبر کا سرپرست اور اس کے باپ کی مانند ہے...... کیا ایک نوجوان لڑکی کی زندگی اس طرح حسرتوں میں بسر ہو سکتی ہے! جوانی کی وہ مانگ جو انسانی حقوق میں شامل ہے...... کبھی کبھی اس کے دل میں ابھرتی ہو گی...... اس مانگ کو کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے...... یہ معصوم لوگ اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے لیکن ایک بار اس کا فیصلہ بھی ہو گیا تھا، خود بخود ہو گیا تھا...... شاہ عالم زلیخا سے کہہ رہا تھا۔

"زلیخا ایک بات میرے دل میں پل رہی ہے اور وہ ایک ایسی بات ہے جس کے لئے میں

بنا م خیر کے سامنے کبھی زبان نہیں کھول سکتا..... اس دوست کے سامنے جو شاید میرے
وجود کا ہی ایک حصہ ہے اور تھا نہیں تو بن چکا ہے لیکن میں اس کے سامنے یہ الفاظ نہیں کہہ
سکتا صرف ایک تم رہ جاتی ہو جس سے میں دل کی کہانی کہوں"۔

"کیا بات ہے شاہ عالم؟" زلیخا نے دلداری سے کہا۔

"صنوبر نوجوان ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے! زندگی میں ابھی کچھ نہیں دیکھا اس
نے..... کتنا وقت گزارا اس نے اپنے شوہر کے ساتھ! کیا اس کی باقی جوانی اسی طرح گزر
جائے گی..... وہ تو معصوم ہے اپنے دل کی بات کبھی کسی سے نہ کہہ سکے گی، لیکن قدرت
نے اس کے فرائض ہمیں اس طرح سونپ دیئے ہیں کہ اب بہو کی نہیں بیٹی کی مانند اس کے
بارے میں سوچنا پڑتا ہے"۔

"ہاں..... اس میں کیا شک ہے" زلیخا نے کہا۔

"تم بھی میرا مطلب نہ سمجھیں..... علی نواز تو اب اس دنیا سے جا چکا ہے اور ہم نے اس
کے غم کو اپنے دل کے نہاں خانے میں پوشیدہ کر لیا ہے..... اس غم کو ظاہر کرنا دوسروں کو
غم زدہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا..... زلیخا کسی بھی طرح صنوبر کا عندیہ لو اور یہ معلوم
کرنے کی کوشش کرو کہ اگر اس کے لئے کسی ایسے لڑکے کا بندوبست کر دوں جو اسے پسند
آجائے تو کیا وہ اس سے شادی کر لے گی؟"۔

زلیخا حیران رہ گئی تھی لیکن بہرحال شوہر کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتی تھی، کہنے لگی
"تمہارا مطلب ہے کہ ہم کہیں اس کی شادی کرادیں؟"۔

"میں یہ صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ وہ تو تاحیات اپنی زبان نہیں کھولے گی.....
اتنی ہی نیک نفس اور اتنی ہی شریف زادی ہے وہ لیکن بزرگ ہیں ہم کیا اس کے بارے میں
ہمدردی سے نہ سوچیں!"۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے..... پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے لفظ کہنا ہی مشکل ہوگا..... پھر
اس کے بعد مسائل بھی تو ہیں..... کیا ہم اپنے شاہ گل کو کسی اور کے حوالے کر دیں گے؟"۔

"بھول کر بھی نہیں..... شاہ گل تو ہماری عمر کا چراغ ہے..... بھلا ہم اس [illegible]شنی کے
بغیر جی سکتے ہیں! اسے ہم اپنے ہی ساتھ رکھیں گے"۔

"نہ بابا..... یہ میرے لئے مشکل ہوگا..... اگر تم سوچتے ہو تو اس سے معلوم [illegible]
کوئی اور طریقہ اختیار کرو"۔

"بھلا کیا طریقہ اختیار کر سکتا ہوں میں! بس ایک بار اس کے دل کی کہانی معلوم
ہو جائے مجھے تو زلیخا میں نے اور بھی بہت کچھ سوچا ہے"۔

"کیا؟"۔

"ہم لوگ اس عمارت تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں..... سارے مشغلے ترک کر دیئے ہیں
ہم نے..... باہر نکلا جائے ملنے جلنے والے تو بہت ہیں..... ہم خود ہی ان سے کنارہ کش ہو گئے
ہیں..... صنوبر کو بھی محفلوں میں لے جایا کرو..... کم از کم کسی سے تو اس کی دوستی ہو جائے
گی..... اور دوستوں سے دل کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں..... کیا خیال ہے تمہارا؟ ایسی کوئی
کوشش کی جائے" لیکن دونوں کو بالکل پتہ نہیں تھا کہ صنوبر نے اتفاقیہ طور پر ان کے یہ الفاظ
سن لئے ہیں..... اس سے پہلے صنوبر ایک چھوٹی موٹی سی چیز تھی..... بولتے ہوئے بھی
شرماتی تھی، ان کے سامنے لیکن اس وقت وہ جس انداز میں اندر داخل ہوئی وہ ایک بالکل
نیا انداز تھا..... وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ صنوبر کے اندر بھی کچھ ہے..... چہرہ تمتما
رہا تھا..... آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی..... جس طرح آکر سامنے کھڑی ہوئی،
اس کو دیکھ کر وہ دونوں سہم گئے لیکن اس کا لہجہ انتہائی نرم تھا۔

"شاید اب میں اس قدر زمانہ شناس نہیں رہی ہوں..... کچھ باتیں سمجھ میں آنے لگی
ہیں اور جو کچھ میں نے اس وقت اتفاق سے سن لیا ہے اس بات پر آپ لوگ یقین کریں
گے..... میں نے جان بوجھ کر آپ لوگوں کی باتیں سننے کی کوشش نہیں کی..... میں نے وہ
باتیں سن لی ہیں اور شاید قدرت نے مجھے اس قدر سمجھ دے دی ہے کہ ان باتوں کو اندر سے
بھی سمجھ سکوں..... شاہ عالم میرے شفیق باپ کی طرح میرے مستقبل کے بارے میں سوچ

رہے ہیں..... آپ کو اس الجھن سے نجات دلانا چاہتی ہوں..... اگر مجھے ایک وقت کی روٹی بھی آپ کے ہاں سے مل جائے گی تو میں اسے دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھوں گی ..... خدا کا دیا ہم لوگوں کے پاس سب کچھ ہے..... جہاں تک میری عمر کا تعلق ہے آپ لوگوں کا سوچنا بالکل بجا لیکن میں آپ کو بتاؤں علی نواز کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے، الفاظ میں بیان کر دوں تو اپنے ایمان سے خارج ہو جاؤں، اس لئے وہ الفاظ ادا نہیں کروں گی اور دل میں بھی اس سوچ کے لئے اللہ سے توبہ کرتی ہوں لیکن اس کے بعد دنیا میں کچھ ہے تو میرا شاہ گل ہے..... میرے مالک نے مجھے تنہا نہیں چھوڑا..... بے شک شوہر کا تصور میرے ذہن سے مٹ گیا ہے، لیکن ایک پاکیزہ جذبہ ماں کی شکل میں مجھے دے دیا گیا ہے اور میں اسی پاکیزہ جذبے کو اپنی زندگی کے آخری سانس کا ساتھی بنانے کا تہیہ کر چکی ہوں..... آپ لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہئے..... اللہ شاہ گل کی زندگی دراز کرے، بس وہ میری محبتوں کا آخری ہے اور اس کے بعد مجھے کسی شے کی طلب نہیں..... آپ لوگ میری اس بات کو میری پوری زندگی کا محور سمجھیں اور خدارا دل میں ایسا خیال دوبارہ کبھی نہ لائیں..... یہی آپ کی شفقت اور آپ کا پیار ہوگا" وہ مڑی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

دونوں پر سکتہ طاری تھا..... جب انہیں ہوش آیا تو شاہ عالم نے کہا: "یہ صنوبر کے الفاظ تھے؟"۔

"وہ اتنی گہری باتیں بھی کر سکتی ہے؟" زلیخا تعجب سے بولی۔

"لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قدرت نے ہمیں ہماری مشکل کا حل پیش کیا ہو اور اس وقت اس کے منہ میں کوئی اور ہی زبان ہو..... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے میری تشویش کا حل مل گیا ہے"۔

"ہاں!" زلیخا ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی..... گویا شاہ عالم کو اب ایک طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔

علی ضیغم بہت بددل ہو کر واپس آیا تھا..... باقی دونوں بھائی بھی سخت غم و غصہ کا شکار

ہو چکے تھے..... ان کی طبیعت میں گداز نہیں تھا جو نقصان کا احساس دلاتا ہے بلکہ ایک سرکشی ایک ایسا غصہ ان کی طبیعتوں میں پل رہا تھا جس کا صحیح مفہوم شاید خود انہیں بھی نہیں معلوم تھا..... وہ بہت عرصے تک ماں باپ سے ناراض بیٹھا رہا..... زندگی کی ہر خوشی اور ہر غم میں یاد آتے تھے پہلے بھی زیادہ نہیں تھا، لیکن جس انداز میں اس کی توہین کی گئی تھی اس نے اس کی انا کو بہت مجروح کیا تھا..... اس کے بعد ایک طویل عرصے تک اس نے ماں باپ کے گھر کا رُخ نہ کیا اور ادھر سے بھی کوئی طلبی نہ ہوئی..... انتظار ہی کرتا رہا..... جو ہوا تھا اس کا احساس دل کو کبھی کبھی شدید مضطرب کر دیتا تھا..... عورتیں بہت اچھی بھی ہوتی ہیں اور کہیں نہ کہیں کسی عجیب کیفیت کا شکار بھی، جس میں شدید بے رحمی پائی جاتی ہے..... ان تمام خواتین کو بے رحم تو نہیں کہا جا سکتا تھا، لیکن بہر حال فروزاں نے جو عمل کیا تھا اور جس کا انکشاف ہر ایک پر ہو چکا تھا اس کے تحت اگر دل میں ہمدردی اور انسانیت کے جذبات اُبھرتے تو فروزاں سے گریز ضروری ہو جاتا لیکن ایسا نہیں تھا بلکہ تینوں دیورانی جٹھانیوں میں بڑی مفاہمت تھی..... ایک دوسرے کی ساتھی ایک دوسرے کے غم و خوشی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھیں..... ان کا نظریہ یہی تھا کہ شوہر کو جس طرح بھی بن پڑے، چنگل میں رکھو اور اس کے ذہن کو بھٹکنے نہ دو..... حالات بھی مناسب ہی تھے..... کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جو دماغ کو پریشان کرے..... سیر و سیاحت کے منصوبے بنتے تھے..... تینوں کے میکے تھے اور شوہر مٹھی میں چنانچہ طرح طرح کی تفریحات ہوتی رہتی تھیں، لیکن انسان بھول جاتا ہے کہ جو کچھ اس کے حساب میں نہیں ہو گیا وہ مٹتا نہیں..... سو یوں ہوا کہ ایک خاندانی پکنک کا پروگرام بنایا گیا..... سبھی مزدا گاڑیوں میں بیٹھ کر چل پڑے..... ان میں تینوں عورتوں کے میکے والے تھے..... ضیغم، داراب اور شاہ گل تو تھا ہی کون! ماں باپ اب قصہ پارینہ بن چکے تھے اور ان لوگوں نے بھی دلوں پر پتھر رکھ لی تھی..... ایک دور دراز علاقے کو منتخب کیا گیا..... اس سیر و سیاحت کے لئے طویل سفر طے کیا گیا..... دریا کا کنارا، قرب و جوار میں خوبصورت مناظر بکھرے ہوئے تھے..... آنے والے اپنی اپنی تفریحات میں گم ہو گئے..... تمام کے تمام یہاں آنے کے بعد گھر کے

www.paksociety.com

ماحول کو بھول گئے تھے اور خوب خوش گپیاں اور چہلیں ہو رہی تھیں...... تاحد نظر جھاڑیاں تھیں...... پتھروں کی چٹانیں نجانے کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں...... فروزاں اپنی ایک بہن کے ہمراہ جس کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، ایک گوشے کی جانب نکل آئی اور دونوں ہنستی بولتی آگے بڑھنے لگیں کہ اچانک ہی کسی طرف سے کوئی تیر نما شے سنسناتی ہوئی فروزاں کی گردن سے ٹکرائی پھر دور جا گری...... فروزاں کے ساتھ انیلا تھی، اس نے بھی اس سنسناتی ہوئی چیز کو دیکھ لیا تھا اور حیران تھی...... پھر جب وہ جس جگہ گری وہاں اس کی نگاہ پڑی تو اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا...... ایک باریک سا لجلجہ وجود اسے نظر آیا جو تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا تھا...... باریک سی یہ لکیر لہراتی ہوئی آگے بڑھی اور جھاڑیوں میں گم ہو گئی...... انیلا نے دیکھ لیا تھا کہ وہ سانپ ہے...... ادھر فروزاں اپنی گردن کو پکڑے کھڑی تھی...... انیلا نے حیرانی سے کہا: "فروزاں کیا ہوا؟"۔

"پ...... پتہ نہیں...... دیکھو لگا ہے جیسے گردن میں کوئی چیز چبھ رہی ہو"۔

"ارے...... اس سے تو خون چھلکنے لگا ہے"۔

"کیا تھا وہ تم نے دیکھا؟" فروزاں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں شاید...... شاید"۔

"ہاں...... شاید کیا؟"۔

"وہ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا چلا گیا تھا"۔

"کیا؟" فروزاں اُچھل پڑی۔

"دیکھو اب خون باقاعدہ نکلنے لگا ہے"۔

پھر اچانک ہی فروزاں کی گردن میں جلن ہونے لگی اور اس کے بعد یہ جلن شدت اختیار کرتی چلی گئی...... پھر اس کی دردناک چیخیں بلند ہونے لگیں اور چیخوں کی آواز سن کر لوگ اس طرف دوڑ پڑے...... وہ سب صورت حال معلوم کر رہے تھے۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ کیا" بے شمار آوازیں اُبھریں۔

"شاید وہ اڑن سانپ تھا"۔

"اڑن سانپ!"۔

"ہاں فروزاں کی گردن میں کاٹا ہے" انیلا نے جواب دیا...... فروزاں پر اب شدید ہیجانی کیفیت طاری تھی...... گردن کی تکلیف شدت اختیار کرتی چلی جا رہی تھی اور اس کے حلق سے دلدوز چیخیں نکل رہی تھیں...... ساری پکنک کا مزہ کرکرا ہو گیا...... علی داراب اور علی ضیغم اسے لے کر واپس شہر دوڑ پڑے تاکہ کسی ہسپتال تک پہنچائیں...... کوئی ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی جس سے بدن میں زہر کو پھیلنے سے روکا جا سکے...... سوائے اس کے کہ جس قدر جلد ہو سکے اسے ہسپتال پہنچایا جائے...... باقی ماندہ لوگ بھی سامان باندھنے میں مصروف ہو گئے...... پکنک ختم ہو گئی تھی...... بہرحال فروزاں کو ہسپتال پہنچایا گیا...... ڈاکٹروں نے کارروائیاں شروع کر دیں اور خاصی حد تک صورت حال پر قابو پا لیا گیا...... فروزاں بے ہوش ہو چکی تھی اور اس کے اندر کچھ عجیب سی کیفیات رونما ہوتی جا رہی تھیں...... اس کی زندگی کے لالے پڑ گئے تھے...... ڈاکٹر اپنے طور پر مسلسل کوششوں میں مصروف تھے، بہرحال یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اسے اڑن سانپ نے کاٹا ہے...... ان جگہوں پر اڑن سانپ پائے جاتے تھے...... پھر علی ضیغم سے ڈاکٹر نے اس خدشے کا اظہار کیا اور کہنے لگا: زندگی کو تو اب کوئی خطرہ نہیں رہا لیکن چونکہ زہر بڑی حد تک بدن میں سرایت کر گیا تھا، اگر موقع پر فوری طبی امداد دے دی جاتی تو شاید حالات زیادہ بہتر ہو سکتے تھے...... اب صرف ایک خطرہ ہے کہ فروزاں کا جسم مفلوج ہو جائے گا اور ہم اس امکان کو رد نہیں کر سکتے"۔

علی داراب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، لیکن بہرحال جو ہونا تھا ہو کر ہی رہتا ہے اور ایسا ہی ہوا...... فروزاں کا آدھا جسم مفلوج ہو گیا تھا...... وہ بول سکتی تھی...... ہاتھ ہلا سکتی تھی لیکن جسم کا نچلا حصہ بالکل پتھرا گیا تھا...... تقریباً چوبیس دن تک اسے ہسپتال میں رہنا پڑا...... پھر ڈاکٹروں نے اسے صحت مند قرار دے کر واپسی کی اجازت دے دی لیکن یہ صحت ایک مشروط صحت تھی...... اسے وہیل چیئر پر بٹھا دیا گیا...... زندگی تو بے کار ہو گئی تھی...... علی شاد

نے سرزنش کے انداز میں عالیہ سے کہا تھا۔

"عالیہ میں بہر طور بھائی علی داراب کے دُکھ میں برابر کا شریک ہوں...... ساری زندگی کا عذاب بھگتنا پڑے گا اسے لیکن ایک بات میں تم سے کہوں...... علی نواز بے گناہ تھا اور فروزاں نے جو کچھ کیا تھا، وہ غلط کیا تھا...... اسے اس دیوانگی کی سزا ملی ہے...... بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی کو اس طرح دُکھ پہنچانے سے گریز کرے...... تھوڑی سی ذاتی ہوس انسان کو دیوانگی میں مبتلا کر دیتی ہے، لیکن اللہ کی طرف سے شاید کسی انسان کو نقصان پہنچانے کی معافی مشکل ہی ہوتی ہے...... یہ الفاظ میں تم سے اس لئے نہیں کہہ رہا کہ تم ان کی تشہیر شروع کر دو...... میں تمہیں صرف سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں"۔

عالیہ سخت خوفزدہ ہو گئی تھی۔

علی ضیغم ہی ماں کے پاس پہنچا تھا اور اس نے فروزاں کے بارے میں بتایا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں آخر بیٹے کا مستقبل تھا...... علی ضیغم سے اس نے کہا کہ وہ فروزاں کو دیکھنے جائے گی، لیکن شاہ عالم سے اجازت لے کر۔

"ماما ٹھنڈے دل سے کہو کیا بابا جانی کا رویہ غیر انسانی نہیں ہو گیا...... ہم لوگوں کے ساتھ...... چلو، میں نے مان لیا کہ فروزاں نے یہ مذموم سازش کی تھی، لیکن اس میں علی داراب شریک تھا نہ شاد اور نہ میں...... پھر بابا جانی نے ہمارے ساتھ یہ رویہ کیوں اختیار کیا ہے؟"۔

"برا مت ماننا علی ضیغم! دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے...... اس حقیقت سے تم انکار نہیں کرو گے کہ بہر حال وہاں ایسا ہوا"۔

"ہم بھی انسان ہیں ماما! ہمارے سارے رشتے چھین لئے ہیں بابا جانی نے...... وہ ظلم کر رہے ہیں"۔

"خیر، میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی"۔

"بس ٹھیک ہے...... ہمیں بھی اپنے دل پر پتھر رکھنا ہوں گے...... بعد میں ہم سے ...

... نے ماں باپ کا احترام نہ کیا"۔

... نے شاہ عالم کو اس کے بارے میں بتایا تو شاہ عالم کے ہونٹوں پر ایک ... پھیل گئی، وہ تیز لہجے میں بولا۔

"تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ کیا تم خدا کے وجود سے منکر ہو؟"۔

"وہ...... اگر اجازت ہو تو میں فروزاں کو دیکھنے چلی جاؤں؟"۔

شاہ عالم نے اس انداز میں زلیخا کو دیکھا کہ زلیخا کی نگاہیں جھک گئیں، تب شاہ عالم نے کہا۔

"بیٹے کے قاتلوں سے اگر تمہیں کوئی دلچسپی ہے تو بہر طور میں تم سے کچھ نہیں چھینوں گا...... جانا چاہو تو چلی جاؤ"۔

یہ کہہ کر شاہ عالم وہاں سے چلا گیا، لیکن اس نے جو الفاظ استعمال کئے تھے، ان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زلیخا وہاں جائے...... سخت نفرت کرنے لگا تھا وہ ان لوگوں سے چنانچہ زلیخا بھی خاموش ہو گئی۔

اس کے بعد مہینوں گزر گئے...... نہ تو علی ضیغم وہاں آیا نہ ہی کوئی اور بیٹا...... غالباً علی ضیغم نے انہیں بتایا ہوگا کہ اس نے فروزاں کے بارے میں اطلاع دی تھی اور وہ لوگ ذرا بھی آزردہ ہوئے تو اس بات سے سب ہی برگشتہ ہو گئے تھے...... دن مہینوں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے، ادھر شاہ گل نواز کونپل سے پودا اور پودے سے درخت بنتا چلا جا رہا تھا، ادھر ضیغم کے گھرانے میں بھی حالات میں بڑی تبدیلیاں ہوئی تھیں...... فروزاں کا کوئی علاج نہیں ہو سکا تھا اور وہ معذور ہو چکی تھی، البتہ ذہنی طور پر ٹھیک ٹھاک تھی چل پھر نہیں سکتی تھی اور وہیل چیئر پر ہی اسے وقت گزارنا ہوتا تھا، جس فرم میں ملازمت کرتا تھا وہاں ایک بہت بڑا غبن ہوا تھا اور علی ضیغم براہِ راست اس میں ملوث ہو گیا تھا...... سخت پریشانی تھی...... تحقیقات ہو رہی تھی اور کمپنی نے اسے نوٹس دیا تھا کہ اگر یہ رقم جمع نہ کرائی تو اسے پولیس کو دے دیا جائے گا...... نوکری بھی خطرے میں پڑ گئی تھی...... علی داراب اور

www.paksociety.com

علی شاہ نے جس حد تک بھی مالی مدد ہو سکتی تھی کی تھی لیکن رقم پوری کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ درکار تھا ۔۔۔ ایک بار پھر اسے شاہ عالم یاد آیا لیکن اب تو طویل عرصہ ہو گیا تھا شاہ عالم کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا اس نے اور ادھر سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی چنانچہ اس کے پاس جانے کی ہمت نہ پڑی ۔۔۔ ویسے بھی بھائیوں نے مل کر طے کر لیا تھا کہ قصور ان کا نہیں ۔۔۔ ماں باپ نے جو رویہ اپنایا ہے، اس کے نتیجے میں انہیں بھی ماں باپ سے دور ہونا پڑے گا، چنانچہ علی ضیغم نے شاہ عالم سے بھی کچھ نہ کہا ۔۔۔ نسرین کے زیورات بکے ۔۔۔ وہ تمام قیمتی اشیاء جو ان کی ملکیت تھیں، فروخت ہو گئیں ۔۔۔ نسرین نے اپنے خاندان سے کچھ رقم قرض لی اور اس طرح علی ضیغم کی گلو خلاصی ہو سکی، لیکن وہ بری طرح مشکلات میں گرفتار ہو گیا تھا ۔۔۔ غبن کی رقم جمع کرنے کے بعد ملازمت بھی ختم ہو گئی اور علی ضیغم پریشان حال لوگوں میں شامل ہو گیا ۔۔۔ دونوں بھائیوں نے اسے ڈھارس دی کہ وہ ملازمت تلاش کرے گھر کے اخراجات کا کوئی مسئلہ نہیں لیکن بہر حال بیوی بچے دوسروں کے رحم و کرم پر جا پڑے تھے۔

ایک رات وہ پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ اسے شاہ عالم کا ایک صندوق یاد آیا جس میں شاہ عالم کے قدیم کاغذات پڑے ہوئے تھے اور ایک بوسیدہ حیثیت سے وہاں گودام میں رکھا ہوا تھا۔ نہ جانے علی ضیغم کو کیا سوجھی کہ وہ اس خانے میں داخل ہو گیا ۔۔۔ دروازہ اندر سے بند کیا ۔۔۔ روشنی جلائی اور صندوق کا تالا کھول کر کاغذات کی فائل نکالنے لگا ۔۔۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا کیا منصوبے جنم لے رہے تھے ۔۔۔ پھر ایک فائل دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑا ۔۔۔ باقی کاغذات واپس رکھ کر اس نے فائل کی ورق گردانی شروع کر دی اور اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک پیدا ہو گئی ۔۔۔ ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی ۔۔۔ اس نے زیر لب کہا:

"وہ جانتا ہے انسان ایک عمر کو پہنچنے کے بعد خود مختار ہو جاتا ہے ۔۔۔ ہم نے آپ سے آپ کا مقام بھی نہیں چھینا ۔۔۔ آپ نے ہم سے ہمارا مقام چھین لیا اور وہ بھی قیمتی ۔۔۔"

رنج جس کے بعد دل میں صرف نادانی ہی جنم لے سکتی ہے ۔۔۔ مجھے معاف کر دیجئے ۔۔۔ جس بات کی تلقین میں کر رہا ہوں وہ بہر حال آپ کو پسند نہیں آئے گی، لیکن دنیا میں ایسی کہانیوں کی کمی نہیں ہے۔"

پھر علی ضیغم اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گیا ۔۔۔ یہ سارے معاملات دونوں بھائیوں سے بھی چھپانا ضروری تھے ۔۔۔ دوسرے دن اس نے اپنے ایک شناسا ایڈووکیٹ سے ملاقات کی اور اسے اپنا مقصد بتایا۔

"زمینیں میرے باپ کی ملکیت نہیں تھیں، بلکہ میرے باپ کو ورثے میں منتقل ہوئی تھیں ۔۔۔ پھر یوں ہوا کہ ان زمینوں کو زمان ملکی نے کسی طرح ہڑپ کر حاصل کر لیا۔ بعد میں زمان ملکی نے وہ تمام کاغذات کو واپس کر دیا ۔۔۔ ان کے ساتھ واپس کر دیئے اور جو لوگ ان زمینوں کے قدیم مالک تھے وہ ان کے دوبارہ مالک بن گئے ۔۔۔ پھر یہ کاغذات بھی اس خاندان میں واپس آ گئے تھے، لیکن شاہ عالم نے ان زمینوں کو بھی اپنی بہو کی ملکیت قرار دیا ۔۔۔ اپنے مرحوم بیٹے کی بیوہ کی ملکیت! کیا ایسا ہو سکتا ہے وکیل صاحب؟"

وکیل سوچ میں ڈوب گیا ۔۔۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"باقی اشیاء میں جو چیزیں آپ لوگوں کو تقسیم کی گئی ہیں، ورثے کے طور پر اس میں سے علی نواز کا حصہ بھی نکالا گیا تھا؟"

"نہیں ۔۔۔ ایسا بے شک نہیں ہوا، لیکن زمان ملکی نے ہی اپنی بیٹی کو بہت کچھ دے دیا تھا، یہ زمینیں جیسا کہ ان کاغذات سے ظاہر ہے شاہ عالم ہی کی ملکیت ہیں جو کاغذ زمان ملکی نے زمینوں کی واپسی کے وقت شاہ عالم کو دیا تھا وہ بھی ان ہی میں موجود ہے۔"

"ہاں ۔۔۔ وہ دکھایئے" وکیل صاحب نے کہا اور علی ضیغم نے وہ کاغذ بھی وکیل صاحب کے حوالے کر دیا ۔۔۔ یہ کاغذ پڑھنے کے بعد وکیل صاحب نے کہا۔

"اب آپ کا کیس جاندار ہو سکتا ہے ۔۔۔ آپ اگر چاہیں تو اس سلسلے میں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں ۔۔۔ زمینوں میں تین افراد کا حصہ ہو سکے گا ۔۔۔ اگر شاہ عالم اس سلسلے میں

شدید مخالفت نہ کرے تو سارے معاملات طے ہو سکتے ہیں، لیکن آپ کو علم ہے کہ وہ ضدی ہیں اور اپنے پوتے کے لیے بھی وصیت میں یہ سب کچھ کر سکتے ہیں..... اس لیے آپ کو احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

علی ضیغم نے سرد لہجے میں کہا: میرے باپ نے اپنی اولاد سے سخت رویہ اختیار کیا لیکن اب میری اولاد میرے سامنے ہے..... اس کے لیے مجھے اپنے باپ سے مختلف انداز میں سوچنا ہوگا۔

وکیل صاحب سے تمام معاملات طے کرنے کے بعد علی ضیغم وہاں سے اٹھ گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر افسردہ سائے چسپاں نظر آ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

UPLOAD BY SALIMSALKHAN

شاہ مل نے اپنے طور پر خوش رہنا سیکھ لیا تھا..... گزرنے والے وقت کے ساتھ عزیزہ بھی بہتر ہوتی جا رہی تھی..... معصوم بچپن شعور کی حد میں داخل ہوتا جا رہا تھا اور شاہ گل نواز اپنی معصوم معصوم حرکتوں کے ساتھ اس پورے گھر کے لئے ایک زندہ کھلونا بنا ہوا تو..... یہ زندہ کھلونا اس قابل ہو گیا کہ اسے سکول میں داخل کر دیا جائے..... اس دوران شاہ مل اور غلام خیر اس کا جائزہ لیتے رہے..... کچھ انوکھی باتیں اس میں ضرور پائی جاتی تھیں جو نہیں خوف کا احساس دلاتی تھیں..... وہ ایک خوبصورت بچہ تھا اور اس عمر میں تھا کہ جنس کا تعین مشکل ہو جائے، لیکن کچھ ایسی لچک، کوئی ایسی کیفیت اس میں مستقل پائی جاتی تھی، جو عام انداز سے مختلف ہوتی تھی..... سکول میں داخل ہو کر اس نے اساتذہ کو حیران کر دیا تو..... پڑھنے لکھنے سے بے پناہ لگاؤ تھا اور اس طرح کے مظاہرے کر رہا تھا کہ اساتذہ کو اس کی جانب متوجہ ہونا پڑا تھا..... بہت شاندار سکول میں داخل کیا گیا تھا اسے، جہاں نہایت تجربہ کار لوگ سکول چلاتے تھے..... توجہ کے ساتھ بچوں کو تعلیم دلاتے تھے..... لیکن شاہ گل نواز کی بات ہی کچھ اور تھی..... اپنے حسن و جمال، اپنی معصوم مسکراہٹوں سے وہ دلوں کو تسخیر کر لیتا تھا..... یہی وجہ تھی کہ دیکھنے والی ہر نگاہ اس کی جانب متوجہ ہو جاتی تھی..... نفسیات کے ایک بہت بڑے پروفیسر نے جو اس سکول میں خاص طور سے بچوں کی نفسیات کا جائزہ لینے کے لئے تعینات تھے..... ایک دن اسے دیکھا اور اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے استاد فیروز سے کہا۔

"فیروز! اس بچے کو کبھی تم نے غور سے دیکھا ہے؟"۔

"جی ناصر صاحب! یہ بچہ تو ہمیشہ ہی غور سے دیکھے جانے کے قابل ہے"۔

"نہیں...... کوئی ایسی بات محسوس کی ہے اس میں جو آپ کو عجیب لگی ہو؟"۔

پروفیسر ناصر نے پوچھا۔

"بس عجیب یہ ہے اس کی آنکھیں بے حد جاندار ہیں...... اتنی حسین آنکھیں اور اس قدر چمکدار آنکھیں ذرا کم ہی نظر آتی ہیں"۔

"ہونہہ...... آپ میرا مطلب نہیں سمجھے"۔

"ظاہر ہے آپ ماہر نفسیات ہیں...... نفسیات کے استاد ہیں...... آپ سمجھ سکیں گے وہ بھلا میرے ذہن تک پہنچنا کیسے ممکن ہے" پروفیسر نے مسکرا کر کہا پھر بولے...... "لیکن آپ کسی خاص بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں؟"۔

"ہاں!" پروفیسر ناصر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا پروفیسر؟ یہ بچہ اتنا پیارا ہے کہ میرا دل اس کی جانب کھنچتا ہے...... آپ براہ کرم ذرا وضاحت کریں"۔

"بات کہتے ہوئے بہت عجیب لگتی ہے...... پروفیسر فیروز...... کسی کے بچے کے بارے میں کوئی برے الفاظ زبان سے نکلنا ایک مناسب عمل نہیں ہے، لیکن میرا تجربہ بتاتا ہے کہ بچے کے اندر کوئی کمی ہے...... اس کے انداز میں موجود لہک اور لہر کو دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے وجود میں نسوانیت زیادہ ہے اور مردانگی کم"۔

"لیکن بچہ ہے، ہو سکتا ہے کسی ایسے ماحول کا پروردہ ہو جس میں کوئی بہت ہی...... میرا مطلب سمجھ رہے ہیں...... بعض اوقات کوئی ایسی کیفیت ہوتی ہے کسی گھرانے کی...... آپ اسے بہت تہذیب یافتہ کہہ سکتے ہیں...... بے انتہا مہذب لوگوں کے گھر کچھ ایسا ہی انداز ہوتا ہے زندگی کا اور ظاہر ہے بچے ماحول کا اثر قبول کرتے ہیں"۔

"ہاں...... لیکن شاید ایسا نہیں...... پروفیسر ناصر نے پر خیال انداز میں کہا اور یہ حقیقت

تھی کہ شاہ گل کے انداز میں ایک عجب نسوانیت پائی جاتی تھی...... چہرے کی شرم...... مسکراہٹ...... خاموشی کا انداز...... گفتگو میں ایک عجیب سی کیفیت باقی لڑکوں سے بالکل مختلف تھی اور اس بات کو خصوصاً محسوس کیا جا رہا تھا...... خود شاہ عامل اور غلام خیر بھی کبھی کبھی ہراساں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگتے تھے، جو حقیقتیں انہیں معلوم تھیں، وہ دوسرے تو نہیں جانتے تھے لیکن ان حقیقتوں کی روشنی میں شاہ گل نواز نمایاں سے نمایاں ہوتا جا رہا تھا...... اکثر ریشمی اور بھڑکدار لباس پہننے کی خواہش کا اظہار کرتا تھا...... حالانکہ عمر ابھی بہت کم تھی، لیکن اس کے شوق نمایاں ہو رہے تھے۔

ٹیلی ویژن چل رہا تھا...... ایک دن تنہا بیٹھا ہوا ٹیلی ویژن کے پروگرام دیکھ رہا تھا کہ نہ جانے کیا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا...... ایک کلاسیکل رقص ہو رہا تھا...... اسی کے انداز میں پوز بنا کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے رقص شروع کر دیا...... ایک ایک قدم اسی کی مانند اٹھ رہا تھا...... غلام خیر کسی کام سے دروازے پر آیا...... جھانک کر اندر دیکھا اور انگشت بدنداں رہ گیا...... شاہ گل نواز ٹیلی ویژن پر نظر آنے والے رقص کی مانند رقص کر رہا تھا...... غلام خیر زیادہ تر ان چیزوں کا شناسا تو نہیں تھا لیکن اس کے رقص کرنے کی محویت اور انداز کو دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... شاہ گل نواز اس کی موجودگی اور کیفیت سے بے خبر رقص میں مصروف رہا اور جب رقص ختم ہو گیا تب بھی دیر تک وہ رقصاں رہا...... پھر اس نے ایک عجیب سے انداز میں گردن گھما کر غلام خیر کی طرف دیکھا اور غلام خیر جلدی سے سنبھل گیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا شاہ گل میاں؟"۔

"واہ! غلام خیر یہ گھونگرو کہاں ملتے ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"گھنگرو؟"۔

"ہاں"۔

"کیوں بیٹے کیا کرو گے؟"۔

"مجھے پسند ہیں...... یہ پیروں میں باندھ لئے جائیں تو بالکل ایسے ہی ناچا جا سکتا ہے؟"۔

"نہیں شاہ گل نواز! شیر تو دوسروں کو نچاتے ہیں، خود نہیں ناچتے"۔

"ان سے شیر؟" شاہ گل نواز نے عجیب سے انداز میں پوچھا اور غلام خیر بھونچکا رہ گیا

"آپ مجھے گھنگھرو لا دیجئے"۔

"دادا جان ناراض ہوں گے بیٹا"۔

"تو آپ ان سے چھپ کر لا دیجئے...... بری چیز تو نہیں! اس میں بھلا دادا جان کیا ناراض ہوں گے!" غلام خیر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا...... باہر نکل آیا لیکن اس دن اس کے چہرے پر پہلی مرتبہ شدید تشویش کے آثار پھیلے...... وہ شاہ عالم کے سامنے بھی دیر تک زبان نہیں کھول سکا...... شاہ عالم نے بھی محسوس کیا، کہنے لگا...... "کیا بات ہے غلام خیر؟"۔

"شاہ! بات کچھ بھی نہیں لیکن جب دلوں پر بوجھ ہوتا ہے تو ہر بات ایک الگ رُخ اختیار کر جاتی ہے"۔

"کیا بات ہے غلام خیر...... بولتا کیوں نہیں؟"۔

"شاہ میں کیا بتاؤں تمہیں...... وہ ٹیلی ویژن کے سامنے کھڑا ناچ رہا تھا...... اس نے مجھ سے گھنگھروؤں کی فرمائش کی ہے"۔

شاہ عالم سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا...... اس نے سوال نہیں کیا تھا کہ غلام خیر کس کی بات کر رہا تھا...... غلام خیر نے خود ہی کہا۔

"ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ جب اس کی عمر چار پانچ سال کی ہو جائے تو ہم اسے کہیں دکھا سکتے ہیں...... کیا تم ایسا نہیں کرو گے شاہ عالم؟"۔

شاہ عالم نے اب بھی غلام خیر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا...... بس اسے دیکھتا رہا...... پھر بہت دیر کے بعد بولا: "نہیں" غلام خیر میرے لئے یہ مشکل ہے...... بہت مشکل ہے یہ میرے لئے غلام خیر میرے لئے مشکل ہے......

ہمت کھو چکا ہوں اپنی...... میری عمر دیکھو...... میری صحت دیکھو اور اس کے بعد ارے میں کہتا ہوں...... کہوں گا کیا میں کسی سے...... بولو میں کسی سے کیا کہوں گا...... کیسے کہوں گا یہ میرا

پوتا ہے اور پھر غلام خیر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے بیٹے میرے نگراں نہیں...... وہ میری ہر کیفیت سے روشناس نہیں ہونا چاہتے تو یہ تمہاری غلطی ہے...... کیا ہوگا میرا؟ مذاق نہیں اڑائیں گے وہ لوگ! قہقہے نہیں لگائیں گے مجھ پر؟ یہ نہیں کہیں گے کہ واہ شاہ عالم! علی نواز کا نعم البدل کتنا شاندار ہے...... غلام خیر! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ شاہ گل نواز کی عمر کا کوئی لمحہ میرے سینے میں پر سکون گزرا ہے تو یہ تمہاری زیادتی ہے...... ایسی کوئی بات نہیں...... سال کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور یہ جتنے بھی سال گزرے ہیں، ان کا ایک ایک لمحہ میرے لئے موت کی مانند رہا ہے...... آہ غلام خیر...... اگر میرے سینے میں جھانکو گے تو خوف سے آنکھیں بند کر لو گے...... اتنا ہی خوف ہے...... اتنے داغ ہیں میرے اندر، کیا بتاؤں تمہیں؟"۔

"مگر شاہ عالم! اس بچے کے مستقبل کے بارے میں تو سوچنا ہے"۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

"مگر کریں کیا؟"۔

"کسی ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں"۔

"کیا کہوں گا میں ان سے؟"۔

"میں کہہ لوں گا...... تم نہ کہنا" غلام خیر نے کہا۔

"تو پھر معلوم کرو کسی سے، مگر کیسے معلوم کرو گے؟ آہ سب کچھ میرے لئے اتنا اجنبی ہے کہ میں لاکھ ہمت کرنے کے باوجود کچھ نہیں کر پاؤں گا"۔

"پھر بھی ہم اس مسئلے کو اس طرح اثر انداز نہیں کر سکتے" غلام خیر ایک سیدھا سادا دیہاتی آدمی تھا...... بات اتنی اُلجھن کی تھی کہ اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں بنتا تھا...... خود بھی اس نے بعد میں سوچا کہ اسے اس سلسلے میں کس حد تک آگے بڑھنا چاہئے...... ڈاکٹروں سے ملے گا، کیا کہے گا ان سے؟ کس انداز میں ان سے بات کرنا ہوگی...... اگر بات دوسروں کے کانوں تک پہنچ گئی، مگر پھر بھی کچھ نہ ہو سکا تو پھر یہ تو ہوگا کہ بات نکل جائے گی اور وہی ہوگا جس کا خوف شاہ عالم کو ہے...... کیا شاہ عالم اس کے بعد غلام خیر سے بددل نہ ہو جائے

کہ وہ یہ نہ ہے گا کہ اس گھریلو داستان باہر نکل ہی ... اس کی رسوائیاں غلام خیر کی زبان سے ہوں ... تنہائی میں غلام خیر نے جب یہ بات سوچی تو خود اسے بھی خوف محسوس ہوا اور جو ہمت اس نے شاہ عالم کی بڑھائی تھی وہ خود اس کے اندر ختم ہو گئی...... پھر کافی عرصے تک اس مسئلے پر خاموشی ہی طاری رہی، لیکن شاہ گل نواز کی فرمائش بڑھتی چلی گئی اور غلام خیر کو اس کے لئے گھنگھرو لانا پڑے۔

ادھر سکول میں بڑی عجیب و غریب کیفیت تھی...... گزرتے ہوئے ہفتے اور مہینے شاہ گل نواز کے اندر ایک عجیب سی فضا بیدار کرتے جا رہے تھے...... اس کے بولنے کا انداز! بے شک آواز میں مردانگی تھی، لیکن اس مردانگی کے ساتھ ساتھ ایک لچک...... ایک ایسی انوکھی لچک جس کا کوئی مفہوم واضح نہ ہو سکے...... آنکھوں کو گھمانے کی کیفیت...... ہونٹوں کی مسکراہٹ کا انداز...... یہ الگ بات ہے کہ اس انداز پر جان جاتی تھی اور دیکھنے والے دل مسوس کر رہ جاتے تھے بلکہ پروفیسر فیروز نے ایک بار پروفیسر ناصر سے کہا بھی۔

"پروفیسر ناصر! بعض گھرانوں میں بڑی احمقانہ سوچیں ہوتی ہیں...... کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ اصل میں لڑکی ہو اور وہ لوگ اسے لڑکا بنا کر تعلیم دلا رہے ہوں"۔

پروفیسر ناصر نے حیرت بھری نگاہوں سے پروفیسر فیروز کو دیکھا اور کہا:

"ہاں ہو سکتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے"۔

"اس سلسلے میں کوئی بات کی جائے کسی سے؟"۔

"میرا خیال ہے ہم اس کے اہل خاندان سے ایک ملاقات کرتے ہیں...... بالکل ذاتی قسم کی"۔

اور ان دونوں کے لئے شاہ عالم کے گھر پہنچنا بالکل بھی مشکل نہ ہوا...... انہوں نے اپنا تعارف شاہ عالم سے کراتے ہوئے کہا۔

"ہم اس سکول میں تعلیم دیتے ہیں جس میں آپ کا پوتا شاہ گل نواز پڑھتا ہے"۔

"آپ یہ بتایئے کہ کیا آپ اپنے پوتے کی تعلیم سے مطمئن ہیں؟"۔

"جی ہاں یقینی طور پر...... آپ جیسے معزز لوگ جہاں تعلیم دے رہے ہوں وہاں مطمئن نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

"شکریہ! کچھ الجھنیں ہیں ہمارے ذہن میں، جنہیں رفع کرنا پسند کریں گے آپ؟"۔

"فرمایئے"۔

"دیکھئے برا تو نہیں مانیں گے آپ ہماری کسی بات کا؟"۔

"نہیں استاد صاحب! آپ بے دھڑک فرمایئے" شاہ عالم نے کہا۔

اس بچے کے ایڈمشن فارم پر اس کے باپ کو مرحوم لکھا گیا ہے"۔

یقینی طور پر وہ غلط نہیں ہو گا۔

"وہ میرا بیٹا تھا" شاہ عالم نے مغموم لہجے میں کہا۔

"ہم اس کے لئے افسردہ ہیں...... یہ بچہ میرا مطلب ہے، کہنے کو دل چاہتا ہے مگر زبان نہیں کھلتی"۔

"آپ کہئے!" شاہ عالم نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

کیا آپ نے اس کے اندر کچھ خاص باتیں محسوس کی ہیں...... پروفیسر ناصر نے سوال کیا اور شاہ عالم کی گردن جھک گئی۔

آپ یقین کیجئے...... آپ کو شرمندہ کرنا مقصود نہیں ہے، لیکن آپ بس اتنا فرمایئے کہ کسی خاص وجوہ کی بنا پر آپ نے اس کا نام شاہ گل نواز تو نہیں لکھوایا، جبکہ اس بات کے امکانات ہیں...... کچھ گھرانوں میں یہ کیا جاتا ہے حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نامناسب عمل ہے"۔

"کیا کیا جاتا ہے؟" شاہ عالم نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

لوگ لڑکیوں کو لڑکا بنا کر پالتے ہیں...... معاف کیجئے گا یہ بات ہمارے ذہنوں میں آخری حد تک پہنچ گئی ہے کہ یہ لڑکا نہیں لڑکی ہے۔

شاہ عالم کو چکر آ گیا تھا...... بس احساس کی شدت نے اسے ایک عجیب سی کیفیت میں

وتا کر دیا تھا...... وہ چپی چپی نگاہوں سے پروفیسر ناصر کو دیکھنے لگا...... پھر غراتی ہوئی آواز میں بولا...... آپ میرا مذاق اڑانا چاہتے ہیں...... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"۔

"نہیں، دیکھئے، میں نے آپ سے پہلے ہی......"

"آپ نکل جایئے فوراً یہاں سے...... دفعان ہو جایئے...... ورنہ، ورنہ میں ملازموں کو بلا کر آپ کو جوتے مار کر نکلوا دوں گا...... اٹھو، اٹھ جاؤ اپنی جگہ سے۔

"آپ نے بہت برا سلوک کیا ہے ہمارے ساتھ شاہ صاحب! حالانکہ ہمارے ذہن میں کوئی برائی نہیں تھی...... ہم تو صرف تفصیل معلوم کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ کے اس سلوک کے بعد ہمیں اس سلسلے میں تحقیق کرنا ہوگی...... یہ تو جعل سازی بھی ہے، حالانکہ یہ ایک بے ضرر جعل سازی ہے لیکن سکول کے قوانین کے خلاف ہے...... آپ سکول کو کیا سمجھتے ہیں؟"۔

"چلے جایئے آپ لوگ...... میں کہتا ہوں چلے جایئے ورنہ" شاہ عالم پر دیوانگی طاری ہونے لگی تھی۔

دونوں پروفیسر باہر نکل گئے، لیکن شاہ عالم کے دماغ میں تاریکی پھیلنے لگی تھی۔

"تو...... تو شروع ہو گیا اصل کھیل...... بات گھر سے باہر نکل گئی...... آہ اب...... اب میری رسوائی کا آغاز ہو گا...... اب، اب لوگ اس گھر کی طرف دیکھ کر ہنسیں گے...... کیا کروں میں؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"۔

دل بری طرح گھبرایا...... بڑی عجیب کیفیت ہو گئی...... بڑبڑانے لگا: "میرے معبود...... میرے معبود...... کیا کروں...... اب کیا کروں...... آج تک...... آج تک پامردی سے ہر مشکل کا مقابلہ کرتا آیا ہوں لیکن اب...... اب شاید تیرے امتحان کا بوجھ سنبھالنے کی سکت نہیں رہی...... اب، تیری مدد درکار ہے مجھے...... اب...... اب...... آہ اب میں کیا کروں"...... دماغ میں بڑے زور کی ٹیسیں اٹھیں اور ناک سے خون کی پھوار نکل پڑی...... میرے...... رے۔

غلام خیر کہیں باہر سے آیا تھا...... شاید شاہ عالم نے ہی کسی کام سے بھیجا تھا...... گھر میں داخل ہو کر سیدھا شاہ عالم کے کمرے کی طرف چل پڑا...... دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو شاہ عالم کو کچھ عجیب سے انداز میں گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے پایا...... سوچا جھک کر کچھ دیکھ رہا ہے...... قریب پہنچ کر بولا۔

کیا بات ہے...... لیکن پھر ناک سے ٹپکتے خون کے قطرے نظر آئے تو اس نے جلدی سے شاہ عالم کو سیدھا کرتے ہوئے کہا...... "ارے کیا نکسیر" لیکن دوسرے لمحے نگاہوں نے کچھ اور ہی محسوس کیا اور وہ دہشت سے چیخ پڑا...... "کیا ہوا...... کیا ہو گیا...... ارے یہ کیا ہو گیا...... اس کی دہشت زدہ چیخوں نے سب کو کمرے میں جمع کر دیا...... زلیخا نے سینے سے لگایا...... غلام خیر نے نبض دیکھی، پھر ڈاکٹر کو بلانے دوڑ پڑا...... ڈاکٹر نے آکر معائنہ کیا اور مدہم لہجے میں کہا۔

"دماغ کی رگ پھٹ جانے سے فوری انتقال ہو چکا ہے اور یہ کوئی بیس منٹ پہلے کی بات ہے"۔

کیفیتوں کا اظہار لفاظی ہے جس پر جو بیتی وہی جانتا ہے...... سروں سے سائبان ہٹ جاتے ہیں تو سورج کی تپش اور مصائب کے موسم سخت ہو جاتے ہیں...... زلیخا دہشت سے سفید ہو گئی تھی۔

"غلام خیر...... اب کیا ہو گا؟"۔

"اللہ نگہبان ہے...... وہ سب کچھ جانتا ہے...... اسی کی طرف دیکھیں گے...... ایک سوال کرنا چاہتا ہوں"۔

"کیا؟"۔

"بچوں کو اطلاع دی جائے؟" زلیخا نے کچھ سوچا...... پھر سرد لہجے میں بولی۔

"نہیں...... ابھی تو شاہ کی پشت بھی زمین سے نہیں لگی، ہم ان سے انحراف نہیں کریں گے...... تدفین کا انتظام کرو...... یوں شاہ عالم کی کہانی ختم ہو گئی اور ایک بے رونق گھر میں ہر

شخص سانسوں کا قرض ادا کرنے لگا۔

ثانی ان کی چھٹیوں کے بعد غلام خیر شاہ گل کو لے کر سکول پہنچا تو استاد فیروز نے ان [illegible] کو اپنے دفتر میں بلالیا۔

"آپ اس بچے کے کون ہیں؟"۔

"غلام سمجھ لیجئے" غلام خیر نے کہا۔

"معاف کیجئے اس کے دادا جان کو یہاں آ کر ہم سے بات کرنی ہوگی...... اس کے بعد ہی"۔

"اس کے دادا جان کے انتقال کو آج سولہواں دن ہے" غلام خیر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور فیروز چونک پڑا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون" "لیکن...... اچانک فیروز رک گیا، کچھ سوچنے لگا...... پھر اس نے کہا...... "ٹھیک ہے...... آپ جائیے مگر سنیئے...... انتقال اچانک ہو گیا؟"۔

"جی ہاں" دماغ کی شریان پھٹ گئی تھی۔

"افسوس...... ٹھیک ہے آپ جائیے...... جاؤ شاہ گل اپنی کلاس میں جاؤ"۔

غلام خیر کے جانے کے بعد فیروز نے حاضری رجسٹر منگوایا اور اس کا جائزہ لے کر پروفیسر ناصر سے رابطہ کیا...... پھر اس نے یہ غمناک خبر اسے دی...... ناصر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ...... یہ اسی دن کی بات ہے...... آہ کوئی بہت ہی المناک سانحہ ہے...... ہم سے غلطی ہو گئی"۔

"اب کیا کریں؟"۔

"میرے خیال میں خاموشی اختیار کرو...... اگر کوئی خاص ہی بات ہو جائے تو پھر دیکھیں گے"۔

"ٹھیک ہے"۔

یوں شاہ گل کی تعلیم کا سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا...... ہر کردار کا ایک مقام ہوتا ہے اور

پھر شاہ عالم جیسا مرد آہن، جو نہ جانے کب سے اس سارے نظام کو سنبھالے ہوئے تھا...... غلام خیر نے ساری عمر دوستی نبھائی تھی...... اس نے اپنے فرائض بڑھائے اور شاہ گل نواز عمر کی سیڑھیوں پر آگے قدم بڑھاتا رہا...... اپنے شوق میں ڈوبا ہوا، رقص و موسیقی اس کا فطری شوق تھا...... پہلے تو شاہ عالم یہ فیصلے کر دیتا تھا کہ پوتے کے لئے کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے، لیکن غلام خیر سب کچھ ہونے کے باوجود فیصلے کرنے کی قوت نہیں رکھتا تھا...... ایک طرف معصوم صنوبر تھی، جس کے بارے میں سیدھے سادے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ باپ کے گھر میں سادگی سے زندگی گزاری اور اس کے بعد دل میں محبت کا پودا لگا اور خوش بختی نے یہاں بھی ساتھ دیا اور وہ یہاں آ گئی...... پھر باقی زندگی یہاں گزاری...... دنیا کا نہ کوئی تجربہ اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ معلومات...... زلیخا بھی بہت زیادہ جہاندیدہ نہیں تھی، چنانچہ دونوں عورتیں فیصلہ کرنے سے قاصر اور شاہ گل نواز کا جو انداز تھا وہ ایسا کہ بس جیسے اور کوئی ہی شخصیت ہو...... جس کا زمین کے لوگوں سے کوئی تعلق نہ ہو...... بچپن کی معصومیت اور فطری شوخی بے شک اس کی فطرت میں بھی موجود تھی، لیکن اس کے اندر کوئی ایسی پراسرار مقناطیسی قوت پرورش پا رہی تھی کہ دیکھنے والا اس کی بات سے انحراف نہ کر سکے...... سکول کی زندگی میں جن لوگوں نے اس حادثے کی بنیاد ڈالی تھی وہ بھی اس کی کیفیت کو اب گہری نگاہ سے محسوس کر رہے تھے اور اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ اس لڑکے نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ ناقابل فہم ہے اور اگر سوچتے تو اس نے کیا ہی کیا تھا......

الغرض غلام خیر وقت گزارتا رہا...... بارہا اس نے گھنگھروؤں کی جھنکار سنی اور چھپ کر دیکھا...... اس وقت تو ٹیلی ویژن پر رقص و موسیقی کا پروگرام بھی نہیں چل رہا ہوتا تھا اور ننھے ننھے پیروں میں وزنی گھنگھرو باندھے ایک مخصوص لے پر تھرکتا ہوا اپنے جوش اور جذبہ میں ڈوبا ہوا شاہ گل اپنے کمرے میں رقص کر رہا ہوتا، نہ کسی کو دکھانے کے لئے، نہ کسی سے داد وصول کرنے کے لئے...... غالباً یہ روح کی پکار تھی اور غلام خیر سوچتا تھا کہ اس طرح کے جتنے افراد نظر آتے ہیں کیا ان کی ابتداء ایسے ہی ہوتی ہے...... اللہ ہی بہتر جانے...... ادھر یہ

کہانی اس انداز میں رواں دواں تھی اور ادھر شاہ عامل کے بیٹے جواب ماں باپ سے کنارہ کش ہو گئے تھے..... اپنی زندگی کے عذاب میں گرفتار تھے..... فرزاں اپاہج ہو چکی تھی اور مہ دار اب ذہنی طور پر سخت کشمکش کا شکار تھا..... اپاہج بیوی بہرحال اس کے لئے دردِ سر بنی ہوئی تھی، لیکن اس سے منحرف بھی نہیں ہو سکتا تھا، اسی طرح علی شاد اور عالیہ بھی بس در بدر زندگی گزار رہے تھے ..... ضیغم اپنی سازشوں میں مصروف تھا اور اس نے اس دوران واقعی بہت سے ایسے اہم کام کر لئے تھے، جو آنے والے وقت میں شاید اس کے لئے کار آمد بھی ہو سکتے تھے..... وکیلوں سے مشورے کئے تھے جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، ان کی خدمت کر رہا تھا..... وہ کاغذات جو اسے دستیاب ہوئے تھے ان پر قابل وکیلوں سے مشورے لئے تھے..... دوسرے بھائیوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی ..... پہلے کچھ کر لوں اس کے بعد دیکھا جائے گا..... ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی بھائی ہی غداری کر جائے اور ماں باپ سے جا ملے ..... وقت سے پہلے اگر ایسا ہو جائے تو بری بات ہو گی ..... ہاں اگر کام بن جائے اور صورت حال بہتر شکل اختیار کرے تو انہیں بھی تھوڑا بہت حصہ دار بنا لیا جائے گا، چونکہ خود سارے کام کئے تھے..... اس لئے حق بھی رکھتا تھا..... دوسرے بھائیوں کو تو اس سلسلے میں پتہ ہی نہیں تھا اور پھر اسے خوش خبری حاصل ہوئی ..... یعنی جب تمام کاغذات کی تکمیل ہو گئی تو اس کے وکیلوں نے کہا۔

"ویسے تو یہ ایک فطری عمل ہے کہ ماں باپ کی جائیداد اولاد کو ہی منتقل ہوتی ہے اور وہ ہر حالت میں اس کی حقدار ہوتی ہے..... اگر تمہارے باپ نے کوئی خاص وصیت نامہ تیار نہیں کر لیا ہے تو پھر تمہیں ان زمینوں کے حقوق بہ آسانی حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن اصل مسئلہ یہی ہے کہ کسی خاص وصیت نامے کو تلاش کرو"۔

"اور اگر وصیت نامہ ہو تو؟"۔

"تو پھر تمہاری کاوشیں بے کار ہی جائیں گی"۔

"یعنی ان زمینوں کی بھی جو ہماری اپنی ہیں اور جو دوبارہ ہمیں واپس مل چکی تھیں"۔

"ہاں..... اصل میں زمینیں ظاہر ہیں شاہ عامل کی ملکیت ہیں اور شاہ عامل خود ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں" علی ضیغم ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا..... دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ خداوند عالم یہ مرحلہ بھی آسانی سے طے ہو جائے کم از کم ایک ذریعہ زندگی تو حاصل ہو گا..... یہ تو بڑی ہی مشکلات کا دور ہے..... گزر بسر کرنا کتنا مشکل ہے..... پھر کافی غور و خوض کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ ماں باپ سے ایک بار پھر رابطہ کرے..... اپنی بے بسی اور بے کسی کا رونا روئے ..... آخر کیا کیا ہے ہم نے..... یہ سوال تو کیا جائے شاہ عامل سے ..... ایک طویل عرصہ ہو گیا، ماں باپ کی صورت دیکھے ہوئے..... نافرمان بیٹے تھے..... ورنہ جذباتی ہو کر پہنچ جاتے تو بالآخر صورتِ حال ہموار ہو ہی جاتی، لیکن زندگی کے اقدار حسین انداز میں بدل رہے ہیں، وہ بڑا عجیب ہے..... محبتوں کا وہ تصور جو کبھی انسان کی ذات کا ایک حصہ تھا اب نہ جانے کہاں جا سویا ہے..... وہ ننھے ننھے پودے جو کسی کے بنے پر اگتے ہیں اور اسی پر پروان چڑھتے ہیں..... جب تناور درخت بن جاتے ہیں تو اس سینے سے کتنی دور ہو جاتے ہیں..... انہیں اپنی اصل شکل بھی یاد نہیں آتی..... بہرحال علی ضیغم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب پھر ادھر ہی کا رخ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اتنے عرصے کی جدائی جو واقعی بہت طویل تھی..... ماں باپ پر کس شکل میں اثر انداز ہوئی ہے..... بھائیوں سے اس نے اب بھی کوئی مشورہ نہیں کیا تھا..... بات وہی کی وہی تھی کہ فائدہ نہیں..... اپنا کام مکمل ہو جائے..... اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا اور پھر کافی عرصہ بیت چکا تھا..... ماں کا تصور آنکھوں میں تھا..... باپ کی صورت بھی نگاہوں میں چھائی ہوئی تھی ..... نہ جانے کس انداز سے پیش آئیں گے..... نہ جانے کیا طریقہ کار اختیار کریں گے، لیکن بہرحال زندگی میں کچھ پانے کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے..... گھر کے دروازے سے داخل ہوا اور عجیب سی کیفیتوں میں ڈوبا ہوا اندر پہنچا تو سب سے پہلے غلام خیر سے ہی ملاقات ہوئی تھی..... غلام خیر نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر سنگین تاثرات پھیل گئے تھے..... علی ضیغم نے سلام کیا تو غلام خیر آگے بڑھ آیا۔

"وعلیکم السلام ضیغم میاں...... آپ خیریت سے ہیں؟"۔

"آپ نے مجھے پہچان لیا غلام خیر چاچا" علی ضیغم نے سوال کیا۔

"ہاں...... بہت عرصہ پہلے پہچان لیا تھا بیٹے" غلام خیر نے جواب دیا۔

"غلام خیر چچا...... آپ کے ان الفاظ میں طنز پایا جاتا ہے"۔

"معافی چاہتا ہوں بیٹے...... ہو سکتا ہے اندر کی کوئی کیفیت ابھر آئی ہو...... مجھے آپ پر واقعی طنز کرنے کا کوئی حق نہیں ہے...... معاف کر دیجئے گا مجھے...... اس کے بعد ایسا لہجہ اختیار نہیں کروں گا"۔

"آپ اپنے پاؤں سے جوتا اتاریں اور میرے سر پر مار دیجئے غلام خیر چچا...... لیکن خدا کے واسطے مجھ سے اس انداز میں پیش نہ آئیے...... میں آپ کی عزت اور آپ کا احترام بھی بابا جانی کے برابر ہی کرتا ہوں"۔

"میں آپ سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اندر آئیے...... آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں کیا کروں ضیغم میاں"۔

"میں بابا جانی اور اماں سے ملنا چاہتا ہوں"۔

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اندر جا کر اطلاع کر دوں؟"۔

"کر دیجئے!" علی ضیغم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور غلام خیر اندر داخل ہو گیا...... ماں زندہ تھی...... باپ بے شک جا چکا تھا اور حقیقتاً اسے ان معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے...... اگر علی ضیغم خود ہی اندر گھس آئے تو اس کے پاس کہنے کے لئے ہو گا کہ وہ بیٹے کو نہیں روک سکا...... زلیخا کے پاس پہنچا...... جو بہو کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی...... غلام خیر کو دیکھ کر سنبھل گئی۔

"آئیے...... غلام خیر بھیا...... کوئی کام تو نہیں ہے"۔

"کام ہے بھابی جان"۔

"ہاں...... ہاں کہئے...... کیا بات ہے؟"۔

"علی ضیغم آئے ہیں" غلام خیر نے کہا اور زلیخا کا پورا بدن کانپ گیا...... وہ بھونچکی سی غلام خیر کو دیکھنے لگی...... غلام خیر گردن جھکائے کھڑا تھا۔

"علی ضیغم!"۔

"جی"۔

"تنہا آئے ہیں یا دوسرے بھی آئے ہیں"۔

"نہیں تنہا ہیں"۔

"بالکل تنہا" زلیخا کے لہجے میں ممتا تڑپ رہی تھی۔

"جی"۔

"کیا کہتے ہیں؟"۔

"کہتے ہیں...... اماں اور بابا جانی سے ملنا چاہتا ہوں" غلام خیر کی لرزتی آواز ابھری اور زلیخا کے اندر ایک دھواں سا بلند ہو گیا...... کچھ لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"کہاں ہیں؟"۔

"ابھی دروازے کے باہر ہی چھوڑ آیا ہوں"۔

"ان سے کہو! ہم ان سے نہیں ملنا چاہتے" غلام خیر نے نگاہ اٹھا کر زلیخا کو دیکھا پھر گردن خم کئے واپسی کے لئے مڑا...... تو زلیخا کے سینے سے ایک آواز نکل گئی۔

"ٹھہرو! غلام خیر"۔

"جی بھابی صاحبہ!"۔

"اسے بٹھاؤ"۔

"بہتر" غلام خیر باہر آیا اور اس کے بعد مجرمانہ انداز میں گردن جھکائے کھڑے علی ضیغم کو لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا...... علی ضیغم صوفے پر بیٹھ گیا...... پھر اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"چچا غلام خیر...... کیا دنیا میں ایسی اور بھی مثال ہو گی؟"۔

"کیسی ضیغم میاں؟"۔

"بیٹا ماں باپ سے ملنے آئے اور مہمانوں کی طرح ڈرائنگ روم میں بیٹھ جائے" غلام خیر نے گردن اٹھا کر علی ضیغم کو دیکھا...... علی ضیغم اسی کی طرف دیکھ رہا تھا...... غلام خیر نے کچھ نہ کہا، لیکن اس کے چہرے کے تاثرات پر پوری داستان بکھری ہوئی تھی اور اس داستان کی تردید علی ضیغم کے بس کی بات نہیں تھی، البتہ غلام خیر نے اتنا ضرور کہا۔

"کئی سال ہوگئے ضیغم میاں...... پتہ نہیں بات کہاں سے کہاں تک پہنچی ہے......" ضیغم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... کچھ لمحوں کے بعد باہر آہٹیں سنائی دیں اور اس کے بعد زلیخا کمرے میں داخل ہوگئی...... سب کچھ تھا...... دل کتنے ہی کالے ہو جائیں لیکن ایک انکی پوشیدہ قوت جو ان تمام چیزوں پر حاوی ہوتی ہے اسے قابو میں کرنا انسان کے بس کی بات نہیں تھی...... زلیخا تو خیر ماں تھی، لیکن علی ضیغم بھی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ نجانے کیسی کیسی غلطیاں ہوئی ہیں اس سے...... یہ وہ عورت ہے جس کی آغوش میں اس نے زندگی کے ابتدائی سانس لئے تھے اور جسے یہ حق حاصل تھا کہ اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے اور جس نے یہ سلوک کیا تھا کہ اسے توانائی بخش دی تھی اور اب وہ ایک توانا انسان تھا۔ غلام خیر خاموشی سے گردن جھکا کر باہر نکل گیا...... اس گفتگو میں مداخلت اس کے لئے مناسب نہیں تھی...... علی ضیغم بے اختیار کھڑا ہو گیا...... کئی قدم آگے بڑھا اور زلیخا کی طرف دوڑا، لیکن زلیخا چند قدم پیچھے ہٹ گئی تھی...... اس نے نہ جانے کس طرح اپنے جذبات پر قابو پایا تھا...... پھر وہ سرد لہجے میں بولی۔

"جہاں بیٹھے تھے وہیں جا کر بیٹھ جاؤ...... یہ جذباتی مظاہرے کر کے اگر تم سمجھتے ہو کہ ایک عمر رسیدہ عورت کو بے وقوف بنالو گے تو شاید یہ تمہارے لئے ممکن نہ ہو"۔

"اماں میں"۔

"بیٹھ جاؤ علی ضیغم...... میں تمہیں جانتی ہوں اچھی طرح"۔

"اماں میرا پہلے بھی کوئی قصور نہیں تھا اب بھی نہیں ہے"۔

"شاید...... یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے بیٹھو!" زلیخا نے خود پر قابو پالیا تھا، حالانکہ مامتا چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ خون کا جو قطرہ بدن سے ٹپک گیا ہے اسے پھر اپنی رگوں میں سجالے، لیکن شوہر کا خیال بھی تھا جو اب یہ دنیا چھوڑ چکا تھا اور جس انداز میں اس نے یہ دنیا چھوڑی تھی اس کا بھی زلیخا کو احساس تھا...... نجانے کتنی بے کسی...... نجانے کیسی بے بسی اس پر طاری ہوگی، جس کے شانے چار ستونوں کا سہارا لینے کے لئے بے چین ہوں گے...... وہ چار ستون جو اس نے اپنی زندگی میں اپنے خون کے گارے سے تعمیر کئے تھے پھر ان لوگوں نے ایک ستون گرا دیا اور خود سہارے کے منتظر شخص سے پیچھے ہٹ گئے اور وہ تیز ہواؤں میں اکیلا ڈولتا رہا...... یہاں تک کہ گر پڑا بے چارہ اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا اور یہ ان ہی ستونوں میں سے ایک ستون ہے...... زلیخا کو اس احساس نے سخت کر دیا اور اس نے علی ضیغم سے کہا۔

"کیوں آئے ہو؟" سوال بہت مشکل تھا اور اس سے زلیخا کی اندرونی کیفیات کا احساس ہوتا تھا...... علی ضیغم نے سنبھل کر کہا۔

"جواب دوں گا تو اسے غلط سمجھا جائے گا"۔

"کیوں آئے ہو؟" زلیخا پھر اس انداز میں بولی۔

"آپ کو دیکھنے آیا ہوں...... بابا جانی سے ملنے آیا ہوں...... اولاد ہوں آپ کی...... بیٹا ہوں...... خود نہیں گم ہوا تھا...... نکال دیا گیا تھا...... منع کر دیا گیا تھا مجھ سے، لیکن بے چینیاں بھی ساتھ نہیں چھوڑ سکیں...... دل ہمیشہ تڑپتا رہا...... بس اس احساس نے نہ آنے دیا کہ پھر نکال دیا جاؤں گا"۔

"یہ احساس ختم کیسے ہو گیا؟" زلیخا نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"ختم نہیں ہوا؟" بلکہ اپنے آپ کو دوبارہ نکالنے کے لئے تیار کر کے یہاں آیا ہوں...... ایک خواب دیکھا تھا میں نے جس میں آپ لوگوں کو دیکھا...... بابا جانی کو دیکھا...... سب کو دیکھا...... کشمکش میں مبتلا رہا...... پھر سوچا کہ تھوڑی سی بے عزتی ہی تو ہوگی...... ماں باپ ہی کے ہاتھوں ہوگی نا، جاتا ہوں...... آنکھوں کو سیراب کر لوں گا...... زیادہ سے زیادہ یہ

کہ دوبارہ اسی انداز میں نکال دیا جاؤں گا، اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کر کے آیا ہوں" زلیخا نے نگاہیں اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھا...... ایک بار پھر ایک سرکش لہر اٹھی...... دل نے چیخ کر کہا بھول جا سب کچھ، جگر گوشے کو سینے سے لگا لے لیکن اعصاب ساتھ نہ دے سکے...... خاموش رہی...... گردن جھکائے رہی...... دل چاہتا تھا کہ سب کے بارے میں پوچھے...... دوسرے بیٹوں کے بارے میں معلومات کرے، لیکن زبان بھی ساتھ نہ دے سکی...... علی ضیغم نے کہا۔

"کیا بابا جانی...... اب بھی میرے سامنے نہیں آئیں گے...... آپ ان سے ایک بار تو کہہ دیں...... مجھے برا بھلا کہنے کے لئے آجائیں...... بس ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں انہیں......" زلیخا کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی...... گردن اٹھائی اور آہستہ سے بولی۔

"نہیں دیکھ سکتے"۔

"ایک بار...... صرف ایک بار...... ان سے کہہ دیں کہ میں آیا ہوں...... اور آپ کے کہنے سے واپس نہیں جارہا...... وہ آئیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر نکال دیں"۔

"نہیں آسکتے وہ علی ضیغم...... نہیں آسکتے" زلیخا کی آواز چیخ میں تبدیل ہو گئی اور علی ضیغم تعجب سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ایک بار...... اماں صرف ایک بار کہہ کر تو دیکھیں، جو جواب دیں مجھے بتا دیجئے گا" زلیخا بے اختیار ہو گئی...... اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی...... بدن لرزنے لگا...... آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی اور اسی آنسو بھری آواز میں اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"شاہ عالم! ضیغم آیا ہے...... تم سے ملنا چاہتا ہے...... کیا جواب دوں اسے؟ شاہ عالم اسے جواب دے دو...... شاہ عالم اسے جواب دے دو...... شاہ عالم یہ تم سے ملنے آیا ہے" زلیخا کی یہ عجیب سی کیفیت دیکھ کر علی ضیغم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا...... زلیخا کا پورا بدن کانپ رہا تھا...... آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے...... چہرے پر وحشت پیدا ہو گئی تھی...... علی ضیغم آگے بڑھا اور اس نے ماں کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

"اماں...... اماں کیا بات ہے؟ کہاں ہیں بابا جانی...... بابا جانی کہاں ہیں...... کیا قریب ہی ہیں؟" لیکن زلیخا کوئی جواب نہیں دے سکی...... غلام خیر باہر موجود تھا اس خوف کے ساتھ کہ کہیں زلیخا کی حالت بگڑ نہ جائے...... جلدی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا...... اس نے علی ضیغم کو دیکھا...... علی ضیغم نے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے اماں کو؟ غلام خیر چچا کیا ہو گیا ہے اماں کو...... بابا جان کو آواز دیجئے...... میں ان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا" غلام خیر نے آہستہ سے کہا۔

"ماں کو بٹھاؤ علی ضیغم...... انہیں سنبھالو...... ان کی حالت بگڑ نہ جائے"۔

"کیا ہو گیا ہے انہیں؟ کیا ہو گیا ہے آخر"۔

"کس سے ملنے آئے ہو علی ضیغم...... اپنے باپ سے؟"۔

"ہاں! اور آج میں ان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا"۔

"کاش! تمہارے لہجے میں خلوص ہوتا...... کاش تمہاری بات میں اتنا ہی وزن ہوتا اور اس وزن کے ساتھ تم کہتے کہ آج تم بابا جانی سے ملے بغیر نہیں جاؤ گے...... کس سے ملو گے میاں؟ اس سے جو قبر کی گہرائیوں میں جا سویا ہے، جو اس دنیا میں موجود نہیں ہے...... جس نے اس دنیا سے جاتے ہوئے نہ جانے کیا کیا سوچا ہو گا؟ اپنی اولادوں کے بارے میں...... بیٹھ جائیے بھابی! آپ کی حالت خراب ہو جائے گی...... کیا کرنا چاہتے ہیں آپ لوگ اس گھر کی ساری کہانیاں ایک ہی لمحے میں ختم کر دینا چاہتے ہیں کیا؟" علی ضیغم پر سکتہ طاری ہو گیا تھا...... غلام خیر نے زلیخا کو بٹھا دیا...... اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھکا ہوا تھا...... علی ضیغم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے غلام خیر کو دیکھا پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"آپ کچھ کہہ رہے ہیں غلام خیر چچا...... آپ کے الفاظ میری سمجھ میں نہیں آرہے"۔

"شاہ عالم کا انتقال ہو چکا ہے...... اب تو بہت دن گزر گئے"۔

"کیا؟" علی ضیغم پر بجلی سی گر پڑی...... بہر حال وقت انسان کے اندر نہ جانے کیا کیا تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے، لیکن وہی اندر کی بات...... وہی خون کی لہر...... وہی انجانے رشتے۔

نہ جانے کہاں سے بنتے ہیں اور کہاں تک پہنچتے ہیں...... کچھ بھی ہو...... کچھ لمحے تو متاثر کرتے ہیں...... علی ضیغم کے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑ رہی تھیں...... لرزتے ہوئے قدموں سے وہ صوفے کی جانب بڑھا اور بے جان سا صوفے پر گر پڑا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں غلام خیر چچا" اس کی رندھی ہوئی آواز اُبھری...... باپ یاد آ گیا تھا اور اس یاد میں سچائیاں تھیں، لیکن یہ سچائیاں بھی لمحوں کے لئے جھانکتی ہیں اور پھر ان گہرائیوں میں جا سوتی ہیں...... علی ضیغم کے کانوں نے وہ سن لیا تھا جو بہت عجیب محسوس ہوا تھا، لیکن حقیقتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد انسان پھر اپنی ذات کی غرض کی جانب دوڑ پڑتا ہے...... کچھ دیر میں علی ضیغم نے خود کو سنبھال لیا۔

"غلام خیر چچا...... کب ہوا!؟ اور ہمیں کیوں نہیں پتہ چلا"۔

"اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے"۔

"کیا ہوا تھا بابا جانی کو...... کب چلے گئے وہ اس دنیا سے...... کیا واقعی ہم اتنے برے لوگ ہیں...... کیا اتنے ہی قابل نفرت تھے ہم کہ ہمیں ان کی موت کی اطلاع بھی نہیں دی گئی"۔

"کوئی جواب نہیں ہے اس کا میرے پاس" "تمہاری ماں تمہارے سامنے ہے...... میں ہر حالت میں ایک غیر انسان ہوں چاہے میں اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھ لوں"۔

"زیادتی ہوئی ہے ہمارے ساتھ ...... سب نے زیادتی کی ہے"۔

"کیوں...... کیا کرتے تم...... ہیں کیا کر لیتے تم...... کیا کیا تھا تم نے اپنے باپ کے ساتھ ...... بولو کیا کیا تھا؟" زلیخا چیختی ہوئی بولی اور ضیغم نے گردن جھکالی...... بہر حال اسے صدمہ ہوا تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا...... لیکن وقت گزر چکا تھا اب تو صرف لکیر ہی پیٹنی تھی...... وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔

❁ ❁ ❁

"اماں مجھے بہت دکھ ہے...... زندگی بھر دُکھ رہے گا...... ایسے رُوٹھ جائیں گے بابا جانی اور آپ لوگ اتنی سنگدلی کا مظاہرہ کریں گے...... مجھے اس کی اُمید نہیں تھی...... خیر، اب کسی کو قصوروار قرار دینا بے کار ہے...... غلام خیر چچا...... آپ ہی خیال کر لیتے...... آپ ہی کچھ سوچ لیتے"۔

"دیکھو...... علی ضیغم! بات اصل میں یہ ہے کہ تم لوگ مجھے ہمیشہ ہی غیر سمجھتے رہے ہو...... شاید تم نے یہ سوچا ہو کہ میں شاہ عالم کے ٹکڑوں پر پل رہا ہوں...... یا اس کی نوکری کر رہا ہوں...... نہیں ایسی بات نہیں ہے...... میں دوست ہوں اس کا اور صرف دوستی نبھائی ہے میں نے...... اور تمہیں اس بات کا علم ہے کہ علی نواز کو میں نے اپنی اولاد کی مانند پالا تھا اور اسے اپنی اولاد ہی سمجھتا تھا...... علی نواز کو مجھ سے چھین لیا گیا اور مجھے معلوم ہے کہ میرے علی نواز کو اس دنیا سے رخصت کرنے والے کون ہیں؟ بس میں نے اپنے صبر کو آزمایا اور شاہ عالم کے نام پر اس کے قاتلوں کو معاف کر دیا...... ایک لفظ نہ کہنا مجھ سے ورنہ میں اپنے جنون پر قابو نہ پا سکوں گا"۔

علی ضیغم نے خود کو سنبھال لیا...... باپ دور ہو چکا تھا وہ غم اپنی جگہ اور ضرورتیں اپنی جگہ...... فیصلہ بڑی احتیاط سے کرنا تھا، چونکہ اس سلسلے میں اس نے بھائیوں سے مشورہ بھی نہیں لیا تھا...... ساری ذمہ داری خود ہی اٹھانی تھی...... پھر اچانک ہی شاہ گل نواز سکول سے واپس آ گیا اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا دیکھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا...... علی ضیغم

نے پہلی بار اس حسین پھول کو دیکھا تھا...... سکول کے یونیفارم میں جو کچھ نظر آرہا تھا نا قابل یقین تھا..... اتنا حسین بچہ...... ایسی خوبصورت شخصیت کا مالک تصور سے بھی نہیں گزرا تھا..... ایک لمحے کے لئے وہ اسے دیکھتا رہ گیا...... پھر صورت حال سمجھ گیا اور بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا۔

"علی نواز کا بیٹا ہے؟" اس نے کہا...... زلیخا کے دل میں تو خیال آیا ایک لمحے کے لئے علی ضیغم کو اسے چھونے سے منع کر دے لیکن بیٹے سے آخر کب تک منحرف رہتی..... آہستہ سے بولی۔

"ہاں یہ اسی کی نشانی ہے" علی ضیغم نے بچے کو گود میں لے لیا اور اسے چومنے لگا...... اس کے دل میں عجیب سے احساسات اُبھر رہے تھے...... بچے ان لوگوں کے بھی تھے لیکن بس درمیانہ شکل و صورت کے مالک ہی تھے اور یہ حسین پھول...... اسے دیکھنے سے دل نہیں بھرتا تھا...... علی ضیغم نے کہا۔

"کتنا خوبصورت بچہ ہے؟"۔

"میرا علی نواز بھی کیا کم خوبصورت تھا؟" زلیخا نے کہا۔

"اماں درخواست کرتا ہوں آپ سے...... دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے...... غلطیاں ہماری بھی ہیں، لیکن اب خدارا ان تمام باتوں کو فراموش کر دیجئے...... ہمیں ہمارا فرض پہچاننے دیجئے"۔

"نہیں علی ضیغم! ایسی بات نہ کرو...... تم نے اپنا فرض پہچانا تو میں اپنا علی نواز کھو بیٹھی"۔

"جو ہوا وہ ہو چکا اماں! آپ جانتی ہیں میں بے قصور ہوں...... میرا تو کوئی قصور نہیں ہے اس میں...... بس اب فیصلہ کرنا ہو گا ہمیں...... آپ چلیں گی میرے ساتھ یہاں سے چلیں گی آپ"۔

"مشکل ہے علی ضیغم! بہت مشکل ہے"۔

"کوئی مشکل نہیں ہے، بس میں آپ کو لے کر جاؤں گا...... غلام خیر چچا انتظامات

ہم واپس اپنے گھر جائیں گے...... ہم یہاں نہیں رہیں گے"۔

"دیکھو بیٹے! ساری باتیں اپنی جگہ اب جب کہ تم نے مجھے بولنے کا موقع دیا ہے اور میں بھی ہوں، چونکہ اس سے پہلے یہاں کے معاملات میں صرف شاہ عامل بولا کرتے تھے، مجبور ذمہ داری صرف میری ہے اور میری ذمہ داری میں جانتا ہوں...... ٹھیک ہے اصولی طور پر تو میں بھابی صاحبہ سے بھی یہ درخواست کروں گا کہ جس گھر کو شاہ عامل نے اس انداز میں آباد کیا ہے...... اسے اسی شکل میں آباد رہنا چاہئے، لیکن اگر وہ جانا چاہیں تو میری یہ مجال نہیں ہے کہ انہیں روک سکوں...... جہاں تک صنوبر اور شاہ گل کا تعلق ہے تو میں ان دونوں کو یہاں سے نہیں جانے دوں گا"۔

"غلام خیر چچا! آپ ہمیں اتنا برا انسان نہ سمجھیں" علی ضیغم نے کہا...... لیکن غلام خیر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اس پر اپنا فیصلہ محفوظ رکھا تھا...... زلیخا نے کہا۔

"ہاں غلام خیر ٹھیک کہتے ہیں...... ہم یہاں سے نہیں جاسکتے"۔

"میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا...... جیسا آپ پسند کریں، جو ہو چکا ہے وہی بہت زیادہ ہے اور ہم بھی اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں...... چلتا ہوں، آخر علی داراب اور علی شاد بھی شاہ دل کے بیٹے ہیں اور یہ غم ناک خبر...... افسوس میری زبانی ان تک پہنچے گی......" کچھ دیر کے بعد علی ضیغم وہاں سے رخصت ہو گیا...... دل میں عجیب و غریب کیفیات لئے ہوئے تھا...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ماں باپ بہر حال ماں باپ تھے...... وقت کی ہواؤں نے بہت سی گرد ڈال دی تھی، لیکن پھر بھی محبت کے جذبے فنا نہیں ہوتے...... علی داراب اور علی شاد کے ساتھ ساتھ ان تینوں کی بیگمات کو بھی شاہ عامل کی موت کی خبر ملی تو کچھ لمحوں کے لئے سکتے میں رہ گئیں...... پھر عالیہ شاد نے کہا۔

"اور ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھا گیا کہ ہمیں اس موت کی اطلاع ہی دے دی جاتی"۔

"کیا ارادہ ہے؟ کیا تم لوگ وہاں جانا پسند کرو گے؟"۔

"کس منہ سے جائیں بھائی ضیغم...... کس منہ سے ماں کے سامنے جائیں...... تین تین

بیٹے موجود تھے اور ہمارے باپ کا جنازہ غیروں نے اٹھایا...... دل تو یہ چاہتا ہے کہ اب ان لوگوں سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے، لیکن جو آپ کا حکم"۔

"بے وقوف ہو تم لوگ...... ماں تنہا رہ گئی ہے اور اسے تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا"۔

"تو پھر چلیں انہیں یہاں لے آتے ہیں"۔

"میں نے کوشش کی تھی. لیکن صاف انکار کر دیا گیا اور غلام خیر چچا اس سلسلے میں پیش پیش ہیں"۔

"آخر وہ کون ہوتا ہے ہمارے گھریلو معاملات میں دخل دینے والا"۔

علی داراب غصیلے لہجے میں بولا۔

"علی داراب صبر سے کام لو...... عقل سے کام لو...... بہر حال سب ایک دوسرے سے ملے گلے شکوے ہوئے...... رونا پیٹنا ہوا، لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا...... غلام خیر اپنی جگہ سخت تھا...... علی شاد اور علی داراب اس پر بگڑے اور علی ضیغم نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لی، لیکن غلام خیر نے کہا۔

"خدائے بزرگ و برتر کی قسم، پہاڑوں کا رہنے والا ہوں...... چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہوں...... اگر تم لوگ مجھے بوڑھا سمجھتے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے...... اور اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ کسی نے اگر آنکھ ٹیڑھی کی تو شاید میں شاہ عامل کو بھی بھول جاؤں اور اس ٹیڑھی آنکھ کو ہمیشہ کے لئے سیدھا کر دوں...... اپنے ہوش و حواس میں رہنا، کوئی یہاں سے نہیں جائے گا...... بس یہ میرا فیصلہ ہے...... علی ضیغم نے اس وقت مکاری سے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"تم کوئی فضول بات مت کرو...... علی داراب اور علی شاد...... بابا جانی کے بعد چچا غلام خیر اب ہمارے بزرگ ہیں اور ہمیں ان کا احترام کرنا ہوگا ہر قیمت پر" اور اس کے بعد علی ضیغم نے حالات ہموار کئے...... اب اس کا اصول تھا کہ روزانہ صبح اور شام کو یہاں چکر لگایا کرتا تھا...... ضرورت کی اشیاء بھی اس نے وہاں پہنچائی تھیں...... البتہ تینوں عورتوں کو یہاں تک

نہیں آنے دیا گیا تھا اور علی ضیغم نے اس سلسلے میں خود ہی کوششیں کی تھیں اور بھائیوں کو بھی سمجھایا تھا...... ویسے وہ بڑی زبردست چال چل رہا تھا...... باپ تو اس دنیا سے رخصت ہو ہی چکا تھا، لیکن اس کے بعد اس صورت حال کو سنبھالنا حالانکہ وہ آیا تو یہ سوچ کر تھا کہ ان لوگوں کو شیشے میں اتارے گا اور زمینوں کے بارے میں بات کرے گا...... خانہ خیال میں جو کچھ تھا اس کے بارے میں سوچے گا، لیکن صورت حال مختلف ہو گئی تھی اور شاہ عامل اس دنیا سے چلا گیا...... اب ایک نیا بحران شروع ہو گیا تھا، جس کے سلسلے میں اس نے اپنے وکیلوں سے بھی مشورہ کیا تھا...... وکیلوں نے کہا۔

"تمہیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا شاہ عامل نے کوئی وصیت چھوڑی ہے؟ اگر وصیت نہیں چھوڑی تب تمہارا کام زیادہ آسان ہو جائے گا...... یعنی یہ کہ وہ زمینیں اب تم تک خود بخود منتقل ہو جائیں گی"۔

"یہ معلوم کرنے کے لئے مجھے بہت مشکلات پیش آئیں گی...... میں سمجھتا ہوں مجھے دل کی حیثیت سے اب اختیارات حاصل ہیں ویسے بھی سب سے بڑا ہوں"۔

"تم قانونی طور پر اس سلسلے میں کوششیں شروع کر دو اور تھوڑا سا اپنی ماں کا نظریہ معلوم کر لو" چونکہ زلیخا ان لوگوں کو تقریباً معاف کر چکی تھی...... بس اپنے اصولوں پر اڑی ہوئی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ تینوں شیطان عورتیں بیچاری صنوبر کو بالکل پسپا کر دیں گی اور اس کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی...... اس لئے وہ یہیں موجود تھی اور اب خاص طور سے علی ضیغم اس کے دل کے قریب آ چکا تھا...... علی ضیغم نے کہا:

"اور اب ان حالات میں اماں...... میرے فرائض کیا ہوتے ہیں؟ بد قسمتی سے میں کسی قابل نہیں ہوں کہ اس گھر کی مالی امداد کر سکوں، لیکن وہ ذمہ داریاں جو میرے سپرد ہیں"۔

"نہیں...... ہمیں مالی امداد کی ضرورت نہیں ہو گی علی ضیغم...... سارا کچھ تو موجود ہے...... زمینوں کی آمدنی اور پھر باقی تمام چیزیں...... میرا مطلب ہے صنوبر کی وہ جائیداد جو زمان ملنگی نے اس کے نام منتقل کر دی تھی"۔

"ہاں! لیکن اماں...... ذرا سی احتیاط کریں...... چچا غلام خیر کو بھی اب بہت زیادہ اہمیت نہیں دے سکتے ہم، کیونکہ وہ بھی ضعیف ہو چکے ہیں...... میری اگر کوئی ذمہ داری ہو تو مجھے بتایئے "بابا جانی نے کوئی وصیت تو چھوڑی ہو گی؟"۔

"نہیں اس کا موقع کہاں مل سکا؟ کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس کے بارے میں کہ اس طرح اچانک ہی سب سے رُوٹھ کر چلے جائیں گے؟"۔

"پھر بھی اماں! دیکھ تو لیجئے اور شاہ عالم کے تمام تر کاغذات تلاش کیئے گئے، لیکن ان میں کوئی وصیت موجود نہیں تھی...... علی ضیغم کو اس بات کی خوشی ہوئی پھر اس نے بالا بالا تمام کارروائیاں کیں اور اس کے بعد اس تمام جائیداد کا متولی بن گیا، لیکن عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے اس نے اس جائیداد پر مکمل طور پر قبضہ جمانے کے باوجود ان سے انحراف نہیں کیا تھا...... پہلی بات تو یہ کہ بہر حال علی نواز کا وارث موجود تھا اور پھر دوسری بات یہ کہ اگر ذرا بھی کسی قسم کی گڑبڑ کرتا تو صنوبر کی آمدنی اس کے قبضے سے نکل جاتی، جو کہ اس کی زمینوں سے کہیں زیادہ تھی...... ان تمام چیزوں پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے اسے اپنے خول میں بند ہونا پڑا تھا...... علی داراب اور علی شاد کی یہ کیفیت نہیں تھی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کر لیا کہ علی ضیغم نے ماں کی زیادہ قربت حاصل کرنے کے بعد اپنے حالات سنوارے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں بھی کشمکش شروع ہو گئی اور ایک دن علی داراب نے سخت غصیلے لہجے میں کہا۔

"اور ہمیں اندازہ ہو گیا ہے علی ضیغم! کہ آپ خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں ان لوگوں کی خوشی حاصل کر کے اور وہاں کی جائیداد آپ کی نگرانی میں آ گئی ہے"۔

"میں نے کب منع کیا ہے اس بات سے"۔

"اور دیکھئے کوئی بھی بے غرض نہیں ہوتا، جو کچھ آپ وہاں سے حاصل کر رہے ہیں اس پر میرا بھی حصہ ہے"۔

"بھئی میں نے کب منع کیا ہے...... تمہارا حصہ محفوظ ہے"۔

"آپ مجھے میرا حصہ دیجئے...... آپ دیکھ رہے ہیں، میری بیوی اپاہج ہو چکی ہے...... میں اس کا صحیح طور پر علاج بھی نہیں کرا سکتا"۔

"حساب کتاب کر لو...... جو تمہارا حصہ بنتا ہے وہ لے لو...... میں نے کہاں انکار کیا ہے"

اور خاموشی سے یہ معاملہ بھی طے ہو گیا اور یہ خبر زلیخا کو نہیں دی گئی کہ وہاں ایک اژدہا موجود تھا جس کا نام غلام خیر تھا...... بات اسی کشاکش میں رہی یعنی دونوں گھرانے الگ الگ رہے...... بیٹے کبھی کبھی ماں سے مل لیا کرتے تھے، ان کے بچے بھی ایک دوسرے سے مل لیا کرتے تھے اور ادھر گل نواز کی کہانی اپنی مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی...... گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت میں کچھ اور تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں اور رقص و موسیقی کے ساتھ اب بڑھتی ہوئی تعلیم بھی تھی، لیکن اپنے وجود سے کہیں زیادہ اس نے علم حاصل کیا تھا...... اور اب ذرا سمجھدار ہو گیا تھا اس لئے اپنی پسند کی کتابوں کا بھی انتخاب کرنے لگا تھا...... وہ اساتذہ جو اس کی شخصیت پر نکتہ چیں تھے اس کی علمیت سے دنگ رہ گئے تھے اور یہ اعتراف کیا گیا تھا کہ یہ لڑکا اس سکول کا نام روشن کرے گا...... پھر جب شاہ گل نواز نے دسویں کلاس کا امتحان دیا اور اس کا نتیجہ آیا تو سب کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں...... ایک طرف سکول والے اس بات پر نازاں تھے کہ ان کے سکول کے طالب علم نے پورے صوبے میں اول پوزیشن حاصل کی تھی تو دوسری طرف گھر والے بھی اس بات سے خوش تھے...... تھوڑا بہت رابطہ ان لوگوں سے بھی تھا...... جو چچا اور تایا تھے، لیکن وہاں کوئی خاص توجہ نہیں تھی...... علی ضیغم نے بس سرسری ہی خوشی کا مظاہرہ کیا تھا...... البتہ بہت سے تحائف وہاں پہنچائے تھے تاکہ اس کے خلوص پر کوئی شک نہ ہو اور زلیخا اور غلام خیر یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ جائیداد کا حساب کیا ہے؟ جبکہ ضیغم نے اس جائیداد کی آمدنی سے اپنے حالات سنوار لئے تھے اور زمین کی طرف جھکتا ہوا گھر ایک بار پھر سیدھا کھڑا ہو گیا تھا...... شاہ گل نواز اب معصوم نہیں رہا تھا...... یہ الگ بات ہے کہ زندگی کے بارے میں اس نے کبھی گہرے انداز میں نہیں سوچا تھا...... سکول میں بچپن ہی سے اس کے لئے ہونٹوں پر مسکراہٹیں

رقصاں رہا کرتی تھیں...... کچھ وقت تو وہ ان مسکراہٹوں سے اُلجھا رہا...... سارے لڑکے آپس میں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے سامنے ہوتا تو ان کی شوخ نگاہوں کا مرکز وہی ہوتا...... رفتہ رفتہ وہ ان شوخ نگاہوں کا عادی ہو گیا تھا...... اس کی اپنی طبیعت میں بے حد نفاست تھی...... بے داغ بدن رکھتا تھا...... لمبے چوڑے کڑیل باپ کا بیٹا تھا، چنانچہ جسامت بھی باپ ہی جیسی پائی تھی، لیکن اس نزاکت کو روکنا اس کے بس میں نہیں تھا جو خود بخود اس کے اندر پیدا ہو جاتی تھی...... بس ہر چیز کا احساس رکھتا تھا...... خود کو بنانے سنوارنے کا عادی تھا [illegible] پسند تھے...... لانبی پلکیں پسند تھیں...... [illegible] پر لالی پسند تھی، جو قدرتی طور پر اس کے ہونٹوں پر چسپاں تھی...... اس کی مسکراہٹ ناقابل یقین حد تک دل آویز تھی اور ان تمام تر باتوں کے ساتھ اس نے ابھی تک اپنے وجود میں کسی ایسی کمی کا احساس نہیں کیا تھا جو اسے سوچنے پر مجبور کر دیتی...... زیادہ تر توجہ اپنے وجود پر رہتی تھی اور اس کا انگ انگ تھرکتا رہتا تھا...... دل یہ چاہتا تھا کہ بس رقصاں ہی رہے اور ہر چیز سے گدگدی محسوس ہوتی رہے...... طبیعت میں جو کیفیت تھی وہ آواز میں بھی شامل ہو گئی تھی اور بہت سی ایسی باتوں سے شرماہٹ کا احساس ہوتا تھا جو سمجھ میں نہ آئیں، لیکن وقت اسی انداز میں گزرتا گیا اور جب کوئی چیز عادت بن جائے تو پھر اس کا احساس بھی شدید نہیں ہوتا...... گھر کی جانب سے بالکل بے فکری تھی...... زمینوں سے اتنی بڑی رقومات ہاتھ لگ جاتی تھیں کہ اپنا کام چلانے کے علاوہ ان لوگوں کی بھی کفالت کی جا سکتی تھی اور علی ضیغم یا دوسرے بھائیوں کو یہ ضرورت نہیں پیش آئی تھی کہ ان کے خلاف کوئی [illegible]ن سازش کریں...... بہر حال وہ زلیخا کے بیٹے تھے اور زلیخا اپنے بیٹوں سے اس قدر دور بھی نہیں تھی کہ ان پر اس قسم کی نکتہ چینی کرتی...... جہاں تک غلام خیر کا معاملہ تھا تو وہ اپنی حیثیت کو حد نگاہ رکھنا چاہتا تھا، چنانچہ کوئی غم کوئی فکر نہیں تھی شاہ گل کو...... وہ خوبصورت لباس سلواتا...... خوبصورت لباس پہنتا، لیکن پچھلے دنوں سے ایک آرزو اس کے دل میں نجانے کیوں سر اُبھارتی رہی تھی اور شاید اس کی وجہ وہ خواب تھا جو اس نے دیکھا تھا...... اس

رات اس نے خواب میں اپنے آپ کو ایک ایسی حسین وادی میں پایا جس میں چاروں طرف پھول کھلے ہوئے تھے...... اس کے پیروں میں گھنگھروؤں کی بجائے پازیب تھی اور اس کے قدموں کی چاپ سے چھن چھن کی آواز اُبھر رہی تھی، تب ایک بڑی سی جھاڑی کے پیچھے سے ایک وجود نمودار ہوا، عجیب سی شخصیت تھی اس کی...... سڈول سا بدن نظر آرہا تھا لیکن چہرہ بے نقش تھا...... جسم چوڑا چکلا...... یہ احساس دلاتا ہوا کہ اس میں کوئی خاص ہی بات ہے، وہ اس کے سامنے نہ جانے کیوں شرمندہ سا ہو گیا اور بیٹھ کر گھٹنوں میں سر چھپا لیا...... تب کسی کے ہاتھوں کا لمس اسے اپنے رخسار پر محسوس ہوا...... اس کے بدن میں ایک جھرجھری سی دوڑ گئی...... کسی نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھا لیا...... شاہ گل شرما کر دہرا ہو گیا تھا...... تب اس شخص نے جو کوئی بھی وہ تھا اسے بازو سے پکڑ کر ایک سمت ہٹایا اور پھر جھاڑیوں کے پیچھے سے اس نے وہ پھول توڑے جنہیں لہرانے کے بعد ایک سرخ دوپٹہ نمودار ہو گیا...... یہ دوپٹہ اس نے شاہ گل کے سر پر ڈال دیا...... شاہ گل کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا وجود آسمانی شکل اختیار کر گیا ہو...... اتنا حسین پایا اس نے اپنے آپ کو کہ وہ اپنے آپ پر ہی فریفتہ ہو گیا...... بس یہ ایک انوکھا خواب تھا، جس نے اس کے دل میں ایک آرزو پیدا کر دی...... عموماً اس کا جیب خرچ جو بھی ہوتا تھا وہ زیادہ سے زیادہ اس کی کتابوں پر صرف ہو جاتا تھا...... بہت سی ایسی کتابیں اس نے خریدی تھیں جو مختلف موضوعات سے تعلق رکھتی تھیں...... ان میں فن موسیقی اور فن موسیقی کا ارتقاء اور اس کی ایجادات سے زیادہ تر معلومات موجود تھیں اور وہ ان میں اپنے طور پر کمال حاصل کرتا چلا جارہا تھا، لیکن اس کے بعد اس نے اپنے جیب خرچ میں سے جو کچھ بھی بچایا اس سے اس نے ایک دن بازار جا کر میک اپ کا سامان خریدا اور اسے چوری چھپے اپنے کمرے میں منتقل کر دیا...... پھر اس نے بہت ہی خوبصورت قسم کے سلے ہوئے لباسوں میں سے ایک چمکدار اور کھڑکدار زنانہ لباس خریدا جو اس کی اپنی جسامت کا تھا...... پھر وہ اپنے کمرے میں آیا اور اس نے پہلی بار اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کی...... دروازہ بند کر کے اس نے وہ حسین لباس پہنا اور اس کے بعد آئینے

کے سامنے بیٹھ کر اپنے چہرے کو رنگنے لگا...... اس نے پہلی بار اپنے چہرے پر میک اپ کی یہ اشیاء استعمال کی تھیں...... اتنی نفاست اور سلیقے سے کہ دیکھنے والے کو گمان بھی نہ ہو کہ پہلی بار کسی نے اپنے آپ کو یوں سجایا ہے...... داڑھی مونچھیں ابھی تک نہیں آئی تھیں اور چہرہ شفاف تھا...... رنگ کشمیری سیب کی مانند، اس پر اس میک اپ نے جو قیامت ڈھائی آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تو شرما کر دہرا ہو گیا...... اسے خود اپنے آپ سے عشق ہو گیا تھا...... اتنی حسین صورت...... ایسی حسین مورت بھلا کسی انسان کی کہاں ہو گی...... بہت سی لڑکیوں کو دیکھا تھا اور انہیں دیکھ کر اس کے دل کو کوئی ایسا احساس نہیں تھا جس میں حسن کی تشنگی ہو...... بس حسین چہرے اس کی آنکھوں کو بھاتے تھے، کیونکہ خود بھی حسن پرست تھا، لیکن اس وقت اپنے آپ کو جو دیکھا تو اپنے آپ پر ہی شیدا ہو گیا اور دل پر یہ احساس اُبھرا کہ کاش وہ جو اس حسین وادی میں خوبصورت پھولوں کی جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلا تھا اس وقت نمودار ہو...... اسے دیکھے اور اس کی تعریف کرے حالانکہ وہ چہرہ بے نقش تھا، پھر نہ جانے ذہنی طور پر کیا بحران پیدا ہوا کہ اس نے اپنے گھونگھروں نکال کر پیروں میں باندھے کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ اکثر رقص کی مشق کرتا رہتا تھا...... گھر کے لوگ گھونگھروؤں کی اس جھنکار کے عادی ہو چکے تھے...... اس لئے کسی نے توجہ نہیں دی، لیکن اس وقت وہ جس طرح ناچا، رقص کرنے والے اور رقص کے ماہر اگر اسے دیکھتے تو دنگ رہ جاتے...... اس کا عضو عضو ناچ رہا تھا اور آئینے کے سامنے وہ اپنے آپ کو رقصاں دیکھ کر دیوانہ ہوا جا رہا تھا...... نہ جانے کس وقت تک یہ سلسلہ چلتا رہا...... یہاں تک کہ وہ تھک کر ہانپنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ بیٹھتا چلا گیا...... یہ اس کے جنون کی ابتداء تھی...... وہ جنون جو فطری طور پر اس کے رگ و پے میں شامل تھا، لیکن جس کے اظہار کا آج تک کوئی موقع نہیں آیا تھا...... نہ جانے کب تک وہ اسی انتظار میں بیٹھا رہا پھر ہوش و حواس میں آیا تو چونک پڑا...... اپنے آپ کو دیکھا، حیرت ہوئی اور اپنے آپ ہی سے شرمندہ ہونے لگا...... لباس اتار کر احتیاط سے رکھا اور غسل خانے میں جا کر چہرہ دھویا، جب اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کے چہرے سے اس کے

جنون کا ہر نقش مٹ چکا ہے تو وہ اپنے بستر پر آ کر دراز ہو گیا...... آنکھیں بند کر کے وہی تصور کرنے لگا، جو اب اس کے دل میں ایک گدگدی پیدا کرنے لگا تھا لیکن دوسری صبح وہ نارمل تھا...... زندگی کے معمولات اسی انداز میں جاری رہے، لیکن یہ خواب اب اسے اکثر نظر آنے لگا تھا...... حسین وادی میں کوئی بے نقش ہیولا نمودار ہوتا اور اس کے سر پر سرخ دوپٹہ ڈال دیتا...... اب اس دوپٹے میں ستارے ٹکے ہوئے ہوتے، لیکن کچھ دیر کے بعد اسے یوں محسوس ہوتا جیسے یہ ستارے اس دوپٹے سے جھڑ جھڑ کر نیچے گر رہے ہیں اور وہ ان ستاروں کو سمیٹنے کی کوشش کرتا اور بے نقش ہیولا اس کی نگاہوں سے معدوم ہو جاتا، لیکن اس کے بعد اس کے دل میں شدت سے یہ خواہش بیدار ہونے لگی کہ وہ اپنا وہی حسین لباس پہنے اور چہرے کو سجائے اور پھر عالم بے خودی میں وہ یہی عمل کرتا تھا...... اب تو اسے ایسی عادت پڑ گئی تھی اس کی کہ وہ بے حواسی میں ہی یہ سب کچھ کر ڈالتا تھا اور اس وقت اس کا رقص دیکھنے کے لئے کوئی بھی موجود نہیں ہوتا تھا...... جب وہ دنیا کا حسین ترین رقص پیش کرتا تھا......

یوں وقت گزرتا رہا...... بالآخر کالج میں داخلہ ہوا اور کالج کی زندگی سکول کی زندگی سے بالکل مختلف تھی...... یہاں پختہ ذہن اور شرارت کے پتلے موجود تھے...... ایک سے ایک زیادہ چالاک شوخ اور ہر کسی کو تختہ مشق بنانے والا...... شاہ گل کی فطرت متضاد تھی...... کبھی کبھی ایسے کہ اپنے آپ سے گھبرا جائے...... خود سے شرمسار ہو جائے اور کبھی اعتماد کا دورہ پڑے تو اچھے اچھوں کو خاطر میں نہ لائے...... بے شک دسویں تک کی تعلیم بہت زیادہ علمیت نہیں لاتی...... یہ تو ابتداء ہے...... پہلا قاعدہ لیکن شاہ گل کی فطرت میں قدرت نے جو نمایاں صلاحیتیں رکھی تھیں، وہ کبھی کبھی دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی تھیں...... اب یہ الگ بات ہے کہ ایسا صرف وقت کے تحت ہو اور اس وقت بھی تقدیر ساتھی تھی...... جب داخلوں کی تکمیل کے بعد سب سے پہلی نشست ہوئی...... سیکنڈ ایئر اور فرسٹ ایئر کے طلباء جمع ہوئے کالج کے رواج ہوتے ہیں کہ سیکنڈ ایئر کے طالب علم فرسٹ ایئر میں داخل ہونے والوں کے ساتھ ابتدائی سلوک اپنے مزاج کے مطابق کرتے ہیں، چنانچہ اس وقت بھی یہ اجتماع

ہوا...... جسے تعارفی اجتماع کا نام دیا گیا تھا اور شیطانوں کے غول جمع ہو گئے...... نئے آنے والے پرانے آنے والوں کے حضور پیش ہوئے تھے اور دوسرے سال کے طلباء ان کا ناقدانہ جائزہ لے رہے تھے...... ایک سے ایک شیطنیت میں باکمال...... شاہ گل کلاس میں داخل ہوا تو چاروں طرف سے ہا...... ہا...... ہو...... ہو...... کی آوازیں بلند ہوئیں...... کچھ نوجوان اٹھ کر فرشی سلام کرنے لگے...... یہ شاہ گل کی نزاکت...... اس کے چلنے کا انداز...... جسے ہزار درجے سنبھالا گیا تھا، لیکن اس ادا میں جو بانکپن تھا وہ لوگوں کے دلوں کو متاثر کر گیا...... پھر [illegible] کے حسن سے مالا مال...... چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت...... [illegible] یں۔

باادب باملاحظہ [illegible] نواب واجد علی شاہ تشریف لا رہے ہیں" اور اس کے بعد لڑکے ایک صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور لڑکوں کی ہی ہی...... ٹھی ٹھی اُبھرنے لگی۔

"ارے...... ارے...... کوئی ادب کرتا ہی نہیں"۔

"ذرا یہ تو معلوم کیا جائے کہ یہ کون سی پشت ہوئی" کس طرف سے آواز آئی۔

"اے...... ان کی جانب پشت نہ کرنا ورنہ" دوسری آواز اُبھری۔

"آخر نواب اودھ ہیں...... نہ جانے کیوں اس وقت شاہ گل کے اندر کوئی لچک پیدا نہیں ہوئی...... مسکراتا ہوا ان کے درمیان پہنچ گیا اور پھر بولا"۔

"اس محبت بھرے استقبال کا شکریہ...... واجد علی کی کہانی قصہ پارینہ ہو چکی ہے...... آپ لوگوں کی علمیت میں شاید کچھ کمی واقع رہ گئی ہے"۔

"سبحان اللہ...... سبحان اللہ شعر ہو گیا، بلکہ غزل ہو گئی"۔

"غزل؟" ایک وحشت بھری آواز اُبھری اور ایک نوجوان تیزی سے دوڑتا ہوا قریب آ گیا۔

"کہاں ہو گئی غزل؟" "کب ہو گئی...... ہم کہاں تھے۔

"ابے او شاعر...... ہوش میں آ...... یہ محفل مشاعرہ نہیں" کسی نے آنے والے

نوجوان کا گریبان پکڑ کر ایک طرف کر دیا۔

"بخدا! غزل کا نام احترام سے لیا کرو"۔

"اب ہو گئی بک بک...... تعارف ہو جائے تو حضور انور اسم شریف؟" کسی نے شاہ گل سے کہا۔

"ہوش مندوں کی محفل ہو تو کچھ عرض کروں"۔

"ارشاد! ارشاد" شاعر جلدی سے بولا۔

"غزل یا نظم نہیں...... یا کوئی شعر نہیں، بلکہ اسم تعارف ہے لیکن سلیقہ نہیں مل رہا"۔

"ابا بھائی...... سلیقہ سلائی مشین والوں کے ایجنٹ ہو کیا؟"۔

"کہہ لیجئے کچھ بھی...... بولنے کے لئے لفظ درکار ہوتے ہیں...... صرف بولنا مقصود ہو تو کچھ بھی بول لیں...... ہاں سلیقے کی بات کریں گے تو جواب ضرور دوں گا"۔

"حضور گرہ لگا دیجئے" وہ شخص جسے شاعر کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا ایک بار پھر آگے بڑھ آیا۔

"دہ میں لگاتا ہوں...... بیٹے تم فکر مت کرو" ایک دوسرا نوجوان آگے بڑھا اور اس نے شاعر کی گردن میں قمیض کے کالر پکڑ کر ان میں گرہ لگانے کی کوشش کی۔

"میں نے گرہ لگانے کے لئے کہا تھا جاہل...... دم گھونٹنے کے لئے نہیں"۔

"کیسی گرہ؟ کہاں کی گرہ؟" کسی نے سوال کیا۔

"مصرع اولیٰ ہے ملاحظہ ہو اور شعر مکمل کر دیا جائے"۔

"ارشاد...... ارشاد...... ارشاد" چاروں طرف سے آواز آئی۔

عرض ہے کہ۔

"دعا کا ہاتھ بھی جام شراب جیسا ہے...... حضور اس پر ذرا مصرعہ ثانی ہو جائے"۔

"مشکل تو نہیں ہے" شاہ گل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارشاد...... ارشاد"۔

"دعا کا ہاتھ بھی جام شراب جیسا ہے

ہ آج ہمارا ثواب جیسا ہے"۔

ایک لمحے کے لئے خاموشی چھاگئی..... لوگوں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں..... پھر

ان میں سے ایک نے کہا۔

"دوسرا آگیا..... باپ رے باپ"۔

"کون؟"۔

"ابے بھائی شاعر..... دیکھ لیاناں حشر..... کہ دعا کا ہاتھ بھی جام شراب جیسا ہے اور

گناہ آج ہمارا ثواب جیسا ہے"۔

"جاہلو! خاموش رہو..... ادب کا مقام ہے..... یہ تو قیامت ہو گئی..... اپنا بھائی آگیا"

شاعر نے کہا..... پھر بولا۔

"عزیزم! بس ایک اور"۔

"جی فرمائیے" شاہ گل بولا۔

"یہ کون دور سے آواز دے رہا ہے مجھے" جناب ارشاد..... ارشاد"۔

"بڑا لطیف سا نغمہ رباب جیسا ہے" شاہ گل نے جواب دیا اور شاعر پھر بولا۔

"ذرا سی ٹھیس لگی اور پھوٹ کر روئے"

"مزاج اہل محبت حباب جیسا ہے"۔

"مشاعرہ بند..... مشاعرہ بند..... تو جناب اب ذرا تعارف ہو جائے"۔

لوگ سنجیدہ نظر آنے لگے..... آنے والا کچھ ایسے ہی مزاج کا نظر آیا تھا..... اول تو حسن و جمال بے مثال..... اوپر سے ذہانت..... سونے پر سہاگہ..... نوجوانوں کو اس سے دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی..... تب ہی ایک اور نوجوان اندر داخل ہوا اور ایک عجیب سی افراتفری پھیل گئی..... کسی نے کہا۔

❀ ❀ ❀

"پولیس آگئی..... پولیس آگئی" آنے والا ایک لمبے چوڑے بدن کا مالک اور خوش شکل نوجوان تھا، لیکن پولیس کہیں نظر نہیں آئی تھی..... البتہ سب مؤدب ہو گئے تھے..... آنے والے نے کہا۔

"گویا بدمعاشی جاری ہے"۔

"نہیں حضور! مائی باپ..... ہم تو بس ایسے ہی ہنس کھیل رہے تھے" دو تین لڑکوں نے ایک وقت کہا اور قہقہے اگلنے لگے..... شاہ گل ان کے درمیان دلچسپی لے رہا تھا..... آنے والے نے اسے دیکھا اور بولا۔

"معاف کیجئے گا مسٹر! یہ سب اصل میں ذات کے چھوٹے ہیں ورنہ مہمانوں کا استقبال ذات کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے، مگر کیا کیا جائے؟ والدین کے ذریعہ معاش کچھ بہتر نہ ہوں گے، جس کی وجہ سے ان کی فطرت بگڑ گئی..... میں صرف ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں جو دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنے آپ کو ذہین سمجھتے ہیں..... پھر ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور فوراً ہی ایک طرف سے آوازیں اُبھریں۔

"ایک حسن کی دیوی سے مجھے پیار ہوا تھا" لڑکی بے حد حسین تھی اور کسی قدر گھبرائی ہوئی لیکن اس شخص نے جو لمبے چوڑے بدن کا مالک تھا، سب کو ڈانٹا۔

"دیکھو! میں منع کر رہا ہوں..... بدتمیزی نہ کرو..... ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا"۔

"ٹھیک ہے بھائی..... ٹھیک ہے..... یہ تو ہے ہی پولیس اسٹیٹ..... خاموش ہو جاتے

ہیں ہم"۔
اس کی بجائے کہ تم لوگ صرف یہ ہنگامہ اور بدتمیزی کرو، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ
ایک دوسرے سے تعارف حاصل کیا جائے" نوجوان نے کہا...... پھر شاہ گل کے پاس پہنچا۔
"دیکھئے مسٹر! یہ کالج ہے اور یقینی طور پر آپ نے سکول کے بعد کالج کی شکل دیکھی
ہوگی...... یہاں کا ماحول ذرا مختلف ہے...... یہ سب ہنسنے بولنے والے لڑکے ہیں...... ابتدا ایسی
ہی ہوتی ہے...... اس لئے آپ بددل نہ ہوں...... ویسے واقعی آپ کی شخصیت بے مثال ہے"۔
"اسی لئے تو ہم نے انہیں واجد علی شاہ کہا تھا"۔
"واجد علی شاہ کے بارے میں آپ لوگ کیا جانتے ہیں؟" شاہ گل نے سوال کیا۔
"جو کچھ جانتے ہیں وہ بیان کرنے کے قابل نہیں ہے"۔
"یہ جہالت ہے آپ کی...... کیونکہ آپ کی اپنی کوئی ریسرچ معلوم نہیں ہوتی......
فرماں روائے اودھ میں واجد علی شاہ کا جو مقام ہے، آپ کو اس کے بارے میں صرف ان
کتابوں سے علم حاصل ہوا ہے جنہیں مستند نہیں کہا جا سکتا...... واجد علی شاہ ایک ایسی شخصیت
تھی جس نے اپنے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور اس کے بعد اس کے دشمنوں نے
اس کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کیا اور آپ نے ان تمام حقیقتوں کو اپنا لیا...... اگر کبھی واجد
علی شاہ پر پوری طرح ریسرچ کریں تو آپ کو خود اپنے الفاظ پر شرمندگی ہوگی"۔
"ویری گڈ...... ویری گڈ" حضور نام کیا ہے آپ کا؟" لمبے چوڑے بدن کے مالک شخص
نے کہا۔
"میرا نام شاہ گل نواز ہے"۔
"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی...... مجھے ساجد حیات کہتے ہیں"۔
"محکمہ پولیس آپ کے سامنے ہے" عقب سے ایک آواز آئی۔
"ان کے والد ڈی آئی جی پولیس ہیں...... اس لئے انہوں نے اس کالج کو اپنی پناہ میں
لے رکھا ہے" دوسری آواز آئی۔

"اور بھائی ایس ایس پی ہیں" تیسری آواز نے کہا۔
"دوسرے بھائی ڈی ایس پی ہیں" چوتھی آواز اُبھری اور ساجد حیات مسکرا دیا......
پھر بولا۔
"یہ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... انہیں ٹھیک رکھتا ہوں تو جناب اب ذرا ان چند افراد
سے آپ کا تعارف ہو جائے"۔
"جی...... جی...... جی خادم کو دلشاد مرحوم کہتے ہیں...... یعنی والدین نے نام دلشاد رکھا تھا
لیکن زمانے نے مرحوم کر دیا" اس شاعر نے کہا جس کے شعر پر شاہ گل نے مصرعہ ثانی کہا تھا۔
"اور یہ فیاض علی ہیں" منشی فیاض علی نہیں...... ویسے ان کی تعلیمی رپورٹ ایسی ہی ہے
کہ مستقبل کے منشی آپ کے سامنے ہیں اور یہ محمود اور یہ ساجد حیات سب کا تعارف کرانے
لگا...... پھر اس نئی آنے والی لڑکی کی طرف رخ کیا گیا۔
"خاتون! یہ شکر کی بات ہے کہ تمام تر توجہ شاہ گل کی طرف ہے ورنہ آپ بھی ان
بدمعاشوں کی تختہ مشق بنتیں...... آپ اپنا تعارف فرما دیجئے"۔
"میرا نام مومل شیراز ہے...... میرے والد اکبر شیراز فلمیں بنایا کرتے ہیں"......
لڑکی نے کہا اور ایک بار پھر ہنگامہ برپا ہو گیا...... نوجوان اپنے بال سنوار کر ایکشن دینے
لگے...... کچھ ڈائیلاگ بولنے لگے...... ایک شور...... ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا...... ساجد حیات
نے کہا۔
"آیئے...... میں آپ کو چائے پلاؤں...... ان بدتمیزوں کو بدتمیزی کرنے
دیجئے...... آیئے...... پلیز آیئے" لڑکی نے گھبرائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور
پھر ساجد حیات کے ساتھ باہر نکل گئی...... ساجد نے شاہ گل کا بازو بھی پکڑ لیا تھا...... باہر
نکلتے ہوئے بولا۔
"ابھی تو اور بھی بہت سے آئیں گے...... اور یہ لوگ ان کے ساتھ ایسی ہی بدتمیزی کا
سلوک کریں گے، لیکن آپ لوگ بے فکر رہیے...... کل تک آپ ان میں شامل ہوں گے

اور ساری اجنبیت دور ہو جائے گی...... آیئے پلیز" ساجد انہیں کینٹین میں لے گیا اور پھر
چائے طلب کی گئی...... مومل بھی کچھ جھینپی جھینپی سی نظر آ رہی تھی، لیکن شاہ گل نواز بالکل
مطمئن تھا...... ساجد حیات ایک اچھا انسان معلوم ہوتا تھا...... تھوڑی ہی دیر میں ان دونوں
سے بے تکلف ہو گیا...... اس نے کہا۔

"اب آپ لوگوں نے ذہنی طور پر خود کو مطمئن کر لیا ہے؟"۔

"ہاں! بالکل...... کوئی ایسی بات نہیں ہے...... مس مومل! آپ کا کیا خیال ہے؟" شاہ
گل نے مومل سے پوچھا...... جو شاہ گل کو دیکھ رہی تھی۔

"جی...... جی ہاں...... جی جی" اس نے چائے کی پیالی شاہ گل کی طرف بڑھا دی۔

"میری چائے تو میرے سامنے موجود ہے" شاہ گل نے مومل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی...... جی ہاں...... او ہو...... معافی چاہتی ہوں" اس نے چائے کی پیالی اپنی طرف
سرکالی...... اس کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پائی جاتی تھی...... ساجد حیات ہنسنے لگا......
پھر اس نے کہا۔

"آپ لوگوں کو بالکل نئے انداز میں کلاس میں پیش ہونا ہے...... چائے پی لیجئے پھر اس
کے بعد دیکھتے ہیں اور بھی نئے طالب علم آئیں گے...... ان بد معاشوں سے انہیں بچانا
ہے"۔

"جی" کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے۔

زندگی کی رفتار میں ٹھہراؤ آ گیا تھا...... یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وقت اپنی منزلیں
جلدی جلدی طے کر کے ایک محور تک پہنچ گیا ہو اور اس کے بعد اس کی چابی رک گئی ہو......
بات شاہ گل کے گھر کی ہے...... صنوبر زندگی کا سفر طے کر رہی تھی...... اس کے سر کے بالوں
میں کہیں کہیں چاندی کے تار چمکنے لگے تھے...... زلیخا اپنے شانوں پر اب بھی لاتعداد ذمہ
داریاں محسوس کرتی تھی...... بہو پر جان دیتی تھی اور اس کا ہر طرح خیال رکھتی تھی...... غلام
نبی کو قدرت نے خاص توانائی بخشی تھی، کیونکہ اس کے شانوں پر عجیب و غریب ذمہ داریاں

تھیں...... دوستی نبھائی تو ایسی کہ مثال بن جائے...... پہلے دوست کا مستقبل محفوظ کیا اور اس
کے بعد اس کے گھر کی نگرانی سنبھال لی...... بے لوث اور بے غرض سب کی خدمت کر رہا
تھا...... دل کا داغ اب اس نے تنہا اپنی ذات پر کھایا ہوا تھا...... علم تو سب ہی کو تھا کہ قدرت
نے ایک عجیب و غریب ذمہ داری ان لوگوں کو سونپی ہے...... اس میں قدرت کا کیا راز ہے یہ
تو وہی جانے، لیکن گھر کے چراغ میں داغ تھا اور سبھی چراغ تلے کی تاریکی سے سہمے ہوئے
تھے...... کیونکہ ایک انوکھا مستقبل سامنے آ رہا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں کہ بچپن میں جو
کیفیت تھی وہ اب نہیں تھی...... اب ذرا خود زندگی گزارنے کا سلیقہ آیا تھا...... البتہ نہ تو غلام
نبی، نہ زلیخا یہ بات جانتے تھے کہ خود شاہ گل اپنی کیفیت سے کس حد تک واقف ہے...... بظاہر
تو کچھ نظر نہیں آتا تھا...... ہاں اندر کی بات مختلف تھی، یعنی وہ سرخ خواب...... جس میں کوئی
نامعلوم وجود...... کوئی بے نقش چہرہ...... اس کے سر پر دوپٹہ ڈال دیتا...... ستاروں بھرا
دوپٹہ...... اور کچھ دیر کے بعد تمام ستارے اپنی جگہ چھوڑ دیتے اور پھر اپنے وجود کو متحرک
کرنے کے لئے ایک رقص وجود میں آتا، جو ابھی تک زمانے کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا......
بس یہ ایک راز ایسا تھا جس کا کوئی حل شاہ گل نواز کے پاس نہیں تھا...... بہترین شوق، اعلیٰ
درجے کی کتابوں کا مطالعہ اور اس کے لئے تمام وسائل تھے...... اچھی خاصی لائبریری بن گئی
تھی اور عموماً وہ ان کتابوں میں ڈوبا رہتا...... گھر کا ماحول مختلف...... کالج کا ماحول مختلف......
اپنی شخصیت کے سراغ کی جانب ابھی توجہ نہیں دی تھی اور دوستوں میں کھویا ہوا تھا...... جن
میں سب سے بہترین دوست ساجد حیات تھا...... یہ بھی شاید کوئی سائنسی عمل تھا...... جسے
فطرت کا نام بھی دیا جا سکتا ہے کہ ساجد حیات اس سے بہت متاثر تھا...... دوسری شخصیت
مومل کی تھی جس نے روز اول ہی کالج میں داخل ہو کر زخم کھایا تھا...... ویسے تو کالج کی شوخ
طرار لڑکیاں شاہ گل کی ذات میں بہت دلچسپی لیتی تھیں اور اس کے بارے میں خوب کانا
پھوسیاں ہوا کرتی تھیں، لیکن مومل کی خاموش نگاہوں میں جو ایک طوفان چھپا ہوا تھا وہ
الگ ہی نوعیت کا حامل تھا...... اس کا دل چاہتا تھا کہ حیات کا ہر لمحہ شاہ گل کے دیدار میں

صرف ہو جائے...... عموماً اس سے لغزشیں ہوتی رہتی تھیں اور بارہا لغزشیں پکڑی بھی گئی تھیں، لیکن ابھی تک اس نے شاہ گل نواز کی جانب کوئی ایسا قدم نہیں بڑھایا تھا جس میں اظہار تمنا ہو اور ویسے بھی عمر ہی کتنی تھی...... بالکل الہڑ پن اور سادگی کی عمر...... جس میں کوئی بھی گم ہو گیا ہے اور اس کی بڑی بہن جو اس کی دوست بھی تھی...... اس نے مومل کی اس کیفیت کو محسوس کر لیا۔

"مومل! کیا بات ہے؟ کچھ اُلجھی اُلجھی سی رہتی ہو...... کیا تعلیم ذہن پر بار بنتی ہے"۔

"نہیں باجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"بس یوں لگتا ہے جیسے تمہاری شخصیت میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے"۔

"خلا......؟" مومل پریشان لہجے میں بولی۔

"دیکھو مومل! تم جانتی ہو، سارے گھر میں سب سے زیادہ میں تم سے محبت کرتی ہوں"۔

"آپ یہ کیوں کہتی ہیں باجی؟"۔

"جتنا میں تمہیں سمجھتی ہوں اتنا اور کوئی نہیں جانتا"۔

"مجھے علم ہے"۔

"اور تم ہر بات مجھے بتا دیتی ہو"۔

"ہاں باجی"۔

"لیکن اب جو بات تمہارے دل میں ہے...... تم نے اسے دل میں ہی رکھا ہے"۔

"باجی! کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے میں الفاظ کا رنگ دوں"۔

"لیکن ہے"۔

"میں اصل میں ذرا سی اُلجھی ہوئی ہوں"۔

"کیوں......؟"۔

"کالج میں ایک لڑکا ہے باجی...... اس کا نام شاہ گل نواز ہے"۔

"ہاں...... تو پھر؟"۔

"باجی! بہت عجیب ہے وہ...... اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں لگتا"۔

"ہونہہ...... آگے کہو"۔

"بس باجی...... میرا ذہن...... میرا دل اس میں اُلجھا رہتا ہے"۔

"محبت کرنے لگی ہو اس سے؟"۔

"پتا نہیں؟"۔

"کیا دل چاہتا ہے؟"۔

"صبح کو جب جاگتی ہوں تو ایک دم سوچتی ہوں کہ کیا کرنا ہے؟ خیال آتا ہے کہ کالج جانا ہے اور کالج جانے کے خیال کے ساتھ ہی...... جلدی سے متحرک ہو جاتی ہوں کہ شاہ گل سے وہاں ملاقات ہو گی...... پھر جب وہاں پہنچتی ہوں تو کتابوں میں دل نہیں لگتا...... نگاہ اس پر جمی رہتی ہے...... جب وہاں سے واپس آتی ہوں تو دُکھ ہوتا ہے کہ کل تک کے لئے وہ مجھ سے جدا ہو گیا، لیکن باجی! رات کو پھر بستر پر لیٹنے کا انتظار کرتی ہوں، کیونکہ بستر پر لیٹنے کے بعد اس کا تصور کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور مجھے اس کے تصور میں نیند آ جاتی ہے...... یہ میرا مشغلہ بن چکا ہے باجی" مشعل نے پریشان نگاہوں سے اسے دیکھا...... اپنی بہن کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی...... حالانکہ باپ کا تعلق شو بز سے تھا...... بہت سے نشیب و فراز خود بخود نگاہوں کے سامنے آئے تھے، لیکن اپنی بہن کے بارے میں وہ جانتی تھی کہ بالکل ہی سادہ کتاب کی مانند ہے...... اگر وہ اس قسم کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی ہے تو یہ صرف محبت ہے...... ایک ایسا معصوم احساس، جو عمر کے اس دور میں اگر ذہن تک پہنچ جائے تو ساری زندگی زخمی کر دے...... بات اتنی مشکل بھی نہیں تھی کہ جس کا حل ناممکن ہو، لیکن ناعمری کی اس عمر میں اس طلسم میں پھنس جانا مناسب نہیں...... انداز جو ہے وہ ایسی شدت کا اظہار کرتا ہے جس کے آگے بند نہیں باندھے جا سکتے...... مشعل سمجھدار تھی...... اس نے ذہانت سے پوچھا۔

"اور لڑکے کی کیا کیفیت ہے؟"۔

"مجھے کیا معلوم؟"۔

"نہیں! میرا مطلب ہے...... تمہاری محبت کے جواب میں وہ کیا کہتا ہے؟"۔

جواب میں مومل ہنس پڑی۔

"اس بیچارے کو تو پتہ بھی نہیں ہے کہ میں کس کیفیت کا شکار ہوں؟"۔

"یعنی تمہارے اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی؟"۔

"تم نے کوشش نہیں کی یا اس کی ہمت نہیں پڑی؟"۔

"باجی وہ بہت عجیب ہے، حالانکہ ہم لوگ ساتھ ساتھ ہی اس کالج میں داخل ہوئے ہیں لیکن لوگ اس سے بہت مرعوب ہیں، حالانکہ شروع میں سب نے اس کا مذاق اُڑانے کی کوشش کی تھی، لیکن ایسی عظیم شخصیت ہے اس کی کہ بالآخر سب اس کے سامنے آہستہ آہستہ موم ہوگئے...... اب وہ سب اس کا احترام کرتے ہیں...... وہ سب سے نرمی اور محبت سے پیش آتا ہے...... بس یہ سمجھ لیجئے کہ ایک انوکھی شخصیت کا مالک ہے وہ"۔

"دیکھو مومل! بے شک ایسا ہوتا ہے انسان زندگی میں کسی نہ کسی کو پسند کرتا ہی ہے، لیکن اس کے لئے بے لگام نہیں ہوا جا سکتا...... تم ایک نیک نام شخص کی بیٹی ہو...... تمہیں پتہ ہے ہمارے ڈیڈی شوبزنس میں ہونے کے باوجود ایک معزز حیثیت رکھتے ہیں اور لوگ ان کا نام احترام سے لیتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اس دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام بنایا ہے...... محبت کی بے شمار کہانیاں ہم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں...... فلموں کی شکل میں...... کہانیوں کی شکل میں...... ان کی حقیقتوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، لیکن اصل زندگی ذرا مختلف ہے...... پردۂ سیمیں پر جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس میں بڑی بڑی عجیب کہانیاں ہوتی ہیں، لیکن زندگی کی اصل کہانی سادگی کے ساتھ ہی آگے بڑھتی ہے...... تم ایسا کرو...... میں تمہیں بتاؤں؟ الجھنے کی ضرورت نہیں ہم دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں؟"۔

"کیا مطلب ہے باجی؟" مومل نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ اس سے ملاقات کریں گے...... اس کے بارے میں

معلومات حاصل کریں گے...... پھر اور کچھ سوچیں گے"۔

"اور کیا کچھ باجی؟"۔

"بھئی کہیں نہ کہیں تمہاری شادی بھی کرنی ہے...... ہو سکتا ہے تمہاری زندگی کا ساتھی تمہاری پسند کا نوجوان ہی ہو؟" مومل تعجب سے مشعل کو دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"خدا کی قسم باجی! نہ میں نے شادی کے بارے میں سوچا نہ اس بارے میں کہ وہ میرے سوا کسی کی نگاہوں کا مرکز نہ رہے...... میں نے تو صرف آپ کے پوچھنے پر اپنی کیفیت بتائی تھی۔

"میں جانتی ہوں...... مجھے یقین ہے اچھا خیر بس اتنا کہتی ہوں تم سے کہ پریشان نہ ہونا، کسی حسرت، کسی دُکھ کا شکار نہ ہونا...... وہ کون سا کوہ قاف کا شہزادہ ہے...... ہم اس سے ملیں گے اس سے روابط بڑھائیں گے...... بس میری جان! تم پریشان نہ ہونا"۔

"میں پریشان نہیں ہوں باجی! بس جو میں نے کہا ہے وہ اس لئے کہا ہے کہ آپ نے مجھ سے پوچھا تھا...... باقی سب ٹھیک ہے"، مشعل مسکرا دی لیکن اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار پائے جاتے تھے...... ویسے تو عشق و محبت کی لاتعداد کہانیاں نگاہوں سے گزرتی تھیں لیکن بعض کہانیوں میں جو شدت ہوتی ہے، وہ کچھ انوکھے واقعات کو جنم دیتی ہے اور مشعل کو یہی خوف ہوا تھا کہ یہ واقعات کوئی انوکھی شکل نہ اختیار کر جائیں۔

لیکن شاہ گل نواز ہر احساس سے بے پرواہ...... اپنی ذات سے ناشناسا سا وقت کا سفر طے کر رہا تھا...... بس ایک اُلجھن جو بہت ہی مدھم سے داغ کی شکل میں اس کے ذہن پر سوار رہتی تھی وہ اس کا اپنا خواب تھا، جس کی وضاحت نہ اس نے اپنے آپ سے مانگی تھی نہ کسی اور سے...... ایک انوکھی آسودگی اس خواب میں چھپی ہوئی تھی اور اگر کبھی کچھ دن ایسے گزر جاتے کہ وہ خواب اسے نظر نہ آتا تو اس پر ایک بے کلی سی سوار رہتی تھی...... وہ خواب اس کی آسودگی کا مرکز تھا...... ویسے اس سے محبت کرنے والوں کی تعداد کافی تھی...... شخصیت ہی ایسی تھی کہ سب اس سے متاثر تھے...... نرم گفتگو کرتا تھا...... سادہ مزاج تھا اور تعلیمی میدان

میں بھی بڑی مکمل حیثیت کا حامل..... البتہ اب موٹل کی نگاہیں سب ہی پہچاننے لگے تھے اور اکثر موٹل اور شاہ گل موضوع بن جاتے تھے اور لڑکے اور لڑکیاں ان کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے..... اس دن موسم بھی کچھ ایسا ہی تھا اور تھوڑی سی فرصت بھی..... دلشاد مرحوم کسی غزل پر سر دھن رہا تھا..... اس نے شاہ گل سے کہا۔

"یار اس دن پہلی ہی ملاقات میں تم نے ہمارے سر پر پاؤں رکھ دیا تھا، یعنی میری غزل پر گرہ لگاتے ہوئے..... کچھ اپنے حسب حال نہیں کہو گے..... جو ہمارے کچھ ادھر ہو جائیں..... تمہیں بھی اس بات کا، جیسے معلوم ہوا ہے۔"

"مجھے شعر بنانا سے نہیں آتا ضرورت نہیں ہے..... نہ ہی میں نے کبھی اس طرف سوچا۔"

"پھر بھی کبھی کبھی کچھ حسب حال بھی ہو جاتا ہے۔"

"میرے حسب حال کیا ہے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا..... البتہ اگر تم کہو تو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ؟

عجیب کشمکش اضطراب ہے لیکن.....
یہ حوصلہ بھی نہیں ہے کہ کھل کے آہ کروں
بس ایک تجھ سے ہی ملنا گناہ ٹھہرا ہے
ملوں نہ تجھ سے بھلا، کیسے یہ گناہ کروں
اندھیری شب کا مسافر ہوں اور تنہا ہوں
چراغ لاؤ کہ تخلیق مہر و ماہ کروں
کبھی تو مجھ کو بھی اپنی زباں پہ قدرت ہو
کہ عرض حال کروں اور بے پناہ کروں

ایک ایک شعر پر سننے والوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹ رہی تھیں..... خود ساجد حیات بھی ششدر تھا..... موٹل سن رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے محبت کے پھول برس

رہے تھے..... تنہائی میں ساجد حیات نے کہا۔

"مگر تمہاری منزل تو اتنی مشکل نہیں ہے شاہ گل"۔

"میری منزل.....؟"۔

"ہاں"۔

"کون سی منزل کی بات کرتے ہو؟"۔

"جو تمہارے اشعار میں اُلجھن بن گئی ہے" ساجد حیات نے کہا اور شاہ گل چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔

"میرے اشعار میں تمہیں کوئی الجھن نظر آتی ہے؟"

"ہاں، ایک عجیب سی بے چینی..... ایک عجیب سا اضطراب۔"

"تو یوں سمجھ لو کہ وہ میری فطرت کا ایک حصہ ہے"۔

"مطلب؟"۔

"نہ پوچھو ساجد حیات"۔

"دوست سمجھتے ہو تو بتا دو"۔

"ہاں! تم میرے دوست ہو ساجد حیات..... میرے وجود میں ایک نامعلوم خلاء ہے..... جسے میں پر نہیں کر سکتا..... اگر وہ مجھے نظر آجائے تو میں اس کے لئے ہر ممکن کوشش کروں..... میں اس کی تلاش میں ناکام ہوں اور کبھی کبھی مجھ پر ایک عجیب سا جنون سوار ہو جاتا ہے..... آخر میں اسے کیوں نہیں تلاش کر سکتا..... وہ میری ذات کا خلاء ہے کسی اور سے اس کا تعلق نہیں ہے..... میں اپنی ذات کا سراغ نہیں لگا سکتا..... آخر کیا بات ہے مجھ میں؟ وہ کون سی بات ہے جسے اب تک میں نہیں جان سکا..... بس اس کے علاوہ میری زندگی میں اور کوئی مشکل نہیں ہے"۔

"کیا وہ موٹل ہے؟" ساجد حیات نے سوال کیا۔

"موٹل؟" شاہ گل حیرت سے بولا۔

"ہاں اگر وہ تمہاری ذات کا خواہ ہے تو اس کا سراغ میں تمہیں دیتا ہوں ــــ میرے دوست منزہ میرا عشق محکمہ پولیس سے ہے" ساجد حیات مسکرا کر بولا۔

"موول کا تذکرہ تم نے کیوں کیا؟"۔

"اس لیے کہ موول تمہیں بے پناہ چاہتی ہے"۔

"مجھے؟"۔

"ابھی تک نہیں سمجھے؟"۔

"نہیں"۔

"ہم سب تو یہ سمجھتے ہیں کہ تم جان بوجھ کر احتیاط برتتے ہو"۔

"کیسی احتیاط"۔

"بھئی وہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے اور اگر تمہارے دل میں بھی اس کے لئے کوئی مقام ہے تو میری جان آخر یہ محکمہ پولیس کب کام آئے گا تمہارے؟"۔

"نہیں یقین کرو ــــ میں لڑکوں کی باتیں سنتا ہوں ــــ ہر لڑکا کسی نہ کسی لڑکی سے عشق کرتا ہے ــــ کبھی کبھی سوچتا ہوں اس بارے میں کہ آخر یہ عشق کیا چیز ہے؟ یوں سمجھو کہ صنف مخالف کی جانب جھکاؤ ــــ کیونکہ یہی زندگی کی ساتھی بنتی ہے ــــ ہر مرد ایک عورت سے شادی کرتا ہے ــــ اس کی ذات کا مالک بن جاتا ہے اور جب تک وہ اس کی ذات پر حکمران نہیں ہوتا وہ اس سے عشق کرتا ہے ــــ آہیں بھرتا ہے اس کے لئے مرتا ہے ــــ یہ تو ایک طلب ہے ــــ ایک ضرورت کے لئے وہ اس طرح کوشش کرتا ہے جس طرح ہم اپنے مستقبل کے لئے تعلیم حاصل کرنے پر محنت کرتے ہیں ــــ پھر اسے کوئی جذباتی نام تو نہیں دیا جا سکتا ــــ ویسے تو خیر کسی چیز کے حصول کی خواہش تھوڑے سے جذبات کی حیثیت بھی رکھتی ہے ــــ تعلیم بھی اور باقی تمام چیزیں بھی ــــ شاید ہم اس کو عشق کا نام دیتے ہیں"۔

"نہیں یار ــــ عشق مختلف چیز ہے"۔

"تو پھر کسی مرد کو مرد سے کیوں نہیں ہوتا؟ یا کوئی عورت کسی عورت سے کیوں نہیں کرتی؟"۔

"یہ بھی ہوتا ہے نام ذرا مختلف ہو جاتے ہیں، مگر تم سچ بتاؤ...... کیا تم بھی موول کو چاہتے ہو؟"۔

"میرے دوست ہو تم؟"۔

"ہاں کیوں نہیں؟"۔

"اور دوستی کے رشتے سے مجھ پر یقین بھی رکھتے ہو گے"۔

"ویسے بھی تم ایک مخلص انسان ہو...... میں تمہاری کہی ہوئی ہر بات پر یقین رکھتا ہوں"۔

"تو موول میری منزل نہیں ہے...... میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہے ــــ کالج میں ملاقات ہوتی ہے...... جیسے میں دوسرے لوگوں سے ملتا ہوں...... ایسے ہی اس سے بھی ملتا ہوں...... اس کے لئے میرے ذہن میں کوئی اور تصور نہیں ہے"۔

"تو ماری گئی بیچاری" ساجد حیات افسوس بھرے انداز میں بولا۔

"کیوں ــــ؟"۔

"اس لئے کہ وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔"

"موول ــــ؟" شاہ گل کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں"۔

"تم ــــ مگر کیوں؟"۔

"اس لئے کہ تم اس کے محبوب ہو ــــ میری بات مانو ــــ غور کرو اور یقین کرو اس انداز میں شدت ہے کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے یار"۔

"کیسی گڑبڑ؟"۔

"اس کی جانب توجہ نہ دو وہ بیچاری"۔

"عجیب بات ہے ــــ میں غور کروں گا اس بارے میں" اور اس نے غور کیا اور سوچا، پہلی بار

اسے یہ احساس ہوا کہ وہ خود اپنی شناخت میں ناکام ہے...... **ایک عورت**..... عورت سے محبت کر سکتی ہے...... یا ایک مرد...... مرد سے محبت کر سکتا ہے "اس کا حاصل اور اس حاصل کا تصور اس کے ذہن میں اُلجھ گیا اور یہ اُلجھن اسے بے حد شدید محسوس ہوئی اور اس سوچ نے اس کے ذہن پر پہلی بار اس کی اپنی شخصیت نمایاں کی اور جب اس نے اپنے آپ پر غور کیا تو اسے احساس ہوا کہ کچھ الگ ہے...... وہ کچھ ہٹ کر ہے...... دوسروں سے کیوں...... آخر کیوں؟؟ اور یہ خیال اس کی پیشانی پر ایک مدہم سی لکیر چھوڑ گیا...... مومل سے تو خیر اس نے کچھ نہ کہا لیکن اپنی ذات کے اس انکشاف پر وہ بہت زیادہ اُلجھ گیا۔

❁ ❁ ❁

پھر ایک دن اتفاقیہ طور پر ایک ایسی جگہ جہاں کالج کے دوسرے ساتھی نہیں تھے اور جہاں شاہ گل اتفاقیہ طور پر پہنچا تھا...... موئل اسے مل گئی...... مشعل بھی ساتھ تھی...... موئل اسے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئی...... تیزی سے اس کی جانب دوڑی اور مشعل چونک کر اسے دیکھنے لگی...... جب موئل اس کے پاس پہنچی تو شاہ گل نے بھی پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اوہو...... موئل آپ؟"۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"۔

"بس ایسے ہی آ گیا تھا"۔

"میری باجی سے ملئے...... باجی ادھر آیئے...... دیکھئے ان سے ملئے یہ شاہ گل ہیں" مشعل نے شاہ گل کو دیکھا...... دیکھتی رہی...... شاہ گل نے اسے سلام کیا تھا۔

"جیتے رہو...... موئل تمہارے بارے میں اکثر تذکرہ کرتی رہتی ہے"۔

"جی یہ میری کلاس فیلو ہیں"۔

"سنا ہے تعلیمی میدان میں تم بہت آگے ہو"۔

"بس جو کام بھی کیا جائے یا تو کیا جائے یا نہ کیا جائے"۔

"آؤ تمہیں چائے پلاؤں؟"۔

"نہیں شکریہ"۔

"نہیں اس کا کیا سوال ہے؟ آؤ شاہ گل پلیز" موئل اس وقت اس پر اپنی اجارہ داری کا

اظہار کر رہی تھی...... شاہ گل اس کے ساتھ چل پڑا...... ایک چھوٹے سے ریستوران کے ہال میں بیٹھ کر مشعل نے کہا۔

"والدین کیا کرتے ہیں؟"۔

"کچھ نہیں کرتے؟"۔

"کیا مطلب؟"۔

"والد کا انتقال ہو چکا ہے...... ماں ہے...... دادی ہیں اور غلام خیر چچا ہیں بس"۔

"ذریعہ معاش کیا ہے؟"۔

"زمینیں...... جن سے جو کچھ آتا ہے زندگی گزارنے کے لئے کافی ہوتا ہے"۔

"مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہو؟" مشعل نے سوال کیا اور شاہ گل کا چہرہ سرد ہو گیا......

اس نے ان دونوں کو دیکھا...... خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل آیا...... اسے یہ احساس ہوا کہ مومل کی بہن اس کا انٹرویو لے رہی ہے کیوں؟ اسے اس بات کا کیا حق پہنچتا ہے کہ سوال پہ سوال کئے جائے...... دونوں بہنیں بھونچکی رہ گئی تھیں اور مومل کی آنکھوں میں درد اتر آیا تھا...... مشعل نے آہستہ سے کہا۔

"مومل وہ مجھے نارمل نہیں معلوم ہوتا"۔

"باجی! تم نے بھی تو اس پر سوالات کا مینہ برسا دیا تھا...... پہلی ملاقات میں ایسا تو نہیں ہوتا...... مشعل پر خیال نگاہوں سے مومل کو دیکھتی رہی تھی اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آئے تھے"۔

دوسرے دن مومل نے کالج میں اس سے ملاقات کی اور بے دھڑک اس کے پاس پہنچ گئی۔

"شاہ گل میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں"۔

"جی فرمائیے؟"۔

"یہاں نہیں تنہائی میں"۔

"آئیے" اس نے اس طرح کہا جیسے اس کے ذہن پر کوئی بوجھ ہی نہ ہو...... مومل اسے ایک تنہا گوشے میں لے گئی...... درخت کے نیچے گھاس کے قطعہ پر بیٹھ کر اس نے کہا۔

"آپ کل ناراض ہو گئے تھے؟"۔

"نہیں"۔

"پھر آپ اس طرح چلے کیوں آئے؟"۔

مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ خاتون نہ جانے کیوں مجھ سے ایسے سوالات کر رہی ہیں...... جیسے ان کے لئے میرے دل میں کوئی شک ہو۔

"وہ میری بہن تھیں"۔

"ہاں مجھے علم ہو گیا تھا"۔

"بس میں ان سے آپ کا تذکرہ کرتی رہتی ہوں...... انہوں نے یونہی آپ سے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہی تھیں"۔

"اتنی گہری معلومات حاصل کرنے کا کوئی جواز تو نہیں تھا"۔

"تھا شاہ گل" مومل نے آج بڑی ہمت سے اپنا منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

"کیا جواز تھا؟"۔

"شاہ گل میں آپ سے محبت کرتی ہوں...... میں آپ کے ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہوں"۔

"یہ بات ساجد حیات نے بھی مجھ سے کہی تھی"۔

"ساجد نے"۔

"ہاں"۔

"لیکن ساجد کو اس بارے میں کیا معلوم؟"۔

"مومل شاید آپ نے دوسری لڑکیوں کی طرح اپنی دوستوں سے کہا ہو؟"۔

"میں نے کسی سے نہیں کہا"۔

"تو لوگوں نے محسوس کیا ہوگا"۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے...... لوگ اگر یہ بات محسوس کر لیتے ہیں کہ میرے دل میں کسی کی محبت کی کونپل پھوٹی ہے تو نہ لوگوں کا اس سے کچھ بگڑتا ہے اور نہ میرا"۔

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"۔

"میں آپ سے معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ کیا آپ کے دل میں میرے لئے کوئی مقام پیدا ہو سکتا ہے"۔

"میں نے اس پر کبھی کوئی غور نہیں کیا"۔

"آپ کو غور کرنا چاہئے تھا شاہ گل"۔

"کیوں......؟"۔

"اس لئے کہ یہ میری زندگی کا سوال ہے"۔

"مومل! میرا تو آپ سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے"۔

"کوئی رشتہ وشتہ نہیں ہوتا...... رشتے بن جاتے ہیں اور اتنے مضبوط بنتے ہیں کہ کبھی نہیں ٹوٹتے...... میں لڑکی ہوں...... نہ جذباتی ہوں اور نہ اپنی نو عمری کا شکار...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ میری روح کو آپ سے عشق ہے اور بہت سوچ سمجھ کر میں نے یہ سوچا کہ اپنی اس خواہش کا اظہار کسی سے نہ کیا جائے تو دوسرے کو اس کا احساس نہیں ہوتا...... بات کرنی چاہئے، اپنے بارے میں بتانا چاہئے...... بس اتنا ہی کہنا چاہتی تھی میں آپ سے...... خدا کے لئے مجھ پر غور کیجئے" اور شاہ گل نے رات کی تنہائی میں غور کیا...... ایک خوبصورت لڑکی تھی...... اچھی باتیں کرتی تھی...... اچھا کردار رکھتی تھی، لیکن وہ مجھ سے محبت کیوں کرتی ہے؟ اس محبت کے جواب میں مجھے اسے کیا دینا ہوگا؟ یہ فیصلہ مشکل ہے...... یہ فیصلہ کیسے کیا جائے؟" خاصی اُلجھن ہو گئی...... تین دن تک وہ کالج نہیں گیا...... بس سڑکوں اور پارکوں میں مارا مارا پھرتا رہا...... وہ اپنے اندر اپنے آپ کو تلاش کرنا چاہتا تھا...... وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ ادھر ساجد حیات اس کی گمشدگی سے پریشان تھا اور اسے تلاش کرتا پھر رہا

تھا...... اس نے ایک پارک میں اسے تلاش کر لیا اور تیزی سے اس کی جانب لپکا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں تنہا اور یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟"۔

"یار ساجد! میں بہت پریشان ہوں...... بہت زیادہ پریشان ہوں میں"۔

"کیوں آخر کیوں؟"۔

"بس میں پریشان ہوں"۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو گی...... کالج بھی نہیں آ رہے...... تمہارے گھر پہنچا تھا میں تمہیں تلاش کرتا ہوں...... پتہ رجسٹریشن آفس سے لیا تھا...... تم نے آج تک اپنے گھر پر مجھے مدعو ہی نہیں کیا، حالانکہ وہاں بہت اچھے لوگ رہتے ہیں"۔

"کس سے ملے تھے تم؟"۔

"غلام خیر چچا سے اور اس کے بعد تمہاری دادی اماں سے"۔

"میرے بارے میں تم نے یہی کہا ہوگا کہ میں کالج نہیں جا رہا"۔

"نہیں! بھلا میں تمہیں بدنام کر سکتا تھا...... میں نے بس اتنا کہا کہ میں خود کالج نہیں جا رہا اس لئے تم سے ملنے چلا آیا"۔

"ساجد! ایک عجیب سی اُلجھن ہے...... ایک عجیب سا بوجھ ہے میرے ذہن پر...... مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"۔

"اگر تم اس اُلجھن اور اس بوجھ کو تھوڑا سا وضاحت کے ساتھ بیان کرو تو ساجد تمہیں زندگی بھی دے سکتا ہے"۔

"اصل بات تو یہی ہے کہ میں بوجھ کی وجہ نہیں سمجھ سکا...... مومل نے مجھ سے کچھ ایسی باتیں کیں کہ میں اُلجھ گیا...... اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا...... بہت اچھی لڑکی ہے...... مجھے اچھی لگتی ہے، لیکن اس کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا"۔

"نہیں...... کوئی اتنی مشکل بات نہیں ہے...... اگر وہ تمہیں چاہتی ہے اور تمہارے دل میں کسی اور کے لئے کوئی مقام نہیں ہے تو اس کی محبت کا جواب محبت سے دو...... راستے ہموار

کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں..... انسان ایسا ہی کرتے ہیں اور یہ فطرت کا پہلا تقاضہ ہے..... تم دیکھو! یہ کیفیت انسانوں کی ہی نہیں جانوروں کی بھی ہوتی ہے..... پرندوں کی بھی ہوتی ہے..... سب ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں..... یہ تو فعل فطرت ہے اور یہی قدرت کا انعام..... یار کیسی باتیں کرتے ہو تم..... عورت تو آدمی کی طلب تھی اور قدرت نے اسے آدم کو بخشا..... تمہیں تو محبت مل رہی ہے اور پھر مومل بہت اچھی لڑکی ہے..... میرے خیال میں تمہیں اس کی پذیرائی کرنی چاہئے"۔

"مگر کیسے؟"۔

"تم بہت زیادہ پریشان ہو..... اچھا ایک بات سنو..... رقص و موسیقی سے تو تمہیں خاص دلچسپی ہے؟"۔

"کیوں.....؟"۔

"کبھی کوچہ جاناں میں گئے ہو؟"۔

"وہ کیا ہوتا ہے؟"۔

"تصنع سے پاک لوگ، وہ جو مسکراہٹوں پر غلاف نہیں چڑھاتے..... وہ جن کی آنکھیں پیار برساتی ہیں اور اس پیار کا معاوضہ وصول کرتی ہیں..... کم از کم انسان وہاں جا کر لمحوں کے ضائع ہونے کا افسوس نہیں کرتا"۔

"تم مجھے مزید اُلجھا رہے ہو"۔

"دیکھو بھائی! ایک وعدہ کرنا ہوگا..... بات چھپانے کی ہے..... جو کچھ میں تمہیں دکھاؤں گا اس سے گریز نہیں کرو گے، لیکن اس کا تذکرہ بھی کسی سے نہیں کرو گے؟"۔

"پتہ نہیں کیا کرو گے؟"۔

"تو آؤ میرے ساتھ..... میں تمہیں تمہاری اُلجھن کا حل بتاتا ہوں..... ذرا حلیہ درست کرلو" اور ساجد حیات نے خود اس کے بالوں کی گرد جھاڑی..... ان میں کنگھا کیا..... چہرے کو صاف ستھرا کیا اور اسے اپنی کار میں لے کر چل پڑا..... شام کی سیاہیاں گہری ہوگئی

تھیں..... روشنی جل اٹھی تھی..... جس بازار میں پہنچے وہاں طبلے کی تھاپ ستار کے سر..... ڈھول کی آواز اور گھنگھروؤں کی جھنکار رقصاں تھی..... سب کچھ معلوم کرنے کے باوجود آج تک کبھی شاہ گل کو اس بازار کا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا..... وہ اسے اندر سے نہیں جانتا تھا..... ہاں جب وہ کچھ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اس وسیع و عریض کمرے میں پہنچا جہاں ایک عجیب سی تناست تھی..... لوگ باادب بیٹھے ہوئے تھے..... ایک طرف سازندوں نے ساز کھول رکھے تھے اور ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر سر ملا رہے تھے..... ستار نواز ستار پر چھیڑ خانی کر رہا تھا..... طبلہ نواز طبلے پر تھاپ دے رہے تھے..... ایک طرف ایک عمر رسیدہ خاتون بیٹھی ہوئی تھیں..... بہت مختلف قسم کی..... ان گھریلو عورتوں کی مانند نہیں جو تمام دن گھر کی مشقت کے بعد اپنا چہرہ دھو کر اپنے شوہر کا اور بچوں کا انتظار کرتی ہیں..... یہاں طریقہ کار ذرا مختلف تھا..... بڑا سا پاندان سامنے رکھے جو خاتون بیٹھی ہوئی تھیں وہ زلیخا یا صنوبر سے مختلف نہیں، تو اسے ایک عجیب سی اجنبیت کا احساس ہوا تھا۔

ساجد حیات یہاں اجنبی نہیں تھا..... معمر خاتون نے اسے دیکھا..... پھر شاہ گل کو..... شاہ گل پر انہوں نے دیر تک نگاہ جمائے رکھی تھی..... پھر ساجد حیات کو اشارے سے پاس بلایا تھا..... ساجد سلام کر کے قریب پہنچ گیا..... اس نے شاہ گل کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"بیٹھو" خاتون نے کہا۔

"بیٹھو" ساجد نے شاہ گل کو بھی اشارہ کیا اور دونوں بیٹھ گئے..... خاتون غور سے شاہ گل کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا وعدہ کیا تھا؟" خاتون نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

"ایک مہینہ دس دن ہوئے" ساجد بولا۔

"یہ بات نہیں ہے ساجد میاں! بات کو سمجھا کرو..... مجھے تو خود افسوس ہوتا ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کرتی ہوں، مگر میاں! کیا کیا جائے؟ ہم تو میزبان بھی ایسے ہیں کہ اگر انک کوئی مہمان پہنچے تو اسے شک کی نگاہ سے دیکھا جائے..... گھر کے بچے ہو اور پھر پی

"اب آپ مجھے برا بھلا کہنے سے باز آجائیں تو ہم بھی ذرا اس ماحول سے روشناس ہوں۔"

"مہمان آرہے ہیں کچھ انتظار کرلو"۔

"یاقوت ٹھیک ہے ناں؟"۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے...... تھوڑی دیر کے بعد دیکھ لینا اسے...... اس طرف بیٹھ جاؤ، مگر خیال رکھنا ہمارے تعلقات تمہارے گھر سے ہیں اور بابا پکی بات ہے پولیس کی پناہ میں رہنے میں فائدہ ہی ہے...... ذرا سی بات بگڑے تو سب کچھ بگڑ جائے...... جاؤ، ادھر بیٹھ جاؤ" شاہ گل اور ساجد حیات اٹھ کر اس گوشے میں جا بیٹھے جس کی طرف خاتون نے اشارہ کیا تھا۔ شاہ گل کچھ بے چین سا نظر آرہا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آیا کچھ" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھنا چاہتے ہو؟"۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"۔

"بس تھوڑی سی ذہنی شگفتگی کے لئے...... تم جس طرح مجھے اُلجھے اُلجھے نظر آرہے تھے...... میں نے سوچا کہ چلو تمہیں زندگی کا ایک اور رخ دکھایا جائے"۔

"یہ طوائفوں کا ڈیرہ ہے ناں؟"۔

"ہاں ہے...... تو تم اس کے بارے میں پہلے سے کچھ جانتے ہو؟"۔

"سنی سنائی حد تک...... واقعات اور حالات کی حد تک کتابوں میں ان بازاروں کا تذکرہ ملتا ہے اور یہاں کی روایات کا بھی اندازہ ہوتا ہے"۔

"روایات؟"۔

"ہاں"۔

"مثلاً"۔

"مثلاً یہی کہ یہ میٹھا زہر رگوں میں اس طرح اتر تا ہے کہ انسان اپنی سدھ بدھ بھول جاتا ہے"۔

"ہوتا ہے ایسا...... زمانہ قدیم میں خود پر گرفت نہ رکھنے والے لوگ یہاں آکر بری طرح بھٹک جاتے تھے، لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے...... سودا نقد ہوتا ہے...... اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے...... بات ختم ہوئی...... بھئی جب دل چاہے آؤ جب دل چاہے بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرو"۔

"تو وہ قدیم روایات؟"۔

"ان کی حقیقت بے شک ہے اور ایسا ہوتا ہے...... میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ حسن و شباب سے بہرہ ور ہونا انسان کا فطری حق ہے...... بس [illegible] کے [illegible] ہونے کی بات ہے...... یہ تو خیر ایک الگ سی جگہ ہے لیکن میں تم سے بس یہ کہنا چاہتا تھا کہ عورت سے حسن کی لطافتوں کو ذہن سے محو نہ کرو...... ان کا اپنا ایک مقام ہے اور بہر حال وہ انسانوں کی ضرورت بھی ہے"۔

"پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو؟ میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا ہے...... ویسے کیا تم اکثر یہاں آتے رہتے ہو؟"۔

"یہ ایک لمبا قصہ ہے"۔

"کیا......؟" شاہ گل نے سوال کیا اور ساجد حیات سوچ میں ڈوب گیا...... پھر اس نے کہا۔

"جس سکول میں میں پڑھتا تھا...... وہاں ایک بہت ہی خوبصورت سی پیاری سی لڑکی بھی میرے ساتھ زیر تعلیم تھی...... ساتویں کلاس سے لے کر میٹرک تک اس نے میرا ساتھ دیا...... نام تھا یاقوت اور اس کے بارے میں مجھے اور کچھ نہیں معلوم تھا، لیکن میری اور اس کی اتنی گہری دوستی تھی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے...... پھر جب شعور کی منزل تک پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ ایک طوائف زادی ہے اور ان ہی خاتون شب چراغ کی بیٹی اور یہاں رقص و موسیقی کی تربیت بھی لے رہی ہے، بہت اچھی دوست تھی میری...... ذہنی طور پر اس قدر شگفتہ کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے...... میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں اس سے عشق کرتا ہوں یا اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں...... اس

محبت کا میرے دل میں کیا رنگ ہے یہ بات میں نہیں جانتا...... یاقوت سے ملنے چلا آتا ہوں کبھی کبھی اور وہ بھی میری اسی طرح پذیرائی کرتی ہے...... ابتداء میں اس بات پر اُلجھی رہی کہ وہ ایک طوائف ہے، لیکن میں نے اس کے ذہن سے یہ احساس مٹا دیا...... میں نے نہ تو اس سے کوئی وعدہ کیا کہ میں اسے زندگی کے صحیح راستوں پر لے کر آؤں گا اور نہ ہی اس نے مجھ سے کبھی اس کی خواہش ظاہر کی...... خاندانی طوائف زادی ہے اور خاندانوں کا تحفظ جانتی ہے، چنانچہ وہ یہ نہیں چاہتی کہ وہ میرے گھر کی پاکیزگی کو داغدار کرے، لیکن میرے اور اس کے درمیان ایک خاموش معاہدہ ہوا ہے کہ کبھی کبھی میں اس سے ملتا رہوں گا، حالانکہ آنٹی شب چراغ مجھے منع کرتی ہیں کہ میں یہاں نہ آیا کروں...... میرے گھر والوں سے بھی اتنا تعلق ہے کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے اور بہرحال ان کا ایک اختیار اور اقتدار ہوتا ہے، چنانچہ خاتون ڈرتی ہیں کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں یہاں کا باقاعدہ آنے جانے والا بن چکا ہوں...... اس لئے وہ منع کرتی رہتی ہیں...... انداز بزرگانہ ہے...... یہ ہے تمام صورت حال" شاہ گل نے حیرت بھرے انداز میں ساری صورت حال سنی پھر بولا۔

"تو یاقوت اب آگے نہیں پڑھ رہی میرا مطلب ہے کالج میں داخلہ نہیں لیا اس نے"۔

"نہیں بھلا اس کی کیا گنجائش ہے؟ جوان ہو چکی ہے اور کوٹھوں پر جوانی اور وہ بھی لڑکی کی جوانی بڑی قیمتی سمجھی جاتی ہے اور اس کا مکمل تحفظ ہوتا ہے"۔

"ٹھیک...... تعجب کی بات ہے ان خاتون سے تمہارا کس طرح تعلق ہو گیا؟"۔

"یاقوت کے ذریعے، صاف صاف کہانی ہے کہیں کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی...... بہت مشفق انداز ہے ان کا...... ہر اس بات سے روکتی ہیں جو کوٹھوں کی روایت ہوتی ہے...... مجھے آنے جانے کو بھی منع ہی کرتی ہیں، مگر بھائی! اپنی دوست سے ملنے آتا ہوں...... اب یہ الگ بات ہے کہ یہاں کے رنگ ڈھنگ ذرا مختلف ہوتے ہیں"۔

"تو دن کی روشنی میں تم ان سے نہیں مل سکتے؟"۔

"مل سکتا ہوں، مگر دن کی روشنی یہاں بڑی عجیب ہوتی ہے"۔

ساجد حیات نے کہا۔

"میرے یہاں لانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی" شاہ گل پھر اُلجھ کر بولا۔

"یار کمال کرتے ہو...... بتا تو چکا ہوں...... کیوں چراغ پا ہو رہے ہو؟ بیٹھو...... دیکھو اس ماحول کو ذرا سا سرور حاصل ہو گا" شاہ گل گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

سازندوں کی تن تن جاری تھی...... تماشبین آ رہے تھے اور دیوار کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھ رہے تھے...... پھر دو خوبصورت لڑکیاں اندر داخل ہوئیں...... بال بال موتی پروئے ہوئے تھے اور کافی خوبصورت لگ رہی تھیں...... محفل کو آداب کیا...... دوزانوں بیٹھیں اور ستار سنبھال لئے...... پھر ان کی مدہم مدہم آواز اُبھری...... انہوں نے ایک دعائیہ گیت شروع کر دیا تھا...... سازندے ساز سنبھال چکے تھے...... طبلے پر تھاپ پڑی اور لڑکیوں کی آواز تیز ہوتی چلی گئی...... شاہ گل موسیقی کا رسیا...... اس کے دل کے تار ستار کے تاروں سے بندھے ہوئے تھے...... اب پہلی بار دل میں اس ماحول سے پسندیدگی کا احساس جاگا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی...... آہستہ آہستہ ماحول کا سحر طاری ہوتا جا رہا تھا اور اس کی کیفیت بہتر ہونے لگی تھی...... گیت جاری رہا اور اپنے اختتام کو پہنچا...... پھر کمرے میں اچانک آگ سلگ اٹھی...... یہ آگ اندرونی دروازے سے نمودار ہوئی تھی...... ایک شعلہ جوالہ جو مدہم مدہم چال چلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا...... سرخ چوڑی دار پاجامہ...... لمبی ستاروں ٹکی فراک، سر پر سرخ دوپٹہ جس میں ستارے اُلجھے ہوئے تھے اور سرخ دوپٹے کے ہالے میں چاند کا طاق، جس سے روشنی پھوٹ رہی تھی...... عجیب سلگتا ہوا سا گداز تھا اس چہرے میں...... اس پر میک اپ نے قیامت ڈھائی تھی...... عنابی ہونٹ بہت دلنواز لگ رہے تھے...... اندر داخل ہوئی...... جھک کر محفل کو آداب کیا...... مدہم مدہم قدموں سے آگے بڑھی...... ساجد حیات کو دیکھا تو ٹھٹھک گئی اور محبت کا خراج ادا کرنے کے لئے ساری محفل کو نظر انداز کر کے آگے بڑھی اور ساجد کے سامنے دوزانوں بیٹھ گئی...... لوگوں کی نگاہیں اس

پر جمی ہوئی تھیں...... آنکھوں میں ہوس ناچ رہی تھی اور تھوڑی سی رقابت کا احساس بھی، اس نے کہا۔

"خیریت سے ہو؟"۔

"ہاں! اس وقت خیریت سے ہوں، لیکن تم اگر میرے پاس سے نہ اٹھ گئیں تو میری خیریت خطرے میں پڑ سکتی ہے" ساجد حیات مسکرا کر بولا۔

"تم ڈرتے ہو زمانے سے"۔

"اس وقت یہ سارا زمانہ تمہارے اس کمرے میں سمٹ آیا ہے اور ان میں سے کوئی نہیں سوچے گا کہ میں کون ہوں؟"۔

"ہونہہ...... کوئی کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے...... پھر اس کی نگاہیں شاہ گل پر پڑیں، چونکی...... ٹھٹھکی اور شاہ گل کو دیکھتی رہی...... بہت دیر تک ایسا ہی رہا اور ساجد اگر ٹوک نہ دیتا تو وہ شاید دیر تک شاہ گل کو اسی طرح دیکھتی رہتی"۔

ساجد نے کہا۔

"میرے ساتھ ہیں...... پنجے تیز نہ کرنا"۔

"تمہارے ساتھ ہیں؟"۔

"ہاں"۔

"کون ہیں؟ پہلی بار دیکھا ہے"۔

"میرے دوست ہیں...... کالج میں ساتھ پڑھتے ہیں"۔

"اوہ کالج! ساجد جانا تو نہیں ہے جلدی؟"۔

"نہیں کیوں؟"۔

"بعد میں باتیں کریں گے...... ان سے مکمل تعارف حاصل کریں گے اب اٹھتی ہوں"۔

"ہاں! اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی...... ساجد نے شاہ گل سے کہا"۔

"یہ یاقوت ہے"۔

"لگ رہی ہے، شاہ گل آہستہ سے بولا"۔

"کیا مطلب؟"۔

"سرخ لباس...... سرخ چہرہ...... بالکل یاقوت جیسی سرخی ہی ہے" شاہ گل آہستہ سے بولا۔

"ترنگ میں آرہے ہو دوست"۔

"نہیں سچ کہہ رہا ہوں"۔

"اس کی آواز سننا قیامت کا گاتی ہے اور رقص بھی بے مثال ہے" شاہ گل نے کوئی جواب نہیں دیا...... لڑکیوں نے ستار کے تار چھیڑے اور پھر ان کی آواز ابھرنے لگی...... ایک خوبصورت غزل کا آغاز ہو گیا اور یاقوت کمرے کے درمیان جا بیٹھی...... اس نے سرخ دوپٹہ چہرے پر ڈھک لیا اور شاہ گل کی آنکھوں میں ستارے ناچنے لگے...... اس کی کنپٹیاں گرم ہو گئیں...... بدن کا خون چہرے کی جانب کھنچنے لگا...... ادھر ساجد حیات بھی ماحول سے بے نیاز ہو گیا تھا اور رقص و آواز میں کھویا ہوا تھا...... پھر یاقوت آہستہ آہستہ سے اٹھی اور اس نے رقص کرنا شروع کر دیا...... وہ غزل کے بول پر بھاؤ بتا رہی تھی اور شاہ گل دنیا سے بے خبر ہونے لگا تھا...... یہ اس کا جنون تھا...... یہ اس کی منزل تھی...... وہ پوری طرح اس طرف متوجہ تھا...... رقص عروج پر پہنچ گیا...... غزل آخری الفاظ میں سفر کرنے لگی اور یاقوت رقص کا کمال دکھاتی رہی...... شاہ گل کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی تھی...... بس ایک ہیولا تھا جو سرخ لباس میں ناچ رہا تھا اور جب غزل کے آخری بول ختم ہوئے تو یاقوت آہستہ آہستہ جھکی اور پیچھے ہٹتی ہوئی شب چراغ کے پاس جا بیٹھی...... تماش بین داد دے رہے تھے...... نوٹوں کی برسات ہو رہی تھی، لیکن شاہ گل پتھرایا ہوا تھا...... ماحول کا سحر ٹوٹ چکا تھا، لیکن وہ ابھی تک سحر زدہ تھا...... جو کچھ دیکھا تھا وہ خود سے الگ تھا...... ابھی تک تو صرف اپنے جنون میں مبتلا رہتا تھا، لیکن آج آنکھوں سے جو کچھ دیکھا تھا وہ اس کے لئے بالکل اجنبی اور نیا تھا...... اگر کوئی ایسی ہی بات ہوتی تو شاید اس پر اثر انداز نہ ہوتی، لیکن یاقوت اپنے فن

میں باکمال تھی...... ساجد حیات نے اسے چونکایا۔

"میاں کیا سوگئے؟"۔

"نہیں" شاہ گل آہستہ سے بولا۔

"کچھ پلے پڑا؟" ساجد حیات نے کہا...... لیکن شاہ گل نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا...... کچھ وقت خاموشی طاری رہی اور پھر یاقوت دوبارہ اُٹھنے ہی والی تھی کہ اچانک دروازے پر کچھ آہٹیں ہوئیں...... شاید کچھ اور تماش بین آرہے تھے، لیکن بات کچھ اور ہی نکلی...... تماش بین تھے یا نہیں، لیکن جو کوئی بھی تھا وہ شاید کسی خاص اہمیت کا حامل تھا......

سب کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئی تھیں اور خاص طور سے اس لئے کہ شب چراغ جو بڑے ٹھسے سے بیٹھی ہوئی تھی بے اختیار اپنی جگہ سے بڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی...... غالباً آنے والے کے استقبال کے لئے...... وہ ایک بلند و بالا قد و قامت کا آدمی تھا...... بہت نفیس کپڑے کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی، لمبے لمبے خوبصورت بال شانوں سے نیچے آرہے تھے...... چہرے پر میک اپ کیا ہوا تھا...... آنکھوں میں سرمے کی ڈوریاں کھنچی ہوئی تھیں...... ہونٹوں پر پان کی دھڑی، دانتوں میں شاید مسی لگائی گئی تھی...... چہرے پر بھی کچھ نہ کچھ مشق ضرور کی گئی تھی...... ایک اعلیٰ درجے کے ململے کی شال اوڑھے ہوئے تھا جو غالباً سونے کے تلے سے بنائی گئی تھی...... بہت ہی عجیب شخصیت لگ رہی تھی...... تین اور اسی جیسے اس کے ساتھ تھے...... چہرے میک اپ کے سامان سے سجائے ہوئے، بہر حال آگے آنے والا اپنی الگ نوعیت کا حامل تھا...... بیگم شب چراغ فرشی سلام کرنے لگیں اور پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اس طرح اچانک گروجی؟"۔

"بس اچانک ہی اس دنیا میں ہم وارد ہوئے تھے" آنے والے نے اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ لچکتے ہوئے کہا۔

"تشریف لائیے...... آپ ہمیشہ ہی حیران کر دیا کرتے ہیں...... کم از کم مجھے اطلاع تو

بھجوادی ہوتی"۔

"کیا کرتیں بیگم شب چراغ..... اللہ ماری اس دنیا میں انسان کہیں نہ کہیں اپنے آپ کو اپنی اصل میں بھی محسوس کرے۔

"آپ تشریف لائیے! آپ کے لئے اہتمام کیا جاتا ہے"۔

"نہیں ہم بغیر اہتمام ہی بھلے" آنے والے نے لچکتی ہوئی آواز میں کہا۔

❀ ❀ ❀

پھر ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں لیکن آنے والا اپنے انداز میں بہت زیادہ خود اعتماد معلوم ہوتا تھا۔

"حضور ادھر تشریف لے آئیے" بیگم شب چراغ نے کہا اور انہیں وہ جگہ دی جہاں وہ خود بیٹھی ہوئی تھی ..... گروجی وہاں بیٹھ گئے ..... لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تیسری جنس کی اس قدر پذیرائی کیوں ہو رہی ہے؟" لیکن گروجی کی شخصیت واقعی باکمال تھی ..... ایک عجیب سی تمانت چہرے پر چھائی ہوئی تھی ..... ویسے بڑے صاحب حیثیت معلوم ہوتے تھے ..... ہاتھوں میں موجود انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں اور ان سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں ..... یاقوت اس جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، پھر اس نے آکر گروجی کے سامنے سر جھکایا تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ سیدھا کر دیا۔

"جیو ..... پھلو پھولو" ان کی آواز ابھری اور اس کے بعد انہوں نے کہا۔

"جی ایک غزل ہو گئی ہے"۔

"چلو شروع کرو ..... دیر نہ لگاؤ ..... لڑکیو گاؤ" اور وہ دونوں لڑکیاں جو ستار پر بیٹھی ہوئی تھیں ..... ستار چھیڑ کر اس سے آواز ملانے لگیں ..... گروجی نے بیٹھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں ..... ان کے ساتھی ان کے عقب میں باادب بیٹھ گئے تھے ..... شاہد حیات نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"گرو دانیال ہیں"۔

"کون؟" شاہ گل چونک کر بولا۔

"یاقوت کے استاد ہیں ..... انہوں نے ایک باقاعدہ انسٹی ٹیوٹ کھولا ہوا ہے، جہاں رقص و موسیقی کی تربیت دیتے ہیں ..... اور انعام اکرام سے بہت کرتے ہیں ..... سمجھ رہے ہو ناں؟"۔

"نہیں" شاہ گل نے آہستہ سے کہا۔

"کبھی زنخے دیکھے ہیں پہلے کبھی؟" شاہ گل کے سینے پر نہ جانے کیوں ایک گھونسا سا لگا تھا ..... اس کی آواز ابھری۔

"نہیں"۔

"تو یار! تم نے دیکھا کیا ہے اس دنیا میں ..... گرو دانیال تیسری جنس سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن سڑکوں پر گانے بجانے والوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے رقص و موسیقی کی ایک تربیت گاہ کھولی ہوئی ہے اور بڑی بڑی طوائفیں اور صاحب ذوق جو رقص و موسیقی سے دلچسپی رکھتے ہیں ..... ان کے شاگرد ہیں"۔

شاہ گل خاموش ہو گیا ..... گرو دانیال نے یاقوت کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی ..... تھوڑی دیر تک تو لڑکیوں کی آوازوں میں ایک غزل سنی گئی اور پھر گروجی نے فرمائش کی۔

"حضرت امیر خسرو تک پہنچو ..... بھئی ہم تو کبھی کبھی آتے ہیں اور ہاں یاقوت بیٹا چلو شروع ہو جاؤ" پھر خسرو کا کلام شروع ہو گیا ..... لڑکیاں بہت خوبصورت گاتی تھیں ..... یاقوت نے ابھی تک نہیں گایا تھا، لیکن وہ ایک ایک بول پر رقص کر رہی تھی ..... بھاؤ بتا رہی تھی اور محفل پر سکتہ طاری ہو گیا تھا ..... اچانک ہی گروجی اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے طبلہ بجانے والے کو وہاں سے ہٹا دیا ..... پھر انہوں نے اپنی شال اتار کر رکھی ..... ہاتھوں کی آستینیں چڑھائیں ..... انگوٹھیوں کو انگلیوں میں سنوارا اور اس کے بعد طبلے پر ان کے وزنی ہاتھوں کی تھاپ پڑی ..... انگلیاں گردش کرنے لگیں اور طبلہ ایک عجیب ہی آواز اختیار کر گیا ..... بیگم شب چراغ مسکرا رہی تھی ..... اور بڑی باادب بیٹھی ہوئی تھی ..... فن کی قدر دان تھی اور طبلے پر گروجی کے ہاتھ جس طرح چل رہے تھے ان پر غور کر رہی تھی ..... شاہ

گل کی آنکھیں بھی اسی طرف جمی ہوئی تھیں..... طبلہ کمال کو پہنچ گیا اور یاقوت بھی دیوانہ وار رقص کرنے لگی..... استاد کے سامنے ناچ رہی تھی..... گویا استاد کی محنت کا پھل اسے مل رہا تھا اور ادھر شاہ گل اپنی دیوانگی میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا..... ایک بول کے ساتھ یاقوت نے اپنا دوپٹہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالا اور سر پر لہرانے لگی..... اس کے ساتھ ہی اس کا بدن لہریں لے رہا تھا..... وہ کچھ اس طرح ناچی اور لڑکھڑائی اور دوپٹہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا..... جو پوری طرح پھیلا ہوا تھا اور یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی ہی تھی کہ پھیلا ہوا دوپٹہ آہستہ آہستہ فضا میں اُڑتا ہوا شاہ گل کے سر پر آ گرا..... ستاروں ٹکا سرخ دوپٹہ جو آج تک بند آنکھوں کا خواب رہا تھا، لیکن آج یہ خواب..... روشنی میں جاگ اٹھا تھا، البتہ جب دوپٹہ شاہ گل کے چہرے پر پڑا اور اسے ڈھک لیا تو شاہ گل کے وجود کا ایک ایک رواں سو گیا..... پھر آہستہ آہستہ وہ اس دوپٹے کو خود پر سنبھالے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا..... گرو جی کے ہاتھ طبلے پر ست پڑ گئے..... محفل میں ایک مدہم سا قہقہہ اُبھرا، جو صرف اس واقعے کے اچانک ہو جانے سے تھا..... یاقوت رُک گئی، لیکن جو کچھ ہو رہا تھا وہ ناقابل یقین تھا اور ساجد حیات بھی حیرانی سے شاہ گل کو دیکھ رہا تھا..... جو دوپٹے کو سنبھالے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تھا..... ایک عجیب سے انداز میں چلتا ہوا وہ کمرے کے وسط میں آیا..... یاقوت پیچھے ہٹ گئی تھی..... کچھ لوگوں نے ناخوشگواری سے اس منظر کو دیکھا، لیکن اس کے بعد اچانک ہی ایک عجیب بات ہوئی..... شاہ گل یاقوت کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا..... دوپٹہ ابھی تک اس کے سر پر لپٹا ہوا اس کے چہرے کو ڈھکے ہوئے تھا اور دیکھنے والے یہ دیکھ رہے تھے کہ جس حسین چہرے پر سرخ دوپٹہ پڑا ہوا ہے وہ اپنی جگہ ایک الگ گداز کا حامل ہے..... یاقوت گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹی تھی، لیکن شاہ گل نے اس کے پیروں پر بندھے ہوئے گھونگھروؤں پر ہاتھ ڈال دیا اور پھر آسانی سے اس کے تسمے کھول دیئے..... گھونگھرو اس نے اپنے پاؤں میں باندھے اور مکمل طور پر انہیں سیٹ کر کے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا..... کچھ لوگوں نے قہقہے لگائے تھے اور گرو دانیال گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے..... کھڑے ہو کر اس نے اپنے پیروں کو

چھنکارے دیئے اور اس کے بعد اچانک ہی اس نے رقص شروع کر دیا، جن ماہرانہ انداز میں قدم اٹھ رہے تھے اور گھنگھروؤں نے جو سماں باندھ دیا اس نے ایک دم سب کو مستعد کر دیا..... گرو دانیال نے مسکرا کر طبلے پر تھاپ دی اور اس تھاپ کے ساتھ ہی شاہ گل کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی اور اس کے بعد ایک آفاقی رقص کا آغاز شروع ہو گیا..... گرو دانیال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناچنے والے کو دیکھ رہے تھے، جو فن رقص کا ایسا انوکھا رقص پیش کر رہا تھا جو شاید اس سے پہلے انسانی نگاہوں سے نہ گزرا ہو..... گرو جی کے ہاتھ طبلے پر تیزی اختیار کرتے چلے گئے..... ان کی آنکھیں بھی خواب ناک ہوتی جا رہی تھیں اور صاحب فن، صاحب فن کو پہچان رہا تھا، لیکن گرو دانیال نہیں جانتے تھے کہ جو شخص اس وقت رقصاں ہے وہ اپنی زندگی کے عذاب سے گزر رہا ہے اور یہ فن بے اختیار فن ہے جو اس کے بس میں نہیں ہے..... وہ عالم ہوش میں نہیں ہے اور اس کے قدموں کا ساتھ گرو جی دے رہے تھے..... یہ فن کا امتحان تھا اور ایک لڑکے سے وہ ہار نہیں سکتے تھے، چنانچہ اس وقت ان کے ہاتھ جو کمالات دکھا رہے تھے وہ بھی بے مثال تھے..... سب پر حیرت طاری تھی..... یاقوت منہ کھولے بیٹھی تھی..... شب چراغ کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں..... سازندے ساز بجا رہے تھے، لیکن بار بار چونک جاتے تھے..... طبلے کی تھاپ صرف شاہ گل کے رقص کا ساتھ دے رہی تھی، ورنہ باقی ساز پیچھے رہ گئے تھے، لیکن ایک ایسا سماں بندھا تھا کہ فن کو نہ جاننے والے بھی اس سحر میں گم ہو گئے تھے..... ایک طرف شاہ گل کے بدن کی بجلیاں کوند رہی تھیں تو دوسری طرف استاد کے ہاتھوں پر نگاہ نہیں جم رہی تھی..... انگلیاں اس طرح متحرک تھیں جیسے رقص کے ساتھ رقص کر رہی ہوں..... ہتھیلیاں تھاپ دے رہی تھیں اور دیکھنے والے انگشت بدنداں تھے..... ایک عجیب ماحول پیدا ہو گیا تھا..... پھر شب چراغ کی نگاہیں استاد کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر پڑیں..... ہتھیلیاں پھٹ گئی تھیں اور ان سے خون رسنے لگا تھا..... پھر یہ خون انگلیوں سے بھی ٹپکنے لگا اور طبلے کی سفیدی سرخی میں بدلنے لگی تو شب چراغ چیخ پڑی۔

"گرو جی!" لیکن جس طرح شاہ گل ہوش میں نہیں تھا، اسی طرح گرو دانیال بھی اپنا ہوش کھو چکے تھے...... چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو چکا تھا...... آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں اور ہاتھ متحرک تھے...... طبلے کا ایسا کمال پیش کیا جا رہا تھا کہ شاید اس کا اس سے پہلے تصور بھی نہ کیا جا سکا ہو...... کسی کے انداز میں لچک نظر نہیں آ رہی تھی...... شاہ گل تو تھا ہی دیوانہ، لیکن گرو دانیال بھی کچھ ایسے ست ہو گئے تھے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے رِستے ہوئے خون کا احساس نہیں تھا...... شب چراغ چیخ پڑی۔

"گرو جی...... گرو جی...... رک جائیے گرو جی...... گرو جی آپ کے ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں...... رک جائیے گرو جی" اس نے ہاتھ بڑھایا اور طبلے پر ہاتھ رکھنا چاہا، لیکن گرو جی کا جو انداز تھا اس سے اس کی ہمت ٹوٹ گئی...... اس نے گرو جی کی کلائیاں پکڑنے کی کوشش کی، لیکن ان فولادی کلائیوں کو روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی...... وہ چیختی رہی، گرو جی طبلہ بجاتے رہے...... طبلہ خون سے لتھڑ گیا تھا، لیکن ہاتھوں کی جنبش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... بہت دیر ہو گئی تھی...... اتنی دیر کہ انسان سوچ بھی نہ سکے...... دونوں کے انداز میں کہیں لچک نہیں نظر آ رہی تھی...... شب چراغ نے پاندان سے سروتا نکال لیا...... اب ایک ہی ترکیب رہ گئی تھی، چنانچہ جیسے ہی موقعہ ملا اس نے سروتا طبلے میں بھونک دیا اور طبلہ پھٹ گیا...... آواز خراب ہو گئی اور گرو جی نے اس طرح چونک کر آنکھیں پھاڑیں جیسے سوتے سے چونک پڑے ہوں...... پھر انہوں نے طبلے کو دیکھا اور اس کے بعد نگاہیں اٹھا کر رقص کرتے ہوئے شاہ گل کو، پھر گردن گھما کر انہوں نے شب چراغ کی طرف دیکھا اور شب چراغ دو قدم پیچھے ہٹ گئی...... اس وقت دونوں ہی عالم جنون میں تھے، لیکن پھٹے ہوئے طبلے کی آواز سماعت کو مجروح کر رہی تھی...... گرو جی نے ہاتھ روک لئے...... ایک ٹھنڈی سانس لی اور گردن سینے پر جھکا لی...... شاہ گل اسی طرح متحرک رہا تو گرو جی نے آہستہ سے کہا۔

"روکو...... اسے روکو...... مر جائے گا...... خون تھوکے گا...... شب چراغ اپنی جگہ سے

اٹھ گئی، اس نے ساجد حیات سے کہا۔

"ساجد روکو اسے...... روکو اسے، لیکن آہستہ آہستہ شاہ گل کے انداز میں ہی نرمی آتی گئی اور پھر وہ رک گیا...... وہ سیدھا کھڑا ہوا تھا...... اس کے چہرے پر اس وقت جو کیفیت نظر آ رہی تھی دیکھنے والوں پر ایک عجیب سی ہیبت طاری کر رہی تھی...... اس نے مایوس نگاہوں سے گرو دانیال کو دیکھا اور پھر کھوئے کھوئے انداز میں پوری محفل کو دیکھنے لگا...... گرو دانیال اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے...... وہ آگے بڑھے اور شاہ گل کے پاس پہنچ گئے۔

"بیٹے...... بس کرو...... بس کرو...... بس بیٹے...... بس اب بس کرو...... آؤ میرے پاس آؤ......" شاہ گل مضمحل قدموں سے آگے بڑھا...... ساجد بھی کھڑا ہو گیا تھا...... دونوں نے اسے بٹھایا اور اس کے بعد شب چراغ نے وہاں موجود تماشائیوں سے کہا۔

"کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی ہے...... آداب کے خلاف ہے، لیکن مجھ سے محبت کرنے والے میری بات کا برا نہیں مانیں گے...... اجازت چاہتی ہوں...... ذرا حالات کا جائزہ لینا ہے...... آپ لوگ خدارا بالکل برا نہ مانیئے...... میں دست بستہ درخواست کر رہی ہوں...... کل تشریف لائیے...... ہم آپ کا استقبال کریں گے" لوگ خود بھی حیران تھے، کوئی کسی سے بھلا کیا کہتا...... آہستہ آہستہ لوگ باہر نکلنے لگے...... گرو دانیال محبت بھری نگاہوں سے شاہ گل کو دیکھ رہے تھے اور شاہ گل اب گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا...... یاقوت اور دوسری دونوں لڑکیاں، سازندے، سارے کے سارے پریشان تھے...... ساجد خود شدید حیران تھا...... گرو دانیال بغور شاہ گل کا چہرہ دیکھتے رہے...... پھر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"کس سے سیکھا ہے بیٹے؟" "کس سے سیکھا ہے" لیکن شاہ گل کی زبان بند تھی...... گرو جی نے اس کا چہرہ ٹھوڑی پکڑ کر اٹھایا اور اسے دیکھنے لگے...... پھر آہستہ سے بولے۔

"اللہ تمہاری مدد کرے...... اچھا اجازت دو"۔

"گرو جی! آپ کے ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں"۔

"تم ان زخموں کو کیا جانو شب چراغ...... ہاں اگر ہو سکے تو اس بچے کے بارے میں ہمیں ذرا سی تفصیل بتا دو"۔

"پہلی بار آئے ہیں گرو جی، ان کا نام شاہ گل آیا ہے میرے علم میں...... پہاڑوں کی وادی کے رہنے والے ہیں...... تفصیل ابھی مکمل نہیں ہو سکی"۔

"ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں بیٹے...... مجھ سے بعد میں مل ضرور لینا...... اگر میں پسند نہ آؤں تو دوبارہ نہ ملنا...... بیگم شب چراغ! ایک بار انہیں ہمارے انسٹی ٹیوٹ ضرور لے کر آئیے گا...... آپ کی مہربانی ہو گی اور ہو سکے تو ہمیں ان کا پتہ دید بیجئے گا...... ابھی نہ معلوم ہو سکے تو بعد میں سہی...... سمجھ رہی ہیں نا آپ؟" ہماری فرمائش ہے آپ سے...... آگے کچھ نہ کہیں گے، جو دیکھا، سب نے دیکھا، چلتے ہیں"۔

"پئیاں تو باندھ دوں آپ کے ہاتھوں میں...... لڑکیو! جلدی کرو...... ارے استاد جی! جائیے...... ذرا مرہم پٹی کا سامان لے آئیے"۔

"رہنے دو...... رہنے دو...... کوئی ایسی بات نہیں ہے...... بس کچھ نہیں کہیں گے دل کی بات...... ایسے ہیرے کوہ نور سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ہی نظر آتے ہیں...... ہم سے ضرور ملانا انہیں...... اُٹھو...... کیا دیکھ رہے ہو؟" گرو دانیال نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر سلام دعا کر کے باہر نکل گئے...... شب چراغ نے ساجد کی طرف دیکھا تو ساجد بولا۔

"معافی چاہتا ہوں آنٹی"۔

"نہیں ساجد میاں بالکل نہیں...... بس حیرت ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں...... ارے یہ محفلیں تو آنی جانی چیز ہیں...... لگتی رہتی ہیں...... ان کی پرواہ بھلا کیسے؟ ہاں! یہ ذمہ داری تم پر ہوتی ہے...... گرو جی کچھ کہہ گئے ہیں"۔

"میں سمجھتا ہوں آنٹی"۔

"کل آنا میرے پاس ضرور...... اس وقت کچھ نہیں کہوں گی"۔

"جی آنٹی" ساجد نے کہا اور پھر بولا۔

"چلیں شاہ گل"۔

"ایں...... ہاں" شاہ گل نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا...... اس نے کسی کی جانب نہیں دیکھا...... یاقوت اسے دیکھتی رہ گئی...... شب چراغ کی نگاہیں بھی اس کا پیچھا کرتی رہیں...... لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھا اور پھر ساجد حیات کے ساتھ ساتھ باہر نکل آیا...... وہ منظر جو اس سے پہلے بہت بار بند کمرے کی دیواروں میں قید تھا...... آج ان دیواروں سے باہر نکل آیا تھا...... کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے...... ایسا جنون اس پر اکثر سوار ہوتا رہا ہے اور اس جنون کا پس منظر کیا ہے...... یہ شاید وہ خود بھی نہ بتا سکے...... ساجد نے کہا۔

"اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ میرے گھر چلو"۔

"نہیں! اگر تم مجھے میرے گھر پہنچا دو تو مہربانی ہو گی"۔

"ہاں! کیوں نہیں؟" ساجد حیات نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔

علی ضیغم بہت چالاکی سے اپنے سارے کام سرانجام دے رہا تھا...... اس نے اپنے دوسرے دونوں بھائیوں کو صحیح صورت حال کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی...... جائیداد کی آمدنی اچھی خاصی تھی...... سارے کام علی ضیغم نے خود سنبھال رکھے تھے اور ایک بار بھی علی شاد یا علی داراب کو اس نے خانہ خیل بھیجنے کی کوشش نہیں کی تھی، بلکہ ان کی پیش کشوں تک کو مسترد کر دیا تھا...... وہاں کے معاملات وہ اپنی ہی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا...... بات صرف شاہ عالم کی جائیداد ہی کی نہیں تھی، بلکہ زمان ملنگی نے اپنی بیٹی کو جو کچھ دیا تھا اسے بھی علی ضیغم نے اپنے ہی قبضہ میں لے لیا تھا اور تمام قانونی نکات پورے کر کے ان پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی...... آمدنی میں سے وہ اپنے دونوں بھائیوں کو بھی ایک مخصوص رقم دیتا تھا اور دوسرے گھر کی بھی ساری ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں...... زلیخا بہر حال بیٹوں کی ماں تھی...... اور بیٹے ہی اب اس کی زندگی میں سب سے بڑی حیثیت رکھتے تھے...... بوڑھی ہو چکی

تھی اور خود کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے قاصر تھی ...... صنوبر بس خاموشی سے بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی...... کون کیا کر رہا تھا..... اس نے کبھی دخل نہیں دیا تھا...... ہر مسئلے میں غلام خیر اور زلیخا کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہو جاتی تھی اور جو فیصلہ وہ لوگ کر دیا کرتے تھے اسی کو درست سمجھتی تھی...... بیٹے کی طرف سے بھی اس کے ذہن میں کوئی خاص تاثر نہیں تھا...... بس زندگی گزر رہی ہے...... سو گزر رہی ہے، ہاں! اگر اس کی اپنی ذات کے لئے کوئی چیز تھی تو علی نواز کا تصور، جسے اس نے اپنے خیالات کی جنت بنا لیا تھا اور اپنے محبوب مشغلے کے طور پر علی نواز کی یادوں میں کھو جاتی تھی...... علی ضیغم نے خاص خیال رکھا تھا کہ اس گھر کی ضروریات میں کوئی کمی نہ ہونے پائے..... ہر چیز ضرورت کے مطابق مہیا کر دیتا تھا اور ہر وقت ان لوگوں کی دلجوئی کے لئے تیار رہتا تھا، لیکن اس کی چالاک نگاہیں ہر طرف نگراں تھیں..... اس نے خصوصی طور پر شاہ گل کا بھی تجزیہ کیا تھا اور یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لڑکا بے ضرر ہے اور اپنی ہی دنیا میں مست رہنے والوں میں سے ہے...... شاید یہ کبھی اس کے آڑے نہ آئے..... کوئی ایسی بات اس کے منہ سے آج تک نہ سنی گئی تھی...... خود اس کے بیٹے بھی جوان ہو چکے تھے...... دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی اس کی...... علی شاد کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا، سب کے سب لکھ پڑھ رہے تھے...... علی داراب بیچارہ سب سے پیچھے رہ گیا..... اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی...... فروزاں اپاہج ہو چکی تھی اور اب اس کی زندگی وہیل چیئر پر گزر رہی تھی...... علی داراب محنت مزدوری کر رہا تھا، جو کچھ وہ کماتا...... فروزاں پر خرچ ہو جاتا...... بھائی جائیداد میں سے حصہ دیتا تو وہ دوسری ضروریات زندگی کے کام آ جاتا، لیکن بارہا اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ علی ضیغم نے کبھی فروزاں کی طرف توجہ نہیں دی، اگر کوئی بہت بڑی رقم اس کے ہاتھ لگتی تو وہ فروزاں کو لے کر غیر ممالک کو نکل جاتا...... اس کے معذور بدن کا علاج شاید باہر کے ملکوں میں ہو، لیکن اتنے وسائل کبھی اکٹھے نہیں ہوئے تھے...... وہ سب سے زیادہ گھاٹے میں تھا، چونکہ اس کی کوئی اولاد بھی نہیں ہو سکی تھی اور ایسا فروزاں کی معذوری کی وجہ سے ہوا تھا...... محسوس کرتا تھا کہ دونوں بھائی مطمئن ہیں اور

خاص طور سے علی ضیغم...... وہ کچھ زیادہ چمکنے دمکنے لگا تھا اور کیوں نہ ہوتا...... اچھی خاصی حیثیت اختیار کر لی تھی اس نے...... خفیہ سرمایہ بنکوں میں پہنچ رہا تھا...... بظاہر بہت زیادہ دولت مندی کا اظہار نہیں کرتا تھا، لیکن بچوں کا مستقبل محفوظ ہوتا جا رہا تھا...... بچے اچھے طور پر زندگی گزار رہے تھے...... سارے حالات سے واقف تھے، لیکن ابھی انہوں نے ان لوگوں سے کوئی گہرا ربط و ضبط قائم نہیں کیا تھا...... سال، چھ مہینے میں ایک آدھ بار سب کی ملاقات ہو جاتی...... زلیخا ان بچوں کو بھی پیار کی نگاہ سے دیکھتی تھی، لیکن ان کے اور دادی کے درمیان وہ رشتہ قائم نہیں تھا، جو شاہ گل کا اپنی دادی کے ساتھ تھا، کیونکہ وہ ایک ساتھ ہی رہا کرتے تھے...... علی داراب نے اس دوران بہت کچھ سوچنا شروع کر دیا تھا...... یہ تو ایک حقیقت تھی کہ فروزاں نے جو کچھ کیا تھا وہ ناقابل برداشت تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ فروزاں دیوانی ہو گئی تھی اور اس نے جو عمل کیا تھا وہ بالکل ہی الگ تھا...... بہرحال گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی باتیں ذہن سے مٹ گئی تھیں، لیکن جب بھی کبھی فروزاں اس سے کوئی شکایت کرتی، علی داراب کو یاد آ جاتا کہ اس نے گناہ کیا ہے...... زیادہ کہتا تو نہیں تھا فروزاں سے، لیکن دل میں ضرور سوچتا تھا کہ برائی کا انجام بہر طور برا ہوتا ہے..... اس وقت بھی فروزاں کرسی سے گر پڑی تھی..... اس کی کہنیاں چھل گئی تھیں اور وہ رو رہی تھی...... علی داراب اس کی کہنیوں وغیرہ کے خون کو صاف کر کے بیٹھا ہوا اسے دیکھ رہا تھا...... فروزاں نے کہا:

”تم نے میرے لئے کبھی کچھ نہیں کیا علی داراب..... مرتے ہوئے بھی مجھے تم سے یہ ہی شکایت رہے گی..... علی داراب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولا“۔

”ایسی باتیں نہ کرو فروزاں.... دل کو دکھ ہوتا ہے“۔

”میری باتوں سے تمہارے دل کو دکھ ہوتا ہے اور میری حالت سے تمہارا دل کبھی نہیں دکھتا“۔

”فروزاں! جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے کرتا رہا ہوں اور جو کر سکتا ہوں کرتا رہوں گا“۔

"خاک کرتے رہو گے..... ہمارا مستقبل کیا ہے؟ میں اپاہج ہو چکی ہوں اور تم بوڑھے ہوتے جارہے ہو..... ذرا اپنا حلیہ دیکھو..... دونوں بھائیوں سے چھوٹے ہو..... سب سے چھوٹے ہو لیکن سب سے بڑے لگتے ہو؟"۔

"تو میں کیا کروں؟ آخر میں کیا کروں؟"۔

"دوسروں کو دیکھتے ہو.....وہ کیا کررہے ہیں!"۔

"فروزاں دیکھو.....بیکار باتوں میں وقت ضائع مت کرو..... میں ذہنی طور پر بڑا الجھا ہوا ہوں"۔

"اور میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"اپنے بارے میں تم خود سوچ لیا کرو..... بہتر ہے کہ اپنے بارے میں کوئی سوال مجھ سے نہ کیا کرو"۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"۔

"فروزاں پلیز"۔

"کیا پلیز پلیز لگا رکھی ہے..... اگر تم مجھے نہیں سنبھال سکتے تو پھر مجھے میرے گھر پہنچادو..... مجھ سے قطع تعلق کرلو..... بعد میں دیکھوں گی کہ گھر والے میرے لئے کیا کرسکتے ہیں؟"۔

"فروزاں! دیکھو میں کہتا ہوں زبان بند رکھو"۔

"نہیں بند رکھوں گی زبان"۔

"ٹھیک ہے! کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟"۔

"میرا علاج کراؤ"۔

"تمہارا علاج ہو رہا ہے"۔

"یہ علاج کے نام پر مذاق ہے..... کیا ایسی دواؤں سے میری معذوری دور ہو سکتی ہے؟"۔

"تم جانتی ہو..... یہ معذوری دواؤں سے دور ہونے والی نہیں ہے"۔

"تو پھر؟"۔

"خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرو..... ہو سکتا ہے کبھی تمہاری یہ دعا پوری ہو جائے؟"۔

"گناہ.....گناہ.....گناہ.....کون سے ایسے گناہ کئے ہیں میں نے؟"۔

"مجھ سے پوچھ رہی ہو یہ؟"۔

"ہمیشہ مجھے یہی طعنہ دیتے ہو؟"۔

"جو تم نے کیا ہے اسی کا طعنہ تو دے رہا ہوں، ہر چیز کا ایک صلہ ہوتا ہے فروزاں..... تمہیں تمہارے عمل کا صلہ مل رہا ہے"۔

"تو تم مجھے زہر دے دو"۔

"یعنی وہ عمل میں کروں، جو تم کر چکی ہو"۔

"دیکھو! میں تم سے کہے دیتی ہوں..... خودکشی کرلوں گی..... میں، مر جاؤں گی اس گھر میں..... سمجھ رہے ہو..... دیواروں سے سر ٹکرا کر مر جاؤں گی"۔

"اگر تمہاری تقدیر میں ایسی ہی موت لکھی ہے تو ظاہر ہے میں تمہیں نہیں روک سکتا..... فروزاں دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی تھی اور علی داراب اسے دیکھتا رہا تھا..... تھوڑی دیر کے بعد اس کے دل میں رحم آیا..... وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے فروزاں سے کہا۔

"ایسی باتیں کیوں کرتی ہو فروزاں؟ جن کے جواب میں مجھے یہ سب کچھ کہنا پڑتا ہے" فروزاں روتی رہی..... علی داراب نے کہا۔

"میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا"۔

"مجھے باہر لے چلو.....اب یہ معذوری کی زندگی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، میرا علاج کراؤ"۔

"فروزاں ہم یہ نہیں کرسکتے..... تم جانتی ہو"۔

"اور دوسرے...... خوب عیش کر رہے ہیں...... ذرا گہری نگاہوں سے اپنے بھائیوں کو تو دیکھو...... میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں...... علی ضیغم وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو ان کا مستقبل سنوار دے...... ہم تو بال بچوں سے بھی محروم ہیں...... علی داراب گردن جھکا کر سوچنے لگا...... فروزاں کافی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی...... آج تک بھائی کا اس انداز میں سامنا نہیں کیا تھا، لیکن بات حقیقتوں پر مبنی تھی اور حقیقتیں یہی نظر آتی تھیں...... جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے...... اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ علی ضیغم سے اس موضوع پر گفتگو کرے گا اور اسی رات کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب سب لوگ یکجا تھے اس نے علی ضیغم سے کہا۔

"بھائی جان! کچھ کہنا چاہتا ہوں میں" علی ضیغم چونک کر اسے دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"ہاں کہو؟"۔

"فروزاں کے سلسلے میں بات کرنی ہے"۔

"خیریت؟"۔

"بھائی جان میں اسے ملک سے باہر لے جانا چاہتا ہوں...... وہ ایک حادثے کے تحت معذور ہوئی ہے...... بے شک یہاں اس کا مناسب علاج نہیں ہو سکا...... ہو سکتا ہے یورپ میں یہ ٹھیک ہو سکے" علی ضیغم نے خاموشی سے کچھ لمحے سوچا اور پھر بولا۔

"اخراجات کا کچھ اندازہ ہے؟"۔

"یہ ہی میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں"۔

"بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟"۔

"بھائی جان! میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک بڑی رقم مہیا کی جائے، تاکہ میں فروزاں کو لے کر باہر جا سکوں"۔

"مہیا کی جائے...... مگر کیسے اور کہاں سے؟"۔

"یہ اگر میں خود سوچ سکتا تو آپ سے اس موضوع پر بات نہیں کرتا...... علی شاد! آپ

بھی ہیں...... بھائی جان بھی ہیں...... میرا پورا مستقبل میرے سامنے ہے...... ہم لوگ جس طرح زندگی کی خوشیوں سے محروم ہیں...... آپ کو اس کا اندازہ ہے...... میرے لئے اس وقت اس سے بڑا مسئلہ اور کوئی نہیں ہے کہ میں فروزاں کا علاج کراؤں...... اسے زندگی کی جانب واپس لے کر آؤں"۔

"ٹھیک ہے علی داراب! ہم کب اس سے انکار کرتے ہیں...... ہمیں خود بھی فروزاں سے ہمدردی ہے، لیکن تم معلومات کرو...... اخراجات کا اندازہ لگاؤ اور پھر بتاؤ کہ ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"۔

"اندازہ تو گھنٹوں میں ہو جائے گا بھائی جان...... بھلا یہ کون سا مشکل کام ہے...... رقم کا مسئلہ سب سے بڑا ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایثار کیجئے میرے لئے اور ایک بڑی رقم مجھے مہیا کیجئے"۔

"بہت خوب بھئی...... ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم نے اب تک آنکھیں بند کر رکھی ہیں...... زمینوں سے جو سالانہ آمدنی ہوتی ہے، میں اس میں تمہیں برابر کا حصہ دیتا ہوں اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک بڑا حصہ وہاں پہنچانا پڑتا ہے اور اس کی وجہ بھی تم جانتے ہو...... کسی وقت ان لوگوں کو تنگی ہو گئی تو وہ زمینوں کی جانب راغب ہو سکتے ہیں...... غلام خیر چچا خاموش ہیں، لیکن اگر یہ تحریک چل پڑی تو جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟"۔

"ساری باتیں ہمارے علم میں ہیں...... میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کم از کم دس لاکھ روپے مہیا کریں"۔

"دس لاکھ؟" علی ضیغم نے کہا اور ہنسنے لگا...... پھر بولا۔

"تعجب کی بات ہے علی داراب! تم ایک ایسی بات کر رہے ہو جس پر ہنسنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا"۔

"دیکھئے بھائی جان! ہم نے آج تک یہ نہیں پوچھا کہ زمینوں کی آمدنی کیا ہے؟ بالکل نہیں پوچھا ہم نے آپ سے کہ جو کچھ آپ ہمیں دیتے ہیں کیا وہی ہمارا حصہ بنتا ہے؟"۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں بے ایمانی کرتا ہوں تمہارے ساتھ؟"۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا...... میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے یہ رقم چاہئے"۔

"بھئی ایسی بات کہہ رہے ہو جو صرف خواب میں ہی دیکھی اور سوچی جاسکتی ہے......
حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔

"نہیں بھائی جان! حقیقت سے اس کا تعلق ہے اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس سلسلے میں قدم آگے بڑھا کر تحقیقات کروں"۔

"کیسی تحقیقات؟"۔

"یہی کہ زمینوں سے کیا آمدنی ہوتی ہے؟ اور جو کچھ آپ ہمیں دیتے ہیں اتنا ہی ہمارا حق بنتا ہے یا پھر"۔

"ہاں یا پھر...... بول آگے بول" علی ضیغم کو غصہ آگیا۔

"نہیں بھائی جان! یہ غصے کا موقع نہیں ہے...... حقیقت سامنے آنی چاہئے...... میں بے شک خاموش ہو جاؤں گا لیکن شرط یہی ہے کہ آپ مجھے یہ رقم مہیا کردیں"۔

"برادرم...... دس لاکھ تو میں تمہیں زمینیں بیچ کر بھی نہیں دے سکتا"۔

"اب آپ مذاق کر رہے ہیں...... کیا میں اتنا چھوٹا ہوں...... جتنا آپ مجھے سمجھ رہے ہیں...... دنیادار ہوں، دنیاساز ہوں، دنیا دیکھ رہا ہوں اور دنیا جو کچھ ہے مجھے معلوم ہے، لیکن آپ میرے بڑے بھائی ہیں...... میں ہر بات ذہن میں رکھتا ہوں...... آپ کی محبت مجھے باقی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز ہے اور میں تو اسی محبت کے حوالے سے آپ سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں"۔

"میاں بھاڑ میں گئی محبت...... جب کوئی چیز مشکوک ہو جائے تو بھلا اس کی کیا حیثیت رہتی ہے؟ تحقیق کرنا چاہتے ہو تو تحقیق ضرور کرلو...... قدم آگے بڑھاؤ گے، کہیں سے کوئی رخنہ اندازی بھی ہوسکتی ہے، نتیجہ کے ذمہ دار خود ہو گے...... یہ بات ذہن میں رکھنا...... اس کے بعد اگر تمہیں ایک پائی بھی ملنا بند ہو جائے تو مجھ سے شکایت نہیں کرنا"۔

❀ ❀ ❀

"آپ فروزاں پر ذرا بھی رحم نہیں کھا رہے"۔

"چھوڑو میاں چھوڑو...... تم نے بات ایسی کردی ہے کہ اب زبان نہیں رکنے پائے گی...... فروزاں ہمارے باپ کی قاتل ہے...... یہ بات تم بھول گئے ہو گے...... ہم نہیں بھولے"۔

"تو آپ اس سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے رہے ہیں؟"۔

"کیوں؟ ہم نے معذور کیا ہے کیا اسے؟"۔

"آپ بات ہی ایسی کر رہے ہیں"۔

"میرے منہ نہ لگو...... جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ایک حقیقت ہے...... میں اس سلسلے میں تمہیں جو دیتا رہتا ہوں اس سے زیادہ ایک پیسہ بھی نہیں دے سکتا اور نہ ہی میرے پاس ہے"۔

"ٹھیک ہے بھائی جان! بات اگر منظر عام پر آئی تو یہ راز...... راز نہیں رہ سکے گا کہ بابا جانی کو زہر دیا گیا تو اس میں فروزاں ہی نہیں بلکہ کوئی اور بھی ملوث تھا"۔

"تمہارا اشارہ نسرین کی طرف ہے؟"۔

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا اشارہ کس طرف ہے؟"۔

"ارے واہ! تم بھائیوں کے جھگڑے میں میرا نام درمیان میں لایا جارہا ہے اور جہاں تک زہر خورانی میں میرے ملوث ہونے کا معاملہ ہے تو یہ تمہاری بیگم بھی جانتی ہیں کہ میں کس حد تک ملوث ہوں؟ خاموشی سے اپنا کام کر جاتی تو مجھے پتہ بھی نہیں چلتا"۔

www.paksociety.com

"آپ نے کون سا مجھے روکا تھا بھائی جان ... غلط بات نہ کیجئے" فروزاں چمک کر بولی۔

"تو پھر میں نے تم سے یہ ... بھی نہیں کہا تھا۔ تم اپنا قتل و غارت گری کرنے کا شوق پورا کرو ... تمہارا مقصد پورا تھا اور تم نے اس انداز میں مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں منع بھی کرتی تو تم نہ مانتیں"۔

"آپ تو بہت معصوم ہیں نا؟"

"خاموش رہو تم دونوں ... تم دونوں کو بولنے کی اجازت کس نے دی ہے؟" علی حلیم نے دونوں کو ڈانٹا۔

"وہ مجھے قاتل قرار دے رہی ہے اور میں خاموش رہوں؟"

"تو آپ ہیں نہیں؟"

"ٹھیک ہے ... جاؤ پولیس میں رپورٹ درج کراؤ ... اس کے بعد جو ہوگا سامنے آجائے گا"۔

"میرے جوتے کو غرض پڑی ہے جو میں رپورٹ درج کراؤں ... آپ لوگوں نے تو آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے ... ارے میں نے کس طرح ... آپ کا ساتھ دیا اور اب میری زندگی بالکل بیکار ہو کر رہ گئی ہے تو تھوڑے سے پیسوں کے لئے آپ لوگ مجھے اس طرح دھتکار رہے ہیں"۔

"فروزاں! غلطی میری ہے کہ میں نے تم لوگوں کے سامنے یہ بات شروع کی۔ خاموش ہو جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا"۔

"ہاں! معذور ہوں نا ... اپاہج ہوں، مجھے ہی خاموش کر دیجئے ... ہونے جا رہی ہوں خاموش ... اللہ نے میری تقدیر میں یہی لکھا ہے تو وہ کر رہے گا"۔

"اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے بی بی! کسی کو زندگی سے محروم کر دینے کی کوشش ہو سکتی ہے تمہیں خود اس کا اندازہ ہے ... ارے بیچاری اس معصوم عورت کو تم نے ... کر دیا ... ساری زندگی اس کی گزر گئی بیچاری کی"۔

"... بس خاموش ہو جاؤ ... چلو تم لوگ اٹھو یہاں سے"۔

"ہم کیوں اٹھیں؟"

"تو ٹھیک ہے ... لڑتی رہو ... ہم لوگ جاتے ہیں، آؤ ... میرے ساتھ آؤ" حلیم نے علی داراب کو اشارہ کیا ... پھر علی شاہ کو بھی ... پھر وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔

"ہاں اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" علی حلیم نے علی داراب سے کہا۔

"میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا بھائی جان! بات اصل میں اگر میری بیوی کی زندگی اور ... مکمل نہ ہوتی تو شاید میں آپ سے کبھی یہ سب کچھ نہ کہتا"۔

"مگر میرے بھائی! جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ ناقابل عمل ہے"۔

"تو پھر آپ ایسا کیجئے بھائی جان! کہ وہ تمام کاغذات جو جائیداد کے ہیں اور اب تک جو آمدنی آپ کو وہاں سے حاصل ہوئی ہے اس کے ایک ایک پیسے کا ہمیں حساب دیجئے ... یہ ہمارا حق ہے، کیونکہ ہمارا اس میں برابر کا حصہ ہے"۔

"تو جانتا ہے کیا کہہ رہا ہے علی داراب؟"

"ہاں اب میں یہ ساری باتیں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں"۔ علی داراب نے کہا۔

"کیا تجھے مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"معاف کیجئے گا بھائی جان! اعتبار اپنی جگہ ایک الگ حیثیت رکھتا ہے"۔

"اور اگر میں اس سے انکار کر دوں تو؟"

"اس کے بعد آگے جو کچھ ہوگا ظاہر ہے میں آپ کو بتانا پسند نہیں کروں گا"۔

"تو ٹھیک ہے ... جس سے جو کہا جائے کرے"۔

"ٹھیک ہے ... اگر اتنی سی بات کے لئے آپ اس کمرے میں آئے ہیں تو میرا خیال ہے بات ختم ہو گئی ... میں یہاں نہیں رکنا چاہتا" علی داراب نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا

کمرے سے باہر نکل گیا۔

ساجد حیات ساری رات نہیں سو سکا تھا..... یہ جو تماشہ ہوا تھا اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا..... اپنے دوست کے بارے میں اسے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ بہت نفیس طبع انسان ہے اور کبھی اپنے آپ کو تماشہ بنانا پسند نہیں کرتا..... وہ خود ہی اسے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر شب چراغ کی کوٹھی پر لے گیا تھا..... خود بھی عادی نہیں تھا..... بات وہی تھی، یاقوت اس کی کلاس فیلو رہی تھی اور اس سے اسے اچھا خاصا لگاؤ تھا..... اس لگاؤ کو عشق کا نام نہیں دیا جاسکتا تھا، لیکن دونوں کے درمیان کچھ ایسی محبت تھی کہ بہت کچھ سوچنے سمجھنے کے باوجود ساجد حیات نے صرف یاقوت سے ملاقات کرنے کے لئے کوٹھی تک رسائی حاصل کی تھی اور پھر اتفاق کی بات یہ کہ شب چراغ بھی ایک بہت ہی نفیس عورت نکلی..... اس نوجوان کے بارے میں ساری تفصیل معلوم کرنے کے بعد اس کا رویہ اس کے لئے بیٹوں جیسا ہی تھا اور وہاں وہ طوائف کے اس روپ کی نفی کرتی تھی..... انسان کہیں بھی ہو، ہر جگہ انسان ہی ہوتا ہے..... اپنے آپ کو جتنا بھی چاہے بگاڑے لیکن انسانیت آسانی سے نہیں چھپتی بس کاروباری طور پر نظریات بدل جاتے ہیں، لیکن شب چراغ نے کبھی اس نظریئے کا مظاہرہ نہیں کیا تھا..... ساجد حیات کو وہ وہاں آنے سے صرف اس لئے منع کرتی تھی کہ کہیں وہ بدنام نہ ہو جائے..... اس کے بارے میں یہ نہ سوچا جائے کہ وہ ایک بگڑا ہوا نوجوان ہے اور طوائفوں کے کوٹھوں پر جاتا ہے، لیکن بہرحال اس بات کی بھی دل سے قائل تھی کہ دوستی ایسی ہی چیز ہوتی ہے..... یاقوت بھی ہر چند کہ ایک طوائف تھی اور صرف میٹرک پاس کرنے کے بعد اسے مزید تعلیم حاصل کرنے سے روک دیا گیا تھا..... یہ ان کے اپنے معاملات ہوں گے لیکن بہرحال ساجد حیات کی ان سے دوستی شاید کبھی ختم نہ ہونے کیلئے تھی، چاہے حالات کوئی بھی شکل اختیار کریں ویسے وہ شاہ گل کو اس لئے وہاں نہیں لے گیا تھا..... بس ذہن ہٹانے والی بات تھی اور وہ جانتا تھا کہ شب چراغ کے کوٹھے پر جانا کوئی بری بات نہیں ہے، وہاں سے کوئی برا سبق ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اس کے بعد وہاں جو

کچھ ہوا تھا اس نے ساجد حیات کو حیران کر دیا تھا..... اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ایک سنجیدہ فطرت نوجوان اچانک ایک ماہر رقاص کی حیثیت سے وہاں کیسے نمودار ہو گیا تھا، یہ شاہ گل کی زندگی کا کون سا رخ تھا..... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، البتہ یہ بات اس کے ذہن میں تھی کہ شاہ گل کے اندر کوئی ایسی انوکھی بات ہے جو کسی طور سمجھ میں نہیں آتی تھی..... وہ کسی قیمت پر یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ آخر شاہ گل ایسا کیوں ہے..... بہرحال ساری رات اسی کیفیت میں گزری، دوسرے دن بھی وہ اسی اُلجھن کا شکار تھا..... رات کو شاہ گل نے جس رقص کا مظاہرہ کیا تھا اس کے بعد ساجد کے خیال میں تو کسی انسان کے لئے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہی ایک مشکل کام تھا نہ کہ کوئی بہتر کیفیت میں نظر آئے..... اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کالج سے چھٹی ہونے کے بعد شاہ گل کے گھر جائے گا..... اس سے معلوم کرے گا کہ اس کی کیفیت ایسی کیوں ہو گئی لیکن اس وقت وہ حیرت سے اچھل پڑا جب اس نے شاہ گل کو کالج میں دیکھا، کئی دن کے بعد آیا تھا اور اس کے چہرے پر جو ترو تازگی نظر آ رہی تھی وہ بھی ناقابل یقین تھی" ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں سکون یوں محسوس ہوتا تھا جیسے رات کے واقعے نے اس کا ذہنی اضطراب چھین لیا ہو..... ورنہ پچھلے دن وہ جس کیفیت میں نظر آیا تھا وہ تو کچھ بہتر نہیں تھی، بس ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا اس سے پہلے کہ ساجد حیات خود اس کے پاس پہنچتا وہ آگے بڑھا اور درمیان میں موٹل آ گئی..... ساجد حیات ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا..... موٹل نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"کہاں غائب ہو گئے تھے اتنے دن سے؟"۔

"شعر سنو!" اس نے فوراً ہی کہا پھر بولا۔

"شوق درماں ہے تو آ روشنی دل لے کر
زخم دل شمع جلا کر نہیں دیکھے جاتے"۔

"سبحان اللہ یعنی محسوس ہوتا ہے کہ موڈ خوشگوار ہے" ساجد حیات بھی پیچھے سے پہنچ گیا تھا..... اس نے شاہ گل کے شانے پر ہاتھ رکھا تو شاہ گل پلٹا اور پھر اپنی مخصوص لچک دار

آواز میں بولا۔

واہ!ذرا دیا تم نے مجھے شعر سنو۔

"ذرا ان کی شوخی تو دیکھئے
لئے زلف خم شدہ ہاتھ میں۔
میرے پیچھے آ کے دبے دبے
مجھے سانپ کہہ کر ڈرا دیا"

"ابے ابے کیا ہو گیا تجھے میرے بھائی! تو تو کچھ زیادہ ہی گڑبڑ نظر آ رہا ہے" موئل نے قہقہہ لگایا اور بولی۔

"اتنے دن کے بعد آئے ہیں لیکن موڈ اچھا ہے"۔

"ہاں!" ساجد حیات اسے اوپر سے نیچے دیکھتا ہوا بولا، پھر اس نے کہا:

"ذرا کچھ دیر میرے پاس بیٹھنا مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں"۔

"باتیں تو زندگی بھر کی ہوتی ہیں، ساجد صاحب..... آپ سنایئے کیسے حال ہیں آپ کے؟"۔

"حال تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا" چھٹی کے بعد ساجد نے اسے اشارہ کیا اور لئے ہوئے فاصلے پر نکل آیا۔

"ہاں کہئے کیا بات ہے؟"۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟"۔

"پتہ نہیں؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہارا موڈ کچھ حیرت انگیز طور پر خوشگوار نظر نہیں آ رہا؟"۔

"پتہ نہیں موڈ کیا چیز ہوتی ہے ..... میں نے تو کبھی غور ہی نہیں کیا"۔

"کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو؟"۔

"افسوس! اگر تم جیسے دوست کو پریشان کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں اس سے زیادہ بری

بات کوئی نہیں ہو سکتی"۔

"مجھے بتاؤ! رات تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"۔

"کب؟"۔

"وہاں آنٹی شب چراغ کے کوٹھے پر"۔

"کیا ہو گیا تھا؟"۔

"تم نے رقص کیا تھا وہاں؟"۔

"ہاں کیا تھا"۔

"تم نے یہ رقص کہاں سے سیکھا"۔

"اتنی جلدی اتنی ساری باتیں نہیں پوچھ لیا کرتے"۔

"میں سخت حیران ہوں"۔

"کوئی گستاخی ہوئی مجھ سے...... کیا میری بات کو برا تسلیم کیا گیا؟"۔

"پاگل آدمی! تم وہاں سب کو دیوانہ کر آئے ہو...... پتہ نہیں وہ تمہارے بارے میں کس انداز میں سوچ رہے ہوں گے؟"۔

"کیا وہ انداز برا ہو گا؟" شاہ گل نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"ہرگز نہیں...... وہ تو جگہ ہی ایسی ہے جہاں فن کی قدر ہوتی ہے"۔

"فن؟"۔

"تو اور کیا؟ اور وہ گردوانیال...... میرا خیال ہے انہیں تو پاگل کر دیا تھا...... ان کے ہاتھ شدید زخمی ہو گئے تھے طبلہ بجا بجا کر" شاہ گل سوچ میں ڈوب گیا...... پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"قصور شاید ان کا بھی تھا...... ان کے طبلے کی آواز پر شاید میرے پاؤں تھرک رہے تھے اور جوں جوں وہ انداز بڑھاتے جا رہے تھے میرے اندر بھی ہیجان پیدا ہوتا جا رہا تھا اور اس وقت، اس وقت شاید میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا"۔

"مگر کیوں؟ آخر اس کا پس منظر کیا ہے؟"۔

"یقین کرو...... مجھے نہیں معلوم...... تم میرے اتنے اچھے دوست ہو کہ اگر مجھے علم ہوتا تو بتا دیتا" ساجد حیات دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"تعجب ہے...... تم نے رقص کسی سے سیکھا بھی نہیں ہے" شاہ گل نے کوئی جواب نہیں دیا...... تب ساجد حیات نے کہا۔

"خیر چھوڑو ان ساری باتوں کو...... کالج برابر آیا کرو...... تمہیں اندازہ ہے کہ امتحانات کتنے قریب ہیں؟"۔

"ہاں امتحانات تو ہمیشہ ہی قریب رہتے ہیں...... پتہ نہیں یہ امتحانات کب تک جاری رہیں گے...... پتہ نہیں کب تک؟" وہ خیالات میں ڈوب گیا اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سی اداسی نظر آنے لگی۔

❁

علی داراب ماں کے پاس پہنچ گیا...... زلیخا کو کبھی کبھی ان لوگوں کو دیکھ کر شرمندگی ہوتی تھی...... اس کی اولاد تھے...... کسی بھی طرح دوسروں سے کم نہیں تھے اس کے لئے...... لیکن ان کی خود غرضی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی...... بہت کم ہی ایسا ہوتا تھا جو وہ بے غرض زلیخا کے پاس آتے ہوں...... بس کوئی کام ہوتا تو ماں یاد آ جاتی...... بہر حال زلیخا اب عمر کی آخری منزل میں تھی...... جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا...... لاکھ دل سے سب کچھ بھلانے کی کوشش کرتی، لیکن آخر تھی تو انسان ہی...... یاد آتا تو بیٹوں کی صورتیں بری لگنے لگتیں، لیکن پھر ممتا دامن گیر ہو جاتی اور وہ سب کچھ بھلا دیتی...... علی داراب سب سے چھوٹا تھا اور سب سے چھوٹے ہونے کی حیثیت سے وہ علی داراب کو دوسروں سے زیادہ ہی چاہتی تھی...... اس وقت پھر ماں کی ممتا اُبھر آئی...... بیٹے کو دیکھ کر کھو سی گئی...... علی داراب کے چہرے پر پریشانی نظر آ رہی تھی...... ماں کو علم تھا کہ فروزاں کی بیماری کیا ہے؟ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر فروزاں کو کچھ نہ ہوتا تو شاید اس کا ایمان ڈانواڈول ہو جاتا...... وہ سوچتی کہ علی نواز نے تو

کچھ بھی نہیں کیا تھا، پھر یہ سب کچھ کیوں ہوا اس کے ساتھ...... باپ پر آخر کار قربان ہو گیا تھا...... علی داراب کو دیکھا، چہرے پر پریشانی پائی تو پھر سے موم ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟ اکیلا آیا ہے دوسرے نہیں آئے؟"۔

"ہاں! اماں میں سخت پریشان ہوں"۔

"کیا بات ہے؟"۔

"اماں تم سے کچھ کہتے ہوئے دل کو کچھ شرمندگی کا احساس ہوتا ہے...... انسان جذبات میں آ کر جرم کر بیٹھتا ہے اور پھر اس کے جرم میں نہ جانے کون کون ملوث ہو جاتا ہے؟ میں اگر غور کروں تو بے قصور ہوں...... ہاں! میں اتنا کر سکتا تھا کہ جو کچھ میری بیوی نے کیا اس کی سزا کے طور پر اسے اپنے آپ سے جدا کر دیتا مگر اماں"۔

"اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے...... علی داراب؟ اب تو برسوں بیت گئے...... دل کے زخموں کو کھرنڈ آ گیا ہے لیکن بہت ہلکا سا...... یہ کھرنڈ ہٹ جائے تو زخم پھر اسی شکل میں اُبھر آئیں گے"۔

"میں نے آپ سے کبھی معافی نہیں مانگی اماں اور حقیقت یہ ہے کہ معافی کے قابل بھی نہیں ہوں میں...... لیکن جب کبھی کوئی دُکھ ہوتا ہے تو وہی سب کچھ ذہن میں آ جاتا ہے...... بچپن میں کھیلتے ہوئے چوٹ کھاتا تھا تو سیدھا آپ کے پاس ہی آتا تھا اور آپ ہی میری چوٹ پر مرہم لگاتی تھیں" زلیخا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"کیا بات ہے...... کیوں پریشان ہے؟"۔

"فروزاں کی بیماری نے مجھے عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے...... اماں! اب تو اتنا وقت بھی گزر گیا ہے...... اور پھر اماں! وہ سب کچھ تم خود سوچو کیسے ممکن ہے جو ہم کرنا چاہیں"۔

"کیا......؟"۔

"فروزاں کو چھوڑ بھی تو نہیں سکتا"۔

"اب ان دیوانے پن کی باتوں میں کیا رکھا ہے داراب؟"۔

"اس کی بیماری بھی نہیں دیکھی جاتی...... ہمارا تو مستقبل ہی ختم ہو کر رہ گیا...... ماشاء اللہ دونوں بھائیوں کے بچے ہیں پھل پھول رہے ہیں...... ان کی نسلیں چلیں گی اور علی داراب...... علی داراب ترستا ہی رہے گا، دوسروں کے بچوں کو دیکھ کر" زلیخا نے گردن جھکالی...... آنسو دامن میں ٹپکنے لگے...... علی داراب نے کہا۔

"اور اماں! یہ بھی محسوس کر رہا ہوں میں کہ بڑے بھائی جان زیادتی کر رہے ہیں میرے ساتھ"۔

"علی ضیغم؟"۔

"ہاں"۔

"کیا مطلب؟ کیسی زیادتی، تم سب تو مل جل کر رہتے ہو جس طرح بھی سہی، چاہے مجھے اپنے آپ سے جدا کر کے سہی...... کم از کم یہ سکون تو رہتا ہے دل کو کہ تمہارے درمیان آپس میں ہی یگانگت ہے"۔

"خاک یگانگت ہے اماں...... سب کے سب خود غرضی سے صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں...... اب میں کیا کروں؟ نا تو اسے زہر دے سکتا ہوں اور نہ ہی اس کے جرم کی پاداش میں اسے قانون کے حوالے کر سکتا ہوں"۔

"میں نے کہا نا کہ اب ان فضول باتوں میں کیا رکھا ہے؟ اصل بات بتاؤ کیا ہے؟"۔

"اماں میں اس کا علاج کرانا چاہتا ہوں"۔

"تو پھر کیا علاج ہو نہیں رہا اس کا؟"۔

"بے کار علاج ہو رہا ہے جس کے بارے میں ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ بے مقصد ہے اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا"۔

"تو پھر......؟"۔

"میں اسے یورپ لے جانا چاہتا ہوں، ہو سکتا ہے اس بدبخت کی زندگی کے بقیہ دن

خوشگوار ہو ہی جائیں...... آپ نے تو ہمیں معاف کر دیا ہے...... ہو سکتا ہے کہ اللہ بھی اسے معاف کر دے...... جدوجہد اور کوشش تو کرنی ہی ہوتی ہے اماں"۔

"ہاں! میں سمجھ رہی ہوں، آگے کہہ"۔

"اماں خیر یہ بات تو میں بھی جانتا ہوں کہ علی ضیغم آپ کو بھی اتنا ہی کچھ دیتے ہیں کہ بس ضرورتیں پوری ہو جائیں، حالانکہ اماں ایسی بات نہیں ہے...... آپ مجھے خود بتایئے، اصولی طور پر بابا جان اپنے طور پر فیصلہ کر چکے تھے اور ہمیں واقعی کچھ نہیں ملنا چاہئے تھا، کیونکہ ہم اس قابل ہی نہیں تھے...... زمینیں جا چکی تھیں...... علی ضیغم ہی تھے جنہوں نے الٹ پھیر کر کے زمینوں پر دوبارہ قبضہ حاصل کر لیا، حالانکہ وہ ہماری ہو چکی تھیں، لیکن بابا جانی ہم سے خوش نہیں تھے اور اسی ناخوشی کے عالم میں وہ اس دنیا سے چلے گئے اور ہمارے لئے مشکلات چھوڑ گئے" زلیخا خاموشی سے بیٹے کو دیکھتی رہی...... علی داراب نے پھر کہا۔

"میں بھائی علی ضیغم کی بہت عزت کرتا ہوں...... کبھی ان کے سامنے سر نہیں اٹھاتا اماں، لیکن آج جو انکشاف میں کر رہا ہوں اماں، اس سے آپ کو ان کی شخصیت کا پتہ چل جائے گا...... کیا آپ نے کبھی ان سے کوئی حساب کتاب کیا ہے؟"۔

"کیسا حساب کتاب؟"۔

"صنوبر بھابی کی جائیداد جو مرحوم زمان ملنگی ان کے نام چھوڑ گئے تھے کیا اس کے تمام کاغذات اور حسابات وغیرہ آپ کے پاس ہیں؟"۔

"کبھی غور بھی نہیں کیا...... علی ضیغم یہ سارا کاروبار سنبھالتے ہیں...... تم لوگوں نے کبھی کوئی اعتراض ہی نہیں کیا...... اس لئے میں نے غور ہی نہیں کیا...... علی ضیغم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آمدنی کا خاصا حصہ تمہیں بھی دیتے ہیں"۔

"ہونہہ...... جو حصہ وہ ہمیں دیتے ہیں...... اماں اگر تمہیں اس کی تفصیل معلوم ہو جائے تو تم خود بھی سر پکڑ کر رہ جاؤ"۔

"مطلب کیا ہے تیرا؟"۔

"مطلب یہ ہے اماں کہ باقی ساری باتیں تو اپنی جگہ۔۔۔ چلئے ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ وہ بابا جانی کی جائیداد میں سے زمینوں وغیرہ کی جو آمدنی ہوتی ہے اس کا کچھ حصہ نہیں دے رہے ہیں اور اپنے طور پر بھی رکھتے ہیں، لیکن بابا جانی کی جائیداد میں سے علی نواز کا بھی حصہ تھا اور علی نواز کا حصہ ظاہر ہے ان کے بیٹے شاہ گل کو منتقل ہونا چاہئے تھا"۔

"کبھی غور ہی نہیں کیا ان باتوں پر اور پھر تو جانتا ہے کہ میں بھلا قانونی معاملات کیا جانوں؟ میں نے تو علی ضیغم پر ہی بھروسہ کیا تھا"۔

"تو پھر ذرا اس بھروسے کی تفصیل سن لیجئے آپ۔۔۔۔ ساری زمان ملنگی کی زمینوں کی آمدنی بھی بھائی جان صنوبر بھابی کے نام پر وصول کرتے ہیں۔۔۔۔ آپ اگر ذرا مجھے بتا دیں کہ آپ کو اس میں سے کیا ملتا ہے؟ تو میں سارے حسابات کر کے آپ کو بتاؤں کہ بھائی جان کیا کر رہے ہیں؟"۔

"علی ضیغم پر تو اب کیا الزام لگا رہا ہے؟"۔

"اماں! صرف ایک بات پوچھتا ہوں میں۔۔۔۔ کل شاہ گل کا دن ہوگا۔۔۔۔ کل وہ اپنی زندگی کے اس مرحلے پر پہنچے گا جب اسے اپنے مستقبل کا آغاز کرنا ہوگا تو کیا صنوبر کی طرف سے ملی ہوئی جائیداد، علی ضیغم کی ملکیت ہوگی۔۔۔۔ وہ اس بچے کو بھی اسی طرح ترسا ترسا کر ماریں گے؟"۔

"خدا نہ کرے۔۔۔۔ کون ہے جو شاہ گل کی جائیداد چھین سکے"۔

"آپ بچوں کی سی باتیں کر رہی ہیں۔۔۔۔ لکھ لیجئے میری بات۔۔۔۔ اماں لکھ لیجئے کہ بالآخر ایک دن بھائی علی ضیغم آپ سے کہیں گے جو کچھ اس جائیداد سے حاصل ہوا وہ سب کا سب آپ کو دے دیا گیا اور اب اس میں سے کچھ باقی نہیں ہے۔۔۔۔ ساری جائیداد بالآخر ایک دن اپنا وجود کھو بیٹھے گی۔۔۔۔ علی ضیغم تھوڑا تھوڑا سا اسے بیچ کر ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے۔۔۔۔ اماں آپ یہ بات لکھ لیجئے"۔

"تو اپنے بھائی کی برائی کر رہا ہے"۔

"چھوڑیئے ان سب باقی باتوں کو۔۔۔۔ میں کم از کم اس جرم میں بھائی جان کا شریک نہیں ہوں اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس سلسلے کی چھان بین کیجئے۔۔۔۔ ایک وکیل مقرر کیجئے، ورنہ کل کے دن کے لئے جو کچھ کہہ رہا ہوں تیار رہئے گا" زلیخا سوچ میں ڈوب گئی۔۔۔ بات بالکل ٹھیک تھی۔۔۔۔ ابھی تو بہت بڑا مرحلہ باقی تھا۔۔۔۔ شاہ گل کی تعلیم مکمل ہو جائے گی۔۔۔۔ تو بہر طور اسے ایک مقام حاصل کرنا ہوگا اور کچھ نہ سہی۔۔۔۔ کم از کم صنوبر کی جائیداد کا مسئلہ تو حل ہو ہی جانا چاہئے۔۔۔۔ باقی کے لئے علی نواز کا حصہ شاہ گل کو منتقل ہو رہا ہے گا اور وہ اپنے بیٹوں سے بھی سب کچھ چھیننا نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔ علی داراب نے کہا:

"اماں آپ جس طرح بھی مناسب سمجھیں اس سلسلے میں قدم اٹھائیں۔۔۔۔ اگر یہ سب کچھ نہ کرنا چاہیں تو کم از کم بھائی جان کو طلب کر کے ان سے یہ تو معلوم کریں کہ زمان ملنگی کی جائیداد کتنی ہے؟ اور اس کی کیا آمدنی ہے اور پھر اتنے سالوں کا حساب لیں ان سے"۔

"یہ سب کچھ میں شاید نہ کر سکوں؟"۔

"تو غلام خیر بچارے سے ہی بات کیجئے۔۔۔۔ میرا تو یہی خیال ہے اور یہی مشورہ ہے اور اماں آپ انہیں مجبور کیجئے کہ مجھے کم از کم اتنی رقم دیں کہ میں فروزاں کا علاج ملک سے باہر جا کر کرا سکوں" زلیخا سوچ میں ڈوب گئی۔۔۔۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں بات کروں گی علی ضیغم سے۔۔۔۔ ابھی تو عید آ رہی ہے۔۔۔۔ میرا خیال ہے یہ وقت گزر جانے دو۔۔۔۔ رمضان شریف کے بعد چند روز گزریں گے تو پھر اس سلسلے میں میں تم سب کو طلب کروں گی اور بات کروں گی"۔

"جی! اماں میرا تذکرہ ابھی نہ کریں تو بہتر ہی ہے۔۔۔۔ میں کھل کر بھائی علی ضیغم کے سامنے نہیں آنا چاہتا، لیکن آپ کو اس سلسلے میں میری مدد کرنا ہوگی" زلیخا نے پر خیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

❀❀❀

بہر حال یہ شب و روز زندگی کی ان تمام نوازشوں کے ساتھ جاری رہے...... ادھر شاہ گل اپنی دُھن میں مست تھا...... دوبارہ کبھی شب چراغ کے کوٹھے پر جانا نہیں ہوا تھا...... امتحانات بھی قریب آرہے تھے اس لئے ساجد حیات بھی مصروف تھا...... موئل بھی اور خود شاہ گل بھی...... کبھی کبھی راتوں کو کتابیں لے کر بیٹھ جاتا تھا...... وہ چاند رات تھی...... دوسرے دن عید تھی...... شاہ عالم کے تمام بیٹوں نے مل کر طے کیا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ماں کو سلام کرنے جائیں گے...... پروگرام بن گیا...... سب کے سب گاڑیوں میں سوار ہوئے...... فروزاں کو بھی وہیل چیئر پر ساتھ لے لیا گیا تھا اور اس کے لئے خصوصی طور پر انتظام کیا گیا تھا، کیونکہ ماں کی حیثیت اپنی جگہ تھی اور ایسا ہمیشہ ہی ہوتا تھا...... چنانچہ سب کے سب اس مکان میں پہنچ گئے جہاں غلام خیر کے ساتھ زلیخا...... صنوبر اور شاہ گل وغیرہ رہتے تھے...... خوب بھیڑ بھاڑ ہوگئی...... لڑکے، لڑکیاں سب ہی موجود تھے...... وہ بھی جوان ہو چکے تھے اور ان کی مائیں ان کے ساتھ تھیں...... علی ضیغم...... علی شاد اور علی داراب بھی تھے...... اچھی خاصی رات ہوگئی تھی...... غلام خیر نے سب کا استقبال کیا اور سب ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد دینے لگے...... پھر اچانک ہی علی ضیغم کو خیال آیا تھا...... اس نے کہا۔

"شاہ گل کہاں ہے...... اس سے کہو کم از کم بچوں سے تو ملا کرے...... ہمارے اختلافات اپنی جگہ لیکن شاہ گل بچوں سے بھی اتنا ہی اجنبی رہتا ہے...... شکلیں بھی بھول

جائیں گے ایک دوسرے کی...... کبھی ملاقات ہی نہیں ہوتی، یہ سب اکثر اسے یاد کرتے رہتے ہیں"۔

"شاہ گل کہاں ہے غلام خیر" زلیخا نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہے"۔

"آؤ دیکھیں" زلیخا بولی اور سب لوگ شاہ گل کے کمرے کی طرف چل پڑے...... کمرے میں روشنی تھی...... دروازہ بھی بند نہیں تھا...... وہ سب دروازہ کھول کر ایک دم اندر داخل ہوگئے...... خوبصورت قالین پر شاہ گل دوزانوں بیٹھا ہوا تھا، لیکن ان سب کی آنکھیں اس وقت شدت حیرت سے پھیل گئیں...... فرش پر جو شخصیت بیٹھی تھیں وہ شاہ گل تو نہیں تھا...... ایک ناقابل یقین حسن کی مالک دوشیزہ، زنانہ لباس میں ملبوس، خوبصورت میک اپ کیے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی...... وہ سب کے سب بھونچکے رہ گئے، انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا اور وہ سوچ رہے تھے کہ یہ کون ہے...... پھر غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ نقوش تو شاہ گل کے ہی ہیں، لیکن جو شخصیت ان کے سامنے ہے وہ شاہ گل کی نہیں ہے...... ہونٹوں پر لپ اسٹک، گالوں پر غازہ، آنکھوں میں سکارہ، بڑی خوبصورتی سے بندھے ہوئے حسین بال، دوپٹہ اوڑھے، لگ رہا تھا جیسے آسمان سے کوئی حور اتر آئی ہو...... نازک بدنی کا بھی یہی حال تھا...... بیٹھنے کے انداز میں بڑا بانکپن اور لچک تھی...... اس نے نگاہیں اٹھا کر ان سب کو دیکھا...... سب کے سب حیرت سے بت بنے کھڑے تھے...... شاہ گل کھوئی کھوئی نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا...... وہ لوگ سوچ رہے تھے کہ اگر وہ حسین دوشیزہ شاہ گل ہی ہے تو در حقیقت وہ مرد سے زیادہ عورت کے روپ میں حسین لگتا ہے...... تب ہی شاہ گل کی مدھم سی آواز اُبھری۔

"زحالِ مسکیں، مکن تغافل، در آئے نیناں، بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں، نہ دارم اے دل، نہ لہو کاہے لگائے چھتیاں
چو شمع سوزاں، چو زرہ حیراں، ہمیشہ گریاں بعشق آں ماہ

نہ نیند نیناں، نہ انگ چیناں، نہ آپ ہی آوے، نہ بھیجے ریناں

شبانِ ہجراں، دراز چوں زلف، دراز و مملش، چوں عمر کوتاہ

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں، تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل بصد فریبم، بہ ببرد چشمش، قرار و تسکیں

کسے پڑی ہے جو جا سنا دے، پیارے پی کو ہماری بتیاں

یہ آواز تھی کہ درد کا سمندر آنے والوں پر اس قدر حیرت طاری ہوئی تھی کہ مانوں لگتا تھا...... پتھر کے بت کھڑے ہوئے ہیں...... یقین نہیں آتا تھا کہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ سچ ہے...... بلاشبہ زلیخا کو اور غلام خیر کو حقیقتیں معلوم تھیں، لیکن کئی بار انہوں نے ایسے مظاہرے دیکھے تھے...... البتہ انہیں یہ خواب میں بھی گمان نہیں تھا کہ کبھی ایسا منظر بھی دیکھنے کو ملے گا...... باہر کے لوگوں سے تو خیر انہوں نے ہمیشہ یہ بات چھپائی تھی کہ شاہ گل کی کیا کیفیت ہے...... ویسے بھی شاہ گل ان لوگوں سے کبھی نہیں ملتا تھا...... پھر لڑکے لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی...... ایک لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”دادی اماں...... یہ کیا شاہ گل کی ہونے والی بیگم ہیں“ ایک لڑکا بولا۔

”دادی اماں...... کیا آگے جا کر شاہ گل نوٹنکی میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں...... نسرین بولی“۔

”ارے اسے کیا ہوا“ اور اس کے بعد ہنسی کا طوفان...... لڑکے لڑکیوں کی ہنسی...... بھلا کیا رکتی...... غلام خیر اور زلیخا سخت پریشان ہو گئے تھے...... پھر ان سب کی ہنسی پر فروزاں کا ہیضانی قہقہہ بلند ہو گیا“۔

”واہ...... یہ ہے علی نواز کا بیٹا...... یہ ہے صنوبر کی تخلیق“ میں...... میں سب سے سوال کرتی ہوں...... علی نواز کا بیٹا کہاں ہے...... تم لوگوں نے میرے اوپر علی نواز کے قتل کا الزام تو لگا دیا ہے...... دیکھو ذرا سب ہی مجھے برا کہتے ہیں، مجھے بتاؤ...... مجھے بتاؤ علی نواز کی یہ اولاد...... یہ بیٹا ہے...... بیٹا کہیں گے اسے...... شرم آنی چاہئے تم لوگوں کو...... ارے شرم

سے ڈوب مرو...... یہ تمہارے خاندان کا مرد ہے...... واہ علی نواز واہ...... میں نے تو چلو علی نواز کو قتل کر دیا...... میں تو مجرم قرار پائی اور تم سب لوگ مجھے طعنے دیتے ہو کہ میرا جرم ہی میرے معذور ہونے کی داستان ہے مگر ذرا یہ تو بتاؤ علی نواز نے...... صنوبر نے...... شاہ عامل نے کیا جرم کیا تھا، جس کے نتیجے میں انہیں یہ عجیب و غریب چیز ملی ہے“۔

”بکواس بند نہیں کرو گی تم فروزاں...... علی داراب غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”مجھے بتاؤ...... مجھے بتاؤ...... سب مجھے طعنہ دیتے ہیں...... سب مجھے قاتل قرار دیتے ہیں...... مجھے بتاؤ یہ کون ہے...... کیا ہے یہ؟“۔

”میں کہتا ہوں تم خاموش نہیں ہو گی“۔

”بالکل نہیں ہوں گی...... اپاہج ہوں نا...... مار ڈالو مجھے“۔

”تیرا مر جانا ہی بہتر ہے...... علی داراب نے زور سے وہیل چیئر کو لات ماری اور وہیل چیئر الٹ گئی...... فروزاں زمین پر گر پڑی تھی، لیکن زمین پر لیٹی ہوئی بھی وہ ہنس رہی تھی“۔

”ہاں...... ہاں...... مجرم ہوں نا...... قاتل ہوں“ سزا آسمانوں سے ملی ہے...... زمین سے سزا دینے والے تم ہو...... ارے مگر اسے کس نے سزا دی ہے...... ارے واہ...... لڑکے لڑکیو ذرا دیکھو...... تمہارا بھائی نا بھائی ہے نا بہن“ فروزاں قہقہے لگا رہی تھی...... علی داراب پھر آگے بڑھا لیکن علی ضیغم نے اسے پکڑ لیا“۔

”داراب...... ایک اور جرم نہ کرو...... ہم ویسے ہی بہت بڑے مجرم ہیں...... چلو لڑکیو، لڑکو چلو واپس چلو یہاں سے“ علی ضیغم سب کو وہاں سے لے گیا...... غلام خیر اور زلیخا کھڑے ہوئے تھے...... غلام خیر نے زلیخا سے کہا۔

”آئیے بھابھی...... اسے تنہا چھوڑ دیجئے“ پھر وہ زلیخا کے لرزتے قدموں کو سہارا دے کر اسے بھی اندر لے گیا...... زلیخا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں...... فروزاں کے جذباتی قہقہے اب بھی اُبھر رہے تھے۔

❀❀❀

امتحان ہوگئے کالج بند ہوگئے...... لڑکے لڑکیوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا......
ایسا ہی ہوتا ہے...... یہ بھی ایک عجیب دنیا ہے...... زندگی کے چند سال ساتھ گزارے جاتے ہیں اور ان چند سالوں کی رفاقت کبھی کبھی عمر کے آخری لمحات تک کے لئے ایک داستان بن جاتی ہے...... بچھڑتے ہیں، ملتے ہیں اور اگر نہیں ملتے تو یادوں میں زندہ رہتے ہیں اور اگر کبھی مل جائیں تو یوں لگے جیسے کھوئی ہوئی زندگی مل گئی...... محبتیں ہی تو دنیا کی تخلیق کا باعث ہیں...... یہی محبتیں انسان کو ممتاز کرتی ہیں...... بہرحال اپنے اپنے گھروں تک محدود ہوگئے تھے سب اور شروع میں یوں لگا تھا جیسے زندگی کی ایک بڑی تھکن اتر گئی ہو...... رزلٹ آئے گا جو ہوگا دیکھا جائے گا...... خواہش تو یہی ہے کہ جو کیا ہے ان تفریحات کے ساتھ ساتھ اس کا نتیجہ بھی حاصل ہو، لیکن کچھ بے چینی کچھ بے کلی تو ساتھ ساتھ ہی ہوتی ہے اور کچھ دنوں کے لئے یہ بے چینی اور بے کلی بڑی اداسیوں کا سبب ہوتی ہے...... جب کالج بند ہوئے سب آخری بار ایک دوسرے سے کالج میں ملے تو اس دن شاہ گل موجود ہی نہیں تھا...... آیا ہی نہیں تھا...... بہت سے لڑکے لڑکیوں نے اس کے بارے میں باتیں کیں...... مومل کی بے چین نگاہیں بھی اسے تلاش کرتی رہیں، لیکن شاہ گل کو نہ آنا تھا نہ آیا۔

"وہ تو ہے ہی سدا کا لاپرواہ...... اسے بھلا کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟"۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں ہے جب اچھے موڈ میں ہوتا ہے تو خوب ہنستا بولتا بھی ہے"۔

"غرورِ حسن کا شکار ہے...... مزاج ہی نہیں ملتے حضرت کے"۔

"تم سے کبھی اس کا اظہار کیا ہے"۔

"اظہار کرنا ضروری تو نہیں ہوتا...... بس اپنے آپ میں ہی گم رہتا ہے" نشیب نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا...... اسے اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ اس نے کبھی ایک بار بھی مسکرا کر اس کی جانب نہیں دیکھا، لیکن شاہ گل کے بارے میں تو عام لوگوں کا یہی خیال تھا کہ وہ صرف اپنے لئے مسکراتا ہے...... کبھی کبھی تنہائی میں بھی مسکراتا رہتا ہے...... جہاں تک اس کے غرورِ حسن کا تعلق تھا تو کہنے والوں کو خود ہی شرمندگی ہو جاتی تھی کیونکہ اس میں تو کوئی شک بھی نہیں تھا کہ جس جگہ پہنچ جاتا وہاں تاریکیوں کی روشنی بن جاتا ہے...... مومل کی بے چینی بالکل مختلف تھی...... یہاں ان سب کے سامنے اپنی بے چینی کا اظہار کر کے وہ اپنے آپ کو رسوا نہیں کرنا چاہتی تھی، حالانکہ اس نے کھل کر شاہ گل سے اظہار عشق کر دیا تھا، لیکن کوئی پذیرائی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی شاہ گل نے اس پر کوئی خاص ردعمل کا اظہار کیا تھا...... کچھ بھی تو نہیں کہا تھا نہ انکار کیا تھا اس نے...... مومل کے دل مین امید کی ایک شمع روشن تھی...... بہرحال گھر پہنچ گئی...... باپ کا تعلق شوبزنس سے تھا...... گھر میں اچھی خاصی ہنگامہ آرائیاں رہتی تھیں...... شیراز صاحب بے شک زندگی کے ایک ایسے شعبے سے منسلک ہوگئے تھے جس میں ماحول میں ذرا تبدیلی آ جاتی ہے، لیکن حیرت انگیز بات تھی کہ گھر کے معاملے میں وہ بالکل سنجیدہ تھے...... انہوں نے کاروبار اور گھر کو الگ الگ رکھا تھا...... کاروباری دوست کبھی گھر پر نہیں آتے تھے یا اگر آتے بھی تھے تو ایسے منتخب لوگ جن کی شرافت میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا تھا...... بیٹیاں بے شک باپردہ نہیں تھیں، لیکن بااصول ضرور تھیں اور یہ اصول ماں باپ ہی تراشتے ہیں...... ماں تو خیر نہیں تھی، لیکن شیراز صاحب نے ماحول میں ایک سادگی ایک وقار رکھا تھا...... بہرحال مومل کے فائنل کا امتحان دینے کے بعد مشعل بہت خوش ہو گئی تھی...... بہن کے ساتھ مل کر کئی پروگرام بنائے تھے...... شیراز صاحب کی طرف سے اس قدر پابندیاں بھی نہیں تھیں کہ معاملے میں

رکاوٹ بن جاتے، لیکن بس کچھ اصولوں کے ساتھ...... البتہ مشعل یہ محسوس کر رہی تھی کہ چھٹی کے بعد بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ذہنی مصروفیت کے بعد مومل کو جتنا شگفتہ اور تروتازہ ہونا چاہئے تھا وہ اتنی نہیں ہے...... بہن کی مزاج شناس سی تھی...... اس وقت مومل بڑے کمرے میں ٹہل رہی تھی...... ٹہلتی ٹہلتی وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی...... کھڑکی کھولی اور دور آسمان پر نظر آنے والے چھوٹے سے چاند کو گھورنے لگی...... اسے اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ کب مشعل اس کے عقب میں جا کر کھڑی ہو گئی ہے...... پھر مشعل نے انتہائی محبت سے اسے آواز دی۔

"مومل" اور مومل نے چونک کر اسے دیکھا...... پھر شرمندگی کے انداز میں ہنستی ہوئی بولی۔

"حالانکہ یقین کریں باجی...... میں نے کھڑکی اتنی آہستہ سے کھولی تھی کہ آواز تک پیدا نہ ہو...... میرا خیال ہے کہ آپ کی نیند خراب ہو گئی"۔

"جی ہاں...... میری نیند خراب ضرور ہوئی ہے لیکن کسی آواز سے نہیں"۔

"تو پھر"۔

"بس تو سوئی ہی نہیں یوں سمجھو میں تو سونے کی اداکاری کر رہی تھی...... اصل میں آج دن میں زیادہ دیر سو گئی تھی...... رات کی نیند اڑ گئی مگر تم تو دن میں سوئی بھی نہیں تھی"۔

"ہاں"۔

"تارے کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں" مشعل نے دور آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... اور یہ چھوٹا سا ننھا سا چاند"۔

"ہاں...... بے شک چاند بھی بہت اچھا لگ رہا ہے، لیکن مومل ایک بات پوچھوں"۔

"جی باجی" مومل نے چور آواز میں کہا۔

"ویسے تو خیر یہ سب روایتی باتیں ہیں، لیکن روایتی بھی حقیقت سے تراشی جاتی ہیں...... سنا ہے جب کوئی تارے گنتا ہے راتوں کو سنسان نگاہوں سے آسمان کو دیکھتا رہتا

ہے...... اندھیروں سے اس کو رغبت ہوتی ہے تو اسے ایک بیماری لگ جاتی ہے اور اس بیماری کو عشق کہا جاتا ہے...... تمہاری کیا کیفیت ہے" مشعل کا خیال تھا کہ مومل معمول کی طرح اس کی اس گفتگو پر مسکرا دے گی، لیکن مومل کے ہونٹوں پر کوئی کھچاوٹ پیدا نہیں ہوئی تھی...... اس نے سنجیدگی سے بہن کو دیکھا، پھر آہستگی سے بولی۔

"باجی...... کیا میری بات کا یقین کریں گی"۔

"تیری بات کا کبھی ایسا بھی وقت آیا ہے کہ یقین نہ کیا ہو" بہن نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"باجی...... جو کچھ بھی ہوا ہے...... غلط ہوا ہے مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے...... بے وقوفی کی ایک عمر ہوتی ہے، پتا نہیں میں اس عمر میں ہوں یا اس عمر سے نکل گئی ہوں، لیکن باجی ایک بات میں محسوس کرتی ہوں کہ بے وقوفی میں کر رہی ہوں...... دیکھو نا انسان کسی بھی چیز کے لئے اتنا بے بس نہیں ہوتا...... بیماری ایک چیز ہوتی ہے...... نزلہ، زکام، بخار، کھانسی، خدا نہ کرے کہ کوئی بڑی بیماری...... اس کے بعد ضرورتیں ہوتی ہیں...... باجی مثلاً لباس، روٹی ایسی تمام چیزیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن دل جب کسی کی محبت کو طلب کرنے لگے تو کیا اس کے لئے کوئی دوا یا علاج ہوتا ہے"۔

مشعل اس کی بے ربط باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"بہر حال...... دیکھو نا بات تو دل کی ہے اور اگر دل کسی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے تو علاج تو کرنا پڑتا ہے اس کا"۔

"مگر باجی...... یہ سب تو روایتی باتیں ہیں نا...... آپ دیکھئے نا کتابوں کے قصے لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، شیریں فرہاد وغیرہ وغیرہ...... میرا مطلب ہے کہ لوگ انہیں تفریح کے لئے تو ضرور پڑھتے ہیں انہیں زندگی کا حسن بھی ملتا ہے کہیں کہیں...... لیکن کیا ہم انہیں حقیقت سمجھتے ہیں...... ایک شخص کسی کو پسند کرتا ہے وہ اسے حاصل نہیں ہوتا تو اسے حاصل کرنے کے لئے سر پھاڑنے یا دیواریں توڑنے سے کیا حاصل ہوتا ہے"۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آخر ان چیزوں کی حقیقت کیا ہے...... آپ یقین کیجئے کہ پچھلے کئی دنوں سے میں اپنے آپ میں اپنے آپ کو تلاش کر رہی ہوں اور اس میں ناکام رہی ہوں...... باجی" مومل کے لہجے، اس کے انداز میں جو کیفیت تھی اس نے مشعل کو کسی قدر پریشان کیا، لیکن بہن کے سامنے کسی پریشانی کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اس نے...... چند لمحات خاموشی سے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"دیکھو جو لوگ بیمار ہو جاتے ہیں وہ ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں...... ڈاکٹر مریض کی تشخیص کرتا ہے...... اس کے بارے میں سوچتا ہے، اس کا علاج کرتا ہے...... میں ڈاکٹر تو نہیں ہوں اور نہ تم بیمار ہو لیکن تمہاری بڑی بہن ہوں...... تمہیں مجھ سے اچھا مشورہ دنیا کا کوئی اور مخلص نہیں دے سکتا...... اس لئے کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ محبت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہو سکتا...... مجھے اپنے اندر کی کیفیت کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ...... شاید میں تمہارے لئے کوئی بہتر طریقہ کار متعین کر سکوں" مشعل نے بڑے صاف ستھرے لہجے میں کہا...... مومل اسے پرخیال انداز میں دیکھنے لگی پھر بولی۔

"ہاں...... تم سے زیادہ میرا ہمدرد...... میرا مخلص اور کوئی نہیں ہو سکتا باجی...... تم ٹھیک کہتی ہو...... آؤ باجی بیٹھتے ہیں" "اگر تم چاہو اور تمہیں اچھا لگ رہا ہو تو میں ایسا کرتی ہوں کہ دو کرسیاں یہاں پر لے آتی ہوں...... باہر بیٹھیں گے...... یہاں کی فضا بڑی سنسان اور خاموش ہے اور باہر کا ماحول بے حد پرسکون لگ رہا ہے...... ٹھہرو میں تمہارے لئے کرسی لے کر آتی ہوں"۔

"نہیں باجی"۔

"بیٹھو بیٹھو اس وقت تم میری مہمان ہو...... یوں سمجھو کہ میں تمہاری ڈاکٹر ہوں اور تم میری مریض...... کیا خیال ہے؟" مشعل نے اپنے لہجے میں بدستور شگفتگی پیدا کرتے ہوئے کہا اور وہ اپنے ان الفاظ سے مومل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہو ہی گئی......

چند لمحات کے بعد اس نے دو کرسیاں رکھیں...... آؤ مومل بیٹھو اور وہ خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی...... پھر اس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"جی...... مس مومل فرمائیے کیا آپ مجھے اپنا ڈاکٹر ماننے کے لئے تیار ہیں"۔

"ہاں...... میں تو آپ کو اپنا سب کچھ ماننے کے لئے تیار ہوں"۔

"تو اس وقت آپ یہ سمجھئے کہ آپ ڈاکٹر کو تفصیل بتا رہی ہیں"۔

"جی ہاں" مومل نے آہستہ سے کہا۔

"تو تم مجھے بتا چکی ہو کہ تمہیں شاہ کل سے محبت ہے" مشعل بولی تو مومل نے گردن جھکالی۔

"نہیں...... شرمانے کی بات نہیں ہے...... ایک بار پھر میرے سامنے اس بات کا اقرار کرو"۔

"جی ہاں...... اور حیران بھی ہوں اس بات پر"۔

"یہ ہوا سوال...... حیرانی کیوں ہے؟"۔

"باجی...... آپ کو علم ہے کہ ماں کی موت کے بعد آپ نے اور میں نے اپنی عمر کو کافی آگے بڑھا کر بات سوچی ہے...... ہر چیز پر غور کیا ہے...... ہم نے ہمیشہ یہ سوچا ہے کہ اپنے باپ کے شانوں پر کم سے کم بوجھ رکھیں...... ڈیڈی کو کہیں بھی کسی جگہ پر یہ احساس نہ ہونے دیں کہ وہ دو بیٹیوں کے باپ ہیں اور بیٹیاں تشویش کا گھر ہوتی ہیں...... باجی یہی سوچا ہے نا ہم نے"۔

"بالکل...... اور اب بھی یہی سوچتے ہیں"۔

"ایسے حالات میں باجی...... اگر کوئی ایسی لعنت وجود پر مسلط ہو جائے جو پریشان سے بے چین کر دے اور اس لعنت کا کوئی ایسا جواز نہ ہو جو بنیادی حیثیت رکھتا ہو...... تو آپ مجھے بتائیے کیا یہ عجیب بات نہیں ہے"۔

"نہیں...... فلسفی بننے کی کوشش نہ کرو...... میں ڈاکٹر ہوں مجھے ڈاکٹر رہنے دو...... تم یہ

کیسے کہتی ہو کہ یہ ایک بے معنی بات ہے..... یہ بے معنی بات تو نہیں ہے..... محبت کے بارے میں لاتعداد باتیں کہی گئی ہیں اور میں ان باتوں کو سچ اور حقیقت مانتی ہوں..... یہ بات طے ہے کہ محبت کا اپنا ایک وجود ہے اور رہے گا..... یہ بھول جاؤ کہ یہ صرف دماغی فتور ہے..... کہنے والوں کا جو دل چاہے کہہ دیں..... کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن میں اس کی مقصدیت کو مانتی ہوں اور مجھے اس سے بالکل اختلاف نہیں ہے“۔

”گویا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں باجی..... کہ محبت واقعی ایک ایسی بیماری ہے جس کا پتا نہیں چلتا اور یہ لگ جاتی ہے“۔

”بالکل نہیں..... بلکہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ محبت روح کا ایک سکون ہے..... انسان اپنی جسمانی ضروریات مختلف طریقوں سے پوری کرتا رہتا ہے اور روح کے لئے بھی اتنی ہی توانائی کی ضرورت ہے جتنی دوسرے شعبوں میں انسان کو ہوتی ہے..... ایسی شکل میں روح کی سب سے بڑی توانائی کا ذریعہ محبت ہے..... جو ہونی چاہئے کیونکہ اس سے روح کو تازگی ملتی ہے“۔

”مگر باجی..... ایک بات اور بھی تو ہے..... ایک محبت میں انسان کی کمبخت ضرورت بھی تو ہوتی ہے اور انسان کو اپنے ذہن پر کنٹرول کرنا کتنا مشکل کام ہے..... آپ یہ دیکھئے“۔

”ہاں..... اب تم اس طرف آئیں جس طرف میں تمہیں لے جانا چاہتی ہوں..... پہلے تو اپنی اصلاح یہ سوچ کر کرو کہ محبت ایک لازمی جزو ہے..... ہر مقصد اور ہر وجود عمل ہے..... اس سے انحراف حماقت ہے..... محبت ہونی چاہئے ہو جاتی ہے..... اس کا ایک باقاعدہ وجود ہے“۔

”چلئے ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب..... مان لی یہ بات..... دوسری بات کے لئے آپ کیا کہیں گی“۔

”بالکل..... مسئلہ یہ ہے محبت کرنے کے لئے ایک انسانی وجود ضروری ہے..... بھئی

ہر چیز کا ایک عامل اور معمول ہوتا ہے..... عامل تم ہو معمول شاہ گل ہے..... اب یہ بتاؤ کہ عامل کا معمول پر کس حد تک کنٹرول ہے“۔

”نہیں باجی..... یہ کنٹرول کس طرح قائم ہوتا ہے اور کس طرح اس کا پتا چلتا ہے..... یہی بات میرے لئے اُلجھن کا باعث بنی ہوئی ہے“۔

”گڈ..... ویری گڈ..... مرض کا ایک پہلو سامنے آیا..... آپ یہ بتائیے محترمہ مومل کہ کبھی جیسا کہ آپ کے اور میرے درمیان بات چیت ہو چکی ہے..... شاہ گل کو آپ نے اپنی محبت کے بارے میں بتایا..... اصل میں میرا نظریہ ذرا مختلف ہے..... لوگ آنکھوں کی زبان کی بات کرتے ہیں..... احساس کی زبان کی بات کرتے ہیں..... ہم مانتے ہیں کہ یہ دونوں زبانیں ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہمارا مدمقابل ان زبانوں سے ناواقف ہوتا ہے اور اسے ان زبانوں سے واقف کرنے کے لئے اس زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے جو وہ جانتا ہے سمجھ رہی ہونا“۔

”جی“۔

”میں نے اسی لئے تم سے یہ بات کہی تھی کہ ایک بار اس سے محبت کا اظہار کر دو اور اس کا ردعمل دیکھو وہ کیا کہتا ہے“۔

”کیا تھا میں نے باجی“ مومل بولی۔

”پھر..... کوئی جواب“۔

”نہیں“۔

”میرا مطلب ہے کچھ تو کہا ہوگا اس نے“۔

”دیواروں کی طرح دیکھتا رہا“۔

”کوئی ردعمل“۔

”مجھے نہیں مل سکا“۔

”دل میں تو خیر ضرور ہوگا..... ہو سکتا ہے کہ وہ دل کی باتیں چہرے تک نہ آنے دیتا ہو“۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"۔

"پریشانی کی پہلی وجہ ہے صرف"۔

"جی باجی..... اتنے دن ہو گئے کالج بند ہوئے اس نے نہ مجھے ٹیلی فون کیا نہ کبھی مجھ سے ملا..... کوئی رابطہ نہیں کیا اس نے..... حالانکہ میں نے کھلے الفاظ میں اپنے دل کی بات کہہ دی تھی..... کچھ تو جواب دیتا وہ مجھے..... انکار ہی کر دیتا" مومل کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"نہ..... نہ..... نہ بالکل نہیں..... تھوڑی سی غلط فہمی کبھی کبھی انسان کو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے"۔

"ہو سکتا ہے اس کے اندر اظہار کی جرات نہ ہو..... ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہو نہ کہہ پا رہا ہو..... ہو سکتا ہے اس کے اندر کوئی ایسی شرم ایسی جھجک ہو جو اس کے قدم روک دیتی ہو..... ہم اس سلسلے میں آخری منزل تک جائیں گے..... ٹیلی فون نمبر ہے اس کا تمہارے پاس"۔

"نہیں"۔

"گھر کا پتا"۔

"وہ مل جائے گا"۔

"کیسے؟"۔

"میں حاصل کر لوں گی"۔

"تو پہلا کام تو یہ کرو کہ اس کے گھر کا پتا حاصل کرو"۔

"پھر کیا کریں گی باجی؟"۔

"اس کے گھر چلیں گے اس کے اہل خانہ سے واقفیت پیدا کریں گے..... پہلے ہم یہ کام کر لیتے ہیں..... تم اطمینان رکھو میں ڈیڈی سے اس بارے میں بات کروں گی"۔

"کس بارے میں؟"۔

"یہی کہ وہ تمہارے اور شاہ گل کے بارے میں سوچیں اور یہ سوچیں کہ تم دونوں کو

کیا کیسے کیا جا سکتا ہے"۔

"ہاں جی"۔

"ہاں نہیں ڈاکٹر...... یہ ڈاکٹر کا عمل ہے اور ڈاکٹر کبھی اپنے مریض کو یہ اجازت نہیں دے گا کہ وہ ڈاکٹر کے معاملے میں ٹانگ اڑائے...... کیا سمجھیں؟" مشعل نے بزرگانہ انداز میں کہا...... در حقیقت وہ مومل کے ذہن سے پریشانی ہٹانے میں کامیاب ہو گئی۔

❁ ❁ ❁

انسان زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو...... زندگی کے معاملات تو یکساں ہی ہوتے ہیں...... وہی رفتار، ایک طرح کی...... صبح شام...... شام صبح...... رات...... شب چراغ کے گھر کے معاملات بھی جوں کے توں تھے...... یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں زندگی عام جگہوں سے کچھ زیادہ ہی مصنوعی ہوتی ہے...... دلوں میں کچھ، زبانوں پر کچھ، چہروں پر کچھ اور یہ کچھ ہی ان کا ذریعہ معاش ہوتا ہے...... شب چراغ کا ماضی کیا تھا...... کہاں سے وہ یہاں تک پہنچی تھی...... یہ کہانی بھی انسانی کہانیوں ہی کی مانند یکساں نوعیت کی حامل تھی...... وہ انسانی کہانی جو ایسی جگہوں سے منسوب ہوتی ہے، چنانچہ شب چراغ کو اپنا ماضی بھولنے کے لئے کافی محنت کرنا پڑی تھی اور اب اس نے اپنے ذہن کو اسی ماحول کے لئے مکمل کر لیا تھا...... ایسا بہت عرصے میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی عمر بھر نہیں ہوتا...... بازار میں بے شمار نگینے سجے ہوئے تھے...... نگینہ بائی بھی تھیں اور نگینہ بیگم بھی...... سب کے اپنے اپنے سوچنے کے انداز تھے...... کچھ اپنے آپ سے بہت زیادہ مخلص تھیں، کچھ اپنے پیشے سے زیادہ مخلص تھیں...... شب چراغ کیا تھی، اس نے کبھی اس کا تجزیہ نہیں کیا تھا...... ہاں کچھ اوصاف تھے جو اسے ذرا دوسروں سے مختلف کرتے تھے...... بے پناہ مہذب تھی، بے پناہ فن کی دلدادہ تھی...... تھوڑی سی شرافت بھی سینے کے کسی گوشے میں پڑی رہ گئی تھی، چنانچہ کبھی کبھی اس کا دل اپنوں کے لئے تڑپتا تھا جو لمحوں کی لرزش کا شکار ہو جاتے تھے...... کسی جذباتی حادثے میں

ملوث ہو کر سکون کی تلاش کے لئے اس گھر کا رخ کرتے تھے...... شب چراغ کو بس اتنی سی امید تھی اپنی بخشش کی کہ وہ کبھی کبھی ایسے نیک کام کر لیا کرتی تھی...... کئی ایسے واقعات ہو چکے تھے، ایسے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو لوٹنے کے بجائے وہ حقیقت کے راستوں پر واپس کر دیتی تھی اور اس طرح واپس کرتی تھی کہ اسے کامیابی بھی حاصل ہو جاتی تھی...... ایسے کئی واقعات تھے جو اس نے اپنے دل کے آئینے میں سجا رکھے تھے اور یہی چیز اسے دوسرے کوٹھے والیوں سے منفرد کرتی تھی...... کچھ لوگ اس بات کے شناسا بھی تھے جیسے گرو دانیال...... گرو دانیال شب چراغ سے بے پناہ الفت کرتے تھے...... اس کے استاد بھی تھے، اس کے ساتھ ساتھ ہی انہوں نے شب چراغ کی سب سے چہیتی بیٹی یاقوت کو رقص کی تعلیم بھی دی تھی...... ایک پروقار شخصیت کے مالک تھے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں کی تیسری جنس سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ادب و آداب، اخلاق و معیار بے مثال تھا...... اب یہ قدرت کا کام ہے کہ وہ کسے کیا بناتی ہے...... کیا منصب دیتی ہے...... کیا زندگی منتخب کرتی ہے؟ کیوں منتخب کرتی ہے؟ قدرت کے معاملات میں کیوں کی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ ہم کیوں کے لفظ کو تو اس داستان سے خارج کرتے ہیں...... بات شب چراغ کے ساتھ ساتھ گرو دانیال کی بھی آ گئی اور چونکہ گرو دانیال اس وقت نمایاں حیثیت کے حامل ہیں اس لئے ہم اسی سمت آ جاتے ہیں جہاں ایک ایسے شخص کا جو فن کا قدردان اور فن کا دلدادہ ہو اور پھر طرفہ یہ کہ اپنا معیار بھی رکھتا ہے...... تذکرہ آتا ہے تو وہاں اس کی اپنی اعلیٰ صفات کا بھی کہ اگر کسی کا قدردان ہوا تو ایسے کہ اپنی زندگی اس کے نام کر دی...... گرو دانیال کی زندگی میں اس سے پہلے شاید ایسا کوئی عمل نہ آیا ہو...... آیا ہوتا تو ان کی زندگی کی داستان میں درج ہوتا، لیکن اب وہ بے کل ہو گئے تھے اور یہ بے کلی بڑی نمایاں تھی...... کچھ ساتھی تھے جو مزاج کو سمجھتے تھے اور بے چین تھے کہ گرو جی ان دنوں پریشانی کا شکار کیوں ہیں...... فن موسیقی میں کمال حاصل کیا تھا اور ایک جذب میں ڈوب گئے تھے، اس جذب کا عالم بے مثال تھا...... ساز و آواز کے رسیا تھے...... بہت سی ایسی چیزوں کو حقیقت سے جانتے تھے جو عام

لوگوں کے لئے اس قدر حقیقت نہیں ہوتیں، چنانچہ جس دن سے شب چراغ کے کوٹھے سے آئے تھے، انتظار کر رہے تھے کہ وہ نوجوان ان سے رابطہ قائم کرے جس نے اس دن شب چراغ کے کوٹھے پر ایسا مظاہرہ کیا تھا جو ناقابل یقین تھا...... اپنے سب سے زیادہ معتمد اور ملازم خاص رسیلے سے کئی بار کہہ چکے تھے"۔

"میاں رسیلے...... وہ لڑکا دوبارہ کبھی رجوع نہیں ہوا ہم سے، حالانکہ ہم انتظار کر رہے تھے...... اصل میں انسان کبھی کبھی اپنا تعین بہت غلط کر لیتا ہے...... نجانے کیوں ہم نے اپنی شخصیت کو ایسا سمجھا کہ کوئی ہم سے متاثر ہو کر ہماری جانب رجوع کرے، مگر وہی والی بات کہ تعین غلط تھا...... وہ بچہ کوئی دوسری ہی چیز تھا...... سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں...... کیسے اسے اپنے تک لائیں...... بس بڑے بے چین ہیں اس کے لئے"۔

"گرو جی...... یہ کون سا مشکل کام ہے...... اسے تلاش کریں بلوالیں اپنے پاس...... مجال ہے کسی کی جو انکار کر سکے اور پھر اگر شرافت سے نہ آئے تو"۔

"رسیلے...... رسیلے...... رسیلے تیری نازک مزاجی اور شگفتگی ہی ہمیں تیری جانب متوجہ کرتی ہے...... جب تو ایسی سخت اور کھردری باتیں کرتا ہے تو اللہ قسم جاہل لگتا ہے ہمیں بالکل دیوانہ کہیں کا...... ارے فن کو ایسے بلاتے ہیں اپنے پاس...... فن کے لئے والا کیلئے، گزارہ کیلئے تو دل پر زخم کھائے پھرتے ہیں، چوٹیں کھانی پڑتی ہیں روح پر...... پھر کہیں جا کر محبت کی ایک شمع جلائی جاتی ہے...... تو یہاں بھی غنڈہ گردی کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے، کیسے ممکن ہے یہ"۔

"نہیں گرو جی...... واقعی غلطی ہو گئی کبھی کبھی بے سوچے بول دیتا ہوں"۔

"نزاکتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے اس لئے، جس کی جو حیثیت ہو اسے وہ حیثیت دینی چاہئے، تو نے دیکھا اس دن قیامت تھا وہ قیامت مگر ایک بات کہوں رسیلے...... کچھ ہے اس کے اندر کوئی ایسا لاوا پک رہا ہے اس کے وجود میں جو اس دن پھوٹ پڑا تھا...... ہو سکتا ہے اس سے پہلے بھی وہ لاوا اس کے وجود میں پھوٹتا ہو لیکن اس دن رسیلے سمجھ میں آئے تو سمجھو، اس دن جو کچھ ہوا تھا وہ اتنا عجیب تھا...... ایسا تھا کہ اسے لفظ ہی نہیں دیئے جا سکتے...... بس یوں سمجھ کہ...... کہ آتش فشاں اُبل رہا تھا...... دہکتے ہوئے پتھر فضا میں اڑ رہے تھے...... رسیلے وہ ہو رہا تھا جو انسان صحیح طریقے سے سوچ بھی نہ پائے...... ارے کوئی کیا سمجھے گا اس آگ کو...... اس تپش کو...... اس جلن کو جو اُبل رہی تھی اس وقت...... ایسی اُبل رہی تھی کہ بس اللہ کی امان...... گرو دانیال جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا اور رسیلا گردن جھکائے کھڑا تھا......

پھر اس نے کہا۔

"گرو جی...... ایک اور بات سمجھ میں آتی ہے"۔

"ہاں سمجھ کی بات کر باؤلے...... کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایک ہی جھڑپ میں دیوانہ کر دیتے ہیں اور انسان پر جب دیوانگی سوار ہو جائے تو اس کا خیال رکھنا چاہئے...... ہم بھی کچھ دیوانے ہی ہو گئے ہیں اس کے لئے...... ارے ہاں جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام...... اگر ایک جھلک...... ایک ملاقات کے بعد کسی کو اپنی ملکیت سمجھ لیا جائے تو بے وقوفی نہیں کہیں گے اسے تو اور کیا کہیں گے...... نہ رابطہ اس سے کوئی نہ پتا ٹھکانہ"۔

"میں یہ کہہ رہا تھا گرو جی...... شب چراغ بیگم اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتی ہیں...... اس کی تفصیل ان کو تو ضرور معلوم ہو گی"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں...... کئی بار سوچا ہم نے کہ جائیں...... شب چراغ کے پاس لیکن بس ایک بے وقوفی ہمارے اندر پل رہی تھی...... ارے پوچھ تو سہی کمبخت کہ وہ بے وقوفی کیا تھی"۔

"کیا گرو جی؟"۔

"بس کبھی کبھی اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی روایتوں کے جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں...... یہ بے وقوفی روایتوں کی شکل میں ہمارے اندر بھی پل رہی تھی...... ہم سوچ رہے تھے کہ وہ جو ایک شعر ہے نا...... کہ جذبہ عشق سلامت ہے تو اللہ چاہے کچے دھاگے سے بندھے چلے آئیں گے...... کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے کیا سمجھا؟"۔

"پھر سے گرو جی"۔

"ہاں...... شاید پہلے ہم کچھ اور کہہ گئے تھے"۔

جذبہ عشق سلامت ہے تو اللہ چاہے۔

کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے...... تو رسیلے ہم سوچ رہے تھے کہ شاید ہمارا جذبہ عشق ہی اسے ہم تک لے آئے...... حالانکہ کیسی عجیب بات ہے نہ اسے ہمارے عشق کی خبر اور نہ اس کا احساس کہ کوئی اس سے اتنا متاثر بھی ہو سکتا ہے...... لمحوں کی تو بات ہے، مگر یہ لمحے...... یہ لمحے ہی انسان کو کیسے کیسے عذاب میں گرفتار کر دیتے ہیں...... بس ایک بھول...... صرف ایک بھول...... ایک بھول...... ایک بھول“ گروجی نے عجیب سے لہجے میں کہا...... رسیلا گروجی کی خوابوں میں ڈوبتی ہوئی آنکھوں کو دیکھتا رہا...... گرو دانیال اس کائنات کی عجیب و غریب شخصیت جس سے وہ تمام لوگ واقف تھے اور حقیقت بھی یہی تھی...... یہ دنیا ایک اجنبی...... ایک انوکھی دنیا ہوتی ہے، لیکن بعض لوگ واقف تھے اور حقیقت بھی یہی تھی...... یہ دنیا ایک اجنبی...... ایک انوکھی دنیا ہوتی ہے، لیکن بعض جگہ اس کے چہرے بڑے مکروہ نظر آتے ہیں، لیکن گروجی نے اس سلسلے میں ایک نئے عمل کی بنیاد ڈالی تھی...... سڑک پر ناچنے اور مانگنے والوں کو انہوں نے کبھی ایسی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا جس میں رغبت ہو، دلچسپی ہو، بلکہ اپنے مطلب کے لوگوں کو بڑی محنت اور چھان بین سے تلاش کرنے کے بعد خود کو ان میں شامل کیا تھا...... یہ تھے تو اسی تیسری جنس کے لوگ لیکن ان کے اندر نہ وہ لچر پن تھا نہ وہ برائی...... گروجی بہت ہی عجیب و غریب فطرت کے مالک تھے...... کچھ ایسے پراسرار ذرائع بھی تھے ان کے پاس جو نا قابل فہم تھے، لیکن ان ذرائع کی بنیاد پر ان کے تعلقات بڑے بڑے اعلیٰ حکام سے بھی تھے...... پولیس کے اعلیٰ افسران سے بھی ان کی شناسائی تھی...... اس کے علاوہ انہوں نے ایسے غنڈے بھی پال رکھے تھے جو اپنی ایک الگ ہی حیثیت رکھتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے الگ الگ شعبے قائم کر رکھے تھے...... کوئی نہیں جانتا تھا کہ نرم دل...... نرم مزاج گرودانیال کے کتنے روپ ہیں اور وہ کس کس طرح لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں...... بہر حال یہ سارے معاملات اپنی جگہ تھے...... گرودانیال اس وقت شاہ گل کے لئے بہت بے چین تھے اور انہیں رسیلے کی یہ تجویز بے حد پسند آئی تھی کہ شب چراغ سے اس کے

بارے میں بات کریں...... ان کا اپنا کہنا بھی بالکل درست ہی تھا، لیکن کبھی کبھی انسان کسی کے بارے میں غلط تعین کر لیتا ہے...... شاہ گل نے دوبارہ کبھی گرودانیال سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تو اپنے عذاب میں ہی گرفتار تھا...... اپنی ذات کا عذاب انسان کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے...... گرودانیال چونکہ اس وقت اپنے کام سے شب چراغ کے ہاں پہنچے تھے اس لئے انہوں نے ایسا وقت متعین کیا تھا...... جب کوٹھوں کے رہنے والے رات کی جگار کے بعد دن میں سوتے ہیں اور پھر جاگ کر آنے والے وقت کے لئے اپنی مصروفیات کا تعین کرتے تھے...... گرودانیال جانتے تھے کہ جب بھی وہ شب چراغ کے کوٹھے پر جاتے ہیں تو شب چراغ ان کے قدموں میں بچھ جاتی ہے...... وہ خود بھی قدردان فن تھی اور گرودانیال کی شخصیت سے عشق رکھتی تھی...... اپنا ہر طرح کا نقصان برداشت کر لیا کرتی تھی، چنانچہ گروجی بھی اسے کم سے کم ایسے وقت میں پریشان کرتے تھے جب اس کی روزی کا وقت ہو...... ہاں انہوں نے کئی بار شب چراغ سے کہا تھا کہ بی چراغ ساری باتیں اپنی جگہ...... اپنا کام جاری رکھا کرو...... بس ہمارے لئے کچھ خصوصی عنایت کر دیا کرو، بس یہی کہ یاقوت سے گوا دیا کرو...... اس کی آواز میں قیامت کے سر ہیں...... بہر حال اس وقت شب چراغ نے گروجی کا استقبال بڑی محبت اور بڑے پیار سے کیا تھا۔

”معاف کرنا شب چراغ...... اللہ ماری کبھی کبھی ایسی ضرورتیں پیش آ جاتی ہیں کہ انسان مجبور ہو جاتا ہے...... تم سے کچھ ذاتی باتیں کرنا تھیں اس لئے ہم آ گئے...... تمہیں برا تو نہیں لگا“۔

”یہ سوال کر کے گروجی...... آپ مجھے کتنا شرمندہ کرتے ہیں...... کیا آپ کو اس بات کا کبھی احساس ہوا“۔

”ہم تو خود ہی شرمندہ ہو گئے...... اب تمہیں کیا شرمندہ کریں گے“ گروجی نے تالی مار کر کہا...... شب چراغ نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ انہیں بٹھایا اور بولی۔

”یہ بتائیے کیا پیش کروں؟“۔

”بوا تمہارے مہمان ہیں جو پلا دو گی پی لیں گے...... ہاں کھانے کو نہ کہنا...... کیونکہ شکم

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیر ہیں" گروجی بولے۔

"جی بہتر" صندل کے شربت کے گھونٹ پیتے ہوئے گرودانیال نے کہا۔

"صاف صاف کہیں گے کہ اس وقت ایک کام سے آئے ہیں شب چراغ......

تمہارے پاس"۔

"حضور فرمایئے...... خوش قسمتی میں اضافے ہی کرتے چلے جارہے ہیں...... شب چراغ جیسی ناچیز ہستی بھی اب یہ مقام حاصل کرگئی کہ گرودانیال اس سے کسی کام کے لئے کہیں"۔

"انکساری تو ختم ہے تم پربی بی...... چلو ٹھیک ہے ہم نے کب کہا کہ تم اہل علم وفن نہیں ہو...... اصل میں ہم بڑا انتظار کرتے رہے اس گوہر نایاب کا جس نے دوبارہ ہمیں اس قابل ہی نہیں سمجھ کہ ہماری جانب رُخ کرے...... سمجھ رہی ہوگی نا"۔

"اسے کون بھول سکتا ہے گروجی...... ارے لڑکیاں صبح وشام اس کے نام کی گردان کرتی ہیں...... اس نے تو واقعی کچھ لمحوں کے لئے سب پر سحر طاری کردیا تھا...... جادوگر تھا...... جادوگر"۔

"کچھ اور بھی اتا پتا چلا اس کے بارے میں شب چراغ" گروجی نے پوچھا۔

"معافی چاہتی ہوں گروجی...... کبھی یہ گردش روزگار چین تو لینے دے نہ...... دل تو آرزوؤں کا مسکن ہوتا ہے...... نہ جانے کیا کیا خواہشیں صبح سے شام تک جنم لیتی ہیں اور دم توڑ دیتی ہیں...... اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو بھلانا ہی تو زندگی کا نام ہے گروجی...... بہت بار سوچا اس کے بارے میں لیکن وقت ہی نہ ملا کہ کچھ کارروائی ہوتی، ہاں بس تذکرے کرتے رہتے ہیں...... لڑکیاں کہتی ہیں اماں...... کوئی آسمان سے اتری ہوئی چیز تھی وہ تو یوں کہیے گروجی...... ایمان خراب نہیں ہے...... اس لئے توہمات پر یقین نہیں رکھتی...... ورنہ یہی کہتی کہ راجہ اندر تھے جو زمین پر اتر آئے"۔

"لاحول ولا قوۃ...... ایسی باتیں رُوایتاً یا تذکرے کے طور پر بھی نہیں کہتے، بھلا ہمارے ہاں راجہ اندر وندر کا تصور کہاں...... اپسرائیں اور راجہ اندر تو صرف ایک خاص طبقے کے

ذہن کی عیاشی ہے...... ہم اس سے ذرا بھی نہ متاثر ہیں نہ یقین رکھتے ہیں"۔

"بالکل ٹھیک کہا گروجی...... معافی چاہتی ہوں"۔

"لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں کوئی پراسرار ہستی ہے...... شب چراغ ہم نے کہا تھا اس سے کہ ہم سے آکر ملے...... پر رُخ نہ کیا اس نے ہماری جانب...... یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ اگر کوئی ایک بار ہمارے دل کو چھولے تو سمجھو اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے اور ہم ایسے کسی نشان کو کبھی مٹا نہیں پاتے...... اب بتاؤ کیا کریں اس کے لئے؟"۔

"میں سمجھی نہیں گروجی"۔

"ملنا چاہتے ہیں ہم اس سے اور کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس سے ہماری ملاقات ہوجائے...... کاش ہم اس سے اس دن کچھ تفصیلات معلوم کرتے...... اس وقت ایسا سحر طاری کردیا تھا اللہ مارے نے کہ کچھ ہوش وحواس ہی نہ رہے تھے...... ارے وہ رقص کررہا تھا توبہ توبہ...... لگ رہا تھا کہ کائنات گردش میں ہے...... صحیح معنوں میں رقص کہکشاں تھا وہ جس طرح ستارے خلا میں گردش کرتے ہیں...... تم یقین کرو کہ اہل دل اگر اس کی یہ بے تابی دیکھتے جو اس نے رقص کی شکل میں پیش کی تھی تو کیا سے کیا ہوجاتا...... نجانے کون ہے...... کیا ہے؟ کچھ اتا پتا تو ہوگا تمہارے پاس...... کوئی ذریعہ تو ہوگا"۔

"ذریعہ...... ہاں ساجد میاں بتا سکیں گے کہ وہ کہاں مل سکتا ہے...... گروجی آپ نے یہ ہمت کی تو ہماری طرف بھی کچھ ایسا ہی اثر ہوا ہے...... ہم ساجد میاں سے رُجوع کرکے اس کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم کریں گے...... وہاں سے پتا چل جائے گا"۔

"دیکھو...... ہم اسی غرض سے تمہارے پاس آئے ہیں...... ملادو ہمیں اس سے ایک بار بہت ضروری ہے ہمارا ملنا اس سے...... ہم اس کے دل میں داخل ہوں گے، اس کی تڑپ کا کھوج لیں گے جو اس کے سینے میں ہے...... پتا تو چلے کہ آخر بیچارا کس کرب میں مبتلا ہے"۔

"آپ اطمینان رکھئے گروجی...... اس کے لئے مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے گا میں کرلوں ذرا اس کا بندوبست"۔

گرزو دانیال شاہ گل سے کیا چاہتا تھا...... شاہ گل کی زندگی کن حالات میں گزری...... یہ جاننے کے لئے **برزخ** (جلد دوم) کا مطالعہ کریں۔

"ہاں ضرور...... صندل کے شربت کا بڑا شکریہ...... انتظار کریں گے کہ تم ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ"۔

"ٹھیک ہے...... گروجی وہاں سے اٹھے اور چلے گئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود شب چراغ شاہ گل کو نہیں بھول سکی تھی...... یاقوت بھی کئی بار اس کا تذکرہ کر چکی تھی اور دوسری لڑکیاں بھی اسے یاد کرتی رہتی تھیں اور کہتی رہتی تھیں کہ اماں...... وہ تھی کون اماں...... اس کا رقص تھا لگتا تھا آسمانی بجلیاں تڑپ کر بادلوں میں منہ چھپا رہی ہوں...... پھر تڑپ رہی ہوں...... پھر چھپ رہی ہوں...... بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا اماں...... شاخیں تھیں اس کے بدن کی یوں لچک رہی تھیں جیسے تیز آندھی میں نازک درخت۔

"ایسا ہی اثر چھوڑا تھا شاہ گل نے ان لوگوں پر...... خود تو نہیں آیا تھا ساجد حیات اسے لے آیا تھا...... یہاں سے گیا تو اس جگہ کو بھول ہی گیا...... یاقوت نے کہا۔

"نہیں اماں...... میں نے خود اسے پہلی بار دیکھا تھا نہ کبھی ساجد حیات نے اپنے کسی ایسے دوست کا تذکرہ کیا...... میں نہیں جانتی وہ کون ہے......؟ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جو کوئی بھی تھا باکمال شخص تھا...... ساجد بھی اس دن کے بعد سے نہیں آئے...... ورنہ تذکرہ ضرور ہوتا"۔

"یاقوت...... گروجی اسے ملنا چاہتے ہیں...... مجھے تو ایسے لگا جیسے گروجی کو اس کے نہ آنے کا بڑا دکھ ہوا...... بہرحال...... تم ایسا کرو کہ ساجد سے بات کرو فون پر...... ان سے کہو کہ وہ آ کر ملے یا پھر انہیں ساتھ لے کر آئے"۔

"ٹھیک ہے اماں" یاقوت نے کہا اور شب چراغ تصور کی آنکھ سے اس رات کا نظارا کرنے لگی جب ایک شعلہ روح اس کے کوٹھے پر رقصاں تھا...... ایک عجیب و غریب رقص جس میں گرو دانیال کا خون شامل تھا...... شب چراغ اس رات کے خوابوں میں کھو گئی۔
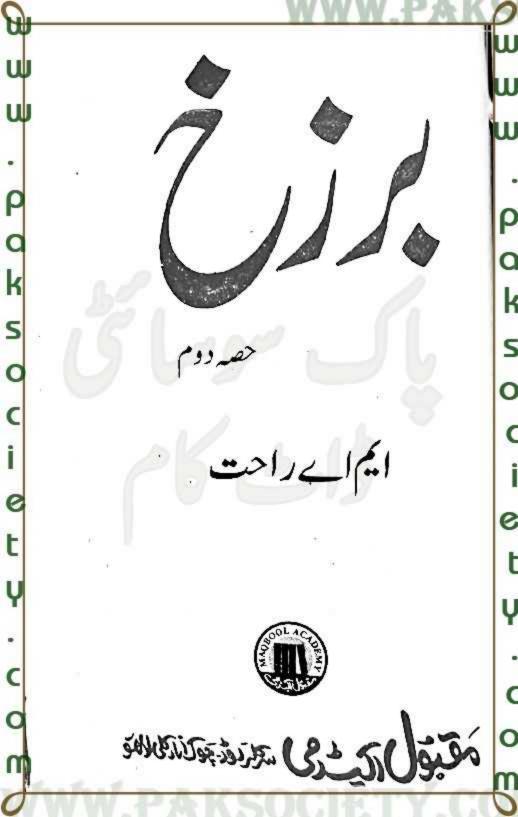
❀❀❀

برزخ

حصہ دوم

ایم اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

مومل اور مشعل تیار ہو گئیں...... شیراز صاحب کی طرف سے دونوں بچیوں کو مکمل آزادی تھی۔ بات مزاج کی ہوتی ہے اور جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ شیراز صاحب کا تعلق شوبز سے تھا لیکن مزاج شوبز کا نہیں تھا...... یہ دو بیٹیاں ان کی زندگی کا سرمایہ تھیں اور اپنے سرمائے کے تحفظ کے لئے انہوں نے بساط بھر ہر ممکن کوشش کی تھی حالانکہ یہ مثال صادق تو نہیں آتی اس ماحول پر لیکن کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ انہوں نے چوکیداری دے دی تھی...... یعنی بچیاں اگر کسی سے دھوکا کھا جاتیں تو برائی پیدا ہو سکتی تھی لیکن انہوں نے اپنی بچیوں کو بتا دیا تھا کہ دھوکا کیا چیز ہوتی ہے...... نقصان کیسے ہو جاتا ہے......؟ اس طرح دونوں بچیوں کا کردار بے داغ رہا تھا اور انہیں اطمینان تھا کہ وہ کہیں دھوکا نہیں کھائیں گی...... بہرحال مومل کا معاملہ بالکل مختلف تھا اور مشعل اپنی بہن کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تعلق صرف دل کا یا دماغ کا نہیں ہے...... بات تو روح کی گہرائیوں تک اتر چکی ہے اور جب روح کی گہرائیاں متاثر ہو جائیں تو پھر دل یا دماغ سے سمجھانا ممکن نہیں ہوتا، بلکہ روح کی طلب پوری کرنے کی کوشش کرنا ہوتی ہے اور مشعل یہی کوشش کرنے کے لئے اپنا فرض پورا کرنا چاہتی تھی...... دونوں قیمتی کار میں بیٹھ کر حاصل شدہ پتے پر چل پڑیں...... اس خوبصورت کوٹھی پر پہنچیں تو مشعل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بے حیثیت انسان نہیں ہے وہ بڑی خوبصورت کوٹھی میں رہتا

ہے وہ...... جس شخص سے پہلے دونوں کی ملاقات ہوئی وہ بھی اپنی مثال آپ تھا...... زبردست جسامت کا مالک عمر رسیدہ لیکن اندازہ ہوتا تھا کہ عالم جوانی میں قابل دید ہوگا، چہرے پر ایک تقدس ایک وقار ماہ و سال کی تجربے کاری دونوں لڑکیوں کو پر احترام نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو...... ؟ پہلی بار آئی ہیں اس لئے یہ سوال کر رہا ہوں یا شاید میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"وہ شاہ گل صاحب یہیں رہتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"ہمیں ان کے اہل خاندان سے ملنا ہے، آپ برائے کرم کیا یہ بندوبست کر سکتے ہیں۔"

"آیئے...... میرا نام غلام خیر ہے...... نام کا بھی غلام ہوں کام کا بھی غلام، بس یوں سمجھ لیجئے گا کہ غلام خیر شاہ گل کا خاندانی خیر خواہ ہے۔" آیئے مشعل اور مومل اس شخص کی گفتگو سے بے حد متاثر ہو کر اس کے ساتھ اندر چل پڑیں...... ایک خوبصورت اور آراستہ ڈرائنگ روم میں انہیں دو خواتین نظر آئیں...... ایک کا چہرہ معصومیت اور پاکیزگی کی تصویر...... دوسری کا چہرہ عمر کی تجربے کاری کا آئینہ دار...... دونوں آپس میں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں...... غلام خیر کے ساتھ دو نوجوان لڑکیوں کو دیکھ کر دونوں کے چہروں پر استقبالیہ تاثرات پیدا ہو گئے...... زلیخا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کون ہیں یہ دونوں غلام خیر بھائی...... آؤ بیٹے...... کس سے کام ہے آپ لوگوں کو...... غلام خیر آپ نے بتایا نہیں کہ کون لوگ ہیں یہ۔"

"شاہ گل میاں کی شناسا ہیں اس سے ملنے آئی ہیں۔"

"آؤ آؤ بیٹھو...... غلام خیر بھائی آپ دیکھئے شاہ گل اپنے کمرے میں ہوں تو انہیں یہاں بھیج دیجئے...... بچیو...... بیٹھو یہاں اور نام بتاؤ اپنا۔" صنوبر بھی کھڑی ہو گئی تھی اس کے انداز میں آج بھی جنگلی پھولوں کی ادا تھی اور اس کے وجود سے خانہ خیل کی خوشبو اُٹھتی تھی۔

آنکھوں میں ایسا سحر کہ ایک نگاہ دیکھ کر انسان مسحور ہو جائے...... مسکراہٹ میں بس سادگی کہ دیکھنے والی نگاہ چپک کر رہ جائے۔ مشعل اور مومل کی کیفیت بھی ایسی ہی ہوئی تھی...... پہلے زلیخا کے سامنے سر جھکایا پھر صنوبر کے پاس پہنچیں تو زلیخا نے کہا۔

"یہ شاہ گل کی امی ہیں بیٹھو......" صنوبر نے پذیرائی کی اور دونوں لڑکیاں بیٹھ گئیں...... ایک لمحے کے اندر اندر احساس ہو گیا تھا کہ سرداروں کے خاندان سے مل رہی ہیں...... بعض شخصیتیں اپنی تصویر آپ ہوتی ہیں...... صنوبر ایسی ہی تھی اور ویسے بھی خانہ خیل کے پہاڑوں کی خوشبو زلیخا کے وجود میں بھی بسی ہوئی تھی...... عزت دار گھرانے کے عزت دار افراد اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور اس مقام کے لئے کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ زمین اور مٹی خود بولتی ہے...... مومل اور مشعل اس بات کو اچھی طرح جان چکی تھیں کہ ایک عزت دار گھرانے میں آئی ہیں...... زلیخا نے کہا۔

"بیٹی...... آپ لوگ شاہ گل کو کیسے جانتی ہیں؟"

"اماں...... آپ۔"

"ہاں میں شاہ گل کی دادی ہوں...... ان کے بارے میں تو بتا ہی چکی ہوں کہ شاہ گل کی والدہ ہیں...... اگر آپ کو معلوم ہے تو ٹھیک ہے بیٹے ورنہ میں آپ کو بتا دوں کہ شاہ گل کے والد یعنی میرا بیٹا علی نواز مر چکے ہیں...... وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"اوہ......" دونوں لڑکیوں کے منہ سے نکلا...... پھر مشعل نے کہا۔

"یہ میری چھوٹی بہن مومل ہیں...... شاہ گل کے ساتھ ہی انہوں نے کالج سے فائنل کیا ہے...... ایک ہی جگہ تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں، اس لئے ایک دوسرے کے شناسا ہیں، معاف کیجئے گا شاہ گل اگر موجود ہوں تو انہیں ہماری آمد کی اطلاع دے دیجئے گا۔"

"بیٹھو بیٹھو، شاہ گل بھی آ جائیں گے، ہم جو ہیں زلیخا نے کہا...... نجانے کیوں ان بچیوں کو دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی تھی، ویسے بھی گھر کے ماحول میں ایک خاموشی اور سناٹا سا تھا...... یہاں کوئی نہیں آتا تھا...... زندگی چند افراد میں محدود تھی، وہ جو بہت ہی قریب

تھے اپنی حرکتوں سے بہت دُور ہو چکے تھے...... غرض کے متوالے اپنی ذات میں مگن، کسی سے ملیں تو دل میں لالچ کے سوا اور کچھ نہ ہو اور ایسے لوگوں سے بھلا کیا دوستی رکھی جائے، ماں بیٹوں کا رشتہ تھا، آجاتے تھے تو زلیخا ان سے مل لیا کرتی تھی، ورنہ سچی بات ہے کہ دل سے دُور ہو گئے تھے اور جب کوئی دل سے دُور ہو جاتا ہے تو اس کی قربتیں بے مقصد ہی قرار پاتی ہیں...... بہر حال مومل اور مشعل بیٹھ گئیں اور بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں کہ ایک دوسرے سے شناسائی ہوتی رہی، صنوبر تو آج تک ہی اتنی معصوم تھی جتنی معصوم اپنے گھر سے آئی تھی...... بس کچھ غم سینے میں سجے ہوئے تھے، کبھی دُکھی ہوتی تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور اس کے بعد پھر وہی زندگی کا معمول، جیسے ایک رسی بندھی ہو اور آہستہ آہستہ ماہ و سال اسے کھینچ رہے ہوں...... بہت دیر ہو گئی غلام خیر واپس نہیں آیا تھا، زلیخا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بات صرف کالج کی دوستی کی نہیں ہے بلکہ دونوں حسین لڑکیاں، کسی اندرونی جذبے کے تحت تلاش کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہیں، چنانچہ غلام خیر کو بھیج دیا گیا تھا پھر خاطر مدارت کا سلسلہ شروع ہوا، مومل اب کچھ اُلجھنے لگی تھی، لیکن دونوں خواتین کا اخلاق ایسا بے مثال تھا کہ کچھ کہتے نہیں بن پڑ رہی تھی...... جب تمام کام ہو گئے تو آخرکار مشعل نے کہا۔"

"دادی جان، آپ نے اور آنٹی نے جس طرح ہمارا خیر مقدم کیا ہے، ہم اسے کبھی نہیں بھولیں گے، واقعی آپ لوگ بے مثال مہمان نواز ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ ہم نے سرداروں کے گھر قدم رکھا ہے، آنٹی کیا شاہ گل گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"آؤ ذرا ہو سکتا ہے وہ اپنے کمرے میں ہو، من موجی ہے، تھوڑا سا مختلف فطرت کا مالک آجاؤ صنوبر نے کہا اور دونوں لڑکیاں اپنی جگہ سے اُٹھ گئیں...... تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے جب وہ شاہ گل کے کمرے کے پاس پہنچیں تو اندر سے ستار بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی...... صنوبر رُک گئی ایک لمحے کے لئے اس کے قدم ٹھٹکے تو مشعل نے کہا۔

"کیا ہوا آنٹی۔"

"وہ...... وہ مصروف ہے۔"

"کہاں ہے ان کا کمرہ؟"

"وہ سامنے والا ہے۔"

"ہم دیکھ لیتے ہیں۔"

"آؤ، صنوبر نے کہا اور دونوں لڑکیاں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئیں...... شاہ گل کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے ستار کی دُھنیں سنیں اور تینوں پر ایک وجدان سا طاری ہونے لگا، ایک آفاقی نغمہ تھا جو وقت کی مناسبت سے فضا میں تحلیل ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے بادل چھائے جا رہے ہوں، دھوئیں کا رتھ فضاؤں سے تیرتا ہوا زمین تک آیا ہو اور زمین کے باشندوں کو خود پر سوار کرا کے ہلکی ہلکی مدہم مدہم فضاؤں میں سفر کرنے لگا ہو، کچھ لمحوں کے لئے وہ کھو سی گئی تھیں...... کیفیت صنوبر کی بھی ایسی ہی تھی اپنی فطرت کے مطابق اس نے کبھی بیٹے کی کھوج نہیں کی تھی، اس کی بہت سی کیفیتوں سے ناواقف تھی، ستار کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی لیکن موسیقی کا جادو برحق ہوتا ہے اور اس جادو نے ان لوگوں کو متاثر کیا تھا، لیکن پھر صنوبر ہی سنبھلی، اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا، شکر تھا کہ شاہ گل اس وقت مردانہ لباس میں ہی تھا...... ستار اس کے پہلو میں رکھا ہوا تھا اور اس کے مشاق ہاتھ تاروں میں گم تھے اور آنکھیں بند بس یوں لگتا تھا کہ جیسے پورا وجود ساکت ہو، صرف انگلیاں گردش کر رہی ہوں...... یہ نغمہ آفاقی نغمہ تھا اور درحقیقت جب تک وہ جاری رہا، کسی کی جرات نہ ہوئی کہ اس میں مداخلت کرے...... شاید نغمہ ہی ختم ہو گیا اور آہستہ آہستہ انگلیاں اپنا سفر طے کر کے ساکت ہو گئیں، لیکن شاہ گل اسی طرح گردن جھکائے بیٹھا تھا، لگتا تھا کسی ماہر سنگ تراش نے ایک آفاقی مجسمہ تراشا ہو اور اسے یہاں نصب کر دیا گیا ہو، سانسوں تک کی جنبشیں محسوس نہیں ہوا کرتی تھی، بہت دیر اسی طرح گزر گئی، پھر آہستہ آہستہ شاہ گل نے آنکھیں کھولیں، حسین آنکھیں خوابوں میں ڈوبی ہوئی، گلابی ڈوروں سے سجی ہوئی، وہ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا اور جب یوں بھی دیر گزر گئی تو صنوبر نے آگے بڑھ کر کہا۔"

"گل دیکھو کون آیا ہے۔"

شاہ گل نے کھوئی کھوئی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آ اپنے رین بھئی چھوندیس
بن کے پنچھی بھئے باورے، ایسی بین بجائی سانورے
تار تار کی ناد نرالی، جھوم رہیں سب بن کر ڈاری

اس کی کھوئی کھوئی آنکھوں میں خواب جیسی کیفیت تھی اور وہ عجیب سی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا..... صنوبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"گل تمہارے مہمان آئے ہیں، لیکن شاہ گل کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں اُبھرا..... وہ بدستور اسی طرح ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اور اس پر ایک ہلکی سی کپکپاہٹ سی طاری تھی، پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔"

دل بنفسی کو خیالوں میں گھیر رکھا ہے
کہ جیسے چاند کو تاروں میں گھیر رکھا ہے

"ہوش میں آؤ، شاہ گل، یہ دیکھو دونوں بیچاریاں بہت دیر سے آئی ہوئی ہیں..... تم سے ملنا چاہتی ہیں..... تمہاری کالج کی ساتھی ہیں۔"

شاہ گل نے ایک بار پھر اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھا، مومل کا چہرہ اتر گیا تھا تو گل آہستہ سے بولا۔"

"مگر میں انہیں نہیں جانتا، میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا، دونوں لڑکیوں کے چہرے اُتر گئے تھے، مشعل نے مومل کا ہاتھ پکڑا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی..... شاہ گل بدستور پتھرایا ہوا سا بیٹھا تھا، پھر اس نے گردن جھکائی اور ستار کے تاروں کو چھیڑنے لگا..... صنوبر دونوں لڑکیوں کو شرمندہ ہو کر دیکھ رہی تھی، پھر اس نے دونوں کے ہاتھ پکڑے اور پیچھے ہٹ آئی..... ستار کے تار نغمہ چھیڑنے لگے تھے..... مومل نے روندی ہوئی آواز میں کہا۔"

"معافی چاہتی ہوں آنٹی، شاہ گل نے ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیا..... نجانے انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے۔"

"تم میرے ساتھ آؤ، دل کو چھوٹا نہ کرو، میں بتاتی ہوں تمہیں شاہ گل کے بارے میں آؤ میرے ساتھ آؤ، تم بلاوجہ شرمندہ ہو رہی ہو، کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں..... صنوبر ایک بار پھر دونوں کو اس جگہ لے آئی جہاں زلیخا بیٹھی ہوئی تھی مسکرا کر بولی۔"

"میں بھی آ رہی تھی تم لوگوں کے پاس، پتہ نہیں تم لوگوں نے مجھے یہاں کیوں چھوڑ دیا، کیا ہوا ملاقات ہو گئی اس سے۔"

مومل کی گردن جھک گئی تو صنوبر نے کہا۔"

"نہیں وہ اس وقت اپنے آپ میں نہیں ہے۔"

زلیخا کا چہرہ ایک دم ست گیا ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی تھی مشعل نے کہا۔

"ہمیں اجازت دیجئے۔"

"ارے واہ ایسے کیسے جا سکتی ہو، بیٹھو کتنے عرصے سے بیٹا تم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ پڑھتے ہو؟"

"کافی دن ہو گئے۔"

"ارے بیٹھو بیٹھو، تم بددل ہو گئی ہو، میں تمہیں بتاتی ہوں تمہاری بددلی دُور ہو جائے گی..... ہم بدنصیب لوگ ہیں بیٹی، وہ بس پیدائشی طور پر ہی ایسا ہے..... کچھ ایسے حالات میں اس نے جنم لیا کہ اس کی شخصیت میں ایک جھول آ گیا..... کبھی کبھی بہک جاتا ہے..... ہمیں نہیں پہچانتا..... ہم جن کے درمیان اس نے آنکھ کھولی ہے، بہت سی کوششیں کر کے زلیخا اور صنوبر نے دونوں لڑکیوں کو کسی حد تک نارمل کر دیا لیکن پھر بھی مومل کا چہرہ اترا ہوا تھا..... شیراز صاحب کے بارے میں بات ہوتی رہی، خاصی دیر کے بعد اچھی طرح خاطر مدارت کر کے انہوں نے لڑکیوں کو اٹھنے دیا تھا..... مشعل باہر آ گئی اور اس کے بعد وہ سلام کر کے

رخصت ہو گئی، لیکن مومل کا سر کار کی پشت سے ٹکا ہوا تھا۔"

"مومل، کچھ بات کرنی ہے تم سے مجھے، جس کیفیت کا شکار نظر آ رہی ہو، میں اسے بہتر نہیں سمجھتی ہوں۔"

"باجی معافی چاہتی ہوں، آپ سے آپ کی بھی توہین ہوئی۔"

"نہیں ..... دوست کہتی ہو مجھے تو دوستوں کی طرح بات کر دیا مجھ سے پوچھو کہ میرا تجربہ کیا بولتا ہے۔"

مومل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو مشعل نے کہا۔

"ہو سکے تو مومل اس خیال کو دل سے نکال دو، میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔"

"کیا مطلب باجی۔"

"دیکھو میرا تجربہ بہت وسیع نہیں ہے، لیکن اس کے اندر درویشیت ہے، اس کے ستار کی تاروں میں سارے زمانے کا درد سمیٹا ہوا ہے، وہ اس زمین کا باشندہ نہیں ہے..... مومل میرے الفاظ کو نہ تو شاعرانہ درجہ دینا، نہ مظلومیت کی بات سمجھنا جو حقیقت میری نگاہوں نے دیکھی ہے اس کے تحت بات کر رہی ہوں، وہ جب اپنے جزم میں ہوتا ہے تو دنیا فراموش کر بیٹھتا ہے، ایسے انسانوں سے محبت کرنا پتھروں سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے، میری بہن اگر میرے بس میں ہو تو کائنات کی ہر خوشی تیرے قدموں میں لا ڈالوں، لیکن یہ حقیقت میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں، اس سے منہ نہیں موڑا جا سکتا، وہ درویشیت کی طرف مائل ہے اس سے دل نہ لگا۔

مومل نے عجیب سی نگاہوں سے مشعل کو دیکھا اور پھر خاموشی سے گردن جھکالی۔

زلیخا اور صنوبر کو دونوں لڑکیاں بہت پسند آئی تھیں..... رات کے کھانے پر شاہ گل بالکل ٹھیک حالت میں تھا، بڑا چہکتا ہوا اماں اور دادی کے پاس آ کر بیٹھا تھا۔"

"سبزیاں دل کو سبز کرتی ہیں، آپ لوگوں کا یہ انداز مجھے بہت پسند ہے، یہ سبزیاں کس نے پکائی ہیں؟"

"سبزیاں کسی نے بھی پکائی ہوں، لیکن تم دلوں کے سبزے مرجھا دیتے ہو۔" زلیخا نے کہا..... "غلام خیر چونک کر زلیخا کو دیکھنے لگا اور شاہ گل نے کہا۔"

"دیکھا، بڑے چچا ہماری دادی حضور کس طرح گل افشانی کرنے لگی ہیں۔"

"ایک بات بتاؤ یہ مومل کون ہے؟" شاہ گل نے چونک کر زلیخا کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"میرے ساتھ تعلیم حاصل کرتی رہی ہے۔"

"تمہیں علم ہے کہ دونوں بہنیں آئی تھیں۔"

"کیا واقعی وہ یہاں آئی تھیں، شاہ گل نے حیران لہجے میں کہا۔"

"کیوں واقعی سے کیا مراد ہے؟"

"آپ لوگ یقین کیجئے میرے ذہن میں مٹے مٹے سے نقوش ہیں، مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دونوں یہاں آئی ہیں لیکن اعتماد سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ میرا سوچا ہوا سچ ہی ہے۔"

"دونوں یہاں آئی تھیں اور تم نے انہیں نہ پہچان کر انہیں کافی بددل کر دیا، اسی وقت ایک ملازم نے آکر بتایا۔"

"ساجد حیات صاحب آئے ہیں...... "ملنا چاہتے ہیں۔

"ارے تو باہر کیوں بیٹھا ہے وہ اسے اندر لے آؤ، کہو سب لوگ کھانا کھا رہے ہیں ادھر ہی آجائے۔"

کچھ لمحوں کے بعد ساجد حیات اندر آگیا۔

"واہ اتنی خوبصورت میز سجی ہو اور وقت بھی کھانے کا ہو تو بھلا کون انتظار کرے ساجد حیات ہاتھ دھو کر میز پر بیٹھ گیا تو زلیخا نے کہا۔"

"ہاں بات ہو رہی تھی مومل کی، ساجد نے چونک کر زلیخا کو دیکھا اور بولا۔

"کیا میں بھی اس گفتگو میں شریک ہو سکتا ہوں۔"

"تم مومل کو جانتے ہو۔"

"جی کیوں نہیں...... بہت اچھے خاندان کی بچی ہے ساتھ ہی پڑھتی ہے۔"

"ان حضرت نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔"

"کیوں؟"

"بس، ستار کے تاروں میں گم ہو کر ماضی کا سفر کر رہے تھے۔"

"تب تو یہ قابل معافی ہیں، ان کے جذب کو سمجھنے والے کبھی ان کی کیفیت سے ناراض نہیں ہوں گے۔"

"مگر وہ بڑی دُکھی ہو کر گئی ہے، دونوں بہنیں آئی تھیں ایک کا نام مشعل ہے۔"

"جی جی...... میں نے سنا ہے ان کا بھی نام۔"

"سمجھاؤ اسے کسی کا دل اس طرح نہیں توڑتے، بڑی پیاری بچیاں ہیں انہوں نے ہمارے دل میں گھر کر لیا ہے۔"

"تو آپ انہیں اپنے گھر میں لا کر رکھ لیجئے گا نا، شاہ گل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ارادہ تو ہے دیکھیں گے...... دیکھیں گے زلیخا نے کہا، لیکن پھر ایک دم اس نے الفاظ دبا لئے، شاہ گل کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی، اس کی آنکھوں میں ایک خواب آلود کیفیت نمودار ہو گئی تھی، اپنی جگہ سے اٹھا اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر باہر نکل گیا، زلیخا اور صنوبر سمجھ گئی تھیں کہ بات دل کو جا لگی ہے اور اس کے بعد انہوں نے کچھ نہ کہا، البتہ ساجد حیات کہنے لگا۔"

"دادی اماں بہت بار یہاں آیا ہوں، بہت سی باتیں پوچھنے کے لئے دل چاہا ہے لیکن آپ یقین کریں حد ادب بر قرار رکھی ہے...... ماشاء اللہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اس گھر میں رونقوں کا بسیرا ہے اور یہ رونقیں بہتر مالی حالات سے ہی پیدا ہوتی ہیں...... یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شاہ گل اس گھر کا اکلوتا چراغ ہے، اس کی اس کیفیت پر ڈاکٹروں سے مشورہ کیوں نہیں کیا آپ نے؟"

زلیخا نے صنوبر کی طرف دیکھا، غلام خیر جلدی سے بولا۔

"ہو سکتا ہے نوجوان نسل کے لوگ ان باتوں کو ہمارا وہم سمجھتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ گل کا معاملہ بالکل مختلف ہے، وہ کچھ ایسے جذب کا شکار ہے جس کے بارے میں صاحب علم لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس جذب کو اس سے چھیننے کی کوشش کی گئی تو شاید وہ زندگی کھو بیٹھے۔"

"خیر آپ بزرگ لوگ ہیں بھلا آپ سے کیا بحث کر سکتا ہوں میں، اتنا ضرور کہوں گا کہ میرا دل کہتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے شاہ گل ایک مہذب اور نفیس ترین فطرت کا انسان ہے، کوئی ایسی معمولی سی گرہ اس کے ذہن میں ہے جس سے وہ اس قدر متاثر ہے، وہ گرہ دور ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... آپ مجھے اجازت دیجئے کسی ماہر نفسیات سے اس کے بارے میں بات کروں۔"

"اس سلسلے میں بہت کچھ کیا جا چکا ہے ساجد میاں، بہتر ہے کہ ایسی کوئی جلد بازی نہ کریں ہم تو قدرت کے فیصلوں کا انتظار کر رہے ہیں، اسی سے دعا کرتے ہیں دن رات کے

ہماری اس کوروشنی کو قائم رکھے اور اسے ذہنی جلا بخشے، تھوڑا سا انتظار کر لیتے ہیں دیکھو پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

"جی جی، میں دیکھوں اسے۔"

"ہاں کیوں نہیں اور اس کے بعد ساجد حیات باہر نکل گیا لیکن اب نہ تو وہ اپنے کمرے میں تھا، نہ عمارت میں، بعد میں پتہ چلا کہ کار لے کر نکل گیا ہے اور گھر میں نہیں ہے، ساجد حیات اسے شب چراغ کا پیغام دینا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں ہو سکا تھا، کیا ہے اس شخص کے اندر کون سی ایسی بات ہے اس دن شب چراغ کے کوٹھے پر جو اس نے سماں باندھا تھا اور گرو دانیال جیسے نامی گرامی شخص کو دیوانہ کر دیا تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، کوئی ایسی گہرائی ضرور ہے اس شخص کے اندر جس تک دوسروں کا پہنچنا ایک مشکل کام ہو، ساجد حیات نے ایک گہری سانس لے کر سوچا۔" بگڑے ہوئے معاشرے کا ایک اچھا دوست تھا۔

ساجد حیات کی ناکامی کا ان لوگوں کو علم ہو گیا...... بہر حال وہ دوبارہ آنے کے لئے کہہ گیا تھا، اس کے جانے کے بعد زلیخا نے غلام خیر سے کہا۔

"بھائی غلام خیر...... غلام خیر نے غمزدہ نگاہیں اٹھا کر زلیخا کو دیکھا۔ پھر بولا۔

"کچھ نہ کہیں بھابی صاحب...... جو کچھ آپ کہنا چاہتی ہیں میں سمجھتا ہوں...... آپ کے خیال میں ہمارے اس درد کی کوئی دوا ہو تو ضرور بتایئے...... میرے پاس اب دعاؤں کے سوا کچھ نہیں رہ گیا ہے۔" زلیخا نے گردن جھکا لی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

اس کے دل و دماغ پر وحشت سوار تھی، اپنی شاندار پجارو دوڑاتا ہوا وہ کسی نامعلوم سمت کو جا رہا تھا، نہ کسی راستے کا تعین تھا، نہ کسی اور احساس کا حامل، بس دماغ سادہ کتاب کی مانند تھا اور وہ دور سے دور نکل جانا چاہتا تھا، جب تک ذہن ساتھ دیتا رہا، کار دوڑاتا رہا اس کی نگاہیں کسی منزل کی تلاش میں بھٹکتی نہیں رہی تھیں، بس سفر...... سفر...... سفر، فرار...... حالات سے، وقت سے فرار، یہاں تک کے داہنی سمت ایک کھنڈر نظر آیا، ٹوٹی پھوٹی سیاہ دیواریں، جن کے عقب میں سمندر موجیں مارتا ہوا قرب وجوار میں ریت کے ٹیلے اور ان پر اُگے ہوئے خودرو پودے، بدصورت، بدنما پجارو کا رُخ اسی جانب ہو گیا اور کچھ لمحوں کے بعد وہ کھنڈر کے سامنے ایک اونچی جگہ رُک گئی، سڑک کوئی تین سو گز کے فاصلے پر تھی، کھنڈر بہت قدیم معلوم ہوتا تھا...... مغلیہ دور کی کوئی تعمیر لگتی تھی، لیکن انتہائی بوسیدہ، بڑی بڑی چوڑی سرخ سلیں، ایک دوسرے پر گری ہوئیں، راستے بالکل ناہموار، ہاں کچھ حصے ضرور سالم تھے...... ایک بڑی سی چھت جو ستونوں پر رُکی ہوئی تھی سمندر کی قربت نے دیواروں کو کائی زدہ اور سیاہ کر دیا تھا، غالباً ریگستان ہونے کی وجہ سے گرمی تھی...... شدت پر ہوتی ہو گی، اس لئے کائی سوکھ کر کالی ہو گئی ہو گی، یہ الگ بات ہے کہ رات کی شبنم یا سمندر کی نمی اس میں پھر نمی پیدا کر دیتی ہو گی، کھنڈر کے کئی رخنوں سے چھوٹے چھوٹے پودے جھانک کر جیسے شرارت کر رہے تھے، جن کی جھنکار یہاں تک پہنچ رہی تھیں، کچھ گلہریاں پتھروں پر دوڑ رہی تھیں اور کبھی کبھی رُک کر اس مخلوق کا جائزہ لے رہی تھیں جس کی یہاں آمد کی وجہ ان کی

سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، لیکن یہ ماحول یہ سارا منظر یہ شاہ گل کو بھی محسوس ہو رہا تھا، جیسے یہ خاموشی اس کی روح کا سکوت ہو، جیسے اس خاموشی میں اس کی روح زندگی پا رہی ہو، کتنا سکون ہے یہاں، زمین کو ہوا کی جھاڑو نے شفاف کر دیا تھا اور خاک کا ایک ذرہ بھی یہاں موجود نہیں تھا، شاہ گل یہاں پر رک کر کھڑا ہو گیا..... دیواروں کو تکتا رہا پھر بیٹھ گیا، بیٹھ کر اس نے جوتے اتار دیئے اور زمین پر سیدھا سیدھا لیٹ گیا..... آہ مٹی کس قدر مہربان ہوتی ہے، یہ وجود کو تخلیق کرتی ہے اور پھر وجود کو اپنی آغوش میں سمو لیتی ہے، اس طرح ایک مخرور کو اپنے وجود میں قبول کر لیتی ہے جیسے اسے اس سے کوئی شکایت ہی نہ ہو اور جب مکمل تنہائی ہو اور اپنی ذات میں مٹی کی تخلیق کا احساس پھر یہ مٹی اتنا ہی سکون دیتی ہے جتنا سکون خلاؤں میں ہوتا ہے اور اس وقت شاہ گل ایسا ہی محسوس کر رہا تھا..... ہوش و حواس قائم تھے، خود پر غور بھی کر سکتا تھا، اپنے ماضی کے بارے میں بھی سوچ سکتا تھا، اب تو کوئی احساس اس سے پوشیدہ نہیں تھا، وہ جانتا تھا کہ وہ انوکھی مخلوق ہے جسے اس دنیا کے مہذب معاشرے میں پناہ نہیں مل سکتی، وہ ایک معجرت کی حیثیت سے بے شک زندگی گزار سکتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے، وہ اس سے کہیں گے کہ وہ زندگی سے اتنا دور کیوں ہے؟ کوئی جواب نہیں دے پائے گا وہ انہیں، مومل ایک ایسا حسین وجود جس کا تصور ہی زندگی بخشتا ہے، آج کی بات نہیں تھی غالباً یہ اس کی طلب ہی تھی، اس کا جذب، اس کی محبت، اس کا احساس ہی تھا، جس نے مومل کو اس کی جانب متوجہ کیا تھا، مومل اس کی بہت سی آرزوؤں کا مقصد تھی، لیکن وہ آرزوئیں جنہیں وہ اپنے احساس سے بھی پوشیدہ رکھتا تھا، بھلا ان آرزوؤں کا صلہ کیا مل سکے گا اسے یا مومل کو، زندگی کی ایک طلب ہوتی ہے..... انسان کا ایک احساس ہوتا ہے، زمانے کی ایک کہانی ہوتی ہے اور یہی کہانی دنیا میں آگے بڑھنے کا باعث ہوتی ہے لیکن اس کے راستوں کی لکیر تو محدود تھی، اس لکیر کی دوسری جانب کچھ بھی نہیں تھا، تاریکی جس میں سبز رنگ گھلے ہوئے تھے یہ سبز رنگ ناقابل فہم تھے کیونکہ تاریکی خالی تاریکی ہی ہوتی ہے وہ اس سبز رنگ کو تلاش کرتا تھا لیکن اس میں کچھ نہیں پاتا تھا اور یہیں سے

اس کا ذہن بھٹک جاتا تھا، میں ان سبز گہرائیوں میں کیوں نہیں جھانک سکتا؟ ان کی تہہ میں کیا ہے، بس یہ احساس اسے جنون میں مبتلا کر دیتا تھا، مومل کی قربت کیا اس کا تصور بھی جاں بخش تھا لیکن آج تک اس نے مومل پر اس کا اظہار نہیں کیا تھا..... یہ احساس تو اس نے اپنی کائنات میں سب سے قیمتی سرمائے کے طور پر اپنے سینے میں چھپا رکھا تھا، پر مومل یہ سمجھتی تھی کہ وہ اس کی جانب راغب نہیں ہے..... اس وقت بھی وہ مومل سے بھاگا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کائنات سے اتنا دور چلا جائے کہ ہر احساس، ہر خیال پیچھے رہ جائے، یہ جگہ اسے بڑی سکون بخش لگ رہی تھی، یہاں وہ اپنی مملکت کا شہنشاہ تھا، یہاں وہ اپنے آپ سے بات کر سکتا تھا تو اس نے خود سے پوچھا۔"

"شاہ گل محبت تو ایک ایسی چیز ہے جو انسان کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا، پتہ نہیں بدن میں کون سی ایسی شے موجود ہے جس میں محبت کا ذخیرہ ہوتا ہے..... لوگ دل کو اس احساس سے منسوب کرتے ہیں، کون جانے دل کے کون سے گوشے میں یہ جذبے چھپے ہوتے ہیں، دوسری چیز دماغ ہے، جسے محبت کے معاملے میں بے قصور قرار دیا گیا ہے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ دماغ محبت کا دشمن ہے کیونکہ وہ اس کے بارے میں بھی سوچتا رہے، بہت دیر تک اسی طرح بیٹھا سوچتا رہا، جس ہال میں اسے یہ جگہ ملی تھی اس کے عقبی حصے میں دو حجرے بنے ہوئے تھے اور ان کا رخ سمندر کی جانب تھا، سمندر سے آنے والی ہوائیں ان حجروں سے گزرتی تھیں اور اس طرح پھیل جاتی تھیں کہ جیسے سمندر کے پانی سے شراب کشید ہو رہی ہو اور اس کا نشہ فضا میں منتشر ہو، اس نشہ آلود ماحول نے تھکے ہوئے ذہن کو سکون بخشا اور اس کے بعد ایسی نیند آئی کہ دنیا سے بے خبر ہو گیا، نیند اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہے، جب تک مسلط رہے اور یہ تسلط مسلسل قائم تھا کہ رات گزری اور صبح ہو گئی لیکن سمندر کی سمت ہواؤں نے ذہن کو جاگنے نہ دیا، ہاں دوسرے عجیب واقعہ نے اس نیند کو توڑا اور واقعہ یہ تو کہ دور دراز کے علاقوں کا گشت کرنے والی موبائل لمبا چکر کاٹتی ہوئی اس سڑک سے گزر رہی تھی جس سے تین سو گز کے فاصلے پر ساحل سمندر سے کچھ دور یہ عمارت واقع تھی، شاہ

گل کی پیجارو اگر نمایاں جگہ نہ کھڑی ہوتی تو یقیناً پولیس آفیسر کی نگاہیں اس پیجارو کو نہ دیکھ سکتی تھیں، لیکن انسپکٹر نے سب سے پہلے اسے دیکھا اور ڈرائیور کو اشارہ کیا، پولیس موبائل سڑک پر رُک گئی، ڈرائیور اور دوسرے کانسٹیبلوں نے انسپکٹر کی نگاہوں کے تعاقب میں کھنڈر کی طرف رُخ کر کے دیکھا اور پیجارو انہیں نظر آ گئی۔"

"اُدھر لے چلو، اس گاڑی کا یہاں ہونے کا مقصد ہے کہ کوئی واردات، کچھ ہوا ہے ضرور۔" پولیس والوں نے اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لئے...... رائفلوں کے بولیٹ چڑھا لئے گئے اور انسپکٹر نے پستول ہاتھ میں لے لیا...... ڈرائیور احتیاط کے ساتھ ریتلے ٹیلوں کے درمیان بنے ہوئے راستے پر موبائل دوڑانے لگا...... پیجارو کے ٹائروں کے نشانات اب بھی کہیں کہیں، جگہ جگہ موجود تھے...... پھر پولیس موبائل پیجارو سے کوئی 30 گز فاصلے پر رُک گئی...... کانسٹیبل نیچے کود پڑے اور دُور دُور تک پھیل کر پوزیشنیں لے کر انسپکٹر کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے...... پولیس آفیسر اپنی طبیعت کے مطابق آگے کا سفر کر رہا تھا...... دو رائفل بردار عقبی سمت بھی بھیج دیئے گئے تھے...... پھر پولیس آفیسر نے کھنڈرات میں قدم رکھا، آگے بڑھتا چلا گیا وہ لوگ چپے چپے کی تلاشی لے رہے تھے...... تھوڑی ہی دیر کے بعد انہوں نے اس لاش کو دیکھ لیا جو زمین پر پڑی ہوئی انسپکٹر کی متجسس نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں، پھر آہستہ آہستہ وہ لاش کے قریب پہنچ گیا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ لاش کے بدن پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا، وہ اس کے قریب پہنچ کر جھکا اور اس نے لاش کا تنفس دیکھنے کے لئے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا تو اچانک ہی اس کی کلائی پر ایک تھپڑ سا پڑا اور وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا...... شاہ گل حیرت سے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا...... انسپکٹر نے چیخ کر کہا۔"

"خبردار...... خبردار ہتھیار نکالنے کی کوشش مت کرنا، ورنہ......"

شاہ گل نے پہلے انسپکٹر کو، پھر اطراف میں موجود تین سپاہیوں کو دیکھا جو رائفلوں کا رُخ اس کی جانب کئے ہوئے تھے...... ایک لمحے کے لئے وہ بوکھلا گیا پھر رفتہ رفتہ اسے صورت حال کا احساس ہوا، وقت کا جائزہ لیا اس نے اور اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا...... طبیعت اس

وقت کچھ بہتر معلوم ہو رہی تھی، انسپکٹر گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، کہنے لگا۔"

"کیا کر رہے ہو صاحب زادے یہاں؟"

"عبادت" اس نے جواب دیا۔

"کون سے مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟"

"خدا کے فضل سے مسلمان ہوں۔"

"مگر یہ جگہ مسجد تو نہیں ہے۔"

"مسجد کسے کہتے ہیں ایک سجدہ گاہ کو نا اور سجدے کے لئے ہر جگہ جائز قرار دی گئی ہے...... بس دل میں خلوص ہو اور اگر دل میں خلوص نہ ہو تو کہیں بھی سجدہ کرو، جاننے والی ذات تو وہی ذاتِ باری کی ہے کہ تمہارے سجدے قبول ہوئے کے نہیں۔" میں نے اس صاف شفاف جگہ کو اپنی سجدہ گاہ بنا لیا ہے کوئی اعتراض ہے بھائی۔"

"چرب زبانی کر رہے ہو، ٹھیک کر دوں گا تمہیں۔"

"نہیں، نہ میں چرب زبانی کر رہا ہوں، نہ تم مجھے ٹھیک کرنے کی بات کرو، نہ تم تلخ ہو نہ میں تلخ ہوتا ہوں...... آؤ میٹھی باتیں کریں...... تم نے میری گاڑی دیکھی ہو گی اور یہاں آ گئے ہو گے...... میں یہاں ان کھنڈرات میں کوئی جرم نہیں کر رہا...... سکون کی تلاش میں بھٹکتا ہوا انسان ہوں...... سکون ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آ گیا ہوں...... اگر چاہو تو میرا نام پتہ نوٹ کر لو، معلومات کر لو میرے بارے میں۔" علم حاصل کرتا رہا ہوں...... گھر سے خوشحال ہوں بس۔"

"ہوں...... کیا نام ہے؟"

"شاہ گل ہے میرا نام......" بس اور طبیعت میں اُلجھن نہ پیدا کرو، جاؤ گاڑی میں میرے کاغذات بھی پڑے ہوئے ہیں، گاڑی میرے ہی نام ہے اور بہت عرصے سے ہے، میں ان اُلجھنوں میں نہیں پھنسنا چاہتا...... بس یہیں رہوں گا مجھے لے جانے کی کوشش بھی مت کرنا، چاہو تو ان کھنڈرات کی تلاشی بھی لے لو...... میں یہاں کوئی جرم کرنے کے لئے

نہیں رکا ہوا ہوں۔"

انسپکٹر خود بھی ایک سلجھا ہوا انسان تھا، تھوڑی سی کارروائی کے بعد اس نے بہت ہی نرم لہجے میں کہا۔"

"شاہ گل صاحب ایسے ویرانے کبھی کبھی برے لوگوں کا مسکن بھی بن جاتے ہیں...... آپ نوجوان لڑکے ہیں، کہیں کوئی جرائم پیشہ لوگ آپ کو نقصان نہ پہنچادیں۔"

"تھوڑا سا وقت اور گزاروں گا یہاں، یہ موسم، یہ ہوائیں اچھی لگ رہی ہیں بس دل بھر جائے گا تو چلا جاؤں گا۔"

انسپکٹر ساتھی کانسٹیبلوں کو اشارہ کر کے واپس چلا گیا تھا اور شاہ گل خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے جیپ کو سڑک پر چڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد پولیس موبائل نگاہوں سے اوجھل ہو گئی، شاہ گل نے ہوا برسانے والے سوراخوں سے دور سمندر کو دیکھا، بہت دیر تک اس کے پاس کھڑا رہا، پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔"

"تو ازل سے بے قرار ہے کبھی اپنی بے قراری کے لئے سکون تلاش کیا، کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جب تو ساکن ہو جاتا ہے، کیا مجھے بتائے گا کہ وہ سکون کے لمحات کہاں سے حاصل کئے جاتے ہیں، دیکھ یہ پتھر کی دیوار ہے، یہ دیوار مومل ہے، مومل تمہارے سامنے میں دل کی بات شاید کبھی نہیں کہہ سکوں گا...... تم میری آرزو ہو مومل، میری پسند ہو تم، پتہ نہیں کب سے تمہیں چاہتا ہوں اور پتہ نہیں کب تک چاہتا رہوں گا، لیکن مومل میں نے نہیں، دنیا نے نہیں، تقدیر نے مجھے ایک زخم دے دیا ہے...... ایسے زخم کیا بھر جاتے ہیں مومل، میرے تو وہ بھی نہیں ہیں جو میرے بارے میں اس انداز میں سوچیں اور میں...... پتہ نہیں میں کبھی اس انداز میں سوچ سکوں گا کہ نہیں، وہ کہاں چھپ گئے ہیں، جن کے جسموں پر سیاہ چادر ہوتی ہے، جن کے چہرے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، وہ مدد کے لئے آتے ہیں، مدد کرتے ہیں، شفا بخشتے ہیں اور فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں...... مومل مجھے انہی کی تلاش ہے، میں انہیں ہی چاہتا ہوں، کیا وہ ملیں گے مجھے کبھی...... پتھر کی دیوار تو مومل ہے، میرا راز اپنے سینے میں رکھنا، غدار، یہ راز کبھی باہر نہ جانے پائے اور مومل میں تم سے ملنے کے لئے اکثر یہاں آتا رہوں گا، میرا انتظار کیا کرنا، ٹھیک ہے، اچھا چلتا ہوں۔ "خدا حافظ"...... انسپکٹر شریف آدمی تھا لیکن ہو سکتا ہے وہ میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے میرے گھر تک جا پہنچیں، اس سے پہلے کہ لوگ میری تلاش میں منتشر ہوں گھر تو چلنا ہی چاہئے نا۔"

اور پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکلا، پیجارو سٹارٹ کی اور سست رفتاری سے اسے ساتھ لئے ہوئے گھر کی جانب چل پڑا۔"

upload by salimsalkhan

رات کا دوسرا پہر تھا...... مشعل اتفاقیہ طور پر جاگ گئی تھی...... نجانے کیوں طبیعت پر کچھ بے چینی سی سوار ہوئی تو کمرے سے باہر نکل آئی...... موحل کے کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی...... مشعل کو حیرت ہوئی، واپس پلٹ کر کمرے میں لگی گھڑی میں ٹائم دیکھا...... سوا دو بج رہے تھے، بے چینی کچھ اور بڑھ گئی...... اس وقت ذہن میں کچھ خاص خیال نہیں آیا تھا...... تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی موحل کے دروازے پر پہنچی، دروازہ بھی کھلا ہوا تھا...... ایک دم رُک گئی...... جھانک کر اندر دیکھا تو موحل کی پشت نظر آئی، کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی باہر سناٹے میں گھور رہی تھی...... مشعل کے دل کو ایک جھٹکا سا لگا...... زندگی میں بہن کے علاوہ اور کچھ تھا ہی نہیں، ماں مر چکی تھی...... شیراز صاحب بھی اکثر بیمار رہتے تھے، لیکن اپنے کاموں میں مصروف ہوتے تھے، اس لئے گھر سے ان کا رابطہ بہت کم تھا...... بیماری کے باوجود ذمہ داریاں تو پوری کرنی ہی ہوتی ہیں، حالات برے نہیں تھے لیکن بیٹیوں کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے...... فکر انسان کی تقدیر بن جاتی ہے اور ہر لمحہ یہ خیال رہتا ہے کہ پتہ نہیں آنے والے وقت میں کیا کیا کچھ کرنا پڑے...... مشعل موحل کے لئے ماں کا درجہ رکھتی تھی...... ہر طرح کا خیال رکھتی تھی اس کا، اس وقت بھی بے چین ہو گئی۔ نیند سے جاگی تھی اس لئے ایک لمحہ تک تو کچھ خیال نہیں آیا لیکن دوسرے لمحے بات ذہن میں آ گئی...... اس نے درد بھرے انداز میں سوچا کہ موحل کو روگ لگ چکا ہے لیکن یہ آخر شاہ گل ہے کیا چیز...... بے شک ایک خوبصورت ترین نوجوان ہے...... حسن و جمال میں یکتا بظاہر طبیعت کا بھی سادہ لوح معلوم ہوتا ہے، لیکن اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے...... اداکاری کرتا ہے کھوئے کھوئے رہنے کی، غالباً

سمجھتا ہوگا کہ لڑکیاں اس طرح کسی انوکھی شے کی جانب متوجہ ہوتی ہیں...... طبیعت سنبھال کر رکھ دوں گی...... کیا کمی ہے میری بہن میں، خود کو کیا سمجھتا ہے کچھ بھی تو نہیں ہے، دیکھ لوں گی...... خود بات کروں گی اس سے الگ لے جا کر پوچھوں گی کہ آخر کون سی آسمان سے بڑی لے کر آتا ہے اسے مگر اس کی ماں اور دادی تو بہت ہی اچھی تھیں...... کتنے پیار سے انہوں نے ہم لوگوں کا استقبال کیا تھا...... خیر موحل تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... میں تیرے لئے سب کچھ کر لوں گی، وہ ہے کیا چیز تو آسمان پر سے تارے توڑنے کے لئے کہے گی تو میں وہ بھی توڑ لاؤں گی...... بہن اسی طرح ساکت و جامد کھڑی ہوئی تھی...... آخر کار مشعل سے نہ رہا گیا...... آگے بڑھی تو قدموں کی چاپ سن کر موحل نے گردن گھمائی اور پھر جلدی سے بے اختیار سے آنسو صاف کرنے لگی تو مشعل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تجھ سے زیادہ بڑی نہیں ہوں لیکن بچپن سے تیرے آنسو میں خود ہی صاف کرتی آئی ہوں، اب یہ کام تو خود کیوں کرنے لگی...... اپنے آنسو مجھے پونچھنے دے، چاہے یہ آنسو آنکھوں سے بہے ہوں یا دل سے، پاگل تو کیا سمجھتی ہے...... تیری آنکھوں کے آنسو ہی دیکھ سکتی ہوں میں، اری باؤلی میری نگاہیں تو تیرے دل کے آنسوؤں پر بھی ہیں...... موحل سسکتی ہوئی بہن سے پلٹ گئی اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں تو مشعل نے کہا۔

"نہیں موحل...... نہیں دیکھ ایک بات کہوں تجھ سے رونا دھونا بند کرے تو تجھے گر کی بات بتاؤں...... ارے یہ کیا بے وقوفی لگا رکھی ہے تو نے، یہ تو چٹکیوں کا کام ہوتا ہے...... یہ مرد آخر ہیں کیا چیز، ہم عورتیں چاہیں تو لمحوں میں انہیں الو کی دم بنا دیں...... معمولی سی بات ہے سارے کام چٹکی بجاتے ہوتے ہیں...... یوں...... یوں مشعل نے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے لئے چٹکی بجائی اور پھر جھلا کر بولی۔"

"یہ کم بخت چٹکی بجانا مجھے آج تک نہیں آیا...... نجانے کتنی بار کوشش کی سب بجاتے ہیں اور میں بے وقوفوں کی طرح کھڑی منہ دیکھتی ہوں، تو مجھے چٹکی بجا کر دکھا وہ موحل کو ہنسانے کی کوشش کرنے لگی...... موحل نے چہرہ ہٹایا اور مشعل کو دیکھنے لگی پھر بولی۔"

"میں نے ماں کو نہیں دیکھا مشعل تو ماں ہے یا بہن ہے کون ہے تو۔"

"سب کچھ ہوں تیری...... اری باؤلی! تجھے تو اصل میں شاہ گل کے بجائے مجھ سے عشق کرنا چاہئے تھا، ایسی سچی عاشق ہوتی تیری کہ دنیا مثال دیا کرتی۔"

"دنیا تو اب بھی مثال دیتی ہے مشعل ہم دونوں بہنوں میں محبت تھوڑی ہے...... ہمارے درمیان تو عشق ہے۔"

"غلط...... مشعل موول کا ہاتھ کھینچتی ہوئی مسہری تک لے آئی اور اسے بٹھاتی ہوئی بولی۔"

"غلط بالکل غلط۔"

"کیوں۔"

"جناب عشق صرف ایک سے ہوتا ہے دو سے نہیں...... آپ مجھ سے عشق کرتی ہیں یا شاہ گل سے...... یہ بتایئے موول کی گردن جھک گئی تو مشعل نے ہنستے ہوئے کہا۔"

"نہیں...... نہیں...... خیر اب میں برا تھوڑی مانوں گی جو دل میں ہے وہ کہہ ڈالو حالانکہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے...... ارے ہم سمجھتے ہیں اور اچھی طرح سمجھتے ہیں...... دعوئی کئے جاتے ہیں عشق کہ ہم سے اور لاٹری نکل آئی ہے جناب شاہ گل کی۔"

"باجی وہ ہے کیا چیز...... آخر وہ کیا ہے۔"

"موول دیکھ جلد بازی اچھی چیز نہیں ہوتی، ہوسکتا ہے اپنے حسن پر نازاں ہو...... ہوسکتا ہے خود کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہو...... ویسے بڑے لوگ تو ہیں وہ یہ بات تو ہم مانتے ہیں، مگر ہم بھی تو کسی سے کم نہیں ہیں...... ہمارا اپنا ایک معیار ہے...... ایک زندگی ہے...... تعلیم ہے ہمارے ہاں، ویسے ان لوگوں کے بارے میں اندازہ میں نے لگایا ہے تو کچھ یوں اندازہ ہوتا ہے جیسے پہاڑی سردار وغیرہ ہوں...... معلومات کریں گے رفتہ رفتہ، تو تو اتنی پریشان ہوگئی کہ مجھے بھی پریشان کردیا...... پگلی دنیا میں کون کسی سے محبت نہیں کرتا...... محبتیں کامیاب بھی ہوتی ہیں، بشرطیکہ اسے کامیاب بنانے والے ہوں اور میں ہوں تیرے لئے جان کی بازی لگادوں گی، پر شرط ہوگی آنسو نہیں چلیں گے، بالکل نہیں چلیں گے...... آنسو

سمجھیں اور وہ حضرت اگر وہ اپنے آپ کو بہت بڑا ڈرامے باز سمجھتے ہیں تو ہم ڈرامے باز کیا نہیں، جناب بلکہ ہم فلم ساز ہیں...... وہ ڈرامہ کریں گے تو ہم فلم بنادیں گے...... موول کو ہنسی آگئی تھی اور مشعل کی روح میں ٹھنڈک اترنے لگی تھی، یہی کوششیں تو کر رہی تھی مگر بات تو وہی ہوتی ہے...... نجانے کب تک مشعل موول کے پاس بیٹھی رہی تھی اور پھر اسے خوب سمجھا بجھا کر وہاں سے چلی گئی تھی...... موول بظاہر سونے کے لئے لیٹ گئی تھی، لیکن بار بار یہ مصرعہ اس کے ہونٹوں پر آرہا تھا۔

کہ ہوئی ہے حضرت ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرکوئے یار گزری ہے

دل یہی چاہ رہا تھا کہ اڑ کے کسی طرح بھی شاہ گل کے پاس پہنچ جائے، اس سے دل کا حال کہہ ڈالے...... بتائے تو سہی اسے آج تک شاہ گل کے سامنے زبان نہیں کھولی تھی اس نے، نگاہوں کا مفہوم کون سمجھتا ہے...... اب تو وقت ہی گزر گیا ہے...... جب تک دل کی بات زبان پر نہ لائی جائے کسی کو سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے، کیا کرنا چاہئے میرا خیال ہے اب کہ شاہ گل سے ملاقات کر کے دل کھول ہی دیا جائے...... اس کے سامنے ورنہ صورت حال خراب ہو جائے گی...... دوسرے دن اس نے اپنے آپ کو خوش ظاہر کرنے کی کوشش کی...... مشعل نے اسے دیکھا وہ بھی خوش ہوگئی، آنکھیں بند کر کے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی جیسے کہہ رہی ہو کہ ایسا ہی تو میں چاہتی ہوں چنانچہ مشعل مطمئن ہوگئی...... یہ دن بھی پرسکون گزرا، موول کے اندر کی کیفیت جو کچھ بھی تھی وہ اپنی جگہ تھی لیکن باہر سے وہ اپنے آپ کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتی رہی...... دوسرے دن مشعل کو کوئی مصروفیت تھی، صبح کو گھر سے نکلتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں اپنے ساتھ تو نہیں لے جاسکتی تمہیں لیکن اگر دل چاہے تو گھوم پھر آنا، میں چھوٹی گاڑی لے جارہی ہوں...... موول نے گردن ہلادی...... دن کے دس بجے تک وہ سوچتی رہی کہ کیا کروں...... شیراز صاحب جاچکے تھے...... آخر کار دل مچل اٹھا سوچا کہ آج ذرا شاہ

گل سے وہ دو ہاتھ ہو ہی جائیں۔۔۔۔ تیار ہوئی اور کار لے کر چل پڑی، راستے میں سوچتی رہی تھی کہ کس طرح سارے کام کرے گی۔ آج تو مشعل بھی نہیں ہے، کئی بار دل پر ہچکچاہٹ سوار ہوئی۔۔۔۔ دنیاداری بھی کوئی چیز ہے، وہاں دو حسین دل کی مالک عورتیں موجود ہیں، کیا سوچیں گی وہ اس کے بارے میں یہ کہ دل کی ماری ہوئی ایک لڑکی دلدار کے پاس دوڑی چلی آئی ہے۔۔۔۔ پوچھیں گی کہ کیسے آنا ہوا تو کیا جواب دے گی۔۔۔۔ شاہ گل کے گھر کا دروازہ سامنے تھا، لیکن ہمت نہ پڑی پیچھے ہی ایک درخت کے نیچے گاڑی روک دی اور بیٹھی سوچتی رہی۔۔۔۔ رنگین شیشے چڑھالئے تھے۔۔۔۔ گزرنے والے دیکھیں گے کہ اسٹیرنگ پر ایک لڑکی خاموش بیٹھی ہوئی ایک گھر کے دروازے کو تک رہی ہے تو دل میں کیا سوچیں گے سی آئی ڈی کا نمائندہ سمجھیں گے یا پھر پاگل، لیکن وہ ہی باتیں تھیں۔۔۔۔ اندر جاؤں تو کیسے بڑی مشکل ہو جائے گی، کیا کرنا چاہئے، کیا نہیں کرنا چاہئے۔۔۔۔ بہت وقت گزر گیا دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے دوپہر ہو گئی۔۔۔۔ اس کے بعد سورج کا ڈھلان آ گیا۔۔۔۔ اس وقت کوئی ساڑھے تین بجے تھے، جب اچانک ہی عقب میں ایک کار آ کر رکی اور اس سے مشعل نیچے اتر آئی۔۔۔۔ قریب پہنچی تو مومل کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔۔۔۔ مشعل نے انگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا اور دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تو مومل نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔۔۔۔ مشعل برابر کی سیٹ پر آ بیٹھی اور مومل کا چہرہ دیکھنے لگی، بہت دیر تک وہ اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"ہوں پانی بھی نہیں پیا ہوگا۔"

"ایں مومل کے منہ سے بمشکل تمام آواز نکلی۔"

"ہونٹ خشک ہو رہے ہیں، آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے ہیں۔۔۔۔ ملازم نے بتادیا تھا کہ صبح کی گھر سے نکلی ہوئی ہو۔۔۔۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں اور نہیں گئیں۔۔۔۔ یہاں کھڑی ہوئی ہو بتاؤ کیا ایسا ہی ہے مومل نے مشعل کو دیکھا، آنکھوں میں آنسو تیر آئے اور اس کے بعد اس نے آہستہ سے گردن ہلادی۔"

"گردن کیوں ہلا رہی ہو جواب دو میری بات کا مشعل غصے سے بولی۔"

"مشعل۔"

"نہیں بالکل نہیں تم نے مجھ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔"

"مشعل۔"

"میں نے کہا نا۔۔۔۔ بالکل نہیں اس وقت تمہارا یہ لہجہ مجھے متاثر نہیں کر سکتا، ادھر آئیں تھیں تو اندر کیوں نہیں گئیں۔"

"ہمت نہیں پڑی۔"

"اور اس کم ہمتی سے تم شاہ گل کو حاصل کر لوگی۔"

"تو کیا میں اندر چلی جاتی۔۔۔۔ مومل نے معصومیت سے کہا اور مشعل ہنس پڑی۔۔۔۔ نہیں نہیں ظاہر ہے محبوب کے گھر کے دروازے کی چوکیداری بھی تو کرنی ہے ناں اور چوکیدار بھی ایسا جو کار میں بیٹھ کر چوکیداری کر رہا ہو۔۔۔۔ مومل کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔"

"باجی میری ہمت نہیں پڑتی۔"

"ارے واہ! جب مکھن لگانے کا ٹائم آتا ہے تو باجی باجی شروع ہو جاتی ہو، ورنہ مشعل۔"

"وہ تو میں محبت سے کہتی ہوں۔"

"پہلے تو تم یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں محبت کس سے ہے مجھ سے یا شاہ گل سے۔"

"باجی پلیز پریشان نہ کریں۔"

"تم بے وقوف ہو۔"

"چلئے مان لیا۔"

"اب کیا خیال ہے حلیہ تو ایسا بنا رکھا ہے تم نے بھوکی پیاسی بیٹھی ہوئی ہو۔۔۔۔ پتہ نہیں کب سے پہلے یہ بتاؤ کہ کہیں لے جا کر تمہیں کچھ کھلاؤں یا پھر شاہ گل کے گھر چلا جائے۔"

"آپ یقین کریں باجی مجھے بالکل بھوک نہیں لگ رہی۔"

"ہاں سنا تو یہی ہے کہ محبت میں سب سے پہلے انسان ڈائٹنگ شروع کر دیتا ہے۔۔۔۔

یعنی بھوک پیاس ختم ہو جاتی ہے۔"

"آپ اُڑا لیجئے جتنا چاہیں میرا مذاق، لیکن پتا نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے خود بھی اپنے بارے میں سوچتی ہوں تو شرم آتی ہے...... مشعل تشویش زدہ نگاہوں سے مومل کو دیکھنے لگی تھی پھر اس نے کہا۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے حلیہ درست کروا نہی کے گھر چل کر کچھ کھائیں گے...... پیئیں گے، اب ایسے بھی بے مروت لوگ نہیں ہوں گے کہ چائے تک کے لئے نہ پوچھیں، ویسے بھی تھوڑی دیر کے بعد چائے کا وقت ہونے والا ہے...... مومل نے مشعل کو دیکھا اور پھر بولی۔"

"سوچ لیجئے ایک بار پھر ٹھیک رہے گا۔"

"سوچ لیا...... سوچ لیا...... اب ظاہر ہے مشکل آپڑی ہے کچھ نا کچھ تو کرنا ہی ہے۔"

"اور آپ کی کار وہ یہ نہیں سوچیں گی کہ دونوں بہنیں الگ الگ کاروں میں آئی ہیں۔"

"جی نہیں تھوڑی سی عقل میرے پاس موجود ہے، اس لئے کہ مجھے کسی سے عشق نہیں ہوا ہے...... میں اپنی کار یہیں چھوڑ دیتی ہوں...... آپ کی کار میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں...... واپسی میں اپنی کار ساتھ لے لوں گی...... مومل ہنس پڑی تھی...... پھر وہ بولی۔"

"تو کار میں ڈرائیو کروں۔"

"اگر ہمت ہو تو سامنے والے دروازے سے اندر جاؤ۔"

"نہیں ہے مومل نے کہا۔"

"تو پھر ہٹو سٹیرنگ سے مشعل بولی اور مومل دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی...... مشعل ڈرائیونگ سیٹ پر آگئی تھی...... مومل اس کے ساتھ بیٹھ گئی...... مشعل نے کار سٹارٹ کر کے آہستہ سے آگے بڑھا دی تو مومل بولی۔"

"پتہ نہیں کیا سوچیں گے وہ لوگ ہمارے بارے میں...... مشعل نے کوئی جواب نہیں

دیا تھا...... گیٹ پر پہنچ کر مشعل نے ہارن دیا تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا اور مشعل کار لے کر اندر داخل ہو گئی...... پورچ میں دوسری کار کھڑی ہوئی تھی...... مشعل اور مومل نیچے اتر آئیں...... سب سے پہلے غلام خیر نے ہی انہیں دیکھا تھا، اس کے چہرے پر استقبالیہ تاثرات پیدا ہو گئے...... اس نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا، آگے بڑھا تو دونوں نے اسے سلام کیا۔"

"وعلیکم السلام! بی بی آئیے اندر آجائیے۔"

"جی! مشعل بولی اور پھر غلام خیر کی رہنمائی میں نشست کے اس کمرے میں پہنچ گئیں جو ڈرائنگ روم نہیں تھا، لیکن اس وقت زلیخا اور صنوبر دونوں وہیں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں...... مشعل اور مومل کو دیکھا تو دونوں کے چہرے استقبالیہ مسکراہٹ سے آراستہ ہو گئے...... زلیخا نے کہا۔"

"ارے واہ! یہ ہوتی ہے نا اپنائیت...... میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم دوبارہ آنے سے گریز کرو گی، لیکن بڑی خوشی ہوئی تمہیں دوبارہ یہاں دیکھ کر...... آؤ بیٹھو اب تو میں تمہیں ڈرائنگ روم میں بھی نہیں لے جاؤں گی، اس لئے کہ جس اپنائیت کا ثبوت تم نے دیا ہے اس کے بعد ڈرائنگ روم کی گنجائش نہیں رہتی۔"

"نہیں دادی جان آپ لوگوں کو دیکھ کر گئے تو یوں لگا جیسے نجانے یہ چہرے کب کے شناسا ہوں...... آپ کا لہجہ اور گفتگو آپ یقین کیجئے یہ مومل تو ہمت ہی نہیں کر پا رہی تھی، کہہ رہی تھی کہ نجانے کیا سوچیں گی، وہ لوگ اتنی جلدی جلدی جانا ٹھیک تو نہیں ہے لیکن میں نے کہا کہ کچھ نہیں سوچیں گی، آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہوتا ہے وہ لوگ اتنے اچھے ہیں کہ ان کے بارے میں برے انداز میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"اتنی ساری باتیں، زلیخا ہنس پڑی تو مشعل نے کہا۔"

"کچھ زیادہ بول گئی ہوں دادی جان میں۔"

"ہاں بھئی اور اس کی وجہ بھی ہے۔"

"جی؟ مشعل حیرت سے بولی۔"

"تم اتنا زیادہ اس لئے بول رہی ہو کہ تمہیں یہ احساس ہے کہ تم جلدی آ گئی ہو، سب سے پہلے تو یہ احساس اپنے دل سے نکالو...... انسان جب کہیں جاتا ہے تو اس جانے کی کوئی وجہ ہوتی ہے...... کوئی اپنائیت ہوتی ہے، کوئی پیار ہوتا ہے...... سوچ سمجھ کر ہی ہر شخص قدم اٹھاتا ہے، اب تم یہاں جو آئی ہو تو سوچ سمجھ کر ہی آئی ہو گی...... کیا فائدہ بلاوجہ ان تکلفات سے۔"

"دادی جان...... مشعل شرمندگی سے بولی اور زلیخا ہنسنے لگی پھر مشعل نے کہا۔"

"دادی جان آپ کے تجربے کو بھلا کوئی چیلنج کر سکتا ہے۔"

"کوشش نہ کرنا ظاہر ہے عمر جو تجربہ دیتی ہے، بیٹا وہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"چلئے ٹھیک ہے آپ کی مرضی دوبارہ بھی کبھی آؤں تو یہ مت سمجھئے گا کہ جلدی جلدی آ رہی ہوں...... بس ٹھیک ہے محبت ہے آ رہے ہیں، ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیں گی چلے جائیں گے۔"

"خدا نہ کرے اچھا بتاؤ کیا کھاؤ گی کیا پیو گی۔"

"بات چیت محبت اور اپنائیت کی ہے تو آپ جو کھلائیں گی وہ کھائیں گے۔"

"میں انتظام کرتا ہوں غلام خیر نے کہا اور باہر نکل گیا...... مشعل نے کہا۔"

"اصل میں اس وقت تو ہم کچھ عجیب سے انداز میں آئے تھے...... یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں آپ لوگ کس طرح پیش آئیں یا اس گھر میں کون کون ہو مگر یہاں تو سارے کے سارے اچھے لوگ ہیں...... یہ جو صاحب باہر گئے ہیں اصل میں اتنی محبت سے پیش آتے ہیں کہ لگتا ہے جیسے اپنے ہی خاندان کے کوئی بزرگ ہوں۔"

"سمجھنے کی بات ہے بیٹے، اب یہاں آئی ہو تو ظاہر ہے کسی جذبے کے تحت ہی آئی ہو گی...... اگر اپنے خاندان کا کوئی بزرگ سمجھ لو تو بھی کوئی بری بات نہیں ہے۔"

"توبہ توبہ بری بات کون کہہ رہا ہے...... دادی جان میں تو یہی کہہ رہی تھی لیکن ویسے ان سے تعارف نہیں ہوا۔"

"غلام خیر ہے ان کا نام بس سمجھ لو ہمارے لئے خیر کا نمونہ ہیں...... میرے شوہر کے

دوست ہیں اور میرے شوہر کی موت سے پہلے ہی سے ہمارے ساتھی ہیں...... ملازم نہ سمجھنا انہیں کبھی بھول کر بھی، بس یوں سمجھ لو سرپرست ہیں ہمارے اس گھر کی تمام ذمہ داریاں انہی کے شانوں پر ہیں۔"

"ٹھیک کتنے اچھے لوگ ہیں آپ سب بہت مختصر سا خاندان ہے دادی جان۔"

"نہیں خاندان تو وسیع ہے لیکن بیٹا آج کل کا دور ذرا مختلف ہو گیا ہے...... ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر بیٹھ گیا ہے...... ہر شخص اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور جب لوگ خود کو بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں تو پھر وہ انسان کم اور جانور زیادہ ہو جاتے ہیں...... ظاہر ہے جانوروں اور انسانوں کے درمیان گنجائش کہاں ہوتی ہے۔"

"ارے واہ دادی جان آپ تو بہت اچھی باتیں کر لیتی ہیں، بالکل سچ کہا آپ نے واقعی مومل تم بھی تو کچھ بولو ایسے بیٹھی ہو جیسے کہ بولنا ہی نہیں جانتی ہو۔"

"جی...... جی مومل نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔"

"لگتا ہے صبح سے بھوکی ہو بھوک کے عالم میں ہی تمہاری یہ کیفیت ہو جاتی ہے...... مشعل نے شرارت سے کہا اور مومل کا چہرہ اتر گیا...... اول تو زلیخا اور صنوبر تھیں ہی بہت اچھی طبیعت کی لیکن مشعل کی شرارت بھری باتوں نے انہیں اور زیادہ متاثر کر لیا تھا، چنانچہ دونوں ان دونوں لڑکیوں کی آمد سے بڑی خوشی محسوس کر رہی تھیں اور آہستہ آہستہ ان کی بے تکلفی بڑھتی جا رہی تھی...... مشعل زیادہ باتیں کر رہی تھی، مومل بھی ایک دو لفظ بولی تھی مشعل نے کہا۔"

"یہ...... یہ دادی جان ایک بات بتائیے بلکہ آنٹی آپ بتائیے...... یہ آپ کے صاحبزادے جو ہیں ناں کیا انسان بیزار ہیں...... صنوبر تو کچھ نہ بولی، زلیخا نے جلدی سے کہا۔"

"انسان بیزار نہیں بیٹا، وہ ذرا مختلف طبیعت کا مالک ہے اور یہ بات تم لوگ مجھ سے بلکہ ہم سے بہتر طور پر جانتی ہو گی...... اصل میں شاہ گل کا بچپن بھی کچھ عجیب سا گزرا ہے...... کچھ خاندانی معاملات ہیں ایسے جو ابھی نہ پوچھو تو زیادہ اچھا ہے...... ہاں اگر وقت ملا تو بعد میں تمہیں

بتادیا جائے گا..... بس سمجھ لو کے اس کے بعد سے شاہ گل کا مزاج کچھ ایسا ہی ہو گیا ہے۔"

"کبھی آپ کے ساتھ بھی بیٹھے ہوئے نظر نہیں آتے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے، بیٹھتا ہے ہمارے ساتھ لیکن ذرا فطرتاً کم گو ہے فنون لطیفہ سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہے، فطرت امیر خسرو سے بڑا عشق رکھتا ہے اور قدیم فنون لطیفہ سے خاصی رغبت رکھتا ہے، زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتا ہے..... ساز بجانے کا شوق ہے اسے اکثر اس کے کمرے سے یہی آوازیں سنائی دیتی ہیں، اپنے فن میں خود مست ہوتا ہے اصل میں فطری طور پر وہ فنکار ہے اور پتہ نہیں یہ جنون اسے کیسے سوار ہو گیا ہے، جبکہ ہمارے گھر میں کسی کا ایسی باتوں سے واسطہ نہیں رہا ہے..... ہم تو تلوار اور بندوق کے آدمی ہیں لیکن اس نے نجانے کیوں ستار سنبھال لیا ہے۔"

"خیر یہ تو فطری لطافت ہوتی ہے انسان کی، بندوق کی گرج اور تلوار کی کاٹ انسانوں کا کام تو نہیں ہے..... فنون لطیفہ تو فطرت کی لطافت کا حصہ ہوتے ہیں اور اگر شاہ گل ان کی طرف مائل ہیں تو یہ تو ان کی نرم فطرت کا ایک پہلو ہے۔"

"ہاں کہہ سکتی ہو اتنی دیر میں غلام خیر ملازم کے ساتھ کھانے پینے کی بہت سی اشیاء لے آیا اور مشعل نے ہنستے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔"

"چچا جان ویسے تو جدید زمانے میں ہر شخص کو لوگ انکل کہہ دیا کرتے ہیں، لیکن میں جانتی ہوں کہ انکل اور چچا جان میں بڑا فرق ہوتا ہے..... انکل ایک امپورٹیڈ چیز ہوتی ہے، باہر سے منگوائی ہوئی باہر کی چیزیں باہر ہی کی ہوتی ہیں اپنے ہاں چچا جان ہوتے ہیں اور جب ہم کسی کو چچا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو یقین کیجئے کہ منہ میں مٹھاس گھل جاتی ہے، لگتا ہے جیسے ایک سرپرست کا ہاتھ شانے پر یا سر پر آ ٹکا ہے..... غلام خیر ہنسنے لگا تو مشعل بولی بات یہ نہیں ہے کہ آپ اتنی ساری چیزیں ایک ساتھ لے آئے ہیں اور انہیں دیکھ کر ہماری رال ٹپکنے لگی ہے بلکہ آپ واقعی صورت سے چچا ہی معلوم ہوتے ہیں محبت بھرے ہوئے۔"

"جیتی رہو بیٹی اس کے علاوہ اور کیا کہوں گا۔"

"چلو اب شروع ہو جاؤ زلیخا نے کہا اور مشعل نے مومل کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم شروع ہو جاؤ مومل تمہارا مسئلہ ذرا مشکل ہے مومل پھر جھینپ گئی تھی، لیکن بہرحال زلیخا اور صنوبر انہیں کھلاتی رہیں اور انہوں نے بھی خوب ڈٹ کر ہی کھایا پیا اس کے بعد زلیخا کہنے لگی۔"

"تمہارے گھر میں کون کون ہے بیٹے اپنا تعارف نہیں کرایا تم نے۔"

"بس دادی جان آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم دو بہنیں ہیں اور اللہ کا نام ہے ابو شو بزنس کے آدمی ہیں اور شو بزنس میں کام کرنے والوں کا گھر سے تعلق کم ہی ہوتا ہے، ایک دو ملازم ہیں گھر میں اور بس ہم دو بہنیں ہیں..... مومل پڑھتی ہے، میں پڑھنا چھوڑ چکی ہوں گھر سنبھالتی ہوں بس یہ ہے ہماری زندگی۔"

"اور کوئی نہیں خاندان یا رشتہ داروں میں۔"

"نہیں خاندان میں تو لوگ ہیں بس وہی جیسے کہ آپ نے ابھی کہا نا کہ خاندان والے اچھے دوست نہیں ہوتے، بس پریشان زیادہ کرتے ہیں۔"

"ہاں یہ بات تو ہے پتہ نہیں رشتے اتنے بگڑ کیوں گئے ہیں..... زلیخا نے کہا اور مشعل صنوبر کو دیکھتی ہوئی بولی۔"

"آنٹی آپ بہت کم بولتی ہیں صنوبر نے گھبرا کر زلیخا کی طرف دیکھا تو زلیخا نے کہا۔

"ہاں واقعی صنوبر بہت کم بولتی ہیں، مومل نجانے کیوں اٹھ کر صنوبر کی طرف جا بیٹھی تھی۔"

"ویسے آنٹی آپ..... آپ کے والدین کہاں ہیں۔"

"نہیں ہیں صنوبر نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اوہ..... مطلب یہ کہ۔"

"ہاں وہ مر چکے ہیں۔"

"آنٹی ویسے آپ لوگ یہاں سے پہلے کہاں رہتے تھے۔"

"پہاڑوں میں صنوبر نے جواب دیا۔"

"اوہو باجی کا بھی یہی کہنا تھا آپ لوگ پہاڑی علاقوں کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں، اصل میں آنٹی آپ لوگوں کے چہروں پر پہاڑوں کا حسن نظر آتا ہے...... ترو تازہ کھلے ہوئے گلابوں کی مانند جبکہ شہروں میں اتنی تازگی نہیں ہوتی...... صنوبر نے گھبرا کر زلیخا کی طرف دیکھا اور زلیخا نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"حقیقت یہ ہے کہ صنوبر آج تک وہیں کی زندگی گزار رہی ہے اتنی ہی پیاری اتنی ہی معصوم زندگی جو پہاڑوں میں ہوتی ہے۔"

"اوہ یہ بھی تو ایک حسن ہے دادی جان۔"

"ہاں میری صنوبر اتنی حسین ہے کہ شاید میں الفاظ میں تمہیں نہ بتا سکوں۔"

"شاہ گل نہیں ہیں شاید ورنہ اب تک آتے تو سہی۔"

"ہاں نکل گیا ہے، کہیں عجیب مزاج کا آدمی ہے۔"

"کیا بتا کر نہیں گئے کہ کہاں گئے ہیں اور کب آجائیں گے...... ویسے باہر گاڑی تو کھڑی ہوئی ہے"۔

"ماشاءاللہ اس نے اپنے لئے الگ گاڑی خرید لی ہے۔"

"آنٹی ہم زیادہ باتیں تو نہیں کر رہے، ایسی باتیں جو خالص ذاتی نوعیت کی ہوں دیکھیں بات پتہ ہے کیا ہوتی ہے...... بات یہ ہوتی ہے کہ انسان شروع میں جب آپس میں کسی سے ملتا ہے تو وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتا ہے، ایک بار جاننے کے بعد دوبارہ اس کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ میں یونہی پوچھ رہی تھی اگر آپ کسی بھی بات کو یہ سمجھیں کہ بتانا مناسب نہیں ہے تو آپ یقین کیجئے بالکل نہ بتائیں...... میں دوبارہ کبھی نہیں پوچھوں گی۔"

"واہ! چلو ٹھیک ہے پوچھو۔"

"میرا مطلب ہے آنٹی آپ لوگوں کا ذریعہ معاش کیا ہے۔"

زمینیں ہیں جائیدادیں ہیں، ان کی آمدنی آتی ہے، بیٹے شاہ گل تو ابھی پڑھ ہی رہے ہیں اور پھر وہ جس مزاج کے آدمی ہیں تمہیں خود بھی اس کا اندازہ ہے۔"

"جی جی بہت دیر تک مشعل اور مومل ادھر بیٹھی رہیں اور جب شام جھکنے لگی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئیں...... بہر حال شیراز صاحب کی طرف سے ان کے لئے کوئی پابندی بے شک نہیں تھی، لیکن وہ خود بھی اس کا خیال رکھتی تھیں...... اجازت لے کر واپس چل پڑیں......

مومل کچھ اُداس سی تھی اپنی گاڑی تک پہنچتے پہنچتے اس نے کہا۔"

"سوری باجی آپ کو میری وجہ سے کتنی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔"

اچھا اب گھر چلو گھر چل کر باتیں ہوں گی...... مشعل نے کہا اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔

گرو دانیال سر شام ہی شب چراغ کے ہاں پہنچے تھے...... شب چراغ در حقیقت ان کی بڑی عقیدت مند تھی اور بہت ہی احترام کرتی تھی ان کا...... گرو دانیال کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ گرو جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو شب چراغ بولی۔

"پتہ نہیں...... گرو جی! آپ میرے دل کے اندر جھانک سکتے ہیں یا نہیں، لیکن گرو جی حقیقت یہ ہے کہ سینے میں دل کے پاس کوئی چھوٹی سی کھڑکی ہوتی اور انسان کو قسمیں کھانے کی ضرورت نہ پیش آتی، وہ کھڑکی کھول کر آسانی سے کسی کو یہ یقین دلا سکتا کہ اس کے سینے میں کسی کے لئے کیا مقام ہے تو گرو جی میں سب سے پہلے آپ کو، اپنے دل کی کھڑکی کھول کر دکھاتی...... گرو دانیال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شب چراغ کی بتائی ہوئی جگہ پر بیٹھ کر وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

انسان کی سوچ بہت چھوٹی ہے...... شب چراغ، وہ بہت ہلکے انداز میں سوچتا ہے جبکہ انسان کے مالک کی سوچ بہت وسیع ہے...... اگر دل کے قریب یا سینے پر یہ کھڑکی ہوتی، تو کیا ہر شخص اپنا سینہ کھولنا پسند کرتا۔

"میں سمجھی نہیں گرو جی!" شب چراغ نے گرو جی کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ کھڑکی ہے...... کھڑکی رکھی گئی ہے...... یہ الگ بات ہے کہ تم اسے غلط جگہ تلاش کر رہی ہو...... یہ کھڑکی تو آنکھوں میں ہے شب چراغ، آنکھوں میں، کیا سمجھیں...... کسی کی آنکھوں میں جھانک لو...... دل کی ساری کہانی سامنے آجاتی ہے۔" شب چراغ نے عقیدت

سے گردن ہلائی اور مسکرا کر بولی۔

"ہاں! گرو جی، ٹھیک کہتے ہیں آپ...... آخر ہیں نا گرو۔"

"اصل میں تم گرو کہتی ہو مجھے، مگر گرو دکشنا ابھی تک نہیں دی تم نے مجھے۔"

"گرو دکشنا؟"

"ہاں۔"

"کیا کہوں...... آپ سے گرو جی، میں تو آپ کو کچھ دینے کے قابل ہوں ہی نہیں، لیکن اگر میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں تو قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اس سے زیادہ خوشی مجھے کسی اور بات کی نہیں ہو گی۔"

"ایک چھوٹا سا کام کہا تھا تم سے...... تمہارے نزدیک وہ بے شک چھوٹا ہو گا، ہمارے لئے چھوٹا نہیں ہے۔"

"کون سا کام گرو جی؟"

"وہ اپنا لال شب چراغ کبھی نہیں ملا...... دوبارہ...... کیا بتائیں تمہیں شب چراغ دل کے تار اس سے بندھے ہوئے ہیں...... دل کہتا ہے کہ اسے حاصل کر لو، مگر بس، کیا کہا جائے اور کیا نہ کہا جائے۔"

"گرو جی آپ یقین کریں ساجد حیات ہی ایسا لڑکا ہے جو کبھی کبھی یہاں آجاتا ہے...... اب اس بات کا یقین تو آپ کو ضرور ہو گا گرو جی! کہ میں روایتی نہیں ہوں...... یہ نہیں ہے کہ ہر ایرے غیرے کو جو نوٹوں کی گڈیاں لے کر یہاں آگیا، اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کروں، کچھ اقتدار بھی ہیں میرے کچھ روایتیں، کچھ پابندیاں بھی ہیں جنہیں نگاہوں میں رکھتی ہوں...... وہ لڑکا ساجد حیات، کبھی کبھی آجاتا ہے، نو عمر ہے، میں کبھی اسے غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش نہیں کرتی...... یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کے گھر کا پتہ کبھی معلوم نہیں کیا اور اتفاق کی بات ہے کہ وہ بھی بہت دن سے نہیں آیا۔"

"سمجھ رہے ہیں...... سمجھ رہے ہیں، لیکن خیال رکھنا شب چراغ، پتہ نہیں، اس سے

دل کے تار کیوں جڑ گئے...... ویسے اس کی شخصیت بھی کچھ عجیب سی تھی...... دیکھو کب ملتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ روحانی تعلق ہوتا ہے انسان کا، لیکن ہماری رُوح نے ابھی تک ہمیں اس سے دُور ہی رکھا ہے، خیر! یہ ہماری یاقوت کہاں ہے۔"

"اندر ہے، پتہ نہیں چلا ہے اسے آپ کے آنے کا۔"

"چلے جاتے ہیں اس کے پاس۔"

"آپ حکم دیں تو میں اسے بلوادوں۔"

"تنہائی نہ ہوگی، بناوٹ کرے گی۔" گرو دانیال نے کہا اور شب چراغ خلوص سے مسکرا دی۔ گرو دانیال اٹھ کر یاقوت کے کمرے پر پہنچے تو یاقوت کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا، وہ بڑی مصروف تھی، کسی چیز پر سر جھکائے کام کر رہی تھی...... گرو دانیال کی عقب پر پہنچنے کی اسے خبر بھی نہیں ہوئی، لیکن گروہ دانیال نے جو کچھ دیکھا...... اسے دیکھ کر کسی قدر حیران سے ہو گئے...... خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ یاقوت کوئی ایسا کام کر رہی ہوگی......

سامنے کاغذ کی ایک بڑی شیٹ پر ایک تصویری خاکہ مسکرا رہا تھا اور یہ خاکہ، سو فیصدی، شاہ گل کا ہی تھا...... سو فیصدی وہی چہرہ، وہ شکل، اتنا حسین نقش، بہت کم ہاتھوں سے دیکھنے میں آتا ہے...... شاہ گل، اس کا مطلب ہے کہ یاقوت کے دل میں بھی جگہ بنا چکا تھا...... گرو دانیال کچھ لمحے تک جھکے اسے دیکھتے رہے، پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"یاقوت......" یاقوت بہت زور سے اُچھلی تھی...... اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے دانیال کو دیکھا اور پھر جلدی سے تصویر پر ایک کتاب رکھ دی، جو پاس ہی رکھی ہوئی تھی۔

"نہیں بیٹے...... ابھی تھوڑی دیر پہلے، شب چراغ سے بات ہو رہی تھی...... وہ کہہ رہی تھی کہ دل کی کھڑکی ہوتی تو اس میں موجود چہرے نظر آ جاتے اور میں اسے بتا رہا تھا کہ یہ کھڑکی جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے دل میں نہیں آنکھوں میں ہوتی ہے اور اس وقت میری بات کی اس طرح تصدیق ہو گئی کہ شاید مجھے بھی خود یقین نہ آئے...... دل کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور ایک نقش کاغذ پر ہے، جسے تم نے کتاب سے دبا دیا ہے...... بیٹے جو نقش دل پر

ہوتے ہیں، انہیں چھپایا نہیں جا سکتا...... کتاب بہت وسیع چیز ہے لیکن اس کے باوجود وہ آنکھوں کو نہیں چھپا سکتی...... یاقوت خاموشی سے گروہ دانیال کا چہرہ دیکھ رہی تھی...... ایک دم سنبھل کر بولی۔

"آداب عرض کرتی ہوں، گرو جی!"

"جیتی رہو بیٹا! آؤ بیٹھو، مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اس وقت، عبادت کر رہی ہوگی۔ ورنہ اس طرح دخل اندازی نہیں کرتا...... محبوب کی زیارت بھی عبادت ہی ہوتی ہے...... لوگ اگر یہ نہ سمجھیں تو یہ ان کی نا عقلی ہے، مگر بیٹا دوبارہ ملا یہ تمہیں۔" یاقوت نے معصومیت سے گردن ہلا دی تھی۔

"مجھے بھی نہیں ملا...... اچھا ایک بات بتاؤ۔"

"جی گرو جی!"

"دل میں آ گیا ہے یہ۔" یاقوت نے پھر خاموشی اختیار کر لی...... تو گروہ دانیال نے کہا۔

"کچھ ہوائیں ایسی ہوتی ہیں بیٹا جنہیں پکڑا نہیں جا سکتا، انسان کو ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے...... اگر یہ گرفت میں آنے والی ہوا نہ ہوئی تو کیا کرو گی تم۔"

"کچھ نہیں گروہ جی! ہم جیسے لوگ، بھلا کچھ کر سکتے ہیں اور جہاں تک آپ کا کہنا ہے گرفت کے آنے والی بات کے سلسلے میں تو گروہ جی اگر کچھ چہرے ہمارے دل پر نقش ہو جاتے ہیں تو ہم کبھی انہیں اپنی گرفت میں لانے کی بات نہیں کرتے، وہ جتنی بار ہمارے قریب آ جائیں ہمارا منافع ہوتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ بالا خانوں میں رہنے والیوں کے سینوں میں دل نہیں ہوتے، گرو جی کتنے کم عقلے لوگ ہیں یہ...... بتائیے گوشت پوست کے پتلے تو سبھی ہیں، یہ کم بخت دل اور اس دل میں کسی کی پسند، کسی کی یاد، یہ تو سبھی سے وابستہ ہے...... پھر یہ لوگ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔"

"تم نے خود ہی جواب بھی دے دیا ہے بیٹا۔"

"میں نے......"

"ہاں......"

"کون سا جواب، گرو جی۔"

"یہی کہ وہ کم عقلے ہیں۔"

"ہاں گرو جی! یہ تو میں سچ کہتی ہوں۔"

"تو اعتراف کر رہی ہے کہ یہ تیرے سینے میں آبسا ہے۔"

"ہاں گرو جی! بڑا انوکھا تھا وہ، بڑا عجیب، بہت خوبصورت، بہت ہی دلکش اور ہر حسین چیز، جو انوکھی ہو، پسندیدگی کا باعث بن ہی جاتی ہے، مگر گرو جی، مطلب یہ نہیں ہے دیکھئے میں نے اس کی تصویر بنالی ہے...... کافی ہے یہ میرے لئے، لوگ کہتے ہیں کہ دل کے آئینے میں تصویر یار ہوتی ہے...... میں سمجھتی ہوں ہوتی ہے، لیکن کبھی کبھی گردن جھکانے کی فرصت نہیں ملتی، میں اسے فریم کر کے اسے اپنے کمرے میں لگاؤں گی اور یہ سمجھوں گی کہ میری جتنی بساط تھی میں نے اپنے محبوب کو پالیا۔" یاقوت نے کہا اور گرو دانیال کا چہرہ عجیب سا ہو گیا...... جو بے بسی کی ایک ایسی مثال تھی، جس کا کوئی دوسرا جواب ممکن نہیں تھا...... وہ خاموشی سے یاقوت کو دیکھتے رہے پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"ہاں! اگر انسان بے بس نہ ہو تو پھر انسان نہیں پتہ نہیں کیا ہوتا ہے...... منہ سے الفاظ نکالوں تو کفر کی حد میں داخل ہو جاؤں، لیکن اس کفر سے بچنا چاہتا ہوں، بس تیری خیریت معلوم کرنے چلا آیا تھا...... یہ نیا دُکھ دل پر لے کر جا رہا ہوں۔"

"دُکھ؟"

"تو اور کیا، کوئی کسی کو چاہے، اور وہ اسے نہ ملے تو بہر حال، بات تو دُکھ کی ہے۔"

"یہ آپ کی سوچ ہے گرو جی! میرا خیال اس سے بالکل مختلف ہے، جو مزا گرو جی! یاد کر کے، تڑپتے رہنے میں ہے وہ پالینے میں نہیں ہے...... آپ تو بہت بڑے ہیں مجھ سے بہتر، آپ سمجھتے ہیں۔" گرو جی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ شیراز صاحب کو بیٹیوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت ملتی...... آج صبح کو انہوں نے ناشتے پر دونوں بیٹیوں کو بلا بھیجا تو مومل اور مشعل ان کے پاس پہنچ گئیں...... شیراز صاحب نے دونوں بیٹیوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بس یوں سمجھ لو کہ آج تمہارے لئے وقت نکالا ہے میں نے، بہت دن ہو گئے تھے تمہارے ساتھ بیٹھے ہوئے۔" نہ مومل مسکرائی نہ مشعل، دونوں خاموش رہی تھیں...... شیراز صاحب نے تعجب سے کہا۔

"خوشی نہیں ہوئی، تمہیں اس بات پر۔" مشعل نے نگاہیں اٹھا کر باپ کو دیکھا اور بولی۔

"ڈیڈی! باپ اگر بیٹی پر احسان کرے تو کیا بیٹیوں کو خوشی ہونی چاہئے۔"

"احسان؟"

"جی! معافی چاہتی ہوں...... آپ نے ابھی کہا ناں کہ بڑی مشکل سے آج آپ نے ہمارے ساتھ بیٹھنے کے لئے وقت نکالا ہے...... یہ کیا مشکل ہے ڈیڈی...... آپ بتانا پسند کریں گے۔"

"اوہو! ناراض ہیں ہماری بیٹیاں...... بھئی بات اصل میں یہ ہے کہ بیٹیوں کے باپ بڑے خوفزدہ ہوتے ہیں...... زمانہ جو رُخ اختیار کر چکا ہے، اس کے بارے میں ابھی تم صحیح اندازہ نہیں جانتی ہو گی مشعل...... بیٹیوں کو اچھا مستقبل دینے کے لئے باپ کو اپنے لئے صلیب تیار کرنا ہوتی ہے، پھانسی چڑھانا ہوتی ہے خود کو...... زمانہ اتنا برا ہو گیا ہے مشعل کہ

لوگ خدا کو بھول گئے ہیں...... بس سمجھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق کو جتنا تکلیف پہنچائیں ان کے لئے جائز ہے۔ اللہ ان سے کبھی نہیں پوچھے گا...... بات یہ ہے کہ میرے دل میں ہمیشہ تمہاری خواہش رہتی ہے، تمہارا خوف رہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنا وہ فرض پورا کر دوں جو مجھ پر عائد ہے، اس کے بعد سکون سے بیٹھوں۔"

"ہمیں کیا ملے گا ڈیڈی اس سے، ہم تو آپ کو کھو بیٹھے ہیں نا۔"

"ارے نہیں نہیں بیٹا، ایسی بات بھی نہیں ہے، اگر کبھی دل چاہا کرے تو کہہ دیا کرو مجھ سے...... سارے مشغلے ترک کر دوں گا، یہ ہماری مومل کو کیا ہوتا جارہا ہے...... اس کے چہرے کی شگفتگی کہاں چلی گئی، اچھا سمجھ گئے، ناراض ہے یہ بھی ہم سے...... ویسے چلو ٹھیک ہے، ہمارے سامنے ناراضگی کا اظہار ہمیں گوارہ، لیکن بھئی یہ ایسا چہرہ بنائے رکھنے کی نہیں ہو رہی، تم تو بہت دُبلی دُبلی نظر آرہی ہو ہمیں۔"

"نہیں ڈیڈی ٹھیک ہوں میں۔" مومل نے آہستہ سے کہا...... مشعل بہت دیر تک باپ سے باتیں کرتی رہی...... مومل نے بھی ایک ایک، دو دو، الفاظ باپ سے کہے تھے...... شیراز صاحب نے کہا۔

"ایک دلچسپ بات بتائیں تمہیں، تم تو خیر نہیں جانتی ہو گی۔ ہمارے ایک دوست ہیں اور بہت ہی گہرے دوست ہیں...... نام ہے ان کا اشتیاق رحیم، اشتیاق رحیم صاحب نے کہیں مومل کو دیکھ لیا تھا...... بہت ہی پسند کیا اسے، ابھی ملے تھے مجھے دو چار دن پہلے، کہنے لگے، بیٹا انگلینڈ میں ہے...... بہت اچھی ملازمت کر رہا ہے...... کمپیوٹر انجینئر ہے اور کمپیوٹر کے بارے میں تو تم یہ جانتی ہی ہو کہ زمانہ جدید کی چیز ہے...... انگلینڈ کی ایک بہت اچھی فرم میں ملازمت کرتا ہے کہہ رہے تھے کہ مومل انہیں دے دوں...... میں نے کہا بھائی وہ مانگنے کی چیز نہیں ہے اس کے لئے تو وظیفہ پڑھنا پڑتا ہے...... چلا کشی کرنی پڑتی ہے۔" ہنسنے لگے بولے۔

"بیٹا آجائے گا اس کے بعد اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا...... ویسے

مشعل بہت اچھے آدمی ہیں اشتیاق صاحب...... خود بھی ایک خوبصورت آدمی ہیں۔ بیٹا یقینی طور پر باپ کی تصویر ہوگا...... دیکھ لینا مومل ہی سے میرا ایک بوجھ تو ہلکا ہوگا۔" مجھے یقین ہے

مومل چھرائی ہوئی بیٹھی رہی...... شیراز صاحب بہت دیر تک مشعل سے باتیں کرتے رہے...... مومل اس گفتگو میں بہت کم حصہ لے رہی تھی، آخر کار وہ اٹھ گئے اور پھر بیٹیوں سے معذرت کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے...... مشعل، مومل کی صورت دیکھ رہی تھی...... مومل نے نگاہیں اٹھائیں، مشعل کو دیکھا اور ہنس پڑی...... مشعل کو اس ہنسی پر تعجب ہوا تھا...... مومل نے کہا۔

"کیسے معصوم ہیں، شعلوں کو ہوا دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مشعل تشویش زدہ نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی...... اسے اندازہ تھا کہ مومل اس وقت کیسی کیفیت سے گزر رہی ہو گی اور حقیقت بھی یہی تھی، ساری باتیں اپنی جگہ لیکن جو بات شیراز صاحب نے کہی تھی وہ تو مومل کے لئے بہت ہی خوفناک تھی...... بھلا اس کا کیا تصور ہو سکتا ہے کہ اگر دل کا مالک، توجہ نہیں دیتا تو اسے دل ہی سے نکال پھینکا جائے...... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، مومل بہت دیر تک سوچتی رہی اور اس کے بعد آخر کار اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ اب دل کی بات واضح الفاظ میں شاہ گل سے کہہ دے...... اس سے مدد مانگے، مشورہ مانگے، پوچھے اس سے کہ یہ بے رُخی کب تک رہے گی...... کیا اس کے دل میں مومل کے لئے کوئی گنجائش ہے اور اگر ہے تو پھر وہ اس سے اجتناب کیوں کرتا ہے...... یہ فیصلہ کر کے وہ اپنے ذہن میں مطمئن ہو گئی تھی، پہلے تو شیراز صاحب کی باتوں سے اسے بڑی پریشانی ہوئی تھی لیکن اب وہ بالکل مطمئن تھی، اب اسے کوئی خوف نہیں تھا...... چنانچہ جب مشعل اس کے پاس پہنچی تو وہ مطمئن انداز میں بیٹھی مسکرا رہی تھی...... مشعل نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں مسکراتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔"

"کیوں باجی! آپ کے خیال میں مجھے مسکرانا نہیں چاہئے۔"

”موحل میری بہن، بات تجھ سے کہتے ہوئے شرمندگی ہوتی ہے لیکن نہ کہوں تو دل ہلکا بھی نہیں ہوتا...... موحل بے شک تو مجھ سے زیادہ چھوٹی نہیں ہے مگر میں کیا کروں اس بات کو کہ میرے دل میں تیرے لئے ماں جیسی مامتا ہے، ماں کی طرح پیار کرتی ہوں تجھے، میں نہیں جانتی کہ اولاد، جنم دینے ہی سے اولاد بنتی ہے، کوئی میرے دل سے پوچھے، تجھے جنم میری ماں نے دیا ہے لیکن میرے وجود میں تو اس طرح شامل ہے کہ میں۔“

”باجی...... باجی...... باجی کون کافر منع کرتا ہے اس بات کو، پریشان کیوں ہو۔“

”تو...... موحل تو، میں تیری وجہ سے پریشان رہتی ہوں...... موحل خود کو سنبھال لے، خود کو سنبھال لے موحل، شاہ گل بہت عجیب ہے، میں بالکل یہ بات نہیں کہتی اور نہ میں ایسا ہونے دوں گی کہ تجھے لندن سے آنے والے لڑکے کے سپرد کر دیا جائے...... اری پاگل! میں تو مر جاؤں گی، تیرے بغیر...... یہ کیا بات ہوئی کہ تو اس طرح دربدر ماری ماری پھرتی رہے، کہیں نہیں جانے دوں گی تجھے، مگر شاہ گل۔“

”باجی! ایک بات کہوں۔“

”سچے دل سے، سچی زبان سے۔“

”ایک مشورہ چاہتی ہوں تم سے۔“

”ہاں بول۔“

”باجی میں شاہ گل سے بات کروں اس بار۔“ موحل نے کہا اور مشعل سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

”ٹھیک ہے، بات کر اس سے۔“

”باجی! میں کھل کر بات کروں گی اس سے اور اگر اس نے میری محبت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو...... تو باجی...... تو...... تو۔“

”ہاں بول...... تو۔“

”تو میں نہیں جانتی کہ کیا کروں گی میں۔“ موحل نے اُداسی سے کہا...... مشعل

خاموش ہو گئی تھی...... بہن کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی...... عجیب مشکل آ پڑی تھی خیر، شیراز صاحب تو اتنے سخت مزاج انسان نہیں تھے انہیں تو سنبھالا جا سکتا تھا، لیکن موحل کا اُونٹ کس کروٹ بیٹھے گا وہ نہیں جانتی تھی...... دوسرے دن موحل اسے بتائے بغیر چل پڑی، آنکھوں پر پٹی باندھی تھی، سوچ لیا تھا کہ دنیا کچھ بھی سوچے اس کے بارے میں، خود شاہ گل چاہے اسے کسی بھی انداز میں محسوس کرے لیکن آج وہ شاہ گل سے دل کی بات کہہ دے گی...... غلام خیر معمول کے مطابق کیاریوں میں مصروف تھا، یہ کام وہ مالی کو نہیں کرنے دیتا تھا...... اس کا شوق بھی تھا...... مشغلہ بھی تھا...... آخری عمر کی اس کہانی میں اس کے علاوہ اور کچھ کیا بھی کیا جا سکتا تھا...... موحل کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا...... موحل کے درد کو سمجھ رہا تھا لیکن یہ لوگ خود جس کیفیت کا شکار تھے اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے تھے...... موحل نے اسے سلام کیا تو اس نے محبت سے موحل کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”تمہارا نام مجھے یاد ہے بیٹے موحل ہو نا تم۔“

”جی چچا جان۔“

”مشعل کہاں ہے تم دونوں بچیوں نے تو اس طرح ہمارے دلوں میں گھر کر لیا ہے کہ اب ہم اکثر تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔“ موحل نے عجیب سی نگاہوں سے غلام خیر کو دیکھا اور بولی۔

”کیا یہ صرف محاورہ ہے چچا جان۔“

”کیا مطلب۔“

”آپ نے دلوں میں گھر کر جانے والی بات کی ہے۔“

”ہاں بیٹے یہ محاورہ نہیں ہے، ایک بہت گہری سچائی ہے، بہت بڑی۔“

”چچا جان! دلوں میں گھر کیسے کئے جاتے ہیں۔“

”بیٹا دلوں میں گھر کئے نہیں جاتے، دلوں میں گھر بن جاتے ہیں، انسان کی اپنی شخصیت سے، اس کی محبت سے، اس کے پیار سے، ایسا ہوتا ہے، یہ میرا ایمان ہے اور پھر بیٹا دل تو چیز

ہی ایسی ہے اسی میں تو سب کچھ رہتا ہے...... مذہب، دین، ایمان، محبت، پیار، سچائی، دھوکہ، ان ساری چیزوں کا مسکن دل ہی تو ہے بیٹا۔"

"چچا جان! دل تک پہنچنے کے لئے چند راستے نہیں ہوتے۔"

"وہ بھی ہوتے ہیں بیٹا لیکن، ہر چیز کا کوئی مقصد، ایک عمل ہوتا ہے خیر! چلو اندر چلو۔"

"چچا جان! وہ شاہ گل ہیں۔"

"ہاں اس وقت وہ اپنے کمرے ہی میں ہیں...... اکیلا ہے...... اس سے ملنا چاہتی ہو تو سیدھی اس کے کمرے میں چلی جاؤ، پتہ معلوم ہے ناں۔"

"جی چچا جان......" مومل نے کہا اور لرزتے قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ شاہ گل کے کمرے میں تھی...... شاہ گل اس وقت بھی بالکل خاموش بیٹھا ہوا ایک دیوار کو دیکھ رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے پتھر کا کوئی مجسمہ رکھا ہوا ہو...... شاہ گل نے تو خیر مومل کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی، لیکن مومل اس کے سامنے پہنچ گئی...... تب شاہ گل کی کیفیت ٹوٹی، پھر دیوار کے بجائے اس نے مومل کو دیکھنا شروع کر دیا...... مومل نے اسے آواز دی۔

"شاہ گل۔"

"ہاں......" شاہ گل بولا۔

"مجھے جانتے ہو۔"

"پتہ نہیں......" شاہ گل کھوئے کھوئے لہجے میں بولا اور مومل اس کے بالکل قریب پہنچ گئی۔

"میں مومل ہوں...... شاہ گل تمہاری دوست، تمہاری ساتھی، زندگی کے بہت سے حسین لمحات، میں نے تمہارے ساتھ گزارے ہیں...... شاہ گل تمہیں تکلیف ہے، کیا پریشانی ہے، میں...... میں، تمہارے لئے، زندگی کے وہ سب سے حسین لمحات مہیا کر دوں گی جو تمہیں ہر قسم کی ذہنی اُلجھن سے نکال لیں گے...... شاہ گل مومل ہوں میں تمہاری، تمہاری

دیکھو شاہ گل آج میں عورت سے اس کی حیا چھین رہی ہوں...... میں وہ الفاظ مومل ہوں، دیکھو شاہ گل جو عورت کے لئے مناسب نہیں ہوتے اور جنہیں استعمال کرنے آج ادا کر رہی ہوں شاہ گل...... کا مطلب ہے کہ عورت اپنے ضبط کا پیمانہ لبریز کر چکی ہے...... شاہ گل میں تمہیں چاہتی ہوں، تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہوں شاہ گل...... میں تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی تھی...... شاہ گل میں مکمل طور سے تمہیں اپنے اختیار میں لینا چاہتی ہوں...... شاہ گل تم ہو میرے لئے، میری آنکھوں کی بینائی ہو...... میں اس بینائی کا تحفظ کرنا چاہتی ہوں...... شاہ گل میں...... میں پہلی اور آخری بار تم سے یہ سب باتیں کر رہی ہوں...... میں نے بڑی مشکل سے اپنے اندر یہ ہمت پیدا کی ہے...... شاہ گل مجھے جواب دے دو، مجھے جواب دے دو شاہ گل، کیا تمہاری محبت مجھے کبھی مل سکے گی۔" شاہ گل پتھرا گیا تھا، اس کی آنکھیں ایک بار پھر دیوار پر جا ٹکی تھیں...... مومل کچھ اور آگے بڑھی۔

"شاہ گل مجھے جواب دے دو، کچھ بولو شاہ گل، بولو تمہیں خدا کا واسطہ، بولو شاہ گل، بولو۔" مومل چیخنے لگی اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا، اس نے شاہ گل کو جھنجھوڑ ڈالا لیکن وہ پتھر کا مجسمہ خاموش بیٹھا ہوا تھا بالکل خاموش تھا وہ...... دروازے سے غلام خیر اندر داخل ہوا اور اس نے مومل کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مومل بیٹا ہوش میں آؤ۔" مومل نے پلٹ کر غلام خیر کو دیکھا اور پھر اٹھ کر غلام خیر سے لپٹ گئی۔

"چچا جان! اسے کیا ہو گیا ہے...... اسے کیا ہو گیا ہے چچا جان...... اسے کیا ہو گیا ہے۔" غلام خیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"آؤ بیٹے! قصور اس کا بھی نہیں ہے۔" مومل نے بے اختیار روتے ہوئے شاہ گل کو دیکھا وہ بالکل بے تاثر تھا...... کوئی تاثر نہیں تھا اس کے چہرے پر، مومل غلام خیر کے ساتھ خاموشی سے باہر نکل آئی...... پھر اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور دہشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بولی۔

"چچا جان! باقی لوگ...... آنٹی اور آہ...... کسی کو معلوم تو نہیں ہوا ہے...... میں خاموشی سے نکل جاؤں...... چچا جان اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی، چچا جان میں جا رہی ہوں۔"
موسل تیز رفتاری سے پلٹی اور پھر دوڑتی ہوئی عمارت سے باہر نکل گئی...... اپنی کار تک پہنچی اور کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی...... غلام خیر کے ہونٹوں سے آہستہ سے آواز نکلی۔
"اللہ محفوظ رکھے...... خدا خیر کرے۔"

❁❁❁

وہ پتھرایا ہوا بیٹھا رہا...... دل و دماغ پر نجانے کیا بیت رہی تھی...... موسل کی آواز سسکیوں کی شکل میں، ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس کے کانوں میں گونج رہی تھی...... میں نے عورت سے بغاوت کی ہے، میں نے حیاء کا دامن چاک کر کے رکھ دیا ہے...... تمہارے سامنے زبان کھولنے پر مجبور ہوں...... تمہیں چاہتی ہوں میں...... تمہیں چاہتی ہوں...... تمہیں چاہتی ہوں۔"
"میں بھی تمہیں چاہتا ہوں...... میرے دل میں بھی تو تمہاری آرزو ہے لیکن، لیکن موسل میری زندگی کی کہانی اُلجھ گئی ہے...... میری داستان حیات میں تاریکی ہے...... آہ، میں کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا...... موسل مجھے اس طرح پریشان نہ کرو...... میں...... میں نہیں جانتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے...... موسل میں...... میں تم سے اپنی اصلیت بیان بھی نہیں کر سکتا...... آہ، موسل میں کیا کروں...... کیا کرنا چاہئے مجھے...... میری تو کچھ سمجھ میں بھی نہیں آ رہا...... موسل میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... کیا کروں میں آخر کیا کروں...... کوئی بات سمجھ میں تو آئے میرے، وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک طرف آ بیٹھا...... کتابوں کے ذخیرے میں ایک ناول نظر آ رہا تھا...... نام تھا ماں، اس نے ناول اٹھا لیا...... اس کے اوراق پلٹنے لگا...... دیکھتا رہا اوراق الٹتا رہا...... چہرے پر عجیب سی کیفیت اُبھر آئی تھی...... اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل آیا...... سیدھا صنوبر کے کمرے میں پہنچا تھا...... زمانے بھر کی معصوم عورت، زندگی کی ہر مشکل سے بے نیاز، ہر احساس سے دور، خاموشی سے زندگی

گزارتی ہوئی، اس وقت بھی خاموش بیٹھی خلا میں تک رہی تھی...... اس خلا میں سب کچھ گم ہو چکا تھا...... اس کا گھر، اس کا بچپن، اس کی معصومیت، پھر اس کی محبت اور اس کے بعد اس کا محبوب، کیا کیا چھن جاتا ہے انسان سے، لیکن انسان پھر بھی زندہ رہتا ہے...... میں بھی زندہ ہوں اور کچھ سوچتی بھی رہی ہوں...... زندگی کے بارے میں کہ آگے کیا کرنا ہے...... بس ایک سفر ہے جو جاری ہے...... منزل کا کوئی تصور نہیں ہے کیا واقعی منزل آتی ہے کبھی۔

دروازہ کھلا اور صنوبر نے چونک کر دیکھا...... ایسا بہت کم ہوا تھا، بہت ہی کم ہوا تھا، ویسے بھی شاہ گل کو زیادہ تر زلیخا ہی نے دیکھا تھا...... وہی اسے سنبھالتی تھی، لیکن بہرحال صنوبر اس کی ماں تھی...... شاہ گل اس کے سامنے پہنچ گیا...... آنکھیں سرخ، چہرہ سرخ، صنوبر کی آنکھوں میں محبت ابھر آئی۔"

"شاہو۔"

"ماما کیا چیز ہوتی ہے۔" شاہ گل نے سوال کیا۔

"ماما......"

"ہاں......"

"میں نہیں جانتی......"

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔"

"کیسا......"

"یہی کہ تم میری ماں نہیں ہو۔"

"نہیں...... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، ماں ہی ہوں میں تیری۔"

"ماں سے ماما ہوتی ہے۔"

"ارے ہاں میں سمجھ گئی۔ ماما اس محبت کو کہتے ہیں ناں...... جو بچے سے ماں کو ہوتی ہے۔"

"ہاں اسے ہی کہتے ہیں اب بتاؤ کیا تم میری ماں ہو۔"

"ارے پاگل کیوں نہیں ہوں میں تیری ماں...... یقین نہ آئے تو اپنی دادی جان سے

بار پوچھ لے۔" معصوم صنوبر نے کہا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ ماں کی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے...... یہ بتاؤ میں کون ہوں۔"

"ماں کی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے تو کون ہے...... ان دونوں باتوں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔"

"میں کیا ہوں...... لڑکا ہوں تمہارا...... بیٹا ہوں...... بیٹی ہوں یا کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"اب مجھے کیا معلوم یہ ساری باتیں تو میں نہیں جانتی، اپنی دادی سے جا کر معلوم کرو۔" صنوبر نے کہا...... اور شاہ گل ماں کو دیکھنے لگا پھر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی...... یہی تو بدنصیبی ہے میری...... آہ...... یہی کمی ہے شاید میری زندگی میں...... سب کچھ ملا ہے، دعاؤں سے محروم ہوں...... دعائیں نہیں ملی ہیں مجھے...... ٹھیک ہے...... مجھے اس ایک دعا کی تلاش ہے...... ماں میں اس دعا کی تلاش میں جانا چاہتا ہوں جو انسان کی تقدیر بدل دیتی ہے...... یقیناً وہی دعا کہیں نہ کہیں میرے لئے ضرور ہوگی...... ماں مجھے اس دعا کی تلاش ہے جو تیرے پاس نہیں ہے میرے لئے...... پتہ نہیں کیوں...... وہ اٹھا اور وہاں سے باہر نکل آیا...... رفتہ رفتہ ذہن میں ایک رنگ سا گھلتا جا رہا تھا...... پھر یہ رنگ کئی رنگوں میں تقسیم ہو گیا اور وہ باہر نکل آیا...... اپنی قیمتی کار سٹارٹ کی اور نکل کھڑا ہوا...... ذہن رنگوں کے زیر اثر تھا فاصلے طے ہو رہے تھے...... حواس جاگے رنگ صاف ہوئے تو دور ایک ویرانے میں ایک کھنڈرات میں موجود تھا، جہاں سکون کی جھیل تھی اور سکون کی اس جھیل کے پانی میں زندگی نظر آتی تھی...... وہ اندر داخل ہو گیا...... کمرے در کمرے سے گزرتا ہوا آخرکار ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک بڑا سا کمرہ بنا ہوا تھا...... ٹھنڈا، پرسکون دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں...... کہیں کہار ڈولی رکھے ہوئے دلہن کو رخصت کر کے لے جا رہے تھے، کہیں رقاصائیں، رقص کر رہی تھیں...... ایک کہانی تھی جو دیواروں پر تصویروں کی شکل میں اجاگر کر دی گئی تھی...... پھر طبلہ بجنے کی آواز سنائی دی...... دیواروں پر نقش...... طبلہ نواز، طبلہ بجا رہا تھا، سارنگی نواز نے سارنگی پر گز پھیرنا شروع کر دیا تھا...... آس پاس بیٹھے ہوئے

سازندے بھی متحرک ہوگئے اور رقص شروع ہوگیا...... دیواروں کی رقصائیں رقص کررہی تھیں...... شاہ گل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے چیلنج قبول کرنے والے انداز میں، ان رقصاؤں کو دیکھا جو اسے دعوت رقص دے رہی تھیں اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا...... اس نے رقصاؤں کی تال سے تال ملائی اور رقص کرنا شروع کردیا...... سازوں کی لے تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی رقص بھی...... یہاں تک کہ بہت وقت گزر گیا آدھا گھنٹہ، پونا گھنٹہ، ایک گھنٹہ دیواروں کی رقصائیں تھک گئیں...... انہوں نے شرمندگی کی نگاہوں سے شاہ گل کو دیکھا اور شاہ گل کے چہرے پر فخر کے آثار پھیل گئے...... وہ رقص کرتا رہا اور اس کے بعد جھک کر بیٹھ گیا...... رقصائیں تو پہلے ہی اپنی ہار مان چکی تھیں...... نجانے کب اسے نیند آگئی، گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھے بیٹھے نجانے کتنا وقت گزر گیا...... اس کے بعد ہوش وحواس جاگے تو ماضی یاد آیا...... اپنے آپ کو یاد کیا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل آیا...... اس کے چہرے کے نقوش میں دُھندلاہٹ تھی اور وہ خاصا اُلجھا اُلجھا سا تھا...... باہر نکل کر اس نے چاروں طرف اپنی گاڑی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔ پیجارو موجود نہیں تھی کوئی ماہر فن اسے لے گیا تھا، جبکہ اس کی چابی اب بھی شاہ گل کی جیب میں موجود تھی...... شاہ گل نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا...... اس کے بعد اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا، راستے کا کوئی تعین نہیں تھا...... کوئی رُخ اختیار نہیں کیا تھا...... دل ودماغ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھے...... بس چلتا رہا اور نجانے کب تک چلتا رہا...... یہاں تک کہ چلتے چلتے شام ہوگئی، پاؤں دُکھ گئے تھے، لیکن ایک احساس ایک عجیب سا لگاؤ ساتھ لئے چلا جارہا تھا...... آبادی کی طرف نہیں گیا تھا...... ویرانوں کا رُخ کیا تھا...... چاند نکل آیا، چاندنی ہنسنے لگی، یہ سب اس کے ہمراہ تھے، ستارے چونک چونک کر اسے دیکھ رہے تھے، اس کے بارے میں سرگوشیاں کررہے تھے...... پھر کچھ اور جگنو چمکے، کوئی بستی تھی، چھوٹا سا کوئی اسٹیشن تھا، وہ ریلوے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا...... ویرانی اور سناٹے کا راج چھوٹی موٹی اکا دکا دکانیں، لیکن ان کے آس پاس سوتے ہوئے لوگ ایک عجیب سی کیفیت

تھی، ایک عجیب سی کیفیت جو ناقابل فہم تھی، سمجھ میں نہ آنے والی، تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹرین وہاں آکر رُکی اور پلیٹ فارم پر زندگی دوڑ گئی، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ریلوے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا...... اندر ٹھنڈک تھی وہ فرش پر بیٹھ گیا اور اس کے بعد اس نے اپنے رخسار زمین سے لگا دیئے...... ٹرین کچھ لمحوں کے بعد چل پڑی تھی، وہ بڑا سکون محسوس کررہا تھا اور رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں میں نیند اترتی آرہی تھی۔

اس رات یاقوت نے خواب دیکھا اور اس خواب نے اسے بہت بے چین کر دیا..... ایک
حسین وادی نظر آئی تھی اسے..... سرسبز و شاداب گھاس تاحد نگاہ بکھری ہوئی تھی.....
گھاس کے اس فرش پر وہ رقص کر رہی تھی..... پیروں کے نیچے شبنم کے موتی ٹوٹ رہے
تھے اور ایک ٹھنڈک سی اس کے سارے وجود میں اُتر رہی تھی..... بہت فاصلے پر پتھر کے
ٹکڑے پر کوئی بیٹھا ہوا تھا..... بڑا خوبصورت لباس، بڑا خوبصورت چہرہ، بڑی خوبصورت
آنکھیں، بڑی پرکشش شخصیت وہ اسی کے لئے تو رقص کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے قدم
اس کی جانب اٹھ رہے تھے اور پھر وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گئی..... پتھر کے اس ٹکڑے پر
بیٹھا ہوا وہ کسی دیوتا کی طرح محسوس ہو رہا تھا اور وہ خود ایک دیوداسی، وہ جھکی گھٹنوں کے بل
بیٹھی، مسکرائی اور اس نے ہاتھ جوڑ دیئے، پھر جلدی سے ہاتھ کھول دیئے اور ہنستی ہوئی بولی۔

"مگر ہم تو مسلمان ہیں..... ہم تو انسانوں کی پوجا نہیں کرتے۔"

"تو یہ تمہاری اپنی بھول ہے..... میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔"

"مگر تم میرے دیوتا کیسے ہو گئے۔"

"یہ بھی تم ہی جانو، مجھے کیا معلوم۔" اس کی مدھر آواز اُبھری اور اس کے ساتھ ہی
یاقوت کی آنکھ کھل گئی، اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھا..... کچھ لمحوں پہلے کا خواب یاد
کیا اور اچانک ہی اسے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا، جو چہرہ، جو وجود، جو شخصیت، جو
آواز، اس نے دیکھی اور سنی تھی وہ تو شاہ گل کی تھی۔ شاہ گل میرے ذہن میں اتنی گہرائی میں

کہاں سے آگیا..... میں نے..... میں نے تو اس بارے میں کبھی نہیں سوچا..... پھر اس نے
دل میں سوچا کہ یہ سب کچھ گرو دانیال سے ہونے والی باتوں کا نتیجہ ہے..... گرو دانیال نے
شاہ گل کے بارے میں جس کیفیت کا اظہار کیا تھا..... اس نے یقینی طور پر میرے دل پر اثر کیا
ہے اور میں بھی اس کا شکار ہو گئی ہوں، لیکن وہ تصویر، وہ نقش، جو میرے ہاتھوں نے ترتیب
دیئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بچپن ہی سے یاقوت کو مصوری کا شوق تھا، جس ماحول میں
پلی بڑی تھی، جس حیثیت سے دنیا کو دیکھا تھا وہ بالکل مختلف تھی..... اس میں مصوری کی
گنجائش تو تھی لیکن اس طرح کہ بس دوسروں کے ذہنوں میں اپنی تصویر اتاری جائے.....
تاہم وہ اپنے شوق کی تکمیل تھوڑی تھوڑی کرتی رہی تھی اور اس کے نتیجے میں تھوڑی بہت
تصویریں بنالیا کرتی تھی، لیکن شاہ گل کی تصویر اس نے جیسی بنائی تھی وہ اس کے فن کا کمال
نہیں تھا بلکہ اندر کی کوئی ایسی کیفیت نقش ہو گئی تھی جس کو وہ نہ تو خود صحیح انداز میں محسوس
کر سکی تھی اور نہ ہی اسے کوئی نام دے سکی تھی۔ یہ شخص تو میرے دل پر قبضہ جماتا چلا جا رہا
ہے اس نے سوچا اور خاموش ہو گئی۔ دو یا تین دن اسی طرح گزر گئے..... شب چراغ تیاریاں
کر رہی تھی اور ان تیاریوں کا مقصد کسی کو نہیں معلوم تھا، بقیہ دونوں لڑکیاں زمرد، الماس
بھی چوری چوری ماں کی کارروائیوں کو دیکھتی رہتی تھیں..... آخر کار یہ راز حل ہو گیا، شب
چراغ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہالیو! ہم پیر شاہ کے عرس پر چل رہے ہیں..... چوتھا سال ہے شاہ پیر کے عرس پر
نہیں پہنچے..... شاہ پیر بھی کیا سوچتے ہوں گے۔" لڑکیاں خوشی سے دیوانی ہو گئیں، زندگی
معمول کے مطابق جاری رہتی تھی، وہی سب کچھ رات کو محفلوں کا سجنا، رقص و موسیقی،
دن میں دو بجے تک سوتے رہنا اور اس کے بعد، معمول کا آغاز..... شب چراغ کنجوس تو بے
شک نہیں تھی، اک وقار، ایک حیثیت تھی اس کی، لیکن اپنے پیشے سے مخلص ہی رہتی
تھی..... اس کا کہنا تھا کہ ایک ڈاکٹر اگر اپنا کلینک نہیں کھولے گا تو مریض آہستہ آہستہ ٹوٹتے
جائیں گے..... یہاں آنے والے بھی مریض ہی ہوتے ہیں اور ہم سے شربت شفا لے کر

جاتے ہیں۔ اس شربت شفا میں رکاوٹ کسی طور مناسب نہیں ہوتی...... اگر شب چراغ اس طرح کہیں آنے جانے کے بارے میں سوچ لے تو لڑکیوں کے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے...... چار سال پہلے شاہ پیر کے مزار پر گئی تھیں کیا اچھا مزا آ رہا تھا...... میلہ لگا ہوا تھا پورا...... جگہ جگہ جھولے لگے ہوتے تھے...... سرکس، کھیل تماشے اس وقت کسی کو نہیں پتہ ہوتا تھا کہ اپنے والی کون ہے، عام طور سے لڑکیاں بالیاں برقع میں رہا کرتی تھیں...... شب چراغ خود بھی برقع اوڑھ لیا کرتی تھی، تاکہ بری نگاہوں سے بچا جا سکے...... مزار کا تقدس اپنی جگہ ہوتا ہے...... بہرحال خوب اچھا لگتا ہے...... در بنے ہوئے تھے، کبھی کبھی دروں میں جگہ نہ ملتی تو خیمے لگا لئے جاتے...... یہ خیمے با آسانی وہاں پر کرائے پر حاصل ہو جاتے تھے اور دروں کی نسبت خیمے میں رہنے کا زیادہ مزہ آتا تھا...... رات کو تینوں لڑکیاں جب رقص و موسیقی سے فارغ ہوئیں تو سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔

"یقین نہیں آ رہا کہ اماں اس قدر مہربان ہو گئی ہیں۔" الماس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اماں کیا مہربان ہوئی ہیں، بس شاہ پیر کو ہماری یاد آ گئی ہو گی انہوں نے بلایا ہے۔"

"بات تو بالکل ٹھیک ہے...... ظاہر ہے جب تک شاہ پیر کا اشارہ نہ ہو کون ان کے قدموں میں جا سکتا ہے۔"

"ہائے میں تو میلے کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی ہوں...... ویسے اماں وہاں جا کر بڑی فراخ دل ہو جاتی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ وہاں ہمیں کھلی اجازت دے دیتی ہیں۔"

"پچھلی بار تو بڑی ہی گڑبڑ ہو گئی تھی جب زمرد غائب ہو گئی تھی۔" یاقوت نے پرانی باتیں یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... واقعی زمرد تو نے تو ہم سب کو زندہ درگوری کر دیا تھا۔"

"میں کیا کرتی بس بھٹک گئی تھی راستہ وہاں بھیڑ کتنی ہوتی ہے۔" زمرد نے کہا۔

"اب کے ذرا ہوشیار رہنا۔"

"ہاں بالکل۔"

"ساتھ میں کون کون جا رہا ہے۔"

"بس امانت خاں ہوں گے، رحیم خاں ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ شرفو ہو گا...... کھانا وغیرہ وہی پکائے گا۔"

"کھانے کا سب سامان یہاں سے لے کر جائیں گے۔"

"تو اور کیا۔"

"ہاں یہ بات مانتی نہیں ہیں...... وہاں میلوں میں جو چٹ پٹی چیزیں ملتی ہیں ان کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"یہ بات تو ہے مگر اماں کہتی ہیں کہ وہ تلی ہوئی چیزیں نہیں کھانے دیں گی ان سے گلے خراب ہو جاتے ہیں...... اصل میں وہ لوگ اچھے تیل نہیں استعمال کرتے۔"

"یہ لوگ اچھے تیل کیوں نہیں استعمال کرتے۔" الماس نے معصومیت سے پوچھا اور دونوں بہنیں ہنس پڑیں۔

"اب یہ تو تم ان سے ہی معلوم کرنا کہ یہ لوگ اچھے تیل کیوں نہیں استعمال کرتے۔"

"ہم لوگ بے وقوفی کی باتیں نہیں کر رہے؟"

"مزہ آ رہا ہے ان باتوں کو کرنے میں بھی شاہ پیر کے عرس میں جانے کی بات ہی کچھ اور طرح کی ہوتی ہے، اتنا اچھا لگتا ہے کہ بس بتا نہیں سکتی۔" زمرد بولی...... یاقوت بھی ہنسنے لگی تھی پھر اس نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کپڑے کون کون سے لے جاؤ گی۔"

"ارے کپڑوں کا کیا ہے وہاں دیکھنے والا ہی کون ہوتا ہے...... کتنے ہی خوبصورت سے خوبصورت کپڑے پہن لو...... پہننا تو برقع ہوتا ہے اوپر۔"

"پھر بھی بھئی اچھے کپڑے بھی تو پہننے چاہئیں انسان کو کبھی کبھی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

جس جگہ وہ ٹرین سے اُترا تھا وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت ریلوے اسٹیشن تھا مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ وہاں بہت سے افراد اترے تھے..... اندازے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ بھی اس اسٹیشن پر اجنبی ہیں..... شاہ گل پر ایک عجیب سا جذب طاری تھا..... بس نکل بھاگا تھا وہ اور نجانے کون سی قوت اسے یہاں تک لے آئی تھی..... بات خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور نہ وہ سمجھنے کی کوششیں کر رہا تھا..... دوسرے لوگوں کے ساتھ باہر نکل آیا..... بے شمار تانگے کھڑے ہوئے تھے اور مزار شریف، مزار شریف کے نعرے لگا رہے تھے..... شاہ گل بھی ایک تانگے کے پچھلے حصے میں بیٹھ گیا اور تانگہ چل پڑا..... بہت سی سواریاں ساتھ تھیں..... خاصا فاصلہ طے کیا گیا تھا اور اس کے بعد جب نیچے اترا تو دوسروں کی طرح اس نے بھی تانگے والے کو پانچ روپے دیئے تھے..... سامنے ایک پہاڑی ٹیلے پر ایک مزار شریف کی عمارت نظر آرہی تھی، تاحد نظر بے پناہ رونق تھی..... چاروں طرف خیموں کے شہر آباد تھے، لاتعداد لوگ مزار شریف پر جانے والی سیڑھیوں سے آ اور جا رہے تھے..... انسانوں کا بے پناہ ہجوم تھا..... شاہ گل نے مزار شریف پر نگاہ ڈالی تو بے اختیار اس کے دل میں آرزو پیدا ہو گئی کہ اوپر جائے اور صاحب مزار سے رُوحانی سکون مانگے، اس کے قدم آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے، جوان اور طاقتور تھا لوگوں کے ہجوم کے باوجود آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کرتا ہوا آخر کار مزار شریف کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو گیا..... چاروں طرف در بنے ہوئے تھے، ان دروں میں تل دھرنے کی گنجائش نہیں

تھی..... مزار شریف کا حسین علاقہ سامنے نظر آرہا تھا..... لوگ وضو کر رہے تھے، وہ بھی وں کے پاس جا بیٹھا..... وضو کیا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا لوگوں کے ہجوم میں اپنے لئے جگہ بناتا ہوا مزار شریف کے سامنے پہنچ گیا..... دو زانوں بیٹھ گیا اور ایک بار پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا..... دل و دماغ کیا کہہ رہے تھے، اسے اس کی بالکل فکر نہیں تھی، بس اس کی نگاہیں مزار شریف پر لگی ہوئی تھیں اور آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں..... اسے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ سامنے جو ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں وہ بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہے ہیں..... چھوٹی سی داڑھی تھی، عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے، ململ کا کرتہ، پائجامہ، گلے میں سونے کی زنجیر، ہاتھوں کی پانچوں انگلیوں میں انگوٹھیاں، ان کے آس پاس چار چھ اور افراد بیٹھے ہوئے تھے، وہ سب چہروں سے لفنگے معلوم ہوتے تھے..... چھوٹی سی داڑھی والے صاحب بھی جو کچھ تھے لیکن ان کے انداز میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ان کے چہرے سے یا خوف محسوس ہو، بہر حال وہ کچھ سرگوشیاں سی کر رہے تھے..... شاہ گل خاموش بیٹھا ہوا رہا، دل و دماغ جو کچھ مانگ رہے تھے وہ دل کی آواز کے ساتھ بلند ہو رہا تھا، پھر اس کے ہونٹ تک نہیں ہل رہے تھے، بہت دیر تک وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا..... مزار کے ایک گوشے میں جاکر بیٹھ گیا..... یہاں لنگر تقسیم ہو رہا تھا..... دال میں بھیگی ہوئی روٹیاں، ہاتھوں پر رکھی جا رہی تھیں..... خوب دھکم پیل ہو رہی تھی اور لوگ ان روٹیوں کو حاصل کرنے کے لئے مزار کا سارا تقدس بھول گئے تھے..... شاہ گل اپنی جگہ بیٹھا رہا، اچانک ہی کسی نے دو روٹیاں اس کے ہاتھوں پر رکھ دیں اور وہ گھبرا کر ان روٹیوں کو دیکھنے لگا، لیکن فوراً ہی کسی نے وہ روٹیاں اٹھالی تھیں..... شاہ گل نے روٹیاں اٹھانے والے کو بھی دیکھا، اسی وقت اسے ایک آواز سنائی دی۔

”نہیں..... “ چاند کے ٹکڑے لنگر کی روٹی نہیں کھاؤ گے..... ہم کیا مر گئے ہیں ..... اٹھاؤ انہیں شبن میاں..... کسی نے شاہ گل کا بازو پکڑا اور اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا، شاہ گل نے اس آواز کی طرف دیکھا تو یہ وہی صاحب تھے جنہیں اس نے مزار شریف کے پاس

بھی دیکھا تھا کہنے لگے۔"

"کلیجے، نواب جانی کہتے ہیں۔" "نواب تو نہیں ہیں پر اماں پیار سے نواب کہہ دیا کرتی تھیں اس لئے نواب ہو گئے...... اماں تو مر گئیں...... ہم نے سوچا کہ جب اماں ایک نام رکھ گئی ہیں تو ہمیں حق نہیں ہے کہ اس میں تبدیلی پیدا کریں...... بس نواب جانی، ہاں "جانی" کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی جان ہیں اور یہ کہیں تم سے کہ بہت سے لوگوں کی جان ہم میں انکی رہتی ہے تو یہ بھی صحیح ہے...... ہم یہ کہہ رہے تھے کہ بیٹا لنگر نہ کھاؤ...... نواب جانی کو متاثر کر لیا ہے تم نے...... آجاؤ ہمارے ساتھ۔"

شاہ گل نے عجیب سی نگاہوں سے اس آدمی کو دیکھا...... عجیب سا آدمی معلوم ہوتا تھا کہنے لگا۔

"دیکھو شہزادے...... بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے ہمارے دل کو چھوا ہے، اب تم سے کیا کہیں، کہیں گے تو جھوٹ سمجھو گے، ہم نے شاہ پیر کے مزار کے پاس بھی تمہیں دیکھا تھا...... زار و قطار رو رہے تھے...... دل تو اسی وقت سے چاہ رہا تھا کہ تم سے ملیں، یہ موہنی صورت، یہ ہاتھ پاؤں، شفاف چہرہ، لباس، ساری چیزیں بتاتی ہیں کہ تم گھر کے بڑے نہیں ہو، پر آنسو بتاتے ہیں کہ کسی بہت بڑے درد کا شکار ہو، اچھا چلو اُٹھو یہاں سے...... ہم نے مزار کے پچھلے حصے میں بلندی پر اپنے خیمے لگوائے ہیں آؤ روٹی ہمارے ساتھ کھانا۔"

"جناب...... میں یہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

"بعد میں آجانا شہزادے، اس وقت تو چلو...... ہم جب کسی سے کوئی بات کہتے ہیں اور کوئی ہماری بات ٹال دیتا ہے تو ہماری اس سے دشمنی شروع ہو جاتی ہے...... تم ہزار بار ہماری بات ٹالو، کبھی دشمن نہیں بنیں گے تمہارے...... پر ایسا کرو ہمارے ساتھ روٹی کھالو، نہیں رکو گے چلے جانا کوئی بات نہیں ہے...... پر ہمارے دل کو بھا گئے ہو...... بڑا یاد کریں گے ہم تمہیں...... نواب جانی پاگل آدمی ہے جس سے ایک مرتبہ جی لگا لیتا ہے اسے جی کا جنجال بنا لیتا ہے چلو اٹھو...... اٹھاؤ انہیں شبن میاں...... لیکر چلو ساتھ ہمارے، اس بار شاہ گل نے اس

شخص کے لہجے میں جھنجلاہٹ محسوس کی تھی...... شبن میاں نے تو پہلے ہی اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا تھا، چنانچہ شاہ گل نواب جانی کے ساتھ ایک لمبا راستہ طے کر کے مزار کے پچھلے حصے کی جانب چل پڑا۔

یہاں نواب جانی کے خیمے لگے ہوئے تھے بڑے بڑے پانچ یا چھ خیمے، جو پہاڑی ڈھلان پر ایک ایسی جگہ لگائے گئے تھے جو صاف ستھری اور شفاف تھی، کچھ اور خیمے بھی یہاں آس پاس نظر آ رہے تھے...... بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ لیکن یہ علاقہ شاہ گل کو بہت اچھا لگا تھا...... مزار شریف پر بھی اس نے رو رو کر جو خاموش فریاد کی تھی اس نے اس کے دل کو سکون بخشا تھا، بڑی عجیب سی صورت حال تھی بہر حال نواب جانی نے اس کی خاطر مدارت کی، کھانے پینے کے لئے بہت اچھی چیزیں پیش کی گئیں...... بھنے ہوئے مرغ اور دوسری بہت سی ڈشیں شاہ گل نے تھوڑا بہت کھانا کھایا، نواب جانی نے کہا۔"

"شہزادے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ گے نہیں۔"

"آپ نے مجھے کھانا کھلایا آپ کا بہت شکریہ، اگر آپ اس کا معاوضہ وصول کرنا چاہتے ہیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مناسب نہیں ہے...... نواب جانی اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔"

"خیر، برا نہیں مانا...... میں نے تمہاری بات کا...... اگر یہ سمجھتے ہو تو رہنے دو، بات اصل میں یہ ہے کہ جیسا میں نے کہا...... دل کو کچھ بھائے ہو اچھے لگے ہو، دل نے کہا کہ تمہاری مشکل میں شریک ہو جاؤں...... ویسے ایک بات کہوں۔" چاندزادے، نواب جانی ہے ہمارا نام، جسے ایک بار دل میں بٹھا لیتے ہیں، دل سے نکالتے نہیں ہیں...... ابھی جب تک یہاں ہو، ہماری کوئی بھی ضرورت محسوس ہو، خیمے تو دیکھ ہی لئے ہیں تم نے اور دوسری ایک بات اور کہیں، لنگر نہ کھانا تمہیں ہماری قسم...... جب دل چاہے ادھر آجانا بلکہ ہم انتظار کریں گے تمہارا...... شاہ گل وہاں سے اٹھ گیا تھا...... پھر وہ نواب جانی کی عنایت کا تصور کرتا ہوا اسی رات سے پہاڑی سے نیچے اُتر گیا اور بہت دُور تک پیدل چلتا رہا...... علاقہ بے پناہ خوب

صورت تھا اسے خود یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ شاہ پیر تک وہ کیسے آ گیا...... گاڑی چوری ہو گئی تھی، کھنڈرات میں گزارا کر رہا تھا...... نجانے کون سا جذبہ، کون سا جنون؟ اسے اس جگہ لے آیا اور نجانے یہاں تک آمد کا مقصد کیا ہے؟ اس کی تقریبات مسلسل جاری تھیں...... مزار شریف پر پہنچنا بڑا ہی مشکل کام تھا...... جو کچھ کرایا تھا وہاں اس سے بڑا اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا...... خیموں کی آبادی سے کافی ہٹ کر ایک ایسی جگہ منتخب کی اس نے جہاں کہیں دور سے بہہ کر آنے والی ایک ندی گزرتی تھی...... کنارے پر چٹانیں پڑی ہوئی تھیں...... چٹانوں پر سبزہ اگا ہوا تھا...... کئی چٹانیں ایسی بھی تھیں جن پر آرام سے ڈیرہ لگایا جا سکتا تھا، شام ہو چکی تھی، سورج ڈھل رہا تھا...... فضا میں ایک خوشگوار خنکی اُتری ہوئی تھی، شاہ گل چٹان پر لیٹا ہوا اپنے ماضی پر غور کر رہا تھا...... بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں اور دل کی دنیا عجیب سی ہو رہی تھی، لیکن ہوتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے، کبھی کبھی کوئی تقدیر کے ہاتھوں اتنا بے بس ہوتا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا، پھر دفعتاً ہی ایک چیخ سی سنائی دی اور وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگا......

فاصلہ چند گز سے زیادہ کا نہیں تھا...... سامنے نظر آنے والی شکل شناسا تھی، بلکہ کافی شناسا تھی، پیچھے جو دو لڑکیاں تھیں وہ بھی جانی پہچانی تھیں...... آگے والی یاقوت ہی تھی جسے اس نے ساجد کے ساتھ شب چراغ کے بالا خانے پر دیکھا تھا اور ابھی تک نہیں بھول سکا تھا...... یاقوت تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی، اس کے چہرے پر مسرت پھٹی پڑ رہی تھی، اس نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔"

"ارے آپ...... آپ شاہ گل آپ...... شاہ گل اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے دیکھنے لگا۔"

"آپ یہاں مل جائیں گے، میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، زمرد، الماس پہچان لیا نا انہیں۔"

"انہیں نہ پہچانیں گے تو کفر کی حد میں نہ داخل ہو جائیں گے...... چند لمحوں کے لئے جھلکی دکھائی تھی اور اس کے بعد ایسے گم ہو گئے کہ کبھی صورت تک نظر نہ آئی...... شاہ گل ہیں نا یہ الماس شوخی سے بولی۔"

"شاہ گل آپ یہاں کب آئے؟"

"کئی دن پہلے۔"

"کہاں ہیں؟"

"آپ کے سامنے ہوں۔"

"نہیں...... میرا مطلب ہے آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"یہیں اسی چٹان پر۔"

"ارے واہ...... کھلے آسمان کے نیچے۔"

"ہاں۔"

"آیئے ہمارے ساتھ چلیں، اکیلے ہیں۔"

"نہیں...... یہ اتنی ساری خلقت جو نظر آ رہی ہے آپ کو...... اس کو کچھ نہیں مانتیں۔"

"کیا سب آپ کے ساتھ ہیں؟ اس بار زمرد نے بدستور شوخی سے پوچھا۔"

"یہ سوچنے کی بات ہے اور سوچنے کا فرق ہے، ظاہر ہے سب ایک ہی مقصد کے تحت یہاں جمع ہوئے ہیں...... سب ساتھ ہی ہیں۔"

"واہ، اس طرح تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہی ہیں الماس بولی۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر آیئے ساتھ چلیں اماں سے ملئے آپ سے تو بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"پھر کبھی سہی۔"

"ارے نہیں، اتنی بڑی خلقت ہے، اتنا بڑا ہجوم ہے کھونے والے دوبارہ کہاں ملتے ہیں، ہم آپ کو نہیں چھوڑوں گی، آپ کو چلنا ہوگا ہمارے ساتھ۔"

"عجیب سی بات ہے لمحوں کی شناسائی ہے ہماری اور اس کے بعد حکم کا یہ انداز۔"

"ہاں ہے...... اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ دل آزاروں میں سے ہیں یا دل داروں میں سے، یاقوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔" اور شاہ گل کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل

گئی تھی۔"

"آیئے نا شاہ گل...... براہ کرم آیئے...... آیئے کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے، انہوں نے اس طرح شاہ گل کو مجبور کیا کہ اسے اپنی جگہ سے اُٹھنا پڑا...... حالانکہ گھربار چھوڑ آیا تھا، اپنی جنون میں مبتلا ہو کر، یہاں تک پہنچا تھا اب یہ اندازہ نہیں تھا کہ اسی طرف قدم اٹھ گئے تھے...... اتفاقات ایسے ہی ہوتے ہیں اور اسی طرح سے عقیدتیں عمل میں آتی ہیں...... بہرحال یاقوت کے ساتھ چلتا ہوا ان خیموں تک پہنچ گیا جن میں سے ایک میں شب چراغ موجود تھی، لڑکیوں نے باہر ہی سے شور مچانا شروع کر دیا۔"

"اماں دیکھئے، چاند اترا ہے آسمان سے زمین پر اور ہم اسے اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں...... دیکھئے تو سہی کون ہے؟ شب چراغ نے شاہ گل کو دیکھا اور حیران سی کھڑی ہو گئی۔"

"ارے واہ، یہ گوہر نایاب تمہیں شاہ پیر کے مزار سے ملا......" شاہ گل آپ تو واقعی عجیب و غریب شخصیت ہیں، عید کا چاند کہنے والی تھی میں...... لیکن عید کے چاند میں یہ خوبی ہے کہ ہر سال نظر آ جاتا ہے، آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا...... کہ نظر آئیں گے یا نہیں...... کہاں گم ہو گئے تھے...... آؤ بیٹھو...... بیٹھو آؤ۔" شب چراغ نے بڑی محبت سے شاہ گل کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھایا...... شاہ گل اپنی دھن میں مست کھویا کھویا سا تھا، آتو گیا تھا یہاں پر لیکن اب یہ سوچ رہا تھا کہ شب چراغ سے کیا بات کرے، گھر چھوڑ دیا تھا، دل ہی نہیں لگتا تھا وہاں...... بس طبیعت میں ایک اڑا اڑا پن سا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے، کہاں جائے، لیکن بہرحال جینا تو تھا، زندگی گزارنے کی چیز ہی ہوتی ہے، جیسے بھی گزرے گزارنی تو پڑتی ہے نا...... شب چراغ بولی۔"

"ساجد کے ساتھ آئے تھے، کتنی بار اس سے بھی کہا کہ لے کر آؤ شاہ گل کو، پر نجانے وہ بھی کیوں ٹالتا رہا، گرودانیال یاد ہیں تمہیں۔"

"جی......" "وہ جو اس دن آپ کے گھر ملے تھے۔"

"دیوانے ہو گئے ہیں تمہارے اس لئے ان کا بس چلتا تو کنویں میں بانس ڈلوا دیتے۔

نہیں تلاش کرنے کے لئے، پتہ نہیں کہاں کہاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں باؤلے کہیں کے...... شاہ گل تم سے تو بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے، ارے لڑکیو کھڑی شکلیں دیکھ رہی ہو، جاؤ کچھ خاطر مدارت کا بندوبست کرو۔"

"اماں آپ انہیں جانے نہ دیں...... بڑے سرکش اور ضدی ہیں یہ...... چلے گئے تو پھر کل تک نہیں دکھائیں گے یاقوت نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔"

اس کی آنکھوں کے روشن چراغ کچھ اور بھی کہانی سنا رہے تھے، ایسی کہانی جس سے وہ خود بھی اتفاق نہیں رکھتی تھی، لیکن جوانی کی عمر ہی ایسی ہوتی ہے، ایسے ایسے فرض تصور بنا لئے جاتے ہیں جن کا کبھی حقیقت بننا ممکن نہیں ہوتا، مگر دل تو دل ہی ہے نا، اس دل نے نجانے کیسی کیسی غم ناک کہانیاں جنم دی ہیں، بہرحال یہ کہہ کر لڑکیاں چلی گئیں...... شب چراغ اس سے باتیں کرتی رہی۔"

"ساجد نے کبھی ڈھنگ سے تمہارے بارے میں بتایا بھی نہیں، پتہ نہیں کیوں چھپاتا رہا...... ویسے سچی بات یہ بھی ہے کہ اس سے بھی ملاقات ڈھنگ سے نہیں ہوئی...... شاہ گل کیا کرتے ہو بیٹے؟ کہاں رہتے ہو؟ ماں باپ کیا کرتے ہیں؟"

"بتانے سے اگر کوئی فائدہ ہو تو میں آپ کو یہ ساری باتیں ضرور بتا دوں لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا...... بس میں شاہ گل ہوں آپ کو میرا نام معلوم ہے...... اتنا کافی ہے، باقی باتوں کو جانے دیجئے۔"

"ویسے ایک بات کہوں شاہ گل، برا نہیں مانی میں تمہاری بات کا، محبت کی طرف سے تمہارے لئے بڑھ رہی ہوں...... تم اجنبیت کا اظہار کر کے پیچھے دھکیل رہے ہو، لیکن تم اتنے پیارے ہو کہ تمہاری ہر ادا پیاری لگتی ہے، کھوئے کھوئے سے رہتے ہو اچھا چلو اتنا ہی بتا دو...... یہ رقص تم نے کہاں سے سیکھا...... اس دن تو تم نے ساری محفل کو دیوانہ کر دیا تھا...... اصل میں صاحب فن ہی فنکار کو جانتا ہے، گرودانیال بھی اسی لئے تمہارے عاشق ہوئے تھے...... تمہارے اندر ایک جذب ہے، ایک جنون ہے، رقص ایسے نہیں کئے جا سکتے...... یہ تو زندگی

اور سوت کا کھیل ہوتا ہے...... موت کا یہ کھیل کیوں کھیل لیتے ہو تم؟" اتنے خوبصورت ہو، اتنے نوجوان ہو کہ ابھی نوجوانی کا آغاز ہوا ہے...... یہ جوانی تو پتہ نہیں کیا کیا غضب اٹھائے گی...... مگر تم اپنے آپ کو کھونے پر تلے ہوئے ہو؟"

"آپ کا نام شب چراغ ہے نا۔"

"ہاں......" اب تو یہی نام ہے۔

"کبھی کچھ اور تھا؟"

"جانے دو" شب چراغ مغموم لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے جانے دیا...... میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ کون کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کبھی کبھی وہ خود بھی نہیں جانتا اپنے بارے میں اور جب کوئی اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو اسے بتائے گا کیا، آپ میرے فن کو، میرے رقص کو، جذب اور جنون کہتی ہیں، کوئی اور کچھ اور کہے گا، کس کس کو کیا کیا سمجھاتا رہوں گا، جانے دیجئے...... بیکار سی باتیں ہیں کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا۔"

"اپنے بارے میں نہیں بتانا چاہتے نا، چلو ٹھیک ہے نا بتاؤ، شاہ پیر کے مزار پر ہمیشہ ہی حاضری دیتے ہو یا پہلی بار آئے ہو؟"

"پہلی بار آیا ہوں...... ویسے ایک بات کہوں آپ سے؟"

"چلو کہہ دو، شب چراغ مسکرا کر بولی۔

"لوگوں کو ایک دوسرے کے بارے میں جاننے کا تجسس کیوں ہوتا ہے؟"

"مطلب؟"

"آپ مجھے جانتی ہیں کہ میرا نام شاہ گل ہے، کیا اتنا کافی نہیں ہے، کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کہاں رہتا ہوں؟ کیوں ناچتا ہوں؟ یہ بیکار باتیں ہیں اور کچھ باتیں کیجئے۔"

"چلو اچھا ٹھیک ہے...... پوچھ رہی تھی تم سے کہ شاہ پیر کے مزار پر ہمیشہ حاضری دینے آتے ہو؟"

"نہیں۔"

"اچھا، اچھا......" پہلی بار آئے ہو؟"

"جی...... اتنی دیر میں یاقوت شربت بنا کر لے آئی، اس نے بڑے احترام سے شربت کا گلاس شاہ گل کو پیش کیا اور شاہ گل نے اسے لے لیا...... پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شربت کے چند گھونٹ لئے اور بولا۔"

"ہم نے اقتدار کے کتنے بت تراش رکھے ہیں، حالانکہ یہ سب بت پرستی ہے۔"

"واہ...... اقتدار کے بت کی پوجا کو بت پرستی کہنا ایک انوکھا خیال ہے...... شب چراغ نے کہا۔

"روایات، انسانوں کا انسانوں کے ساتھ سلوک، کبھی ایک خنجر لے کر اپنے سامنے والے کی گردن کاٹنے پر آمادہ ہوتا ہے، کہیں یہ کسی کو قلاش کر دینے کے لئے اس کے گھر کی دیواریں توڑتا ہے...... کہیں یہ گردن پر بندوق رکھ کر جیبیں خالی کرا لیتا ہے اور کہیں اتنے محبت سے اقتدار کے بت کو سامنے رکھ کر شربت کا گلاس پیش کرتا ہے، اس کا کون سا روپ ٹھیک ہے...... خاتون شب چراغ۔"

"بھئی یہ فلسفہ ہے اور میں فلسفے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، یاقوت دیکھو ذرا اپنے مہمان کو، بہر حال ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے...... کاش گرو دانیال بھی اس میں شرکت کے لئے آ جاتے، ارے سنو یاقوت نظر تو نہیں آئے۔"

"نہیں اماں، بالکل نظر نہیں آئے۔"

"دیکھو ذرا خیال رکھنا، میرا خیال ہے وہ بھی آیا کرتے ہیں عرس میں شرکت کے لئے، دیکھا نہیں ویسے کم از کم اتنا تو بتا دو کہ ٹھہرے کہاں ہو؟"

"تھر کی ایک چٹان پر" یاقوت کے بجائے الماس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"تھر کی ایک چٹان پر لیٹے ہوئے تھے۔ اب میری نگاہیں دیکھیں کہ میری نگاہوں نے

انہیں کیسے تلاش کیا۔"

"مگر کہیں قیام تو کیا ہو گا نا۔"

"ایک تنہا انسان کو قیام کے لئے بس ایک چھوٹی سی جگہ چاہئے ہوتی ہے۔"

"ہمارے پاس کئی خیمے ہیں، رات یہاں گزار لیا کرو تو کوئی حرج نہیں ہے، شب چراغ نے کہا۔"

"بہتر، اگر ضرورت پیش آئی تو آپ کو ضرور تکلیف دوں گا..... شاہ گل نے کہا۔

شب چراغ اس کے اُکھڑے اُکھڑے جوابوں سے کچھ دلبرداشتہ ہو گئی تھی، یاقوت اسے ساتھ لے کر باہر آ گئی، پھر اس نے الماس اور زمرد کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اب کوئی تماشہ نہیں ہو رہا کہ تم پیچھے پیچھے لگی پھرو، تھوڑی دیر میں باتیں کروں گی شاہ گل سے..... پھر اس کے بعد آنا تم میرے پاس، چلو بھاگو یہاں سے..... دونوں لڑکیاں چلی گئیں..... شاہ گل اب بھی اُلجھا اُلجھا سا تھا، یاقوت اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے اسی جانب چل پڑی جہاں سے اسے پایا تھا، چٹان کے پاس پہنچ کر وہ بولی۔"

"ویسے جگہ آپ نے بہت اچھی منتخب کی ہے شاہ گل..... یہاں سے ندی کا پانی کتنے قریب سے گزرتا ہے اور پتھروں سے ٹکرا کر جو اس پانی کی پھوار اڑتی ہے یہ کتنی دلکش لگ رہی ہے۔"

"ہاں..... اسی لئے میں یہاں آ لیٹا تھا۔"

"اچھا سچ بتاؤ کوئی جگہ منتخب کی ہے، میرا مطلب ہے کوئی خیمہ، یا دروں میں قیام کیا ہے۔"

"میں جھوٹ بہت کم بولتا ہوں۔"

"یعنی یہی چٹان۔"

"ہاں..... یہ بھی..... بس عارضی طور پر، کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"اچھا تنہا آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"میرا مطلب ہے ساجد وغیرہ۔"

"نہیں ان میں سے کوئی نہیں ہے۔"

"چلو سبھی کو ٹھکرا دیا ہے تم نے مجھے تو بتا دو..... رقص کی یہ تعلیم کہاں سے حاصل کی..... شاہ گل نے سامنے ایک پتھر کی جانب دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔"

"جواب نہیں دیا تم نے، لیکن شاہ گل کا جواب اسے پھر نہیں ملا تھا، یاقوت اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔"

"جواب نہیں دو گے۔" شاہ گل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔"

"یاقوت ہے نا آپ کا نام۔"

"یہ تم بار بار سب کے نام کیوں پوچھتے ہو..... اس سے تم کیا ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ تم دنیا سے بیزار ہو، کسی کو اپنے ذہن میں جگہ نہیں دیتے، کسی کو یاد نہیں رکھتے۔"

"ہاں شاید۔"

"اور میرے لئے کیا خیال ہے۔"

"کچھ نہیں، مجھ سے سر نہ پھوڑو، کچھ حاصل نہیں ہو گا شاہ گل نے کہا اور اٹھ کر اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا..... یاقوت خاموشی سے کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔"

❁ ❁ ❁

ویسے بھی اس گھر میں کون سی خوشیاں تھیں...... بیچاری صنوبر تو تقدیر کی بہت ہی کھوٹی تھی کہ اسے زندگی کی کوئی خوشی نہ مل سکی...... علی نواز بڑی مشکل سے ملا، لیکن اس کا ساتھ نہ مل سکا اور بہت جلد ہی وعدے سے منحرف ہو گیا...... اس کے بعد زندگی تو زندگی تھی ہی نہیں...... ایک پھول کھلا مگر وہ بھی ادھورا...... علی نواز کی جگہ لے لیتا کہانی خوبصورت ہو جاتی، لیکن تقدیر کی بیٹی یہاں بھی تقدیر کا شکار رہی اور اسے بیٹے کا سکھ بھی نہ مل سکا...... شاہ گل تو بڑا ہی عجیب تھا لیکن اب چند روز سے تو اور بھی صورت حال خراب ہو گئی تھی...... شاہ گل کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا...... بیچارہ غلام خیر جو پوری زندگی اس گھر کی خیر مناتا رہا تھا. اب بھی شاہ گل کی تلاش میں سرگرداں تھا...... زلیخا بیچاری ویسے بھی بے یار و مددگار ہو گئی تھی...... باقی بیٹوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تھا...... سارے کے سارے خود غرض، خود پرست اپنی برائیوں کی سزا بھگت رہے تھے. بہت معمولی سی زندگی گزار رہے تھے...... پریشانیاں اور فکریں کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی تھیں...... حالانکہ ایسی بات نہیں تھی، باپ نے بہت کچھ کیا تھا ان کے لئے لیکن تقدیر کے بیٹے اپنی برائیوں سے سب کچھ کھو چکے تھے...... سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماں کی دعائیں کھو بیٹھے تھے وہ...... بہر حال غلام خیر شاہ گل کی تلاش میں تقریباً سارا شہر کھنگال چکا تھا۔ پولیس سے رابطہ قائم کیا تو بیچارو مل گئی...... پولیس آفیسر نے بتایا کہ ایک بار پہلے بھی وہ شاہ گل کو ان کھنڈرات میں دیکھ چکا تھا...... اس دن بھی وہ اتفاق سے ادھر سے گزر رہا تھا کہ اس نے بیچارو کھڑی ہوئی دیکھی...... خطرناک جگہ تھی

پر کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کیا صورت حال ہے...... شاہ گل کو سمجھانے کے لئے کھنڈرات میں داخل ہوا...... سارا کھنڈر چھان مارا، لیکن شاہ گل وہاں نہ ملا تو بیچارو لے کر آ گیا اس کے بعد ایسا مصروف ہو گیا کہ ان لوگوں سے رابطہ قائم نہیں کر سکا...... بہر حال پولیس کی تھوڑی سی رسمی کارروائی کے بعد بیچارو تو غلام خیر کو مل گئی، لیکن شاہ گل کے بارے میں وہ بری خبر لے کر ہی گھر پہنچا تھا...... وہ جب بھی گھر میں داخل ہوتا زلیخا اور صنوبر کی نگاہیں اسے پوچھتیں اور اس کے چہرے سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتیں کہ شاہ گل کا کوئی پتہ چلا ہے یا نہیں، لیکن کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا اس کا...... عورتیں بیچاری تو بالکل ہی دنیا سے ناواقف تھیں...... بس غلام خیر تھا جو اپنی بساط بھر جتنا بھی کر سکتا تھا کرتا رہتا تھا...... پولیس آفیسر کے پاس شاہ گل کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوا دی گئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ پوری طرح شاہ گل کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گا...... اس وقت ہی اطلاع دی تھی آکر زلیخا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے...... صنوبر خاموش بیٹھی ہوئی تھی...... زلیخا نے کہا۔

"پتہ نہیں کس کی نظر کھا گئی ہمیں اللہ نے گھر میں کچھ خوشیاں دیں، مگر ایسی کہ بس نشان کیا کہیں۔" باہر سے ایک ملازم نے اطلاع دی کہ علی داراب آئے ہیں...... اتنے عرصے کے بعد علی داراب کی آمد بے معنی نہیں ہو سکتی تھی...... بہر حال ماں تو ماں ہی ہوتی ہے...... علی داراب کو اندر بلا لیا گیا...... زلیخا اس کے سامنے آئی تو علی داراب پھٹ پڑا۔

"تم لوگ عیش کی زندگی گزار رہے ہو...... اماں! کیا تم واقعی ہماری ماں ہو...... تم نے تو اس طرح ہمیں نکال پھینکا ہے جیسے دودھ سے مکھی...... کیا ماں کی ممتا کبھی اس بات کا احساس نہیں کرتی کہ اس کے بیٹے کس عالم میں گزارہ کر رہے ہیں۔" زلیخا نے سرد نگاہوں سے علی داراب کو دیکھا اور بولی۔

"پہلی بات تو یہ کہ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا...... ہمارے تمہارے رابطے تو کب کے ختم ہو گئے ہیں...... میں تمہیں معاف کر کے بھی پچھتائی تھی اور اس کے بعد میں نے تم لوگوں سے معذرت کر لی تھی، کیونکہ تم ہمیشہ جب بھی یہاں آتے ہو دل دکھانے کے لئے

آتے ہو؟"

"دل کے معاملے ختم ہوگئے اماں...... اب دل دکھانے یا سکھانے کی بات نہ کریں۔ میں اس وقت آپ سے کھری کھری بات کرنے آیا ہوں۔" علی داراب نے سخت غصے کے عالم میں کہا...... غلام خیر دروازے کے پاس خاموش کھڑا ہوا، ماں بیٹے کی گفتگو سن رہا تھا...... صنوبر بھی علی داراب کی آواز سن کر آگئی تھی اور ایک گوشے میں کھڑی ہوئی تھی...... علی داراب نے کہا۔

"اماں اب ہمیں وہ دولت چاہئے جو آپ لوگوں کے پاس محفوظ ہے، اگر ہم اس دولت کو حاصل نہ کر سکے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ تباہی کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں...... ایک قدم آگے بڑھنے کی دیر ہے۔"

"تو علی داراب غیرت مند باپ کے غیرت مند بیٹے ہو...... میرے پاس آنے کے بجائے ایک قدم آگے بڑھ جاتے تاکہ تمہارا کام بھی تمام ہو جاتا...... ارے جب بھی آتے ہو اپنی ہی رام کہانی لے کر آتے ہو...... ماں سے بھی کبھی پوچھا؟ کہ اماں کوئی پریشانی ہے تمہیں کچھ چاہئے تو نہیں۔"

"اماں آپ نے سب کچھ تو ہضم کر لیا ہم کیا پوچھتے آپ سے۔"

"میں نے ہضم کر لیا...... خوب علی داراب شرم نہیں آتی تمہیں۔"

"اصل میں اماں اخباروں میں پڑھا کرتا ہوں...... ماں بیٹوں کا تنازعہ میرے لئے ہمیشہ حیران کن رہا...... بہت سے ایسے واقعات بھی پڑھے جن میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ بیٹوں نے دولت کے لئے ماں کو قتل کر دیا...... ہمیشہ ان تصورات پر تھوکتا رہا ہوں لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ کیسے حالات ہوتے ہوں گے جب بیٹے ماں کو قتل کر دیتے ہوں گے۔"

"گویا تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہے ہو۔"

"نہیں اماں! ایسا تو نہیں کر رہا میں لیکن میرا جنون انہی راستوں کی طرف بڑھ رہا ہے...... مجھے رقم چاہئے ایک بہت بڑی رقم، بہت عرصہ ہو گیا تکلیفوں میں زندگی بسر کرتے

ہوئے اب ہم ان تکلیفوں میں زندگی بسر نہیں کر سکتے...... آپ کے پاس بہت کچھ ہے وہ کیا کرے گی اور آپ کا وہ پوتا...... وہ تو بس اندازہ ہو گیا ہے...... اماں اسے تو بس زنخوں کے ساتھ بھیج دیجئے...... وہیں خوش رہے گا ایسے گھروں میں بچے خوش نہیں رہا کرتے۔"

"میں...... میں نے تم پر ہمیشہ لعنت بھیجی ہے...... تم تینوں کا کردار ایسا ہی ہے جس پر لعنت بھیجی جائے، لیکن تم کس منہ سے میرے پاس رقم مانگنے آئے ہو۔"

"اپنا حصہ مانگ رہے ہیں۔"

"خدا کرے تم پر قہر ٹوٹے، خدا کرے تم برباد، تباہ ہو جاؤ...... کون سے حصے کی بات کر رہے ہو، سب کچھ تو کھا لیا تم نے...... علی نواز کا حصہ بھی تم کھا گئے، اب کیا زمان منگی نے تم کو جو دیا ہے اس پر نیت لگی ہوئی ہے تمہاری۔"

"زمان منگی مر چکا ہے اور یہ صنوبر یہ بھی اب عمر رسیدہ ہو چکی ہے...... کیا کرو گے تم اتنی دولت کا...... اس میں سے کچھ ہمارے کام آجائے تو کیا اچھا نہیں ہوگا۔"

"جاؤ علی داراب اور اپنے بھائیوں سے بھی کہہ دینا کہ اس کے بعد مجھے اپنی شکل بھی نہ دکھائیں...... جتنی بددعائیں تصور کی جا سکتی ہیں تمہارے لئے موجود ہیں...... تم میرے بیٹے کے قاتل ہو، میں نے یہی احسان تم پر کیا ہے کہ تم تینوں کو قتل کے الزام میں گرفتار نہیں کرایا۔"

"تو پھر سوچ لو اماں اب ماں بیٹوں کا نہیں بلکہ۔"

"ایک منٹ علی داراب، ایک منٹ ذرا ادھر رخ کرو۔" یہ آواز غلام خیر کی تھی...... علی داراب نے چونک کر غلام خیر کو دیکھا اور بولا۔

"تعجب کی بات ہے...... تم حالانکہ یہاں ملازم کی حیثیت رکھتے ہو، لیکن تم نے ہمیشہ ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑائی ہے، جاؤ باہر نکل جاؤ، شرافت اسی میں ہے۔" غلام خیر دو قدم آگے بڑھا اور اس نے علی داراب کے کندھے پر اپنا مضبوط اور چوڑا ہاتھ رکھ دیا، پھر اس نے کہا۔

"اگر میں اس ہاتھ کو دبا تا چلا جاؤں تو تم زمین پر بیٹھ جاؤ گے اور اس کے بعد اگر مزید دباؤں تو تمہارے کندھے کی ہڈی ٹوٹ جائے گی...... علی داراب بات اصل میں یہ ہے کہ شاہ عامل میرا دوست تھا...... مالک نہیں تھا اور ایک دوست کی حیثیت سے ہی میں نے یہاں زندگی گزاری ہے...... شاہ عامل کی موت کے بعد میری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں...... تم میری ماں جیسی بھابی سے یا بہن جیسی بھابی سے بدتمیزی کر رہے ہو...... اولاد اور ماں کے رشتے توڑ رہے ہو تو اس کے بعد تم کیا سمجھتے ہو کیا غلام خیر کا فرض شروع نہیں ہو جائے گا اور غلام خیر کا فرض یہ ہے کہ تم جیسوں کو چٹکیوں سے مسل کر باہر پھینک دیا جائے اور یہ کام میں کر سکتا ہوں...... اٹھو۔" غلام خیر نے علی داراب کی گردن دبوچ کر اسے اٹھایا اور علی داراب جھنجھناتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"م...... میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" غلام خیر نے علی داراب کی گردن دبوچ رکھی تھی اس نے زلیخا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بھابی حضور کیا کہتی ہیں۔"

"باہر پھینک دو اسے، باہر پھینک دو، گردن دبا دو، اس کمینے کی، اس مردود کی گردن دبا دو، میں اس سے سارے رشتے توڑ چکی ہوں...... اب کبھی کم از کم اس کے سلسلے میں جذباتی نہیں ہوں گی، مار کر باہر پھینک دو اسے۔"

"چلو۔" غلام خیر نے علی داراب کی گردن دبوچی اور اسے گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔ علی داراب اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن غلام خیر ایک نامی پہلوان رہ چکا تھا۔ باہر جا کر اس نے علی داراب کو زور سے دھکا دیا اور بولا۔

"اس کوٹھی کا گیٹ دیکھ رہے ہو ناں...... اس گیٹ سے اب کبھی ادھر قدم رکھا تو سمجھ لو اس کے بعد ہر طرح کی آزادی حاصل ہو چکی ہے مجھے۔" علی داراب تیزی سے گیٹ سے باہر نکل گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

مومل کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی...... وہ درجنوں بار غلام خیر یا شاہ گل کے گھر جا چکی تھی، دروازے پر گھنٹوں کھڑی رہتی کبھی کار میں بیٹھی رہتی اور دروازے کو تکتی رہتی لیکن اس کی ملاقات ایک بار بھی شاہ گل سے نہیں ہوئی تھی...... کھانا پینا بہت کم ہو گیا تھا، آنکھوں کے گرد حلقے پڑتے جا رہے تھے...... مشعل اسے اولاد کی طرح عزیز رکھتی تھی جب بھی وہ مومل کو دیکھتی اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتا تھا، وہ سوچتی تھی کہ میں کیا کروں اس کے لئے...... شاہ گل کی خوشامد کروں، کیا کروں...... اس دن بھی وہ باہر نکل گئی تھی— مشعل کو پتا بھی نہیں تھا مگر وہ جانتی تھی کہ وہ کہاں ہوگی...... کار لے کر چل پڑی— شیراز صاحب جا چکے تھے...... مشعل نے دور ہی سے دیکھ لیا مومل کی کار کھڑی ہوئی تھی اور وہ اسٹیرنگ پر بیٹھی سامنے کے گیٹ کو دیکھ رہی تھی...... مشعل نے اپنی کار اس کے برابر میں جا کر روکی تو مومل نے چونک کر اسے دیکھا...... مشعل مومل کا ویران چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی، اپنی جگہ سے اٹھی اور مومل کے پاس اس کی کار میں آ بیٹھی۔

"مومل یہاں کیوں کھڑی ہو۔"

"پتہ نہیں وہ گوشہ نشین کیوں ہو گیا ہے باجی کبھی باہر ہی نہیں نکلتا۔"

"تم اندر کیوں نہیں چلی گئیں۔"

"مجھے شرم آتی ہے...... کیا سوچیں گے وہ لوگ، بار بار آ جاتی ہیں۔"

"اسٹیرنگ سے ہٹو۔"

"کیوں باجی۔" موبل نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔
"گھوم کر میری سیٹ پر آ جاؤ۔" مشعل نے خود اسٹیرنگ سنبھال لیا...... موبل نے اس
کی ہدایت پر عمل کیا تو مشعل نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔
"شاہ گل کے گھر چل رہی ہو باجی۔"
"ہاں" مشعل نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ گیٹ پر جا کر رُکی چوکیدار نے دروازہ
کھول دیا...... مشعل کار اندر لے کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ موبل کا ہاتھ پکڑے ہوئے
اندر داخل ہو گئی۔ نشست گاہ میں زلیخا اور صنوبر بیٹھی ہوئی تھیں...... دونوں کے چہرے
اترے ہوئے تھے...... صنوبر کی آنکھیں بھی روئی روئی سی لگ رہی تھیں...... مشعل نے اسے
سلام کیا تو زلیخا نے کہا۔
"آؤ بیٹے...... اللہ تمہیں خوش رکھے...... بہت دن کے بعد آنا ہوا۔"
"ہاں! چچی جان، بس یہ موبل ہے نا یہ سوچتی رہی کہ اتنی جلدی جلدی جانا ٹھیک ہے
بھی یا نہیں۔"
"بیٹے شاید تمہیں پہلے بھی ہم نے بتایا تھا کہ یہاں ہمارا کوئی بھی نہیں ہے، انسانوں کو
ترسے ہوئے ہیں ہم لوگ...... تم نے ایسا کیوں سوچا۔"
"چچی جان! شاہ گل کہاں ہے۔"
"آہ! خیال ہی نہیں آیا کہ تم سے بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم کیا جاتا۔"
"میں سمجھی نہیں۔" مشعل نے کہا۔
"اسے کافی دن ہو گئے یہاں سے گئے ہوئے...... گاڑی لے کر نکلا تھا...... واپس نہیں
آیا۔ نجانے کہاں چلا گیا...... گاڑی پولیس کے ذریعے واپس مل گئی، لیکن وہ اس کا کوئی پتہ
نہیں ہے۔" صنوبر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر رو پڑی تھی اور موبل پھٹی پھٹی آنکھوں سے
زلیخا کو دیکھ رہی تھی۔"
"لیکن چچی جان کچھ پتا تو چلا ہو گا آپ نے معلومات کرائی۔"

"تمام خیر بھائی دن رات اس کے چکر میں مارے مارے پھر رہے ہیں...... کوئی پتہ
نہیں چل سکا ہے اس کا۔"
"کہیں کوئی...... اللہ نہ کرے۔"
"نہیں...... اللہ سے دعا کرو وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔" موبل نے ایک دم
کھڑے ہو کر کہا چلو باجی اُٹھو۔
"موبل۔"
"اُٹھو باجی...... اُٹھو موبل پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری تھی...... مشعل بے اختیار
اُٹھ گئی، زلیخا نے عجیب سی نگاہوں سے موبل کو دیکھا...... صنوبر بدستور سسک رہی تھی......
مشعل نے کہا۔
"دادی جان میں پھر آؤں گی...... اس وقت اس پر نجانے کیا وحشت سوار ہو گئی ہے۔"
زلیخا خاموشی سے گردن ہلا کر رہ گئی تھی...... موبل بغیر کسی سے کچھ کہے آگے چل پڑی تھی،
باہر نکل آئی...... بمشکل تمام مشعل نے اس کو پکڑا۔"
"موبل...... موبل کیا دیوانگی ہے...... کیا بے وقوفی ہے۔" لیکن موبل نے کچھ نہیں سنا
تھا، وہ دوڑتی باہر نکل آئی تھی، پھر اسی طرح دوڑتی ہوئی گیٹ سے ہی باہر نکل آئی تھی، اس
سے پہلے کہ مشعل اسے پکڑتی وہ اپنی کار میں بیٹھی کار سٹارٹ کر کے اس طرح طوفانی انداز
میں اس نے آگے بڑھائی کہ مشعل کو چکر آ گیا...... بمشکل تمام وہ اپنی کار تک پہنچی تھی......
اپنے اعصاب پر قابو پا کر جب اس نے اپنی کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو موبل کی کار
نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی...... بڑی احتیاط سے اور سنبھل سنبھل کر مشعل نے اپنے گھر
تک کا سفر طے کیا تھا...... راستے میں کہیں موبل کی کار نظر نہیں آئی تھی...... مشعل کے دل
میں لاتعداد وسوسے جنم لے رہے تھے، گھر پہنچ گئی...... موبل یہاں بھی موجود نہیں تھی......
میرے خدا میں اسے کہاں تلاش کروں...... مشعل نے سوچا لیکن کچھ کر نہیں سکتی تھی، وقت
گزر رہا...... رات ہو گئی، رات کو موبل واپس آ گئی تھی، برے حال برے احوال یہ تو شکر تھا

کہ شیراز صاحب مصروف تھے اور ابھی تک نہیں پہنچے تھے...... ورنہ خاصی پریشانی لاحق ہو جاتی...... مومل تھکی تھکی سی اپنے کمرے کی جانب چل پڑی...... مشعل نے اسے کچھ وقفہ دیا تھا، پھر جب وہ مومل کے کمرے میں پہنچی تو مومل کسی مردہ وجود کے مانند اپنی مسہری پر دراز تھی...... مشعل کی ہلکی آہٹ پر اس نے رُخ تبدیل نہیں کیا تو مشعل اس کے پاس پہنچ گئی۔

"مومل۔" مومل نے اس طرح درد بھری نگاہوں سے مشعل کو دیکھا تھا کہ مشعل کا کلیجہ مل گیا تھا۔

"مومل خود کو سنبھالو گی نہیں بیٹے۔" مشعل نے روتی ہوئی آواز میں کہا تھا اور مومل سسک پڑی تھی۔

"باجی — باجی میں کیا کروں...... میرے لئے، میرے لئے دعا کی کرو باجی...... کوئی ایسا مل جائے جو میرے لئے دعا کرے...... باجی مجھے کسی ڈاکٹر کو دکھا دو، میرے دل کا علاج کرا دو باجی، باجی میں خود حیران ہوں اور باجی حیران ہی نہیں...... سخت پریشان بھی ہوں...... باجی انسان بے شک انسانوں سے محبت کرتے ہیں...... انہیں چاہتے ہیں، انہیں پیار کرتے ہیں — بچپن سے اگر کوئی ننھا سا وجود اگر کسی کی آنکھوں کے سامنے پرورش پائے تو بے شک اس کی محبت دل میں لافانی ہو جاتی ہے لیکن ایک اجنبی وجود، جو صرف کالج میں ساتھ پڑھا ہو، جس کی جھکی جھکی نظریں اچھی لگی ہوں، جس کا نرم انداز گفتگو دل کو بھایا ہو...... کیا وہ وجود کی گہرائیوں میں اتنا نیچے اتر سکتا ہے باجی — کہ بھلانے کی ہر کوشش کے باوجود، اسے بھلایا نہ جا سکے — باجی قسم لے لو مجھ سے تم سے زندگی میں کبھی میں نے اپنے آپ کو نہیں چھپایا — باجی تمہارے علاوہ میرا اس دنیا میں ہے ہی کون تمہاری قسم کھاتی ہوں باجی — شاید کل سے مجھے کسی جوابی محبت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی...... باجی یہ بات بڑی عجیب ہے لیکن کہنا ضروری ہے مجھے اس کی طلب نہیں ہے باجی، میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ میرا بن کر، میری آغوش میں سما جائے — باجی میرا دل بس یہ چاہتا ہے کہ وہ میرے پاس رہے، میرے

سامنے رہے، مجھے دیکھے، مجھے چاہے، مجھے محسوس کرے، باجی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کی پوجا کروں...... اسے اتنا چاہوں کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو اتنا نہ چاہا ہوگا — باجی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کے بال سنواروں، اس کے لباس درست کر کے اسے پہناؤں، اسے اتنی محبت سے دیکھوں کہ اس کے بعد آنکھوں میں بینائی نہ رہے — باجی اس کا سارا وجود میرے لئے ایک ایسی آرزو ہے، جس کی تکمیل نہ ہو تو خود انسان نامکمل رہ جائے — باجی اسے ملنا ہوگا باجی اسے ضرور مجھ سے ملنا ہوگا...... اسے میری اس آرزو کا احترام کرنا ہوگا۔ باجی یہ عجیب کیوں ہے لوگ تو آسانی سے چار قدم چل کر اپنی منزل پا لیتے ہیں — باجی میری منزل خلا میں کیوں ہے بتاؤ کہاں چلا گیا وہ...... باجی وہ کہاں ہے...... باجی اسے لا دو میرے لئے — وہ میرا ہے، میں اسے کسی اور کی نگاہوں کے سامنے نہیں دیکھ سکتی...... باجی اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں اسے تلاش کروں گی...... دنیا تو محاورے ادا کرتی ہے، میں اس کی تلاش میں کائنات کے آخری گوشے تک جاؤں گی اور راستے ہی میں کہیں مر جاؤں گی...... باجی یہی موت میری زندگی ہے...... مجھے یہی موت چاہئے، اسے تلاش کرنا میری زندگی کا پہلا مقصد ہے — چاہے اس کے لئے مجھے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔" مشعل بہت دیر تک اسے روتی رہی تھی اسے سمجھاتی رہی تھی اس نے کہا تھا۔

"تو نے ٹھیک کہا ہے مومل لوگ دو چار قدم چل کر اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں — لیکن بے شک ان میں رکاوٹیں ہوتی ہیں لیکن یہ رکاوٹیں بھی دور ہو جاتی ہیں — تیری منزل تاریکیوں میں ہے، لیکن ایک بات سمجھ لے وقت ضرور آتا ہے وہ جہاں کہیں کتنا جیسا بھی ہے تیری محبت آخر کار اسے تیرے قریب کھینچ لائے گی۔ یہ میرا ایمان ہے مومل — اس کے ساتھ ساتھ بڑی بہن کی حیثیت سے بھی، دوست کی حیثیت سے بھی اور ماں کی حیثیت سے بھی میں تجھے یہ سمجھا رہی ہوں کہ خود کو اپنی کسی طلب میں اس قدر بے بس بھی چھوڑ دینا چاہئے کہ دوسرے انگلیاں اٹھانے لگیں...... دیکھو ہمارے والدین ایک متوازن تصور کئے جاتے ہیں، وہ اس معاشرے میں اگر ہمارے ذریعے کوئی ایسی کہانی

مشہور ہو جائے کہ ڈیڈی کے دشمنوں کو ان پر ہنسنے کا موقع مل جائے تو کیا ہم ڈیڈی کو ان کی محبتوں کا بہتر صلہ دیں گے۔ دیکھو مومل ہم وہ سب کچھ کریں گے جس سے ہمیں شاہ گل کا پتہ چل جائے، لیکن دیوانگی کے عالم میں نہیں عالم ہوش و حواس میں اور اس کے لئے تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا...... اتنا اطمینان تو میں بھی تمہیں دلاتی ہوں کہ شاہ گل مل جائے گا مل ہیں...... وادی ہیں...... گھر ہے سب کچھ ہے اس کا ذرا مختلف طبیعت کا انسان ہے...... شاید تصوف کی جانب مائل ہے، تھوڑی سی درویشت ہے اس میں...... ہوتا ہے کبھی کبھی عمر کے ابتدائی حصے میں انسان پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں...... وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ مومل اور آخر کار تمہاری محبت کو قبول کرے گا، لیکن انتظار میری بہن، انتظار، فرزانگی کے ساتھ۔" مومل ان الفاظ سے کافی حد تک سنبھل گئی تھی...... نجانے کب تک مشعل اسے سمجھاتی رہی اور جب اس نے دیکھا کہ مومل پرسکون ہو گئی ہے تو وہ اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن ساری رات تشویش کے عالم میں گزری تھی...... صبح ناشتے کی میز پر پھر شیراز صاحب نے وہی سوال کیا۔

"بھئی مشعل آخر یہ مومل کو کیا ہوتا جا رہا ہے...... میرا خیال ہے میں اسے کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کراتا ہوں۔"

"ڈیڈی وہ بالکل ٹھیک ہے...... باپ کی محبت بھری نگاہیں اولاد میں کوئی بھی کمی تلاش کر لیں...... میں بھی تو آخر اس کے ساتھ رہتی ہوں۔" مشعل نے باپ کو تسلی دی مگر وہ خود مطمئن نہیں تھی، اب ان کا یہی معمول تھا...... بیچاری زلیخا، غلام خیر اور صنوبر بھی پریشان ہو گئے ہوں گے، وہ شاہ گل کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہتی تھیں، لیکن اس کے بارے میں کبھی کوئی خبر نہ ملی۔ مشعل...... مومل کو سمجھاتی رہی، مومل کے رنگ اُجڑتے رہے اور آخر کار ایک دن صبح کو جب مشعل نے مومل کو تلاش کیا تو وہ موجود نہ ملی...... البتہ اس کی مسہری پر ایک پرچہ رکھا ہوا ملا، جس میں لکھا تھا۔

"باجی کہا جاتا ہے کہ تلاش کئے بغیر منزل نہیں ملتی...... میں جانتی ہوں کہ جو قدم میں

...ری ہوں وہ اتنی پریشانیوں کا باعث ہوگا جو شاید آخر میں ان کو سن لوں تو خودکشی ہی کر لوں...... لیکن باجی میں بھی خودکشی ہی کرنے جا رہی ہوں، اپنی منزل کو تلاش کئے بغیر میں نہیں لوٹوں گی...... بہتر تو یہ ہوگا جیسے بھی بن پڑے مجھے اپنے دائرہ محبت سے نکال دیں بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گی نہ کسی سے معافی مانگوں گی، نہ اظہار شرمندگی کروں گی...... بس باجی سب کچھ ختم ہو گیا ہے، میرے پاس خدا حافظ...... مومل۔" مشعل کی آنکھوں کے نیچے تاریکی پھیل گئی تھی۔

upload by sa,limsalkhan

عقیدت مندوں کے ہجوم ان کے عقیدت سے فائدے اٹھانے والوں کے ہجوم، ہر طرف فقیروں کا راج، جگہ جگہ ضرورت مندوں کے کیمپ، ساری چیزیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں، ہر شخص کچھ نہ کچھ مانگنے آیا تھا...... اتنے سارے لوگوں کو کچھ دینا بھی تو ایک مشکل عمل ہے...... شاہ گل بھی کتنی ہی دیر شاہ پیر کے مزار کے سامنے بیٹھا رہا تھا...... خاموش آنکھیں بند کئے اس نے ابھی تک کوئی سوال نہیں کیا تھا، کچھ نہیں مانگا تھا، بلکہ سوچتا ہی رہا تھا کہ کیا مانگے...... ایک دو بار اس نے نواب جانی کو بھی دیکھا تھا۔ نواب جانی کی بڑی شان تھی وہاں اور شاید رعب بھی، لیکن اس نے خود نواب جانی کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس سے کچھ بچا بچا ہی رہا تھا...... شناسائیوں سے تو بھاگ کر یہاں تک آیا تھا، یہ شناسائیاں اگر یہاں بھی تعاقب کریں تو کیسے برداشت کیا جائے، انہیں غرض یہ کہ دوا اپنے طور پر وقت گزار رہا تھا، یاقوت مل گئی تھی۔ یاقوت کو بھولا بے شک نہیں تھا لیکن بہرحال اس کا ایسا کوئی ذہنی ربط بھی نہیں تھا کہ دوبارہ ملنے کی کوشش کرے...... اس وقت بھی شام کے سائے لرزاں تھے...... ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا ایسی جگہوں پر سنسان گوشوں کی تلاش بھی ایک مشکل کام ہی ہے، لیکن تقدیر نے اس کا ساتھ دیا تھا...... پہاڑی پتھروں سے چنی ہوئی ایک دیوار کے عقب میں اسے جگہ مل گئی تھی...... یہاں سے مزار شریف کے سبز گوشے نظر آ رہے تھے اور اس کی نگاہیں ان گوشوں پر لگی ہوئی تھیں...... ذہن میں عجیب سی گڑبڑاہٹ تھی، کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"جان بوجھ کر یہاں نہیں آیا، جانتا ہوں دینے والی ذات صرف ایک ہوتی ہے اور اگر

ان کے نیکیوں سے مانگا جائے تو انہیں تکلیف دینے سے مترادف ہے۔ تمہیں تکلیف نہیں دے رہا، شاہ پیر سے بات کر رہا ہوں، فریاد کر رہا ہوں، اپنے درد کی دوا چاہتا ہوں، ایسا درد جو دے دیا گیا مجھے جس نے میری زندگی کی کتاب ہی پھاڑ ڈالی...... میرے درد کی کوئی دوا ہے۔ بزرگ محترم! بھاگا بھاگا پھر رہا ہوں، دنیا کے کون سے گوشے میں پناہ لوں...... کہاں تلاش کروں، دوا دینے والے کو، کہاں تلاش کروں۔"

"کوئی درد لا دوا نہیں ہوتا...... درد لا دوا ہو تو درد ہی نہ رہے۔ درد کے ساتھ دوا کا نام ہے اور دوا سے مایوسی کفر، کیونکہ معالج ذات باری ہے، جو درد دیتی ہے اسی کے پاس درد کی دوا بھی ہے۔" ایک بھاری آواز ابھری اور شاہ گل نے گردن اٹھا کر دیکھا، ایک بوڑھا شخص سبز لبادہ پہنے ہوئے دیوار کی دوسری جانب موجود تھا، شاہ گل نے مزید گردن اٹھا کر دیکھا تو وہ بولا۔

"کبھی دوا سے مایوس نہ ہونا، کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں وہ موجود ہے۔"

"میں نے تم سے کہا تم سے کچھ مانگا۔"

"نہیں فرض بھی ایک چیز ہوتی ہے، میں نے تو صرف تمہیں یہ بتا کر اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"کوئی گوشہ خالی ہے تم سے۔" شاہ گل نے نفرت بھرے انداز میں کہا اور بوڑھا فقیر ہنس پڑا۔

"واہ کتنی حسین بات کہی ہے تو نے...... کتنی حسین بات کہی ہے، لیکن جو کچھ تو نے کہا ہے اس کا مفہوم جب تیری سمجھ میں آ جائے گا تو سمجھ لے کہ تجھے تیرے درد کی دوا مل گئی۔ حق...... حق۔" فقیر اپنی جگہ سے اٹھا اور کہیں چلا گیا، شاہ گل نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

"بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں...... اچھی طرح سمجھتا ہوں ان لوگوں کو، اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" وہ جھلائے ہوئے انداز میں ادھر سے اٹھا اور بلندی کے ایک سرے پر آ بیٹھا...... یہاں سے ڈھلوان نیچے کی سمت جاتے تھے جگہ یہ بھی بری نہیں تھی، چنانچہ سر کے نیچے پتھر کا ایک ٹکڑا رکھ کر کھردری زمین پر سمٹ گیا، بہت سی یادیں، بہت

سے نقش ذہن سے گزرنے لگے، اس سے بہتر تو کوئی مشغلہ ہی نہیں ہوتا اپنے آپ کو یادوں کے جزیرے میں لے جاؤ اور پھر سارے جہانوں کی سیر کر لو...... تھوڑی دیر اس طرح گزری تھی کہ کچھ آہٹیں قریب آئیں اور اس کے بعد ایک ترنم بھری آواز ابھری۔

"کم از کم اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اگر لگن سچی ہو تو تلاش ناکام نہیں رہتی، لوگ کتنا بھی چھپ لیں سامنے آ ہی جاتے ہیں۔" چونک کر دیکھا تو یاقوت تھی، نجانے کیوں اس وقت یاقوت بری نہ لگی اور شاہ گل اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ آ گئی۔

"واقعی کمال کی بات ہے آپ تو چھپنے بھی نہیں دیتیں یاقوت۔" شاہ گل کے رویئے کو نرم پا کر یاقوت کا حوصلہ بڑھا، قریب آئی اور بولی۔

"اب اٹھ کر بھاگنا نہیں...... نجانے کیسے تمہیں اتنی اچھی اچھی جگہیں مل جاتی ہیں...... ہائے کتنا سکون ہے یہاں...... بیٹھ جاؤ۔" شاہ گل ہنس پڑا تھا، پھر اس نے کہا۔

"یقین کرو...... یہ جگہ میری ملکیت نہیں ہے۔"

"اچھی اچھی باتیں کرتے کرتے نجانے کیوں بری باتوں پر اتر آتے ہو۔"

"کوئی بری بات کہہ دی کیا میں نے۔"

"جگہ کوئی بھی ہو پیار سے بیٹھنے کے لئے کہہ دیا جائے تو نیکی حساب میں لکھ جاتی ہے۔"

"تو بیٹھو میں چاہتا ہوں کہ میرے حساب میں بہت سی نیکیاں لکھ دی جائیں۔"

"تم نیک لوگ ہو شاہ گل...... ہمارا کیا ہے ہم تو زمانے بھر کے رسوا ہیں، کوئی ہمیں اچھا کہے بھی تو ہمیں اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔" شاہ گل سنجیدہ ہو گیا پھر اس نے کہا۔

"کیوں۔"

"اس لئے کہ ہماری پیشانیوں پر ایک ایسا لیبل چپکا ہوا ہوتا ہے جس کا حقیقت میں ہم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بس یوں سمجھوں کے یہ لیبل اسی طرح ہماری پیشانی کا حصہ ہوتا ہے جس طرح آنکھ، ناک، کان کیونکہ کبھی کبھی ہم اپنی پسند سے اس لیبل کو اپنی پیشانی پر

...یہ پکانے۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں، لیکن یاقوت میرا اپنا خیال یہ ہے کہ انسان جو حال میں معصوم ...یہ وہ فطرتیں اس کی ذات سے منسلک ہیں وہ اسے اچھا برا بننے پر مجبور کرتی ہیں، ماحول ...ہو تو اچھا، سازگار نہ ہو تو برا میرے خیال میں انسان کی یہ پہچان نہیں ہونی چاہئے۔"

...کا چہرہ کھل گیا اس نے کہا۔

"دل سے کہہ رہے ہو یہ بات۔"

"پھر نہیں دل سے کون سی بات کہی جاتی ہے...... ادائیگی تو زبان سے ہی ہوتی ہے۔"

"جب ٹھنڈے لہجے میں گفتگو کرتے ہو تو کتنے دلکش لگتے ہو۔"

"واہ یاقوت بائی واہ کسی بھی جگہ کاروبار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں...... یہاں بھی ...چالو ہے۔" "کوئی رئیس زادہ ہی ہوگا یہ۔" ایک اور آواز ابھری...... یاقوت اور شاہ گل ...پڑے دونوں نے گردن اٹھا کر دیکھا...... چوڑے چکلے بدن، نوکیلی مونچھیں، بڑی بڑی ...یں، اچھے نقوش لیکن شیطانی تاثر لئے ہوئے...... شاہ گل اور یاقوت خاموشی سے اسے ...رہے۔

"اب یہ کہو گی کہ پہچانا نہیں...... بات اصل یہ ہے کہ یاقوت بائی کہ لگن سچی ہو تو انسان ...ڈھونڈ ہی لیتا ہے، یقین کرو بہت بار سوچا کہ جائیں اور اپنی یاقوت سے ملیں، پر موقع ہی نہ ...اب دیکھو نا بزرگوں کی شان کتنی نرالی ہوتی ہے، آئے تو تھے بزرگ کی عقیدت میں، شاہ ...سلام کرنے مگر مل گئیں تم، یہ بھی تو ہمارے جذبے کا ایک حصہ ہے۔"

"کیسے ہیں آپ سکندر، یاقوت نے کہا۔"

"چلو، اللہ کا شکر ہے، ہمیں ہمارے نام سے مخاطب کیا، ویسے یہ بچہ کون ہے؟ تم سے زیادہ خوبصورت ہے، لڑکی ہوتا تو یقین کرو بازار لوٹ لیتا۔"

"سکندر، جاہل ہونا بری بات نہیں ہے جہالت کا مظاہرہ کرنا بری بات ہے، جتنے جاہل ...سے زیادہ جہالت کی بات کر رہے ہو، افسوس ہوا تمہاری بکواس سن کر۔"

"کیا مطلب۔"

"شاہ گل کے بارے میں تم جس طرح بکواس کر رہے ہو۔"

"اوہو، شاہ جی ہیں یہ، کتنا بنک بیلنس ہے شاہ جی، ابا کیا کرتے ہیں، کوئی بڑے زمیندار لگتے ہیں شاید، ورنہ اپنی یاقوت بی بی، ذرا کم ہی لوگوں کو خاطر میں لاتی ہیں۔"

"اب بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ، تمہاری بدتمیزی آخری حد میں داخل ہوگئی ہے۔"

"یاقوت بی بی، ہم تو ایک اور مشورہ دینے والے تھے تمہیں، یہاں سے جا رہے ہیں ہم، اپنے شہر، اپنی بستی، بجائے اس کے کہ تمہاری تلاش میں وقت ضائع کریں، بہتر ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی چلو، پہلے بھی تم سے ایک بار کہا تھا کہ رانی بنا کر رکھیں گے، کیا سمجھیں۔"

"چلو شاہ گل ہم خود ہی یہاں سے چلتے ہیں، یہ ایک جاہل آدمی ہے اور اس لحاظ سے بدتمیز بھی، ہونا ہی چاہئے، تعلیم وتربیت اسے چھو کر نہیں گزری۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ، بدتمیزی نہ ہم نے کبھی کسی سے کی ہے اور نہ پسند کرتے ہیں...... ہمارے ہاں جب کوئی کسی سے بدتمیزی کرتا ہے نا تو ہم اسے اس قابل نہیں چھوڑتے کہ وہ دوبارہ کبھی کسی اور سے بدتمیزی کرے، پر تمہاری بات ذرا مختلف ہے...... شاہ جی اس کی اصلیت جانتے ہو۔"

شاہ گل اب بھی خاموش تھا اور سنجیدہ نگاہوں سے سکندر کو دیکھ رہا تھا...... یاقوت نے کہا۔"

"آؤ شاہ گل آجاؤ، پلیز، پھر اس نے شاہ گل کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے آگے بڑھ گئی، سکندر ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔"

"اور اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم تمہارا پیچھا چھوڑ دیں گے تو بے وقوفی ہے تمہاری، کیا سمجھیں۔"

یاقوت وہاں سے تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی. لیکن پھر اچانک ہی ایک اور سنسنی

خیز واقعہ ہو گیا...... نیچے ڈھلان میں جہاں خیموں کا شہر آباد تھا، آگ کے شعلے بلند ہونے لگے

سکندر بھی چونک کر اس پر متوجہ ہوگیا، پھر اس نے کہا۔"

"ارے اسی طرف تو ہمارے بھی خیمے ہیں، اس نے کہا اور ڈھلان کی طرف دوڑ پڑی...... یاقوت کی نگاہیں، تیز رفتاری سے پھیلتی ہوئی آگ کو دیکھ رہی تھیں...... خیموں کا شہر آگ کی لپیٹ میں آگیا تھا...... ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا خیمہ آگ پکڑتا جا رہا تھا اور بری طرح بھگدڑ مچ گئی تھی...... یاقوت کی چیختی ہوئی آواز ابھری۔"

"شاہ گل، میری ماں اور بہنیں بھی تو ادھر ہی ہیں۔" شاہ گل چونکی ہوئی نگاہوں سے جلتے ہوئے خیموں کو دیکھ رہا تھا...... اچانک ہی یاقوت نے نیچے چھلانگ لگا دی اور ڈھلان پر دوڑنے لگی، لیکن ڈھلانوں پر دوڑنا آسان کام نہیں ہوتا...... رفتار تیز ہوئی پتھروں سے ٹکرائی اور لڑھکتی چلی گئی، اس کی کئی چیخیں بلند ہوئی تھیں اور اس کے بعد وہ خاموش ہوگئی تھی...... شاہ گل ایک لمحے تک گم سم کھڑا سوچتا رہا اور دوسرے لمحے وہ یاقوت کی جانب دوڑ پڑا۔"

❁ ❁ ❁

مومل پڑھی لکھی تھی...... اچھے گھر سے تعلق رکھتی تھی...... اچھی سوچوں کی حامل تھی، لیکن در حقیقت بہت سی داستانوں کو ٹھکرانے کے باوجود بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ فرسودہ باتیں بھی حقیقت لگتی ہیں...... عشق بلا خیز زندگی چھین لیتا ہے، ہوش و حواس چھین لیتا ہے، بہت سوچتی رہی تھی، بہت غور کرتی رہی تھی، نجانے کیوں دل کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ شاہ گل اب کم از کم اس شہر میں واپس نہیں آئے گا...... کوئی یقین نہیں تھا کہ کہاں ہوگا...... کچھ نہیں جانتی تھی لیکن دل یہ کہہ رہا تھا کہ تلاش کرنے سے کیا نہیں مل جاتا، شاہ گل کو اگر تلاش کرے گی تو وہ مل جائے گا، ضرور مل جائے اور یہی دیوانگی ہوتی ہے جسے برا کہا جاتا ہے...... باپ اور بہن بڑے چاہنے والے تھے، تعجب ہوتا ہے کہ کسی اجنبی کے لئے ساری چاہتوں کو چھوڑ دیا جائے، لیکن بہر حال اس نے گھر چھوڑ دیا تھا اور نجانے کون سے اجنبی راستوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھی، کوئی بات جو سمجھ میں آرہی ہو، سب کچھ تاریکی میں گم ہوگیا تھا......ایک عجیب سی بے حواسی دل و دماغ پر طاری تھی اور وہ گھر چھوڑ کر دبے قدموں دروازے سے باہر نکل آئی تھی، پرچہ لکھ کر رکھ دیا تھا اور سمجھا تھا کہ بس یہ کافی ہے، حواس پتہ نہیں کہ ساتھ دے رہے تھے یا نہیں دے رہے تھے، سنسان راہداری میں وہ آگے بڑھتی رہی...... سب لوگ سو رہے تھے، تھوڑی دیر تک وہ پیدل چلتی رہی، اسے یقین تھا کہ آخر کار شاہ گل کو تلاش کرلے گی، لیکن بہر حال ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ تھوڑے سے حواس اس شکل میں کام کر رہے تھے کہ باہر کے ماحول سے ہوشیار رہے، جانتی تھی کہ رات کو پولیس کا گشت ہوتا ہے، کہیں پکڑی گئی تو مصیبتوں کا شکار ہوجائے گی۔

اسٹیشن کی جانب رُخ کرلیا تھا، گاڑی ساتھ لے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... رات بھی کسی سواری سے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا تھا، وہ چلتی رہی، راستے جانتی تھی، آخر کار ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی، تھک گئی تھی، لیکن اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تھی اور پھر اس نے ویٹنگ روم کی جانب رُخ کیا...... آج تک شیراز صاحب کے زیر عمل کرتی رہی تھی، کون سی ریل کہاں جاتی ہے؟ یہ بات نہیں معلوم تھی، تھوڑا سا سامان دو چار جوڑوں کی شکل میں ساتھ لے آئی تھی، اٹیچی کے بجائے تھیلا لینا مناسب سمجھا تھا...... لباس بھی کچھ میلا کچیلا ہی پہنا تھا تاکہ لوگ خاص طور سے متوجہ نہ ہوں، بہر حال ریلوے اسٹیشن آنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا تھا کہ جانا کہاں ہے؟ چنانچہ زنانہ ویٹنگ روم کے ایک گوشے میں بیٹھ گئی، حالانکہ رات اچھی خاصی ہوگئی تھی، لیکن اسٹیشن پر اچھی خاصی رونق تھی، اس نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ سمت کا تعین تو مشکل ہی ہے، چنانچہ جہاں بھی رُخ ہوجائے تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں بلکہ تقدیر ہی مناسب فیصلے کرتی ہے، آخر کار جب تھکن اتر گئی تو انکوائری آفس پہنچی، وہاں سے ٹرینوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں، جتنی ممکن ہوسکے اور جہاں کی بھی ٹرین مل جائے بیٹھ جانا چاہئے ہوسکتا ہے وقت سے پہلے یہ پرچہ شیراز صاحب یا کسی ملازم کو مل جائے، ہوسکتا ہے وہ لوگ ریلوے پلیٹ فارم کی جانب رُخ کریں اور اسے روک دیں، بہر حال اب اس کے بعد کچھ انتظار کرنا مناسب نہیں تھا...... اچانک ہی پلیٹ فارم پر ہنگامہ آرائی ہونے لگی، قلی اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگے......شاید کوئی ریل آرہی تھی اور پھر بہت بڑی تیز روشنی آگے بڑھتی ہوئی نظر آئی اور تھوڑی دیر کے بعد ریل پلیٹ فارم پر آکر رُک گئی...... لوگ اُترنے لگے، بہت سے ڈبے مومل کے سامنے سے گزرے تھے اور اس نے بوگی نمبر 13 دیکھی تھی جس میں صرف خواتین نظر آئی تھیں، چنانچہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرکے وہ اس زنانہ ڈبے میں داخل ہوگئی...... بہت سی عورتیں موجود تھیں، تقریباً سو رہی تھیں، بہت سے بچے بھی سو رہے تھے...... مومل نے اپنے لئے ایک جگہ منتخب کی اور سمٹ سکڑ کر بیٹھ گئی، ٹکٹ نہیں بنوایا تھا لیکن ٹکٹ راستے میں بھی بنوایا

جاسکتا تھا، اب جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا، کسی سے شناسائی کرکے معلومات حاصل کرے گی، اس وقت یہاں سے نکل جانا سب سے اہم حیثیت کا مالک ہے ورنہ روک لیا، گو بے عزتی الگ ہوگی اور پھر شاید وہ زندگی میں اپنا مقصد پورا نہ کر سکے، جس کے لئے گھر سے نکلی تھی، ایک عجیب سوچ تھی، ایک عجیب خیال تھا تلاش محبوب، زندگی کا مقصد بنا کر اگر سفر کا آغاز کیا جائے تو منزل کا مل جانا بالکل ممکن ہے...... تھوڑی دیر کے بعد ریل نے سیٹی دی اور پھر آہستہ آہستہ پلیٹ فارم پر رینگنے لگی، مومل کی نگاہیں رات کی تاریکی میں چمکتی ہوئی ان مدہم روشنیوں پر جمی ہوئی تھیں جو اسے نجانے کیا کیا کہانیاں سنا رہی تھیں، شاید آنے والے وقت کی کہانیاں، یا پھر اس کے بارے میں کوئی مشکل پیش گوئی۔ رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہی تھی...... نیند کا بھلا آنکھوں سے کیا گزر۔ یہی شکر تھا کہ بیٹھنے کی جگہ مل گئی تھی، ورنہ بڑی مشکل پیش آتی، کمپارٹمنٹ میں موجود تقریباً تمام ہی خواتین سو رہی تھیں...... چھوٹے چھوٹے بچے کبھی کبھار چونک کر رو پڑتے اور چند لمحات کے لئے زندگی بیدار ہو جاتی، لیکن پھر وہی ماحول، خاموشی وہی سناٹا، کھڑکی سے باہر رات بھاگ رہی تھی اور مومل کے دل میں نجانے کیسی کیسی گہری سوچیں موجیں مار رہی تھیں...... گھر چھوڑ دیا تھا اس نے۔ باپ اور بہن اب اس کے بعد کیا ہوگا...... کالج میں تعلیم حاصل کی تھی زندگی ذرا محدود تھی، گھر سے باہر کبھی تنہا نہیں نکلی تھی...... یہ زندگی کا پہلا سفر تھا جس کا اختتام نجانے کیا ہوگا...... نجانے کون سی منزل ہوگی...... ایک جنون، ایک دیوانگی گھر سے باہر نکال کر لائی تھی، لیکن اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس وسیع و عریض دنیا میں کون سی منزل کا رُخ اختیار کیا جائے اور اس بات کو بھولا نہیں جاسکتا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی چاہے اس کا مقصد سفر کوئی بھی ہو اگر تنہا ہے تو غیر محفوظ ہے...... کہاں جاؤں گی، کہاں تلاش کروں گی اسے...... بڑا مشکل ہوگا...... اس مشکل دنیا میں قدم رکھ لیا ہے تو اب ہمت کو آواز دینی چاہئے، وہ کہاں گیا ہوگا...... وہ کہاں ملے گا یہ بالکل نہیں معلوم تھا...... ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی اور صبح کے اُجالے پھیلنے لگے...... ریل کی کھڑکیوں سے نظر آنے والی صبح اتنی حسین تھی کہ اس سے پہلے کبھی ایسی صبح

نہیں دیکھی تھی...... ویسے بھی آزاد ماحول کے لوگ تھے، ایسی کنواری صبحیں نگاہوں کے سامنے کبھی نہیں آئی تھیں...... خواتین جاگنا شروع ہو گئیں...... تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ادھیڑ عمر خاتون نے منہ پھاڑ کر جماہی لی اور پھر اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگیں، اس کے بعد ان کی نظر مومل پر پڑی تو انہوں نے مسکرا کر مومل سے کہا۔

"دیکھنا نیچے پانی کی بوتل رکھی ہوئی ہے، ذرا کلی کر لوں...... پان کھاؤں گی۔" مومل نے جلدی سے سیٹ کے نیچے رکھی ہوئی بوتل نکالی اور ان کی جانب بڑھا دی...... عمر رسیدہ خاتون نے منہ میں پانی لیا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں، اس کے بعد انہوں نے نیچے رکھے ہوئے اگالدان کو اٹھایا اور پانی کی کلی اس میں کر دی، سرخ رنگ کا پانی اس میں سے نمودار ہوا تو مومل کو ایک کراہت کا سا احساس ہوا، پان کھانے کی عادی تھیں کہنے لگیں۔

"آنکھ کھلے پان نہ کھالوں تو صحیح معنوں میں آنکھ ہی نہیں کھلتی...... بچپن کی عادت ہے۔" مومل نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولیں۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔"

"جی بس وہ ذرا۔"

"میاں ساتھ ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"اکیلی سفر کر رہی ہو۔" خاتون پولیس والوں سے زیادہ متجسس تھیں۔

"جی ہاں۔"

"مگر جا کہاں رہی ہو۔"

"وہ اپنے ماموں کے ہاں" مومل کو یہی بات سوجھی تھی، لیکن خاتون کے ہونٹوں پر ایک محبت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں! ماموں...... ارے ماموں مٹی کے بھی ہوں تو محبت کرتے ہیں...... اللہ بخشے میرے بھی ایک ماموں تھے، بس بیٹی کیا بتاؤں...... جان چھڑکتے تھے مجھ پر۔ کہتے تھے نصیب

جہاں تجھ سے بڑھ کر میرے لئے کوئی نہیں ہے...... کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا تو تجھے بہو بنا کر گھر لے آتا...... تیری جدائی کے بارے میں سوچتا ہوں تو بس کیا بتاؤں...... بیٹی کہاں رہتے ہیں تمہارے ماموں۔"

"جی وہ۔"

"اچھا...... اچھا...... اچھا شمس آباد میں ہی رہتے ہیں...... میں بھی تو شمس آباد ہی جا رہی ہوں۔"

"جی ہاں...... جی ہاں۔" مومل جلدی سے بولی...... خاتون کے چہرے کے تاثرات بدلے...... غم کا تاثر پیدا ہوا کہنے لگیں۔"

"وہاں میرے بیٹے، بہو رہتے ہیں...... اصل میں بات وہی ہے کہ اولاد کو جنم دو، پالو پوسو اور بیویوں کے حوالے کر دو...... تین، تین بیٹے ہیں میرے اللہ کے فضل سے دو کی تو لے کر اڑ گئی اور اب بیٹے یہ بات بھول گئے کہ ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے جانتی ہو...... ہوا کیا۔"

"نہیں......" مومل کو اب ان خاتون کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی...... کم از کم ذرا سا ذہن ہی بٹ رہا تھا۔

"بس کیا کہوں، غیروں میں بیاہ دیا...... غیر لڑکیاں آ گئیں اور میری ناک، چوٹی کے چکر میں پڑ گئیں، مگر سب سے بڑی بات یہ ہے بیٹا! کہ اپنا ہی گھونٹا کمزور ہو تو دوسروں کی بات کیا کی جائے...... بیٹے بھی بیویوں کے جال میں ایسے پھنسے، ایسا الو کا گوشت کھایا کہ ماں کو برا بھلا کہنے لگے...... میں نے بھی فیصلہ کیا ہے کہ اب کبھی نہیں آؤں گی...... شمس آباد میں بڑا بیٹا رہتا ہے اور میری بڑی بہو جو ہے نا وہ میری سگی خالہ کی بیٹی ہے...... بڑا خیال کرتی ہے میرا...... میں نے تو اب سب کے منہ پر تھوک دیا، اب عیش کروں گی شمس آباد جا کر۔"

"جی جی...... بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔"

"تمہارے ماموں شمس آباد کس جگہ رہتے ہیں۔"

"بس ایسے ہی چچی جان مجھے گلی یا محلے کا نام تو یاد نہیں ہے۔"

"ایں...... تو پھر کیسے جاؤ گی ان کے ہاں۔"

"خط لکھ دیا تھا کوئی نہ کوئی لینے آ جائے گا۔"

"اچھا اچھا...... شمس آباد بہت بڑا ہے بیٹی...... خیر ماموں تمہیں نظر انداز تو نہیں کریں گے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماموں نہ آئیں...... اصل میں بہت بوڑھے آدمی ہیں وہ۔"

"بیٹا وبیٹا نہیں ہے کوئی۔"

"نہیں یہی تو سب سے بڑی پریشانی ہے۔" مومل نے کہا۔

"ہائے ہائے...... اگر نہ پہنچے بیچارے تو کیا کرو گی۔"

"کسی سرائے وغیرہ میں جا کر قیام کروں گی...... ماموں جان سے بہت محبت کرتی ہوں، میں بھی مجھے احساس ہے کہ ان کے بڑھاپے کا سہارا کوئی نہیں ہے۔"

"اللہ اللہ...... بڑی ہمت کی ہے بی بی تم نے۔" مومل نے غصیلی نگاہوں سے خاتون کو دیکھا...... دوسری بار یہ بے تکا سوال کر رہی تھیں مومل نے کہا۔

"نوکری کرتے ہیں۔"

اپنا کاروبار ہے۔

"اچھا اچھا...... کتنے بچے ہیں۔" خاتون نے پھر پوچھا...... مومل نے انہیں گھور کر دیکھا لیکن پتہ نہیں ان کی نظر کمزور تھی یا پھر وہ بہت ہی معصوم فطرت تھیں۔

"تین بچے ہیں۔" مومل نے جواب دیا...... تھوڑی دیر گزری تھی کہ اور بھی عورتیں جاگنے لگیں، پھر روشنی بڑھتی گئی اور دن کے دس بجے کے قریب ٹکٹ چیکر آ گیا...... مومل نے نہایت عاجزی سے اسے شمس آباد کا ٹکٹ بنانے کی درخواست کی اور پیسے اس کے حوالے کر دیے...... کم از کم اس خاتون سے ایک فائدہ ہوا تھا کہ اس کے علم میں شمس آباد کا نام آ گیا تھا، حالانکہ ذہن میں کوئی بات نہیں تھی...... کیا کرتی، کیا نہ کرتی، بہر حال شمس آباد آیا اور خاتون ایک لمحے کے اندر اندر بھول گئیں کہ ان کی کسی لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی...... شمس

آباد ریلوے پلیٹ فارم پر اتر آئی...... انسانوں کا ایک سمندر موجزن تھا، لاتعداد مکانات دکانوں کی قطاریں، لیکن یہاں کوئی ایسا ٹھکانہ نہیں تھا جو اس کا اپنا ہو...... سرائے وغیرہ کے بارے میں سوچا تو بدن میں کپکپی طاری ہو گئی...... بھلا سرائے یا ہوٹل میں کسی اکیلی، نوجوان لڑکی کا کیا کام۔" ہائے اللہ...... یہ کیا کر ڈالا...... کہیں اس دیوانگی میں تباہ و برباد نہ ہو جاؤں...... گھر چھوڑنا بھلا کس کام کا تھا...... مشعل تھی، شیراز صاحب تھے، کسی مشکل میں ساتھ دینے والے تو تھے یہ لوگ...... اب یہاں اگر کہیں غلط ہاتھوں میں لگ گئی تو شاہ گل تو کیا ملے گا زندگی برباد ہو جائے گی...... آنکھوں میں آنسو بھر آئے، چلتی رہی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی...... آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، اگر دھوپ ہوتی تو گرمی بھی بری طرح پریشان کر دیتی...... فضا میں حبس طاری تھا...... اسٹیشن سے کافی دُور نکل آئی اور دل سے دُعائیں نکلتی رہیں کہ الٰہی کچھ ہو جائے، کوئی ایسا سہارا مل جائے جو عارضی ہی سہی...... لیکن رات گزارنے کا ٹھکانہ تو ہو جائے...... کیا کروں کس سے کہوں...... بادل تھے کہ جھکے چلے آ رہے تھے، اندھیری چھا رہی تھی اور اس بات کا امکان تھا کہ بارش شروع ہو جائے...... کافی فاصلے پر ایک گھنا درخت نظر آیا تو نجانے کیوں قدم اس کی جانب بڑھ گئے، لیکن جیسے ہی درخت کے نیچے پہنچی...... دل کانپ اُٹھا وہی ہوا جس کا خدشہ تھا...... بارش شروع ہو گئی، موٹی موٹی بوندیں زمین پر ٹپ ٹپ کر کے پڑنے لگیں اور مٹی کی سوندھی خوشبو فضاؤں میں پھیل گئی، کچی اور کھلی جگہ تھی...... خوشبو اُڑتی رہی اور مومل درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی...... کچھ ہی لمحوں کے بعد درمیانی عمر کا ایک آدمی چھتری ہاتھ میں لئے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف آیا...... مومل کو دیکھا اور اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ارے بیٹا! اکیلی کیسے کھڑی ہے تو...... اس نے کہا کوئی جواب دینا ضروری تھا وہ مضمحل لہجے میں بولی۔

"بابا جی! راستہ بھول کر ادھر آ گئی ہوں...... بارش رُکے گی تو چلی جاؤں گی۔"

"آ میرے ساتھ آ جا وہ سامنے میرا گھر ہے...... چھپر کے نیچے کھڑی ہو جا...... اکیلی

ہے کوئی بری نظر اُٹھی تیری طرف تو برا ہو جائے گا۔ آ جا۔" اس نے اس انداز میں کہا کہ مومل کے قدم خود بخود اس کے ساتھ چل پڑے...... اس کا دل کانپ رہا تھا، بڑی مشکل میں گرفتار تھی اور بارش تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی...... عمر رسیدہ آدمی ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا...... سامنے ہی سائبان پڑا ہوا تھا...... وہ سائبان میں کھڑی ہو گئی، اندر جانے کے بعد وہ باہر نکلا اور بولا۔

"پر یہ تو بتا تو جائے گی کہاں...... گھر کہاں ہے تیرا۔"

"یہاں میرا گھر نہیں ہے...... پہلی بار یہاں آئی ہوں۔"

"مگر کسی کے گھر تو آئی ہو گی۔"

"وہ ہی تو یاد نہیں رہا۔"

"یاد نہیں رہا۔"

"ہاں......"

"کوئی ماما، چاچا، تایا تو ہو گا نہ تیرا...... نام کیا تھا اس کا۔"

"بس...... نذیر خان۔" مومل کے منہ سے یہی الفاظ نکل سکے تھے۔

"نذیر خان کیا کرتا ہے۔"

"کہیں نوکری کرتا ہے۔"

"مگر بیٹا بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی خیر...... چل کوئی بات نہیں میں ابھی آیا۔"

بوڑھا آدمی اندر چلا گیا...... مومل کا دل کانپ رہا تھا...... نجانے کیوں اسے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے...... بہر حال چند لمحوں کے بعد عمر رسیدہ آدمی پھر آ گیا اور بولا۔

"کمرہ تو ایک ہی ہے چل آ جا اندر آ جا۔"

"نہیں بابا جی میں یہاں ٹھیک ہوں۔"

"ارے پاگل آ جا...... یہاں اندر آ جا۔"

"نہیں بابا جی یہیں ٹھیک ہے۔"

"دماغ خراب ہوا ہے تیرا کیا...... چل اٹھ۔" بوڑھے آدمی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے اٹھانے کے لئے زور لگانے لگا۔

"چھوڑ دو مجھے...... چھوڑ دو...... میں اندر نہیں جاؤں گی۔" اس نے زور سے جھٹکا دیا تو بوڑھا آدمی بری طرح زمین پر جا گرا اور اس کا منہ زمین سے ٹکرایا تو خون نکل آیا...... وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر سیدھا ہو گیا تو موہل وہاں سے دوڑ پڑی اور سوچے سمجھے بغیر ایک طرف دوڑنے لگی...... دل خشک پتے کی طرح کانپ رہا تھا...... بارش بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی...... آن کی آن میں لباس شرابور ہو گیا اور وہ تھکن سے چور ہو گئی، لیکن وہ دوڑ رہی تھی...... ایک عجیب سا جنون اس پر سوار تھا...... اچانک ہی مسجد کی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر دوڑ کی...... اذان کی آواز اُبھر رہی تھی، اس سے اندازہ ہوا کہ وہ مسجد کے قریب ہے، لیکن بہر حال وہ وہاں ایک محفوظ جگہ دیکھ کر خاموش ہو گئی...... ٹھنڈی بارش تھی، تیز ہوائیں چل رہی تھیں، لیکن وہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز، مسجد کے زیر سایہ خاموش کھڑی ہوئی تھی...... عورت کے ذہن سے سوچا تھا...... عورت کی آنکھ سے دیکھا تھا اور جو آنکھ اس کی جانب اُٹھی تھی وہ کسی بوڑھے بزرگ کی آنکھ نہیں تھی، بلکہ اس آنکھ میں ہوس انگڑائیاں لے رہی تھی...... عمر کا کوئی تعین نہیں ہوتا شیطان عمر نہیں دیکھتا، بہکانا اس کا کام ہے...... بہکاتا ہے اور غم کی کہانیاں ترتیب دے دیتا ہے کہ یہی اس کا منصب اور یہی اس کا عمل، بوڑھا شخص اچھا انسان نہیں تھا، اس نے محبت سے کسی نوجوان لڑکی کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا تھا، بلکہ اس کے انداز میں کچھ اور ہی تھا اور اس کچھ اور کو محسوس کر لیا گیا تھا، لیکن خانہ خدا ان بری باتوں سے پاک تھا، ویسے بھی عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور موذن نے اذان دی تھی...... مسجد کے دروازے کے بائیں سمت تھوڑا سا سائبان تھا اور اس سے بارش کے قطرے ٹپک رہے تھے، لیکن اتنی جگہ ضرور تھی کہ دیوار سے چپک کر کھڑی ہو جاتی تو بارش سے بچ سکتی تھی...... تیز بارش کی وجہ سے کسی نمازی نے مسجد کی جانب رُخ نہیں کیا اور مسجد کا دروازہ

...ان رہا...... اسے بارش سے پناہ مل گئی تھی لیکن فضا میں ایک اچھی خاصی ٹھنڈک بھیگے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے بدن کو زیادہ محسوس ہو رہی تھی...... موہل کو اپنے بدن میں ...ڑتی ہوئی محسوس ہوئیں...... کافی وقت گزر گیا پھر شاید موذن صاحب مسجد کا دروازہ ...ہر آئے...... تین سیڑھیوں سے اتر کر بارش کے رنگ دیکھے، پھر موہل کی طرف نظر ...ی چونکے دو قدم آگے بڑھے اور موہل کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا بات ہے یہاں کیوں کھڑی ہوئی ہو...... کہاں جا رہی تھیں۔"

"وہ...... اصل میں بارش۔"

"اچھا...... اچھا...... ویسے یہ بارش آسانی سے بند نہیں ہوگی...... تمہیں جہاں جانا ہے ...ریب ہی گھر ہے تو چلی جاؤ...... یہ بارش شمس آباد کے بارے میں تو تم جانتی ہی ہو کیا ...ے گھر کا فاصلہ یہاں سے زیادہ ہے۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر...... ارے بی بی گھر جا کر پناہ لو بارش رکنے کی نہیں ہے، اگر خوف محسوس ہوتا ...ر گھر کہیں آس پاس ہے تو لاؤ میں چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔"

"نہیں مولوی صاحب میں مسافر ہوں...... شمس آباد میں پہلی بار آئی ہوں، کہیں اور ...ی تھی غلطی سے شمس آباد کے ریلوے اسٹیشن پر اُتر گئی۔"

"ایں۔" مولوی صاحب حیران کن لہجے میں بولے۔

"جی ہاں۔"

"کوئی مرد نہیں ہے تمہارے ساتھ۔"

"نہیں۔"

"لیکن بی بی ریلوے اسٹیشن تو یہاں سے بہت دور ہے...... اگر غلطی سے آپ ریل سے ...ی تھیں تو اتنا فاصلہ طے کر کے یہاں تک کیسے آ گئیں۔"

"...بس خوفزدہ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی۔"

"اوہو! آیئے آیئے...... اندر آجایئے...... ادھر آجایئے...... یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے...... آیئے آپ سے اندر چل کر پوچھوں...... کہاں جارہی تھیں...... کس جگہ جانا تھا...... کہاں اتر گئیں...... مولوی صاحب کے لہجے میں ہمدردی تھی، اسے لے کر اندر آگئے...... یہ ان کی اپنی رہائش گاہ تھی، ایک جانب پلنگ پڑا ہوا تھا، لکڑی کی بنچیں رکھی ہوئی تھیں...... سامنے ایک چولہا وغیرہ نظر آرہا تھا...... رہائش گاہ کا ایک ہی دروازہ تھا اور یہ مولوی صاحب کی کل کائنات تھی، خود ان کی عمر چالیس پینتالیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی...... اندر آکر انہوں نے ایک نگاہ مومل کو دیکھا اور پھر کھو سے گئے۔

"بڑی غم ناک بات ہے، پتہ نہیں کتنی دیر سے آپ باہر کھڑی ہوئی ہیں، اندر کیوں نہیں آگئی تھیں آپ۔"

"نہیں مولوی صاحب! ویسے کیا مجھے یہاں ایک رات پناہ مل سکتی ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ آرام سے یہاں تشریف رکھیں...... آپ مہمان ہیں ہماری...... میرا نام ظفر علی ہے اور میں یہیں رہتا ہوں...... آپ بیٹھ جایئے...... اف ہو! آپ کا لباس تو شرابور ہو رہا ہے...... سردی کا موسم بے شک نہیں ہے لیکن ہوا لگ کر بخار بھی آسکتا ہے، آپ بیٹھیے تو صحیح ہم غیر نہیں ہیں۔"

"جی۔"

"میرا مطلب ہے آپ بھی مسلمان ہیں کیا نام ہے آپ کا؟"

"مومل۔"

"بخدا اس کے علاوہ اور کوئی نام ہونا بھی نہیں چاہئے تھا، آپ کا کنول کے پھول کی طرح نازک اور شفاف...... نام سن کے آپ کا کنول کے پھول جیسا ہی تصور اُبھرتا ہے۔" مولوی صاحب نے چرب زبانی کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے آپ نے کھانا کھایا ہے۔"

"جی ہاں شکریہ۔"

"کیا مطلب...... یعنی یہ کہ آپ مسافر ہیں، اس قدر شدید بارش میں غلطی سے شمس آباد کے اسٹیشن پر اتر گئی ہیں اور پھر یہاں تک پہنچ پائی ہیں اور کہتی ہیں کھانا کھالیا...... دیکھئے یہ تکلف جان لیوا ہوتا ہے...... سامنے کھانا موجود ہے آپ کو سالن وغیرہ گرم کرنا پڑے گا اور روٹیاں موجود ہوں گی مگر نہیں ٹھہریئے ہم ابھی حاضر ہوئے۔" مولوی صاحب نے انتظار بھی نہیں کیا اور باہر نکل گئے...... مومل کے ذہن نے اب بھی سکون قبول نہیں کیا تھا، لیکن ایک چبھن سی تھی...... مولوی صاحب کا لہجہ ان کی آواز، ان کی آنکھوں کا انداز مناسب نہیں تھا...... ویسے بھی چنگ چنگ قسم کے آدمی تھے...... باہر گئے اور ایک چادر لے آئے، بڑی سی چادر تھی کہنے لگے۔

"تکلف نہیں فرمایئے گا، یہ لباس اتار کر چادر اوڑھ لیجئے اور لباس ہمیں دے دیجئے...... نچوڑ کر باہر برآمدے میں پھیلادیں گے...... صبح تک خشک ہوجائے گا، آپ کے جسم پر چپکا ہوا لباس کچھ موزوں نہیں لگ رہا۔" مومل ساری جان سے لرز گئی پھر بولی۔

"نہیں مولوی صاحب بے حد شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں...... البتہ اگر آپ اجازت دیں تو یہ چادر میں اپنے بھیگے لباس پر اوڑھ لوں۔"

"آپ جیسا مناسب سمجھیں...... ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کا لباس خشک ہوجائے تو آپ اسے پہن لیجئے گا۔"

"شکریہ میرا لباس میرے بدن پر ہی خشک ہوجائے گا۔" مومل نے سادگی سے کہا، مگر مولوی صاحب آہستہ سے مسکرادیئے اور بولے۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں ہے...... ماشاء اللہ نوجوانی کی عمر ہے، اس عمر میں تو بدن ایسے ہی تپتے ہوتے ہیں، لباس چند لمحوں میں خشک ہوجائے گا۔" مولوی صاحب کے یہ جملے بڑے مشکوک اور عجیب تھے...... مومل کے ذہن میں سناٹے آرہے تھے...... خانہ خدا میں بھی شیطان ہوتا ہے کیا......؟ یہاں بھی اگر پناہ نہ ملی تو کیا ہوگا...... مولوی صاحب چولہے ہانڈی کے پاس پہنچ گئے، کھانا گرم کرنے لگے...... مومل اس خیال سے چپ رہی کہ تھوڑا سا کھانا

معدے میں اتر جائے تو توانائی پیدا ہو جائے.... بھوک تو بے شک تھی.... بہرحال مولوی صاحب نے کھانا پیش کر دیا.... نرم خمیری روٹیاں اور مرغی کا قورمہ، مولویوں کے سامنے ایسی ہی چیزیں آتی ہیں اور یہی ان کا کھانا ہوتا ہے.... بہرحال چند لقمے زہر مار کئے، یہ بھی سوچا تھا کہ اگر جسم میں جان ہوئی تو حالات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، بھوکے پیاسے رہنا ویسے بھی ناشکری تھی.... مولوی صاحب کا لہجہ اور الفاظ تسلی بخش ہوتے تو اس وقت تھوڑا سکون محسوس ہوتا اور تھوڑا سا یہ وقت گزر جاتا کھانا ختم ہوا تو مولوی صاحب آگے بڑھ آئے۔

"ارے یہ کیا کھانا.... کھائیے کھائیے.... پیٹ بھر کر کھانا نہ کھانا ناشکری ہے۔"

"نہیں مولوی صاحب بے حد نوازش۔"

"خیر اب آپ آرام کیجئے گا اور دیکھئے تکلف نہ کیجئے.... چادر بھی بھیگ جائے گی لباس اتار کر چادر اوڑھ لیجئے۔"

"بے حد شکریہ آپ کو تکلیف تو بے شک ہوگی۔"

"قطعی نہیں.... جائیے جا کر پلنگ پر لیٹ جائیے.... جی تو چاہتا ہے کہ آپ سے بہت سی باتیں کی جائیں لیکن نجانے کب کی تھکی ہوئی ہیں آرام کر لیجئے.... ہم یہ دری بچھا کر سو جاتے ہیں، مولوی صاحب نے ایک کونے میں رکھی ہوئی دری کھولی اور پلنگ سے دو گز کے فاصلے پر بچھائی.... مومل کا دل بند ہونے لگا، مولوی صاحب اگر چاہتے تو مسجد کے اندرونی حصے میں جا کر سو جاتے لیکن یہ شخصیت مشکوک تھی.... آہ! ہوشیار رہنا ضروری ہے، وہ پلنگ پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ دیکھو یہ آرام کتنی دیر کا ہے، گزرنے والا وقت کیا کرے گا.... اچانک ہی مولوی صاحب کی آواز ابھری۔

"آپ سوئی تو نہیں ہوں گی ابھی۔"

"جی نہیں۔" وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ارے ارے ہمارا یہ مقصد نہیں تھا آرام کیجئے گا.... ہم یہ سوچ رہے تھے کہ آپ سے آپ کے بارے میں پوچھیں.... یہ معلوم کریں کہ شمس آباد میں غلط کیسے اتر گئی تھیں آپ۔"

"راستے نہیں جانتی تھیں۔"

"تنہا سفر کر رہی تھیں۔"

"جی ہاں......"

"شادی شدہ ہیں۔"

"جی۔" مومل نے احتیاطاً کہا۔

"شاید شوہر سے کچھ ناراضگی ہو گئی ہے.... میکے وغیرہ جا رہی ہوں گی۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر ساس بہو کا کوئی جھگڑا ہے۔"

"نہیں مولوی صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"خیر آپ جانئے ہم یقین نہیں کر پائے.... چلئے آپ کو تنگ نہ کریں.... اچھا پھر شب بخیر۔" مولوی صاحب کروٹ بدل کر لیٹ گئے.... نجانے کیا بیت رہی تھی ان پر، لیکن مومل پر جو بیت رہی تھی وہ اس کا دل ہی جانتا تھا آہ! کیا کر بیٹھی ہوں یہ.... کیا کر بیٹھی ہوں.... گھر سے کیوں نکلی ہوں آخر میں.... کیا تلاش کرنا چاہتی ہوں.... شاہ گل اگر گھر سے نکل گیا ہے تو کیا وہ مجھے مل جائے گا، ایک بے مقصد سفر کر رہی ہوں میں.... اپنے آپ کو شدید خطرے میں ڈال رکھا ہے لیکن، لیکن ایک بات ذہن میں ہے.... عزت آبرو کی حفاظت کروں گی، جو کر بیٹھی ہوں وہ تو غلط کیا ہے میں نے لیکن آسانی سے کسی کے فریب میں نہیں آؤں گی.... زندگی کیا ہے آنی جانی چیز ہے، جب چاہے ختم ہو جائے.... میں اس کی زیادہ پرواہ نہ کروں گی.... مومل نے سوچا اور اس کے بعد کروٹ بدل کر لیٹ گئی، لیکن بھلا ایسے حالات میں کہیں نیند آتی ہے.... کروٹیں بدلتی رہی.... باہر بارش ہو رہی تھی اور ہوا کافی سخت تھی، کیونکہ چھت پر سخت آوازیں پیدا ہو رہی تھیں، البتہ مولوی صاحب تو سو ہی رہے تھے، لیکن صبح کی روشنی پھوٹنے سے پہلے آخرکار مومل کی آنکھوں میں نیند آ گئی.... اسے اندازہ نہیں تھا کہ مولوی صاحب کب اٹھے اور کب اپنے معمولات میں

مصروف ہو گئے..... دن کے آٹھ بجے مومل جاگ گئی تھی اور اسی وقت مولوی صاحب بھی
نمودار ہوئے تھے..... مسکرا کر بولے۔

"اوہو..... بڑے صحیح وقت پر آئے، یہ پوریاں اگر ٹھنڈی ہو جاتیں تو اپنا مزہ کھو
بیٹھتیں..... لیجئے آپ کے لئے ناشتہ لائے ہیں۔"

"آپ نے بلاوجہ زحمت کی۔" مومل بولی تو مولوی صاحب ہنس پڑے۔

"واقعی کھانا پینا بھلا کیا حیثیت رکھتا ہے..... یہ تو بیکار سی باتیں ہیں..... جایئے عزیزہ
تکلف ایک حد تک ٹھیک ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک بے مقصد اور بیکار چیز بن کر رہ جاتا
ہے جایئے..... منہ ہاتھ دھولیجئے، سب کچھ تیار ہے..... آپ کو اندازہ ہے کہ باہر کیسی
بارش ہو رہی ہے۔" بارش واقعی رُکی نہیں تھی اور اس کی آوازیں بڑی زور و شور سے سنائی
دے رہی تھیں..... مولوی صاحب کے کپڑے بھی کچھ جگہوں سے بھیگے ہوئے تھے.....
بہر حال مومل نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر ناشتے میں
مصروف ہو گئی..... مولوی صاحب مسلسل اس کے گرد چکر لگا رہے تھے، باہر گئے تھے اندر
آئے اور پھر بولے۔

"خدا کی پناہ ذرا بارش کے رنگ تو دیکھئے..... ایسا لگتا ہے جیسے اس کے بعد کبھی نہ برسے
گی ــ بڑی طوفانی بارش ہو رہی ہے..... ہم تو آپ کے لئے پریشان ہیں کہ آپ کیسے واپس
جائیں گی۔" مومل نے سہمے ہوئے انداز میں مولوی صاحب کا چہرہ دیکھا..... بہر حال خاصی
مشکل کا شکار ہو گئی تھی، اپنے کئے پر پشیمان تھی لیکن اب واپس جانا اس کے لئے ممکن نہیں
تھا..... بارش سارا دن ہوتی رہی..... مومل نے کئی بار باہر قدم نکالے لیکن سڑکوں پر کمر کمر
تک پانی جمع تھا..... مومل ویسے ہی پانی سے ڈرتی تھی، اس پانی میں اترنے کا تصور بھی نہیں
کر سکتی تھی..... بس دل ہی دل میں لرزتی رہی اور دعا مانگتی رہی کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ ایک
خاندان کی بربادی کا باعث تو بنے گا ہی لیکن عزت ہی محفوظ رہ جائے..... مولوی صاحب
بڑے خوش نظر آرہے تھے، رات کے کھانے پر انہوں نے زبردست اہتمام کیا تھا..... یہ

کھانا باہر ہی سے آتا تھا اور بعض اوقات ضرورت سے زیادہ ہو جاتا تھا..... مولوی صاحب نے
اس خراب موسم میں بھی صاف شفاف لباس پہنا اور شاید کوئی بہت تیز خوشبو لگائی اور
آنکھوں میں سرمہ بھی تھا..... کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ بے تکلفی
سے مومل کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

"تنہائی دور کرنے کا بہترین ذریعہ گفتگو ہوتی ہے، کیوں نہ ہم لوگ باتیں کریں.....
دیکھئے انسان وقت کو سمجھ لے تو بڑا اچھا ہوتا ہے..... ہمارا خیال ہے کہ یا تو آپ شوہر سے
طلاق وغیرہ لے کر آئی ہیں یا پھر اپنے ماحول سے فرار ہوئی ہیں..... ویسے ہم اس کے قائل
ہیں کہ اگر ذہنوں میں ایک دوسرے کے لئے گنجائش نہ ہو تو دوری اختیار کر لینی چاہئے.....
ہماری بھی شادی ہوئی تھی ایک وقت، لیکن ہماری اپنی بیوی سے نہ بن سکی..... ہم سیدھے
سادھے مسجد کے موذن اور وہ محترمہ زمانے کی رنگینیوں سے آشنا..... ٹیلی ویژن، وی سی آر
اور ڈش کا شکار گزر ہو بھی نہیں سکتی تھی، چنانچہ یہ محترمہ ہمارے ساتھ نہ رہ سکیں اور طلاق
لے کر چلی گئیں..... اس وقت سے ہم تنہا زندگی گزار رہے ہیں اور کسی ایسے ساتھی کی تلاش
میں ہیں..... بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر دل ایسا بے اختیار ہوا ہے کہ اپنا تو اختیار
ہی نہ رہا۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ تو اللہ والے ہیں..... میں شادی شدہ ہوں اور
میرے شوہر اللہ کے فضل سے زندہ اور حیات ہیں۔" مومل نے کہا۔

"ہوں، تو پھر مجبوری ہے آپ یہاں سے چلی جایئے..... ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ
کی پذیرائی نہیں کر سکیں گے..... بجائے اس کے کہ ہماری نیت خراب ہوتی ہم نے آپ کو
ایک جائز پیش کش کی ہے۔" مومل غصے سے اُٹھ کھڑی ہوئی باہر مسلسل بارش ہو رہی تھی،
لیکن جو احساس دل میں جاگا تھا اس کے تحت اب رُکنا بالکل مناسب نہیں تھا..... غصے سے
دروازہ کھول کر باہر نکلی تو مولوی صاحب نے کہا۔

"یہ چادر عنایت فرماتی جایئے آپ اس کی اہل نہیں ہیں۔" مومل نے بدن سے لپٹی

ہوئی چادر نیچے پھینک دی اور اس کے بعد باہر نکل گئی...... سڑکوں پر بہتے ہوئے پانی میں قدم بڑھانا بھی مشکل تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح آگے بڑھ رہی تھی...... کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، کسی جگہ کوئی گڑھا بھی ہو سکتا تھا، چلو اچھا ہے ایسے ہی کسی گڑھے میں زندگی غروب ہو جائے اور وقت اپنا یہ سفر ختم کرے، اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو گی...... بہر حال سوچیں چاہے کتنی ہی جذباتی ہوں زندگی ہر حال میں اپنا تحفظ چاہتی ہے...... خوف سے دل دھڑک رہا تھا، اچانک ہی ایک جگہ روشنی نظر آئی...... یہ روشنی ایک چھپر کے نیچے ہو رہی تھی...... چھوٹی سی ایک جھونپڑی کچی مٹی کی دیواریں جن کے سامنے یہ چھپر پڑا ہوا تھا اور اس کے نیچے بلب جل رہا تھا...... وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس پناہ گاہ میں جا کھڑی ہوئی......

میرے معبود غلطیاں تو انسان ہی سے ہوتی ہیں، مگر میں کیا کرتی جس غلطی میں میں مبتلا ہوئی ہوں...... وہ تو عجیب سی ہے پتہ نہیں سینے میں دل کا کیا مقام ہے لیکن اگر میری یہ دربدری دل ہی کی مرہون منت ہے تو لعنت ہے اس دل پر جو انسان سے اس کے سارے رشتے چھین لیتا ہے اور کسی ایک کے لئے اس طرح بے اختیار ہو جاتا ہے کہ سارے اختیار چھن جاتے ہیں جس مصیبت میں گرفتار ہوئی تھی اس میں زندگی سے نفرت سی ہوتی جا رہی تھی...... وہ چھپر کے نیچے کھڑی اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی باہر نکل آیا...... بلب کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا...... کالا رنگ، موٹے موٹے ہونٹ، جسم پر انتہائی گھٹیا لباس، گلے میں رومال بندھا ہوا...... بڑی بڑی چمکدار آنکھوں سے اس نے مومل کو دیکھا اور بولا۔

”آسمان سے ٹپکی ہے یا زمین میں اُگی ہے۔“ مومل بالکل گھبرا گئی تھی، اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”بب...... بس...... بارش...... بارش...... بارش۔“

”تو باہر کیوں کھڑی ہے اندر آ جا۔“

”نہیں...... بب...... بارش، بس میں چلی جاؤں گی۔“

”مگر بارش تو رکے گی نہیں۔“

”رک جائے گی۔“

”اور نہیں رکی تو۔“

”تو بھی میں چلی جاؤں گی۔“

”مگر کیوں رہی ہے کیا میں تجھے بھیڑیا لگ رہا ہوں۔“

”نن...... نہیں۔“

”چل اندر۔“ وہ آگے بڑھ کر بولا اور مومل کے ہوش گم ہو گئے۔

”میں نہیں جاؤں گی...... نہیں جاؤں گی۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”پاگل، بے وقوف ہے...... چل آ جا۔“ اس نے بے تکلفی سے مومل کا ہاتھ پکڑ لیا...... اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ ہڈیاں ٹوٹی جا رہی تھیں...... ایک جھٹکے سے وہ مومل کو گھسیٹ کر جھونپڑی کے اندر لے آیا...... مومل کے حلق سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی تھیں...... یہ آوازیں رونے کی نہیں تھیں بس یوں لگ رہا تھا جیسے آخری کراہیں ہوتی ہیں۔

”پانی میں بھیگی ہوئی ہے مگر مصیبت کیا آ گئی تجھے اس بارش میں نکلنے کی۔“

مسافر ہوں شمس آباد ریلوے اسٹیشن پر غلطی سے اُتر گئی تھی...... کہیں اور جا رہی تھی کوئی پناہ گاہ نہیں تھی، بس یہاں تک چلی آئی۔“

”اچھا اچھا...... ٹھیک ہے...... دیکھ وہ کپڑے پڑے ہوئے ہیں...... یہ چارپائی موجود ہے کپڑے بدل لے اور بالکل فکر مت کر میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تو کون ہے کہاں سے آئی ہے، کہاں جا رہی ہے کہ تو اکیلی کیوں ہے...... ایک بات بتا کوئی بھائی ہے تیرا۔“ عجیب و غریب سوال تھا مومل کی گردن خود بخود نفی میں ہل گئی۔

”بھائی نہیں ہے۔“ وہ ہنسا پھر بولا۔

”پھر تو ٹھیک ہے تب تو تو نہیں جانتی ہو گی کہ بھائی کیا ہوتا ہے...... سن میں بھائی ہوں تیرا...... فکر مت کر جب تک دل چاہے یہاں رک کسی کی مجال نہیں کہ تیری طرف

تیری بھی آنکھ سے دیکھے..... رحمان خان ہے میرا نام سمجھی..... بس اللہ کے بعد تو رحمان خان
کی پناہ میں ہے..... آرام سے تو اپنی اس مشکل سے نکل..... تیری ماں کا بیٹا نہیں ہوں میں مگر
میری بھی ایک ماں تھی..... کیا سمجھی، چل بس دروازہ اندر سے بند کر لے اور وہ دیکھ وہ کھانے
پینے کی چیزیں پڑی ہوئی ہیں..... میں نے تجھے بہن کہہ دیا ہے..... بے شک تو نے مجھے بھائی
نہیں کہا، لیکن کوئی بات نہیں..... اگر دل چاہے تو کہہ دینا ورنہ مت کہنا..... میں اپنا فرض
نبھاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا اور مومل آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی..... چمکدار
بڑی بڑی آنکھوں والا، بڑی بڑی مونچھوں والا یہ غنڈہ کیا ان دونوں بزرگوں سے بہتر انسان
نہیں ہے..... کمال ہے انسان کی شناخت کس قدر مشکل کام ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا.....
مومل نے سوچا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

بات صرف انسانی ہمدردی کی تھی، کوئی دلی جذبہ نہیں تھا لیکن بہرحال انسانوں کو
انسانوں سے محبت ہوتی ہے..... شاہ گل نے زخمی یاقوت کو اٹھایا، بے ہوش تھی..... اس وقت
ان کی کسی کی طرف دیکھنے والا نہیں تھا، سب مصیبت میں گرفتار تھے، ایسی عظیم بھاگ دوڑ
ہو رہی تھی کہ بس کچھ بھی نہ کہا جا سکے..... وہ یاقوت کو اٹھائے ہوئے ایک ایسے گوشے کی
جانب چل پڑا جہاں اس کی دیکھ بھال کی جا سکے، پھر پتھر کی ایک بڑی سی چٹان کی آڑ میں اس
نے تھوڑی سی صاف جگہ دیکھ کر اس نے یاقوت کو لٹا دیا اور اس کے زخم دیکھنے لگا..... گھٹنے
چھل گئے تھے..... بازوؤں میں چوٹ تھی، سر کے پچھلے حصے میں پتھر کا ایک نوکیلا ٹکڑا لگا تھا
اور غالباً یہی نوکیلا ٹکڑا بے ہوشی کا باعث بنا تھا، دوسری طرف خیموں کے شہر نے ایسی آگ
پکڑی تھی کہ خدا کی پناہ..... شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے..... چیخ پکار کی آوازیں ایسی
تھیں کہ کانوں کے پردے پھٹ جائیں..... مشکل میں گرفتار لوگ شور فریاد کرتے پھر رہے
تھے اور اس وقت شاہ پیر کے مزار پر جتنے عقیدت مند موجود تھے سارے کے سارے اسی
طرف دوڑ گئے تھے اور اپنی کوششوں میں مصروف تھے..... عرس کے موقع پر سرکاری
ہسپتال کیمپ بھی لگتے تھے..... ہسپتال کے احاطے نے فوراً ہی اپنے احاطے کو وسیع کیا اور ایک
کونے میں آگ سے متاثر لوگوں کے بستر لگتے چلے گئے..... یاقوت کو ہوش نہیں آیا تھا.....
شاہ گل نے اسی کے لباس سے اس کے سر کو کسا..... یہی زخم شدید تھا اور اس سے مسلسل
خون بہہ رہا تھا اور تو کوئی حل تھا نہیں..... تھوڑی سی مٹی اٹھا کر زخم پر رکھی اور پٹی باندھ

ری   مٹی سے بہتر دوا اور کون سی ہو سکتی تھی، سب سے بڑا فخر تو اسے ہی حاصل ہے
بہر حال اب شاہ گل یاقوت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا ...... یاقوت کے چہرے پر
معصومیت برس رہی تھی ...... وہ اپنی کہانی آپ تھی، شاہ گل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا
کرے ...... وقت گزرتا چلا گیا ...... اس وقت بالکل اس بات کی گنجائش نہیں تھی کہ یاقوت کو
لے کر کہیں اور چلا جائے خود بھی بھوکا پیاسا وہیں بیٹھا رہا ...... یہاں تک کے شام جھک آئی
رونے پیٹنے کی آوازیں ...... انسانوں کی افراتفری سب کچھ نمایاں تھیں اور شاہ گل سوچ رہا تھا
کہ اس طرح کب تک یاقوت کی پذیرائی کرتا رہے ...... یاقوت پر ایسی بے ہوشی طاری ہوئی
تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہوش میں آئے گی یا نہیں ...... رات ہو گئی، اب باقاعدہ
سرکاری امدادی ٹیمیں آ گئی تھیں جو شدید زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں ...... رات کے
کوئی پونے دو بجے ہوں گے جب یاقوت کی کراہیں اُبھریں، شاہ گل جو اس کے نزدیک ہی بیٹھا
ہوا تھا چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"یاقوت۔" اور یاقوت نے چونک کر آنکھیں کھول دیں ...... پھر آہستہ سے بولی
اس نے یاقوت کو پانی پلایا تو اس کے اندر کافی توانائی پیدا ہو گئی ...... شاہ گل کے سہارے سے
اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر بے اختیار اسے وہ آگ یاد آ گئی تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"شاہ گل میری ماں ...... بہنیں۔"

"اس وقت کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا جا سکتا ...... تم زخمی ہونے کے بعد
سے اب تک بے ہوش رہی ہو ...... میں تمہیں چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتا تھا، لیکن اب صبح کی
روشنی ہو جانے دو ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں گا۔"

"شاہ گل میں۔"

"سنو ...... مجھے کچھ نہیں معلوم اس وقت سے تمہارے پاس ہی بیٹھا رہا ہوں کہ کہیں
تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچ جائے ...... کچھ نہیں معلوم ہے مجھے اگر تم جا کر کچھ معلوم کرنا چاہتی
ہو تو جاؤ میری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔" یاقوت نے روتی ہوئی آنکھوں سے شاہ گل کو

دیکھا اور بولی۔

"مگر میری ماں۔"

"یہاں سامنے دیکھو ...... زخمیوں کے کیمپ لگے ہوئے ہیں ان میں بہت سوں کی مائیں
ہوں گی یقین کیا کیا جا سکتا ہے، یہ تو وقت پر ہی معلوم ہو سکے گا۔" یاقوت رونے لگی اور دیر
تک روتی رہی ...... پھر اس نے شاہ گل سے کہا۔

"تم اس وقت سے اب تک میرے ساتھ ہی ہو۔"

"ہاں۔"

"کیوں۔" یاقوت نے سوال کیا تو شاہ گل نے اسے چونک کر دیکھا اور پھر بولا۔

"اس لئے کیونکہ یہی انسانی اور اخلاقی فرض تھا۔"

"بس۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو، ابھی ماں اور بہن کے لئے رو رہی تھیں اور اب اپنی ذات کے
لئے پریشان ہو گئیں ...... کیا کہلوانا چاہتی ہو مجھ سے ...... اگر تمہاری پسند کے الفاظ کہہ دوں تو
ماں اور بہنوں کو بھول جاؤ گی۔" یاقوت ایک دم شرمندہ سی ہو گئی پھر بولی۔

"نہیں، لیکن تمہارا شکریہ۔" شاہ گل نے کوئی جواب نہیں دیا ...... صبح کا اُجالا پھوٹنے
کے بعد روشنی پھیل گئی ...... یاقوت نے کہا۔

"شاہ گل اب تو میں اپنی ماں اور بہنوں کو تلاش کر لوں ...... کیا تم میرا ساتھ دو گے۔"
شاہ گل نے کوئی جواب نہیں دیا ...... یاقوت کی بے چین نگاہیں خیموں کی راکھ کی طرف
اٹھی ہوئی تھیں اسی وقت عقب سے آواز آئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نظر آ گئیں ورنہ بڑا مشکل مسئلہ پیش آ جاتا۔" دونوں نے پلٹ کر
دیکھا تو شمسو سامنے ہی نظر آیا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"کل سے اب تک میں تمہیں تلاش کرتا رہا ہوں ...... اوہو تمہارے سر پر پٹی بندھی
ہے ایک بات بتاؤ کیا تمہیں شب چراغ اور اپنی بہنوں کے بارے میں معلوم ہے۔"

ویسے تو سکندر کو دیکھ کر یاقوت کے چہرے پر نفرت کے آثار اُبھر آئے تھے، لیکن ماں اور بہنوں کا تذکرہ سن کر اس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں۔"

"افسوس میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔"

"کیا......"

"ہاں میں نے اپنے ہاتھوں سے ان تینوں کو دفن کیا ہے، وہ ادھر، ان کی لاشیں اس قدر جل گئی تھیں کہ ڈاکٹروں کی ہدایت پر انہیں دفن ہی کرنا پڑا...... خیموں کے شہر میں جب آگ لگی تو میں وہیں شب چراغ کے پاس موجود تھا...... افسوس میں انہیں بچا نہیں سکا۔"

یاقوت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی...... شاہ گل کو بھی اس بات سے دُکھ ہوا تھا، لیکن بے شمار افراد اس آگ کا شکار ہوئے تھے، افسوس تو سبھی کے لئے تھا...... سکندر نے کہا۔

"آؤ یاقوت! تمہیں اب میرا سہارا چاہئے...... یہ بڑی بدنصیبی اور افسوس کی بات ہے کہ شب چراغ کی زندگی میں ایسا نہ ہو سکا، آؤ اس نے یاقوت کا ہاتھ پکڑا تو یاقوت ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔"

"نہیں میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"مرتے وقت شب چراغ نے یہی وصیت کی تھی مجھے اور کہا تھا کہ جو کام وہ زندگی بھر نہیں کر سکیں، افسوس موت کے وقت اس کی اجازت دے رہی ہیں...... چلو ضد نہ کرو۔"

یاقوت پیچھے ہٹ کر شاہ گل کے بازو سے لپٹ گئی۔

"شاہ گل مجھے بچاؤ میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"تیری تو ایسی تیسی...... کیا بکواس کرتی ہے، کیسے نہیں جائے گی۔" یہ کہہ کر سکندر یاقوت پر جھپٹا اور اس نے یاقوت کا بازو پکڑ لیا...... یاقوت مچلنے لگی، چیخنے لگی...... سکندر نے اپنے چاروں ساتھیوں سے کہا۔

"لے چلو اسے اس وقت یہاں مداخلت کرنے والا کوئی نہیں ہے...... ہم لوگ کہہ دیں

...... اور بہنوں کے غم میں پاگل ہو گئی ہے...... چلو مسٹر تم اپنا راستہ ناپو۔" یہ الفاظ اس نے شاہ گل سے کہے تھے۔

...... کلیجے کے قیمے راستہ تو ہم ناپیں گے تیرا...... چھوڑ دے اپنی بہن کو...... میاں ...... فائدہ تیری جیلی بنا کر یہیں کھا جائیں۔" یہ آواز نواب جانی کی تھی، لوگ ادھر ...... آ جا رہے تھے...... ہر ایک اپنی مصیبت میں گرفتار تھا، کوئی کسی کی جانب متوجہ نہیں ...... شاہ گل نے نواب جانی کو بھی نہیں دیکھا تھا جو اپنے چار پانچ افراد کے ہمراہ اس ...... آیا تھا...... سکندر نے نواب جانی کو دیکھا اور بولا۔

"...... آپ بھی اس کے عاشقوں میں سے ہیں۔"

"...... ہے مگر ہم ذرا ہجاری قسم کے عاشق ہیں...... چھوڑ دے اپنی بہن کو۔"

"بہن تو یہ تمہاری ہو گی لیکن ایسا ہے کہ تھوڑی سی مار کھاتے جاؤ اپنے بہنوئی سے۔"

...... نے کہا اور نواب جانی کی طرف پلٹا، لیکن اسی وقت نواب جانی کے ایک ساتھی نے پیچھے ...... گردن پر ہاتھ ڈالا...... سکندر واپس پلٹا تو اس کے پیٹ پر لات پڑی...... پھر منہ پر ...... گھونسا اور اس کے بعد جو ہونا تھا وہ شروع ہو گیا...... سکندر اور نواب جانی کے ...... گئے تھے، البتہ نواب جانی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"...... سروں کی موت خیموں کے شہر میں آ جاتی تو اچھا تھا یہاں مرنے آئے ہیں، بھوتنی ......" در حقیقت نواب جانی کے آدمیوں نے چند ہی لمحوں میں سکندر کے آدمیوں کو ...... خود سکندر ان سے بچھڑا ہوا تھا اور خوب مار کھا چکا تھا، جبکہ نواب جانی ایک طرف ...... صرف اپنے آدمیوں کو ہدایت دے رہے تھے...... لڑائی ختم ہو گئی، سکندر لنگڑاتا ہوا ...... پلٹ گیا تھا اور نواب جانی نے فاتحانہ قہقہے لگائے تھے...... سارے ڈرامے میں ...... خاموشی سے گزر رہا تھا...... نواب جانی کے قریب موجود تھا جب سکندر دور چلا گیا تو ...... مسکراتے ہوئے شاہ گل کو دیکھا اور بولا۔

"...... ہوتا ہے ناں کہ کھوٹا سکہ اور ٹھکرایا ہوا دوست کام آ ہی جاتے ہیں...... تم نے تو ہم

پر کوئی توجہ نہیں دی مگر شکر ہے کہ ہم تمہارے کسی کام آگئے...... لڑکی کون ہے یہ۔" شاہ گل نے نواب جانی کو دیکھا پھر یاقوت کی طرف...... پھر یاقوت خود ہی کراہتی ہوئی آگے بڑھ آئی۔

"میں ایک ایسی بدنصیب ہوں، ان کی کچھ نہیں ہوں، بس یوں سمجھ لیجئے کہ زبردستی ان کے گلے پڑ گئی ہوں...... یہاں اس آگ میں اپنی ماں اور دو بہنوں کو کھو چکی ہوں، اب دربدر ہوں...... انہوں نے مجھے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر چند لمحوں کا سہارا دیا تھا لیکن لگتا ہے کہ وہ لمحے بھی اب ختم ہونے والے ہیں...... نواب جانی نے ایک نگاہ شاہ گل کو دیکھا پھر یاقوت کو، پھر بولا۔

"بی بی اس بات کا تو بڑا افسوس ہوا کہ تمہاری ماں اور بہنیں آگ کا شکار ہو گئیں، لیکن جہاں تک ہمارے تجربے کی بات ہے تو ہمارا تجربہ یہ کہتا ہے کہ یہ گلفام تمہارے قبضے میں نہیں آرہا اور تم اس سے دلبرداشتہ ہو...... خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں، وہ کتے کا پلہ ہم سے پٹ کر گیا ہے...... ہماری آنکھوں میں انسان شناسی زیادہ ہے، دل میں انتقام کا جذبہ لے کر گیا ہے، کرنے کو تو ہم بھی بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن یہاں ویسے ہی افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ سرکاری آدمی ضرورت سے زیادہ آگئے ہیں اس لئے رہنے دیتے ہیں آؤ تم لوگ ہمارے کیمپ میں چلو ذرا محفوظ جگہ ہے...... یہ لوگ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور دیکھو ان کی لاپرواہی کیسی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، جلا ڈالا ہو گا کسی ماں کے جنے نے...... گیس کا چولہا اور لاپرواہی برتی ہو گی...... اس وقت لوگ محفوظ جگہوں کی تلاش میں سارے کونے تلاش کرتے پھر رہے ہیں ہم تمہیں پیشکش کر رہے ہیں ایک محفوظ جگہ کی...... جہاں دل چاہے چلے جانا اب تو یہاں تقریبات ختم ہو ہی جائیں گی...... اس حادثے کے بعد تقریبات کا جاری رہنا کیا معنی رکھتا ہے...... چلو آجاؤ تھوڑا سا آرام کر لو، اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا......"

نواب جانی کی پیشکش ٹھکرائی نہیں جا سکی اور ایک بار پھر شاہ گل یاقوت کے ساتھ نواب جانی کی اس رہائش گاہ پر پہنچ گیا...... نواب جانی نے انہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں...... شاہ گل بے چارہ خود بھی چوبیس گھنٹے سے بھوکا تھا...... نواب جانی نے جو پیشکش کی اسے قبول کر لیا

شخص خاصا نڈر، دلیر، بے باک اور عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا...... بے دیئے یہ ... ان لوگوں کی خدمت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ بہر حال اس وقت اس کی یہ مدد بڑی اہمیت کی ثابت ہوئی...... شاہ گل اور یاقوت کو اس نے ایک ہی جگہ رکھا تھا، یاقوت بدستور سسک رہی تھی...... بڑی مشکل سے نواب جانی نے اسے کچھ کھلایا پلایا تھا...... یاقوت نے روتے ہوئے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے یہاں آکر ماں بہن سے بچھڑ گئی اور اب نجانے کہاں کہاں دربدر ہو جاؤں گی...... یہ سہارا بھی ملا تو کیسی جگہ ملا...... شاہ گل تمہارے دل میں میرے لئے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔" شاہ گل نے عجیب سی نگاہوں سے یاقوت کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

ٹوٹ کر وقت کے ساحل پر بکھر جاتے ہیں
ایسے رشتے جنہیں زنجیر نہیں ملتی ہے

یاقوت نے محبت بھری نگاہوں سے شاہ گل کو دیکھا پھر بولی۔

"سمجھی نہیں۔"

"ایں......" شاہ گل جیسے نیند سے چونک پڑا اور پھر اس نے یاقوت کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھا...... یہ نگاہیں ایک مکمل کتاب تھیں، مگر ایسی کتاب جس کی زبان نامعلوم اور جسے بڑی مشکل ہی سے پڑھ سکے، پھر وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا...... نواب جانی ان لوگوں کے ساتھ بڑی محبت اور بڑے پیار سے پیش آرہا تھا، اس کی شخصیت اس کا کردار، اسکا راز، لیکن اس کا خلوص بالکل درست تھا...... عرس سے زائرین کی واپسی شروع ہو گئی تھی...... سرکاری ٹیمیں جگہ بھی خالی کرا رہی تھیں...... نواب جانی نے رات کو شاہ گل اور یاقوت سے کہا۔

"تم لوگوں کے لئے میری رائے ابھی یہی ہے کہ میرے ساتھ رسول پور چلو...... رسول پور میں میری رہائش گاہ ہے، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی...... آرام سے وہاں قیام کرکے فیصلے کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے، مجھ سے جو کچھ کہو گے میں مدد کے لئے تیار ہوں، کیا مجھے پوچھ لینا اور مجھے بتا دینا۔" جب وہ چلا گیا تو یاقوت نے شاہ گل سے کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، اپنے گھر چلی جاؤ اور وہاں جا کر آرام سے رہو...... تم ہے جو تمہارے ساتھ نہیں رہا ہے اسے میں کیا کوئی بھی واپس نہیں کر سکتا، لیکن میں میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے وہاں تو میں کبھی نہیں جاؤں گی، لیکن ایک بات سن لو، کبھی کبھی کسی شہر میں کوٹھوں کے چکر ضرور لگایا کرنا...... ہو سکتا ہے کہیں میں تمہیں تماش بینوں کے سامنے رقص کرتی نظر آ جاؤں...... اس وقت یہ ضرور سوچنا میرے بارے میں کہ کس نے پنجرے سے اڑنے کی کوشش کی تھی لیکن صیاد نے پنجرے کا دروازہ نہیں کھولا تھا۔" نے کہا اور چپ چاپ آنسو بہانے لگی، لیکن شہرگل کے دل کا درد وہ نہیں جانتی تھی اور ایک کے لئے تو گنجائش بھی نہیں تھی...... اس دل میں تو ایک چراغ روشن تھا اور اس کی لو اگر غور سے دیکھا جاتا تو اس میں مومل کا چہرہ ہی نظر آ سکتا تھا، کوئی اور چہرہ چراغ کی اس لو میں نظر نہیں ہو سکتا تھا...... بہرحال نواب جانی نے انہیں رسول پور جانے کی پیشکش کر دی لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس رات بھی وہ لوگ خیمے میں سوئے ہوئے تھے کہ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور فضا میں اتنی تیز روشنی پھیلی کہ آنکھوں کی بینائی چھن جائے۔ جس جگہ ان کا قیام تھا وہاں چیزیں اپنی جگہ سے اکھڑ گئیں، یقینی طور پر یہ بم دھماکہ کیا گیا تھا اور کسی شخص نے ان کے خیمے پر حملہ کیا تھا وہ بھلا سکندر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا...... شہرگل کا جسم ہوا میں اڑ کر نیچے گرتی دور جا کر گرا تھا، اس نے اپنی آنکھوں سے نواب جانی کا جسم فضا میں اڑ کر گرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے بعد اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

رات گزر جاتی ہے، روشنی ہو جاتی ہے...... رات کی بھیانک خاموشی لیکن روشنی کے بعد رُواں رُواں، دُور کہیں اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی اور اس آواز نے مومل کو جھنجوڑ کر بیدار کر دیا...... اس آواز کے ساتھ ایک شکل یاد آئی اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آہ رات گزر گئی تھی وہ جو نیکیوں کا نشان سمجھے جاتے ہیں کبھی کبھی بے گھر نکل آتے ہیں اور وہ جنہیں دُنیا نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے جن کے چہرے مکروہ مگر روشن ہوتے ہیں تعجب کی بات ہے...... عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کرنے والے نکل آئیں تو انہیں کیا کہا جائے، جبکہ ایک آوارہ اور غنڈے قسم کے آدمی نے اپنا سمجھا تھا، حالانکہ رات کے ہر لمحے اسے یہ خوف رہا تھا کہ اچانک دروازہ کی سمت سے گا اور اس سے شیطان اندر داخل ہو جائے گا...... ایک وحشت زدہ صورت جس کی بڑی بڑی خونخوار آنکھوں میں ہوس ناچ رہی ہوگی اور اس کے بعد کیا ہوگا کوئی کچھ نہیں جانتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اور ایک عزت دار صبح کا آغاز ہو گیا تھا...... لیکن اس صبح میں بھی کوئی نہیں تھی اس کے لئے وہی جان لیوا احساس اس کی جان لئے لیتا تھا...... اچانک ہی اس کے دل میں ایک آرزو پیدا ہوئی وہ یہ کہ نماز پڑھے...... شوبزنس کی دُنیا سے تعلق رہا تھا، ماں باپ نے بیٹیوں کو اپنی لائن سے ہٹ کر پروان چڑھایا تھا، ان کے معاملے میں کبھی نہیں کی تھی، لیکن ایسا ہی ہوتا ہے جس ماحول میں انسان پرورش پاتا ہے اس کی خوبو انداز بن جاتی ہے اور وہ اسی خوبو کی عادی ہو گئی تھی...... بہرحال باہر نکلی آسمان

دیکھا، روشنی آہستہ آہستہ پھوٹی تھی، اس نے نماز پڑھی...... دھوپ شاید ابھی تک نہیں نکلی تھی...... آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا...... لیکن اُجالے سے اندازہ ہوتا تھا کہ خوب صبح ہو گئی ہے...... دروازے پر اچانک ہلکی سی دستک ہوئی اور اس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا...... آہ اب کیا ہو گا، دستک دوبارہ ہوئی...... دوسرے کا گھر تھا...... اخلاقاً دروازہ کھولنا ضروری تھا...... اللہ کا نام لے کر اپنی جگہ سے اُٹھی دروازہ کھول دیا...... رحمان شاہ کھڑا ہوا تھا، ہاتھوں میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی، اس وقت بہتر حالت میں نظر آ رہا تھا...... لمبے چوڑے جسم کا مالک میلے کچیلے لباس میں ملبوس، بکھرے ہوئے بال، دہشت زدہ چہرہ جسے دیکھ کر دل خوف سے دھڑکنے لگے۔

"پیچھے تو ہٹ جا باؤلی اتنا برا کیوں سمجھ رہی ہے مجھے چہرے تو اللہ نے بنائے ہوتے ہیں، اگر کسی کی شکل کالی ہو اور چہرہ برا تو ضروری تو نہیں ہے کہ وہ برا ہی ہو، کہہ دیا تجھ سے کہ بہن کوئی نہیں ہے میری...... بہن کہا ہے تجھے کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھاؤں گا جو برا ہو تیرے لئے...... یہ ناشتا لایا ہوں...... رات کو نشے میں تھا اچھا سن میں تیرے لئے کپڑے لے کر آؤں گا کیا سمجھی۔"

"نہیں...... مم...... میں جاؤں گی یہاں سے۔"

"دیکھ مجھے بے تکی باتیں بالکل پسند نہیں، اب اس کے بعد اپنی صفائی نہیں پیش کروں گا تیرے سامنے...... پڑھا لکھا آدمی ہوں میں...... انسانوں کو بھی سمجھتا ہوں جو حلیہ دیکھ رہی ہے نا میرا وہ میری اصل نہیں ہے...... اپنی اصل بتاؤں گا بھی نہیں تمہیں جو کچھ ہوں تیرے سامنے ہوں، مگر ایک بات کہے دیتا ہوں...... جب تک تو میرے پاس ہے، جب تک مجھے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ تیرا مسئلہ کیا ہے اس وقت تک تو یہاں سے نہیں جائے گی...... میں تھوڑی دیر کے بعد پھر یہاں آؤں گا...... تجھ سے باتیں کروں گا، پھر جو دل چاہے کرنا مگر مری مت جا تو مجھ سے ڈر رہی ہے، ایسا نہ کر ہر رشتے کی ایک حیثیت ہوتی ہے...... بہنیں بھائیوں سے نہیں ڈرتیں، اگر اس کے بعد بھی تو نے ڈر کا اظہار کیا تو میں یہ سوچوں گا کہ تو نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا...... باہر ہوتا ہوں عام طور سے اگر میری ضرورت ہو تو دروازہ اندر

ے بجا دینا بارش بند ہو گئی ہے، باہر سب ٹھیک ہے، وہ مڑا اور باہر نکل گیا...... سامنے رکھے ہوئے کاغذ کے پوڑے سے گرم گرم ترکاری کی خوشبو اُٹھ رہی تھی اور تلی ہوئی پوریوں کا تیل کاغذ پر دھبے لگا رہا تھا، اچانک ہی مومل کو شدید بھوک کا احساس ہوا...... بہر حال رات جو گزری تھی وہ زیادہ تشویش ناک تھی...... دن کی روشنی تو ویسے بھی نور کا پیغام دیتی ہے...... جب تاریک رات گزر گئی تھی تو اب توڑنا بے معنی تھا...... ناشتہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد جیسے فارغ ہو گئی، تبھی باہر سے دوبارہ دستک ہوئی اور رحمان نے منہ اندر کر کے کہا۔

"چائے لے کر آیا ہوں تیرے لئے...... ناشتہ کر لیا ہو تو اندر آ جاؤں۔"

"آ جایئے رحمان بھائی۔" پہلی بار وہ پر اعتماد لہجے میں بولی اور رحمان مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔

"چل ناشتہ بچا ہو تو مجھے دے دے میں بھی کر لوں۔"

"نہیں نہیں یہ تو کافی ہے مم...... میں معافی چاہتی ہوں کہ میں نے آپ کو نہیں پوچھا، آپ یہیں ناشتہ کر لیجئے۔"

"تیرا منہ پھر سوجھ جائے گا، مرنے لگی گی ڈر کے میری شکل دیکھ کر تو تجھے بخار آنے لگتا ہے۔"

"نہیں آپ یہیں ناشتہ کر لیجئے۔" مومل بولی اور وہ ہنستا ہوا بیٹھ گیا اور پھر ناشتہ کرنے لگا اور پھر بولا۔

"نام کیا ہے تیرا۔"

"مم...... میرا نام۔"

"ایک بات سن یا تو صحیح بتانا ورنہ مت بتانا۔"

"مومل ہے میرا نام۔"

"اچھا چل ٹھیک ہے کہاں جا رہی تھی۔"

"کوئی ٹھکانہ نہیں ہے میرا، بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ دُنیا چھوڑ چکی ہوں میں...... بس۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے مت بتا اپنے بارے میں، میں بہن کہہ چکا ہوں تمہیں تیری

کھوج میں نہیں ہوں، اچھی ہے بری ہے تو جان تیرا کام جانے میں بدمعاش ہوں غنڈہ ہوں اور بس مگر کیا کیا جائے ہر انسان کے دل میں ایک آرزو تو ہوتی ہے نا...... ایک بھی دفعہ تو نے مجھے خلوص سے بھائی کہہ دیا تو سمجھ لے کہ میں تو مر گیا...... آدمی کتنا ہی برا ہو بھائی کی حیثیت سے تو اچھا ہی ہوتا ہے کیا سمجھی۔"

"نہیں رحمان بھائی ایسی بات نہیں ہے اچھا بس۔" مومل خاموش ہو گئی۔

"سن میرا بھی اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے ماں، باپ، بہن، بھائی سارے رشتے مذاق ہیں میرے لئے...... اکیلا جی رہا ہوں اس دُنیا میں مگر کوئی فرق نہیں پڑتا، بہت سے مجھ جیسے ہیں جو اس طرح اکیلے جیتے ہیں...... تیرا میرا ساتھ جتنی بھی دیر کا تو چاہے رہ سکتا ہے...... میں تیری ہر مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے رحمان بھائی...... بس یہ سمجھ لو کہ میں...... میں دُنیا سے اکتائی ہوئی ہوں...... کیا بتاؤں تمہیں...... کیا بتاؤں۔" مومل کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تو وہ جلدی سے بولا۔

"مت رو ہمارا دل دُکھتا ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا، پر اہ مت کر اپنا تو کوئی تھا ہی نہیں، اس دُنیا میں ورنہ کیا نہیں کمایا اور کیا نہیں گنوایا...... بالکل بے فکر رہ عزت سے یہاں وقت گزار جب تک تیرا دل چاہے کوئی مشکل پیش آئے تو ہمیں بتا دینا ہم بھی بس محبت کی تلاش میں ہے...... ہمارے ساتھ وفاداری کرنا کیا سمجھی...... بے وفائی نہ کرنا ہمارے ساتھ، ہم نے ایسا تجربہ زندگی میں کبھی نہیں کیا ہے مگر کرنے کو دل چاہتا ہے تو آرام سے بیٹھ اور دوپہر کا کھانا تیرے لئے آ جائے گا، کیا سمجھی...... کسی کی مجال نہیں ہے جو تیری جانب بری نظر سے دیکھے...... اچھا اب اُٹھتے ہیں اپنی جگہ سے۔" وہ اُٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا...... مومل پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتی رہی تھی، پھر اس کے ذہن میں دوبارہ وہی تمام کیفیتیں زندہ ہو گئیں، کیا تجربے کرنے نکلی ہے...... دُنیا کے سامنے کیا حسین درد چھوڑا ہے، شاہ گل میں تیرے لئے دربدر ہوئی ہوں، کیا تو مجھے کبھی نہیں ملے گا، اس نے سوچا۔"

❀❀❀

راؤ ریاست علی خاں روایتی قسم کے آدمی تھے، حالانکہ بڑی حیثیت کے مالک تھے، لیکن زندگی کو عام انداز میں دیکھنے کے عادی اور اسی سے خوش اپنے ایک دوست کی عیادت کر کے واپس آ رہے تھے اور خوش تھے کہ ان کے جانے سے ان کے دوست کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی...... راجہ ہاشم حسین سے بچپن کی دوستی تھی اور دونوں میں خاصی چھنتی تھی، حالانکہ عمر گزر چکی تھی، لیکن دوستیاں وہی ہوتی ہیں جو عمر کے گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتی ہیں...... بہر حال راؤ ریاست علی خاں اب اپنی ساری ذمہ داریوں سے آزاد ہو چکے تھے...... بیٹوں نے سب کچھ سنبھال لیا تھا اور بڑے سکون سے گزر رہی تھی...... بہر حال وہاں سے واپسی پر بہت خوش تھے اور اپنے خاص دوست کے ہمراہ واپس چل پڑے تھے...... دوران سفر خادم علی خاں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے...... راستے میں خوب شطرنج چلتی تھی...... اس وقت بھی شطرنج کی بازی لگی ہوئی تھی، بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا کہ راؤ ریاست علی خاں کا شاہ پھنسا ہوا تھا، اچانک ہی ایک نوجوان لڑکا ان کے کمپارٹمنٹ میں چڑھ آیا...... یہ اعلیٰ درجے کا ڈبہ تھا اور اس میں سب اعلیٰ درجے کے لوگ ہی موجود تھے...... لباس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون کس حیثیت کا مالک ہے، لیکن آنے والا نوجوان لباس کے معاملے میں خاصہ کمزور تھا...... اس کی شکل و صورت اور جسامت کافی خوبصورت تھی لیکن لباس میلا، بال اُلجھے ہوئے، چہرے پر کئی جگہ زخموں کے نشانات، آنکھوں میں دہشت، کچھ لوگوں نے ناک، منہ چڑھا کر آنے والے کو دیکھا ایک صاحب تو منہ ٹیڑھا کر کے بول ہی پڑے۔

"اے کہاں چلا آرہا ہے، یہ فرسٹ کلاس ہے فرسٹ کلاس، اے سی ٹکٹ لیا ہے تونے یہاں کا۔" نوجوان لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا...... اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر خاموشی سے فرش کے ایک حصے پر دوسری جانب کے دروازے کے قریب جا بیٹھا کسی نے سرگوشی میں کہا۔

"شکل و صورت سے پاگل لگتا ہے۔"

"پاگل نہیں میرا خیال ہے ہیروئن کا عادی، اسی طرح کے لوگ۔"

"کیا کہا جاسکتا ہے ویسے کوئی جرائم پیشہ نہ ہو۔" بہر حال لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے رہے...... نجانے کیوں راؤ ریاست علی خاں کی نگاہیں بھی اس پر جم گئی تھیں...... ان کی تجربہ کار آنکھیں نوجوان کا تجزیہ کررہی تھیں...... چہرہ مہرہ جو کچھ بھی نظر آرہا تھا لیکن اس کے انداز میں ایک شان تھی اور اس شان نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا، خادم علی خاں سے بولے۔

"اماں! خادم علی خاں کیا شطرنج میں سر کھپاتے رہتے ہو کبھی انسانیت کی بساط پر بھی کچھ چالیں چل کر دیکھو۔"

"دیکھ رہا ہوں راؤ صاحب۔"

"خاک دیکھ رہے ہو۔"

"نہیں خاک نہیں دیکھ رہا، بلکہ مٹی کی تخلیق کو دیکھ رہا ہوں، جسے دیکھ کر سب نجانے کیا کیا کچھ کہہ رہے ہیں۔"

"دوسروں کی باتوں کو چھوڑو اپنی نگاہوں سے دیکھا...... اچھا یوں کرو کہ اسے بلا کر اس طرف لے آؤ۔" "جی بہت بہتر۔" خادم حسین نے کہا اور اُٹھ کر اس کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا نام ہے تمہارا بیٹے۔" لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا...... بس سامنے دیکھتا رہا، تب خادم حسین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"تمہی سے کہہ رہے ہیں۔" نوجوان نے بے بس نگاہوں سے خادم حسین کو دیکھا مگر منہ سے اب بھی کچھ نہ بولا تو خادم حسین کہنے لگے۔

"اِدھر دیکھو وہ بہت بڑے رئیس ہیں اور تمہیں بلا رہے ہیں۔" نوجوان نے گردن اٹھا کر دوسری جانب دیکھا اور پھر وہ گردن گھما کر کھڑکی کی جانب دیکھنے لگا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... خادم حسین دونوں شانے ہلا کر واپس پلٹے اور ریاست علی کے پاس آگئے، ریاست علی خود بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے...... خادم علی خاں نے کہا۔

"کچھ عجیب سی شخصیت کا مالک ہے، میرا خیال ہے کہ ذہنی توازن درست نہیں ہے۔"

"ہاں لگ رہا ہے ویسے خادم علی خاں اگر ہمارے زندگی بھر کے تجربے نے آج تک دھات ہی کی ہے تو الگ بات ہے ورنہ یہ بیچارہ ہمیں کسی اچھے گھرانے کا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں شکل و صورت اور آنکھوں سے تو ایسا ہی لگتا ہے۔"

"کیا خیال ہے تمہارا...... کیا یہ لوگ جو اس کے خلاف ریلوے حکام سے شکایت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اسے پریشان نہیں کریں گے۔"

"ضرور کریں گے۔"

"بھلا کیسے ممکن ہے ضرور کوئی حادثہ ہی پیش آیا اس بے چارے کے ساتھ...... بھئی ہم تو اس کی مدد کیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔" اور یہی ہوا جیسے ہی ٹکٹ کلیکٹر ڈبے میں داخل ہوا لوگوں نے اس کے کان کھانا شروع کردیئے اور ٹکٹ کلیکٹر نے اس کا بازو پکڑ لیا اور بولا۔

"کیسے گھس آئے ہو یہاں۔"

"چھوڑو میاں! اِدھر آجاؤ ہمارے پاس، اِدھر آجاؤ۔" تمام نگاہیں ریاست علی خاں کی جانب گھوم گئیں...... ریاست علی خاں نے کہا۔

"ہمارے پاس ہے اس کا ٹکٹ، بازو چھوڑ دو اس کا۔" ریلوے کے آفیسر نے نوجوان کا بازو چھوڑ دیا تھا اور پھر وہ ریاست علی خاں کے پاس آگیا۔

"یہ آپ کے ساتھ ہے۔"

"یہی سمجھ لو...... ہمارے ساتھ نہیں ہے مگر اب ہمارے ساتھ ہے۔"

"اس کا ٹکٹ۔"

"ہمارے ٹکٹ تو ہمارے ملازم کے پاس ہیں اس کے ٹکٹ کی جو رقم بنتی ہے وہ آپ ہم سے لیجئے...... ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔" لوگوں نے ریاست علی خاں کے اس عمل پر ناک بھوں چڑھائی تھی لیکن بہر حال کچھ کر نہیں سکتے تھے...... ٹکٹ کلیکٹر نے رقم وصول کر کے ٹکٹ بنا دیا اور دوسرے لوگوں کی جانب متوجہ ہو گیا...... نوجوان اب بھی خاموش بیٹھا ہوا تھا...... تب راؤ ریاست علی خاں خود اس کے پاس پہنچے اور انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"بیٹے فرش پر مت بیٹھو۔ آؤ اُٹھو ادھر آ جاؤ ہمارے پاس۔" انہوں نے نوجوان کا بازو بڑی نرمی سے پکڑا اور نوجوان آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا...... راؤ صاحب نے فاتحانہ نگاہوں سے خادم علی کو دیکھا اور خادم علی نے شانے ہلا دیئے...... خوبصورت نوجوان آہستہ سے چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں راؤ صاحب نے اس کے لئے جگہ بنائی تھی...... خادم علی خاں نے اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دی اور پھر راؤ صاحب سے بولا۔

"آپ کے بارے میں کون نہیں جانتا راؤ صاحب آپ تو سرکش گھوڑوں تک کو ایک لمحے میں سدھا لیتے ہیں، یہ تو انسان ہے۔" راؤ صاحب نے گہری نگاہوں سے نوجوان کو دیکھا اور آہستہ سے بولے۔

"میں اسے بہت دُور تک دیکھ رہا ہوں...... خادم علی خاں، زندگی بھر کا تجربہ ہے جھک نہیں ماری کسی بہت ہی اعلیٰ خاندان کا نوجوان ہے...... بیٹے کیا نام ہے تمہارا اپنا نام تو کم از کم بتا دو۔" نوجوان نے آہستہ سے کچھ کہا اور راؤ صاحب نے غور سے اسے دیکھا اور پھر بولے۔

"کیا نام بتایا بیٹے آپ نے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"شاہ گل۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"کسی باذوق نے ہی یہ نام رکھا ہے، بالکل پھولوں کے شہنشاہ معلوم ہوتے ہو۔" راؤ صاحب نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ شاہ گل ان کے ساتھ سفر کرتا رہا، یہاں تک کہ راؤ ریاست علی خاں کی منزل آ گئی...... ریلوے اسٹیشن پر بہت سے لوگ کئی گاڑیوں پر راؤ صاحب کا استقبال کرنے کے لئے تیار تھے...... یہ ان کے پوتے نواسے

نواسیاں وغیرہ تھیں...... راؤ صاحب نے خاص طور سے شاہ گل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا
ئے بڑھے تو کسی نے پوچھا۔

"یہ کون ہے دادا جان۔"

"شاہ گل ہے۔"

"کیا یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔"

"ہاں......" بہر حال ریاست علی خاں صاحب وہاں سے چل پڑے...... شاہ گل سے بیٹھنے کے لئے کہا تو اس نے اطمینان سے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا...... کسی اور نے غور یا نہ کیا ہو، لیکن خادم علی نے غور سے ان لمحات پر غور کیا تھا اور یہ اندازہ لگایا تھا کہ شاہ گل کاروں سے اجنبی نہیں ہے...... بہر حال راؤ ریاست علی خاں اپنے خاص پوتے سے گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے...... انہوں نے ایک درمیانی عمر کے آدمی سے پوچھا۔

"ہاں بھئی سناؤ...... یہاں کے کیا حال ہیں، میری غیر موجودگی میں کوئی مشکل تو نہیں بنی۔"

"نہیں سب ٹھیک ہے جناب۔"

"ایک بات میں تمہیں بتاؤں عالم خان۔"

"جی۔"

"انسانی زندگی کا بدترین دور بڑھاپا ہوتا ہے، جس کا بڑھاپا اچھا گزر جائے سمجھو خوش نصیب ترین انسان ہے، یہ بچے آج جو مجھے پیار کرتے ہیں۔"

"کیوں نہیں راؤ جی۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے دیکھو سب مجھے لینے آئے ہیں...... میری واپسی سے خوش تھا ورنہ کچھ لوگ تو سب کے ہوتے ہوئے بھی تنہا ہوتے ہیں۔"

"آپ خود بھی تو بہت اچھے ہیں راؤ جی، اگر آپ محسوس نہ کریں تو پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کا کون ہے۔"

"وہ جس کا بچپن اللہ جانے کیسا ہوگا، لیکن یہ بدنصیب جوانی کی عقل کھو بیٹھا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"بس ریل میں چڑھ آیا تھا...... وہیں سے ہم اس کے شناسا ہیں۔"

"مگر یہ ہے کون؟"

"انسان......" راؤ صاحب نے کہا۔

"حلیہ تو کچھ عجیب سا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہو جائے گا۔" کاریں ایک شاندار کوٹھی کے بڑے سے گیٹ کے اندر داخل ہو گئیں...... بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی عالی شان کوٹھی تھی، جہاں بے شمار افراد چلتے پھرتے نظر آرہے تھے اور بے شمار نے راؤ ریاست علی خاں کا استقبال کیا تھا...... یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ یہ کوٹھی کیا ایک بستی تھی، ریاست علی خاں کا استقبال ایسے ہوا تھا جیسے کسی ریاست کے حکمران کا استقبال ہو رہا ہو، راؤ صاحب نے سب سے پہلا حکم خادم علی کو دیا۔

"ہمارے برابر والے کمرے میں اس بچے کو جگہ دو اور اس کے لئے لباس وغیرہ مہیا کرو...... خادم علی یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کا پورا پورا خیال رکھو...... ہم نے جو کچھ محسوس کیا ہے اس کے بارے میں تمہیں بتانا چاہتے ہیں لیکن ابھی یہ مشکل ہو جائے گی، پھر دیکھیں گے۔" اندر جتنے لوگوں نے راؤ ریاست علی خاں کا استقبال کیا تھا انہوں نے حیران نگاہوں سے شاہ گل کو بھی دیکھا تھا...... بہر حال راؤ ریاست علی خاں آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے...... تمام لوگوں سے ہلکی پھلکی ملاقات ہوئی تھی، پھر اس کے بعد انہوں نے کہا تھا۔

"ہم تھک گئے ہیں، ذرا آرام کریں گے...... اس کے بعد تم سب لوگوں کے ساتھ میل ملت رہے گی اور اس کے بعد راؤ صاحب اپنے کمرے میں پہنچ گئے تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد خادم علی خاں شاہ گل کو ایک کمرے میں منتقل کر کے ان کے پاس پہنچ گئے تھے، سب سے زیادہ ریاست علی خاں کے مزاج شناس تھے اور عمر کی اس منزل میں سب سے بہتر

ساتھی یہ ساتھ آج کا نہیں برسوں کا تھا، اندر داخل ہوئے تو راؤ صاحب نے پوچھا۔

"ہاں خادم علی اسے مناسب جگہ دے دی۔"

"جی بس آپ کی بغل میں ہے۔"

"کسی کو تشویش تو نہیں ہوئی اس کے بارے میں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔"

"میں تمہیں خاص طور سے اس بارے میں اطلاع دینا چاہتا تھا خادم علی اصل میں ہم اپنے گھر کو اچھی طرح جانتا ہوں...... جتنے منہ اتنی باتیں جب تک مجھے اس کی صحیح حیثیت کا اندازہ نہیں ہو جاتا اس کے بارے میں فیصلہ کرنا مشکل ہے، کوئی کچھ پوچھے تو بتا دینا کہ بس راؤ صاحب اسے ساتھ لے آئے ہیں کون ہے، کیا ہے تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"لباس کا کیا کیا؟"

"حضور سرکار اللہ رکھے اس گھر میں اس کی عمر کے بہت سے ہیں...... میں نے فوری طور پر کچھ لباس اسے مہیا کر دیئے ہیں۔"

"ٹھیک! اب ایسا کرتے ہیں اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں گے...... تم نے کچھ محسوس کیا ہے۔"

"کیا......"

"ذہنی طور پر غیر متوازن ہے...... چہرے کے زخم بتاتے ہیں کہ حالیہ طور پر کسی حادثے میں زخمی ہوا ہے...... ڈاکٹر کو بلا کر دکھائیں گے۔"

"اس سلسلے میں افتخار علی سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔"

"ہاں...... افتخار علی سے کہیں گے کہ اس کے چہرے کے زخموں کا بھی علاج کرے۔"

"ویسے حضور ایک بات کہوں۔"

"جی کہو۔"

"کسی اچھے گھرانے کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لباس سلیقے سے پہننا، غسل خانے میں جانے کے ڈھنگ بھی آتے ہیں، حالانکہ عام گھروں میں اس شاندار کوٹھی والے غسل خانے نہیں ہوتے اور عام انسان جنہوں نے کسی چھوٹے موٹے گھر میں پرورش پائی ہو اتنی بے تکلفی اور بے حجابی سے اس پائے کے غسل خانوں میں نہیں داخل ہوتے۔ لیکن اس کے انداز میں جھجک نہیں ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ اس نے دیکھا ہوا ہے۔"

"ہم نے پہلے ہی کہا تھا تم سے آخر ہمارا بھی کوئی تجربہ ہے، کسی اچھے گھرانے کا لڑکا معلوم ہوتا ہے...... ویسے پتہ نہیں کیا بیچارے کے ساتھ حادثہ پیش آیا ہے، خیر ابھی آرام کریں گے، اب تم بھی آرام کرو...... ٹرین کے سفر میں تھک گئے ہوں گے۔" خادم علی راؤ ریاست علی خاں کے کمرے سے باہر نکل آیا، ابھی تک واقعی شاہ گل کے بارے میں یہاں کوئی تفتیش نہیں ہوئی تھی...... اصل میں راؤ ریاست علی خاں کی حیثیت اس گھر میں جو کچھ تھی وہ ایسی تھی کہ ان کے ساتھ آنے والے کسی شخص کے بارے میں نہ تو کسی تشویش کا اظہار کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی کوئی سوال، چنانچہ ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا تھا، یہ الگ بات ہے کہ اتنے سارے افراد جہاں یکجا ہوں وہاں مزاج کی یکسانیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... ابھی تو ہر آنکھ میں سوال تھا...... اس کے بعد یہ سوالات زبانوں پر آنے والے تھے، پھر خادم علی ہی ان سوالات کی زد میں آئے، عورتوں کو خاص طور پر ایسی باتوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے، چنانچہ سب سے پہلے زرینہ بیگم نے خادم علی سے کہا۔

"خادم یہ لڑکا کون ہے؟ جو راؤ جی کے ساتھ آیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم بی بی صاحب، راؤ صاحب کے کسی دوست کا بیٹا وغیرہ ہے...... ٹرین میں مل گیا تھا لیکن باقی مجھے خود بھی راؤ صاحب نے کچھ نہیں بتایا۔"

"ویسے خادم علی خود تمہاری کوئی رائے تو ہوگی اس کے بارے میں۔"

"میں نے عرض کیا نا میری رائے کیا ہو سکتی ہے بھلا۔"

"اور اس کا یہ حلیہ کیا ہے جیسے کسی پاگل خانے سے بھاگا ہو، تعجب کی بات ہے۔"

"جی ٹھیک کہتی ہیں آپ نیم دیوانہ سا لگتا ہے۔"

"مجھے تو حیرت ہے دادا جان کا مزاج اچانک کیسے بدل گیا...... اگر کسی دوست کا بیٹا ہے تو کم از کم حلیہ تو درست کر کے لاتے، ویسے نام کیا ہے اس کا۔"

"شاہ گل۔"

"پہلے کبھی دادا جان کی زبانی یہ نام نہیں سنا...... خیر اللہ جانے کیا قصہ ہے، ویسے میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کچھ بتانے سے گریز کر رہے ہو۔"

"جتنا معلوم تھا آپ سے عرض کر دیا۔"

"نہیں خیر اب اتنی بھی بے وقوف نہیں ہوں میں۔"

"آپ کو صحیح جواب نہ دینے کی جرات کیسے کر سکتا ہوں چھوٹی بی بی، لیکن جتنا معلوم ہے اتنا ہی تو عرض کر سکتا ہوں۔" خادم علی نے کہا اور اس کے بعد باہر نکل آئے...... یہ زرینہ بیگم جو خادم علی سے یہ سوالات کر رہی تھیں...... راؤ ریاست علی خاں کے چوتھے بیٹے کی بیگم تھیں...... سب سے تیز مزاج، سب سے زیادہ متجسس، ویسے تو یہاں راؤ صاحب کی بیٹیاں بھی تھیں...... داماد بھی تھے...... بہنیں بھی تھیں، خود ان کے سالے، سالیاں بھی تھیں اور ان کی اولادیں بھی تھیں...... ایک پوری بستی آباد کر رکھی تھی...... راؤ صاحب کی اپنی اس شاندار کوٹھی میں گنجائش بھی اتنی تھی کہ سب با آسانی سما جائیں، پورے اسی کمرے تھے اس شاندار کوٹھی میں، بیڈ روم کی حیثیت سے پھر اسی انداز کے ہال بنے ہوئے تھے جن میں ہزار نشستیں رکھی جا سکتی تھیں...... یہاں تک کہ ایک ڈائننگ ہال بھی ایسا تھا جس میں تقریباً ایک سو دس کرسیاں تھیں...... بہر حال راؤ ریاست علی خاں نے ایک عجیب و غریب دنیا آباد کر رکھی تھی...... سب سے زیادہ حیثیت یہاں فراست علی خاں کو تھی جو راؤ ریاست علی خاں کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور درحقیقت انتہائی خدمت گزار اور پر ادب، باپ کے سامنے ہمیشہ سر جھکا رہتا...... نتیجہ یہ ہوا کہ باقی تینوں بھائیوں کو بھی باپ کے سامنے بولنے کی

جرات نہیں ہوئی..... ایسی ہی تربیت کی گئی تھی ان کی، البتہ باہر سے آنے والی لڑکیاں وہ چیز قائم نہ رکھ سکیں..... شوہروں کے خوف سے زبانیں تو خیر بند ہی رہتی تھیں..... احترام بھی کیا جاتا تھا لیکن نکتہ چینی انسانی فطرت ہی کا حصہ ہوتی ہے، کبھی کبھی شدید اختلافات ہو جاتے تھے آپس میں..... جٹھانیوں اور دیورانیوں میں اور بیشتر اوقات موضوع ہی ہوتا تھا کہ راؤ صاحب کس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کس کو کم، بہرحال جن لوگوں سے راؤ صاحب کو خاص طور سے الفت نہیں تھی، ان کا کہنا تھا کہ گھر کے بزرگ ایک کونے میں پڑے اللہ اللہ کرتے رہیں..... سارے معاملات میں پاؤں نہ پھنسائیں، تبھی زیادہ عزت دار ہوتے ہیں..... یہ خیال صرف خواتین کا تھا، جہاں تک مردوں کا معاملہ تھا وہ بالکل مختلف تھا اور مردوں کے کانوں تک یہ آوازیں پہنچتی تو یہ خوف رہتا کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے..... بہرحال ایک ہنگامہ پرور گھر تھا لیکن راؤ ریاست علی بعض جگہ انتہائی سخت مزاج تھے اور ان کی سخت مزاجی کی وجہ ہی تھی کہ اس بھرے پڑے ماحول میں آج تک کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی، دلچسپ ماحول تھا..... لڑکے لڑکیوں کے اپنے الگ مزاج، البتہ کچھ پابندیوں کے ساتھ، حالانکہ سب ایک ہی خون ایک ہی نسل کے تھے، لیکن نوجوان لڑکیوں کو بتا دیا گیا تھا کہ ان کی آزادیاں کہاں تک ہیں، ایسی ہی پابندیاں لڑکوں پر بھی عائد کی گئی تھیں..... یہ دوسری بات ہے کہ اگر راؤ ریاست علی گھر پر نہ ہوں تو ان پابندیوں میں خود بخود تھوڑی سی کمی ہو جایا کرتی تھی..... دوسرے لوگ البتہ ریاست علی کی شخصیت کو سامنے رکھتے تھے..... ان سے تعاون بھی کرتے اور اگر بچے کبھی شدت کی طرف مائل ہوتے تو انہیں سمجھا دیا جاتا..... یہ تھا راؤ ریاست علی خاں کا گھر، ویسے شاہ گل کو جو حادثہ پیش آیا تھا اور سکندر نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا تھا اس نے اسے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا تھا، ویسے بھی اپنے آپ سے بیگانہ تو تھا ہی ذرا سی چوٹ نے حالات بدل دیئے تھے، البتہ یہاں آنے کے بعد اسے مکمل طور پر راؤ ریاست علی خاں کا تحفظ حاصل تھا..... خادم علی نے بھی جان لیا تھا کہ راؤ ریاست علی خاں شاہ گل کے لئے دل میں کیا جذبات رکھتے ہیں، چنانچہ پوری ذمہ داری کے ساتھ نگرانی کر رہا تھا اور تمام ہدایات کا

بلایا، رکھا جا رہا تھا، اس کے بعد دوسرے دن ریاست علی خاں نے خادم علی سے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے خادم علی کہ جب کسی کے ساتھ نیکی کرو تو بھرپور کرو، اس بچے کو مکمل تحفظ کی ضرورت ہے..... نجانے کس کا لال ہے، کیسے بھٹک رہا ہے، ہو سکتا ہے اس کی تلاش بھی جاری ہو خیال بے شک رکھنا لیکن کسی کو پتہ نہیں چلنے دینا تم سے بس یہی کہنا تھا۔"

"آپ اطمینان رکھئے راؤ صاحب ساری ہدایات سمجھ لی ہیں..... ڈاکٹر صاحب سے بھی رابطہ قائم کر لیا گیا ہے، کل صبح کو آ کر اسے دیکھیں گے..... میں خود انہیں بلا کر لاؤں گا اور دوسرے دن صبح خادم علی ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لے آیا..... خاندانی ڈاکٹر تھے معلومات حاصل کیں تو راؤ ریاست علی خاں نے انہیں مختصر الفاظ میں شاہ گل کے بارے میں بتایا اور ڈاکٹر صاحب نے شاہ گل کا معائنہ شروع کر دیا..... زخموں کو غور سے دیکھا، شاہ گل کی طرف سے کسی چیز میں عدم تعاون کا اظہار نہیں ہوتا تھا..... وہ کسی ایسے چھوٹے سے بچے کی مانند معلوم ہو رہا تھا جس کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہو لے جاؤ، نام ہی بتایا تھا اس نے اپنا یا پھر جو بات پوچھی جائے اس کا جواب دے دیتا تھا لیکن کوئی گہری بات نہ کرتا تھا..... ڈاکٹر نے پوچھا۔

"بیٹے یہ تمہارے زخم کیسے ہیں۔" جواب کچھ نہ ملا..... ڈاکٹر نے کچھ اور سوال کئے اور پھر شاہ گل سے بولا۔

"آخر کہیں سے تو آئے ہو گے کچھ تو کیا ہوگا..... کہاں سے آئے تھے، کہاں جا رہے تھے اچانک ہی شاہ گل نے کہا"۔

طعنہ زن تھا ہر کوئی ہم پر دلِ ناداں سمیت
ہم نے چھوڑا شہر رسوائی درِ جاناں سمیت

اس شعر کو سن کر سب کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے، خود راؤ ریاست علی خاں ششدر رہ گئے تھے اور بے اختیار بولے تھے۔

"اماں واللہ! کیا میاں ذرا پھر سے تو دہراؤ واہ واہ..... واہ واہ۔

"طعنہ زن تھا ہر کوئی ہم پر دلِ ناداں سمیت"

بھئی بہت خوب کمال ہے خدا کی قسم اور۔"

"ہم نے چھوڑا شہر رسوائی در جاناں سمیت"

"یعنی در جاناں ہی چھوڑ دیا۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب بچہ اور پوچھو بھائی بچہ تو ہر لمحے جوتوں سمیت دل میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں۔۔۔۔ تھوڑی سی دماغی چوٹ ہے اللہ بہتر جانتا ہے کیے گی میرا خیال ہے دماغ کے ایکسرے وغیرہ لئے جائیں۔۔۔۔ غالباً سر میں کوئی چوٹ لگی ہوئی ہے، اسے دیکھے لیتا ہوں اور پھر سر کے پچھلے حصے میں ناخنوں کے نشانات بھی تلاش کر لئے گئے۔۔۔ اچھی خاصی دماغی چوٹ تھی اور اس طرح یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ کھوئے کھوئے پن کی وجہ کیا ہے۔۔۔ راؤ ریاست علی خاں تو خوشی سے اُچھل پڑے تھے انہوں نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب اس بچے کا علاج کراتا ہے چاہے اس کے لئے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔۔۔ دل کو لگ گئی سو لگ گئی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کا دماغی علاج کرانے سے پہلے اس کے چہرے کی درستگی ہو جائے۔۔۔ دیکھئے نا ہاتھوں وغیرہ پر بھی نشانات ہیں، کیا خیال ہے کوئی موثر علاج ہو سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے، علاج ہو جائے گا آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"تو پھر شروع کر دیجئے۔"

"ہو جائے گا سارا کام ہو جائے گا، ویسے ایک بات اگر میں آپ سے کہوں تو آپ میری بات مان لیجئے۔۔۔ یہاں ایک ایسے ماہر فن ہیں جو جڑی بوٹیوں سے چہرے کا علاج کرتے ہیں۔۔۔ نام فردوس بیگ ہے، پتہ بتائے دیتا ہوں چہرے کے علاج سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے چہرے ہاتھوں پیروں پر جو زخم ہے وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔۔۔۔ یہ سارے نشانات جنہوں نے ایک طرح سے یہ کہئے کہ چہرہ خراب کر دیا ہے، ٹھیک ہو جائیں گے اور پھر ایک بھی نشان نہیں رہے گا۔"

"بہت مناسب آپ پتہ بتا دیجئے۔" غرض یہ کہ راؤ ریاست علی خاں کے لئے گیا

فوراً ہی خادم علی کو دوڑایا اور حکیم فردوس بیگ کو بلا لیا گیا۔۔۔ جڑی بوٹیوں سے

چہرہ دیکھ کر بولے۔

"فکر کی بات ہی کیا راؤ صاحب، چند روز میں چاند جیسی صورت نہ نکال دیں تو ہم بھی

بہر حال کام شروع ہو گیا اور شاہ گل کا علاج ہونے لگا۔۔۔ منجھلے بیٹے نے ایک دن سوال کیا۔

"ابا جان آپ نے اس لڑکے کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا۔۔۔ جسے آپ نے پراسرار انداز میں کمرے میں بند کر رکھا ہے، وہ خود بھی خاموش تنہا ہے اور ابھی تک ہمیں اس کے پاس پہنچنے کی اجازت بھی نہیں ملی، یہ قصہ آخر کیا ہے۔"

"بتا دیں گے میاں جلدی کیا ہے اسے ذرا اپنی اصلی شکل میں آ جانے دو۔"

"اصل میں بات یہ ہے کہ آپ نے اسے بالکل گھر کے اندر رکھا ہوا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ وہ گھر کا ایک فرد ہی بن کر رہ گیا ہے، ایسی شکل میں اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو۔"

"گڑبڑ۔۔۔" راؤ ریاست علی خاں نے بیٹے کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے وہ پاگل ہو۔" ثمرا بیگم نے اپنی رائے دی۔

"آپ لوگ بالکل فکر نہ کریں، یہ ذمہ داری میں لیتا ہوں کہ اس کی دیوانگی آپ لوگوں کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔" راؤ ریاست علی خاں نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا اور میاں بیوی خاموش ہو گئے۔

❁ ❁ ❁

شیراز صاحب دہشت سے گنگ رہ گئے...... مشعل کی صورت دیکھنے لگے...... مشعل کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا...... بدن پتوں کی طرح کانپ رہا تھا...... شیراز صاحب نے کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو۔"

"ہاں ڈیڈی! آج تیسرا دن ہے۔"

"پاگل ہو گئی ہو...... تم نے دو دن سے مجھے نہیں بتایا۔"

"ڈیڈی! دو دن سے میں اسے خود تلاش کر رہی تھی...... آپ کو نہیں معلوم شہر کا کونہ کونہ چھان مارا ہے میں نے...... چپے چپے پر دیکھتی پھری ہوں...... آپ کو کیا بتاؤں کہاں کہاں ماری ماری پھری ہوں میں...... سارے ہسپتال اور مختلف ذرائع سے کوشش کر کے ایسی جگہیں جہاں کوئی اتفاقیہ واقعہ کے تحت پہنچ سکتا ہے۔"

"مگر پاگل لڑکی مجھے تو بتانا چاہئے تھا تجھے۔"

"ڈیڈی! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر غور کر رہے ہیں کیا۔"

"کیا مطلب......"

"دو دن کے بعد آپ آئے ہیں، آج تیسرا دن ہے...... آپ کو گئے ہوئے اور ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں اور نہ ہی کوئی رابطے کا ایسا ذریعہ تھا جو آپ سے رابطہ قائم کیا جا سکتا۔" شیراز صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے مشعل کو دیکھتے رہ گئے...... بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی، ایک کمرشل کی شوٹنگ کر رہے تھے اور بڑے اعلیٰ پیمانے پر کر رہے

تھے...... شہر سے باہر ایک لوکیشن دیکھی تھی، وہاں کام ہو رہا تھا اور شیراز صاحب ایک شاہکار تخلیق دے رہے تھے، لیکن گھر کے شاہکار کو بھول گئے تھے جو ملیامیٹ ہو گیا تھا...... عزت پر بن آئی تھی، بیٹیوں کو شوبزنس کی ہوا بھی نہ لگنے دی تھی، خود کچھ بھی کرتے تھے کیا مجال ہے شوبز کی دنیا کا کوئی شخص گھر کے دروازے تک آ جائے...... گھر اور باہر کی دنیا الگ الگ رکھی تھی، لیکن اس سے بھی فائدہ نہیں ہوا تھا...... مومل گم ہو گئی تھی...... مشعل نے پہلے تو فکر نہیں کی تھی...... مومل کی دیوانگی سے وہ اچھی طرح واقف تھی...... مومل اکثر گھر سے نکل جاتی تھی...... زیادہ تر وہ شہر گردی کرتی رہتی تھی اور شاہ گل کو تلاش کرتی پھرتی تھی، لیکن جب رات کو وہ واپس نہیں آئی تو مشعل دہشت زدہ ہو گئی...... ملا کی دوڑ مسجد بھاگتی ہوئی شاہ گل کے گھر پہنچ گئی...... بڑی مہارت سے مومل کے بارے میں معلومات حاصل کیں...... شاہ گل کے بارے میں پوچھا...... پتہ چلا کہ مومل یہاں نہیں آئی تھی اور شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں ہے...... بیچاری زلیخا اور صنوبر خود افسردہ رہتی تھیں...... شاہ گل ان کے گھر کا چراغ تھا اور اس کے جانے کے بعد سارے چراغ بجھ گئے تھے...... غلام خیر سے جو بن پڑتا تھا وہ کرتا رہتا تھا، لیکن شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں چلا تھا، چنانچہ وہ واپس آ گئی...... ساری رات جاگتی رہی، دوسرا دن اور دوسری رات بھی اسی طرح گزری...... باپ کا کوئی پتہ نہیں تھا، البتہ تیسرے دن صبح کو شیراز صاحب واپس آئے تو مشعل نے لرزتی ہوئی آواز میں انہیں مومل کی گمشدگی کے بارے میں بتایا تھا...... شیراز صاحب یہ سن کر دنگ رہ گئے تھے، اچانک ہی انہیں احساس ہوا تھا کہ انہوں نے شوبز کی دنیا میں دولت بھی کمائی اور شہرت بھی کمائی لیکن یہ کیا کیا وہ ایک اچھے باپ ہونے کا ثبوت نہیں دے سکے تھے...... بیٹی کیسے گم ہو گئی...... بڑی مشکل سے انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور مشعل سے بولے۔

"لیکن مشعل بیٹے تمہیں آخر اس کے دوستوں وغیرہ کے بارے میں بھی تو معلومات وغیرہ حاصل ہوں گی...... وہ کسی مشکل کا شکار تو نہیں تھی، کہیں کسی لغزش میں تو مبتلا نہیں ہو گئی تھی، وہ غلطی مجھ سے ہی ہوئی ہے واقعی میں نے ہمیشہ تمہارے بارے میں اچھے انداز

میں سوچا...... یہ سوچا میں نے کہ اپنی بیٹیوں کو اپنی دنیا کی برائیوں سے دُور رکھوں...... تم خود اس کی گواہ ہو لیکن دوسری طرف میں عقل مندی کا ثبوت نہیں دے سکا، میں نے وہ نہیں کیا جو ایک باپ کو کرنا چاہئے تھا...... مجھے احساس ہے مشعل کہ میں باپ ہونے کا فرض صحیح انداز میں ادا نہیں کر سکا، لیکن بیٹے ایک بات اچھی طرح سمجھ لو...... میں نے ہمیشہ اپنا دامن پاک رکھا ہے، اپنے پیشے کی برائیوں میں ملوث نہیں ہوا ہوں...... ایک نیک نام شخصیت رکھتا ہوں میں، اگر مومل نہ ملی اور دنیا کو اس کے بارے میں معلوم ہو گیا تو خودکشی کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہے گا۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی آپ خودکشی کر لیجئے...... مومل گم ہو گئی ہے اس کے بعد میں بھی کسی نہ کسی مصیبت کے جال میں پھنس ہی جاؤں گی اور لوگ ہنس ہنس کر کہتے رہیں گے کہ یہ شیراز صاحب کا گھرانہ ہے جو اس طرح منتشر ہو گیا۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں...... اس انداز میں سوچتے ہوئے آپ نے یہ نہیں سوچا کہ آپ دو جوان بیٹیوں کے باپ ہیں۔"

"مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔"

"نہیں ڈیڈی کہہ رہی ہوں میں غلط ہوا ہے یہ سب کچھ، آپ کو ہم سے اس طرح بیگانہ نہیں رہنا چاہئے تھا۔"

"مجھے احساس ہے...... مجھے احساس ہے لیکن کیا تم اب بھی میری مدد نہیں کرو گی۔"

"کیسی مدد ڈیڈی؟"

"مومل کے بارے میں مجھے بتاؤ...... آہ کہاں گئی میری بچی۔" مشعل دیر تک خاموش رہی...... بہن کے راز کو اب بھی چھپائے رکھتی تو مشکل پیش آ سکتی تھی...... خدانخواستہ مومل کو اگر کچھ ہو گیا تو شیراز صاحب مشعل کو کبھی معاف نہیں کریں گے، خاص طور سے اس بات پر کہ مشعل نے کچھ حقیقتیں چھپائیں، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"ڈیڈی مومل ایک لڑکے سے محبت کرتی تھی۔"

"کیا......" شیراز صاحب بھونچکے رہ گئے۔

"ہاں ڈیڈی۔"

"تب تو کیا تمہارا مطلب ہے کہ وہ...... وہ......"

"خدا کے لئے خواب میں بھی یہ بات نہ سوچئے...... شاہ گل فرشتہ صفت تھا، ایک نیم دیوانہ سا نوجوان جو اپنی ہی کسی آگ میں جل رہا تھا، اس نے تو کبھی نگاہ اٹھا کر مومل کی طرف دیکھا بھی نہیں ہوگا...... مومل اس کی شیدائی تھی...... ڈیڈی کچھ دن پہلے شاہ گل اپنے گھر سے چلا گیا...... اس کے اہل خاندان کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وہ کہاں چلا گیا ہے...... دو عورتیں اور ایک بزرگ ہیں، اس گھر میں اور کوئی نہیں ہے، صاحب حیثیت لوگ ہیں...... بس آنسو بہا رہے ہیں بیٹھے ہوئے...... شیراز صاحب مشعل کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

"بکواس کرتی ہو تم بہت زیادہ ذہانت بعض اوقات انسان کو مروا دیتی ہے...... اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھ رہی ہو...... کیوں، بتاؤ کون ہے وہ، کہاں ہے۔"

"ڈیڈی ایک بات کہوں آپ سے...... بڑے عجیب انسان ہیں آپ...... اپنے راز اگر آپ کر دیئے جائیں تو وہاں آپ اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس گھرانے کی میں بات کر رہی ہوں...... فرشتہ صفت گھرانہ ہے...... وہاں ایسی کوئی برائی نہیں ہے...... شاہ گل غائب ہو گیا تھا...... مومل اس کے لئے دیوانی تھی...... شہر کے چپے چپے پر اس کو تلاش کرتی پھر رہی تھی...... میں خود کئی بار ان کے گھر گئی...... معلومات حاصل کیں، لیکن وہ لوگ بیچارے خود حقیقتوں سے ناواقف تھے...... ڈیڈی خواب میں بھی مت سوچئے کہ کوئی ایسی ویسی بات ہوئی ہے، خدانخواستہ شاہ گل اور مومل جان بوجھ کر فرار ہوئے ہیں...... اس کی تو ضرورت ہی نہیں تھی، ڈیڈی آپ تک تو بات ہی نہیں پہنچی تھی...... اگر شاہ گل مومل کی طرف مائل ہوتا تو میں کوشش کرتی کہ آپ کو مجبور کر دوں اور ان دونوں کو یکجا کر دوں، لیکن ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں...... اگر آپ مجھے بے وقوف اور ناتجربہ کار سمجھتے ہیں تو میں کیا عرض کر سکتی

ہوں ڈیڈی۔"

"آہ! تو میں کیا کروں...... کیا کروں میں۔" شیراز صاحب کا لہجہ بھرا گیا اور مشعل کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔"

"اگر میرا ساتھ دیں گے ڈیڈی تو تلاش کریں گے ہم دونوں مل کر مومل کو، کہیں اپنی دیوانگی اپنی آگ میں جل رہی ہو گی...... ڈیڈی جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے، لیکن خدا کے لئے آپ شاہ گل کے گھرانے کو کچھ نہ کہیں...... میں آپ کو بتاؤں گی ہی نہیں کہ وہ لوگ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں کیونکہ میں ان کی جانب سے اور شاہ گل کی جانب سے مطمئن ہوں...... شیراز صاحب آنسو بہانے لگے، دیر تک روتے رہے پھر بولے۔

"اُٹھو تیار ہو جاؤ، ہم مومل کو تلاش کریں گے...... اُٹھو جاؤ لب ، تبدیل کر لو۔" وہ خود بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

❀ ❀ ❀

شعر و شاعری کی دُنیا میں بعض اوقات ایسے الفاظ بڑے مضحکہ خیز ہوتے ہیں جن کے معنی تو ہوں لیکن مفہوم کچھ نہ ہو...... اگر یہ کہا جائے کہ دل خون کے آنسو رو رہا تھا تو حقیقت پر غور کر کے ہنسی آجائے...... بھلا رونے والی چیز تو آنکھیں ہیں، رونے کا تصور آنکھوں ہی سے وابستہ ہے...... دل کا رونا خوب صورت الفاظ میں تو تصور کیا جا سکتا ہے...... حقیقت میں اسے کیا کہا جائے ذرا مشکل ہی سے تشریح ہو گی، لیکن مومل کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا...... ماں جیسی چاہنے والی بہن اور شیراز صاحب جنہوں نے بہر حال جب بھی سوچا تھا ان دونوں کے بارے ہی میں سوچا تھا، ان کی سوچ میں کچھ اور نہیں تھا...... بیٹیوں کے لئے زندگی کی تمام آسائش مہیا کر دینے کے جذبے تھے اور یہی جذبے انہیں متحرک رکھتے تھے...... اپنی ذات کے لئے اگر کچھ کرنا چاہتے تو شوبز میں تھے، یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں زندگی کی ہر خوشی بشرطیکہ انسان اسے خوشی سمجھے حاصل کی جا سکتی ہے اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں نکتہ چینی ہی شہرت کی سیڑھی ہوتی ہے، جس پر کوئی نکتہ چینی نہ کی جائے...... وہ شوبز کی دنیا میں ایک ناکام شخص تصور کیا جاتا ہے، لیکن شیراز صاحب نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا اور اپنی دونوں بچیوں کے بارے میں ہمیشہ محتاط رہے تھے...... قصور نہ شیراز صاحب کا تھا نہ مشعل کا...... قصور نجانے کس کا تھا...... شاید تقدیر کا...... سر بھی پھوڑا تھا تو ایک ایسے پتھر سے جو کم بخت پتھر بھی تو نہ تھا کہاں گم ہو گیا...... وہ تو گم ہو گیا لیکن میں کیوں گھر سے نکلی ہوئی آخر کہاں تلاش کرنا تھا مجھے، اس شخص کو کوئی جگہ کوئی منزل تو ہوتی کوئی

ہوتا، کوئی بات تو بنتی، یہ تو کچھ نہ ہوا۔

"نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم" کیا کروں گھر واپسی کا تصور بھی نہیں کر سکتی، جو ہو چکا ہے اس کے بعد مزید ہونا، مزید مشکلات کا باعث بنے گا..... پتہ نہیں کیا کہہ کر شیراز صاحب اور مشعل نے اپنی عزت بچائی ہوگی، جو کہا ہے دنیا سے وہ بھی تباہ و برباد ہو جائے گا، نہیں یہ تو مناسب نہیں ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے..... رحمان شاہ کے اس جھونپڑے میں رہ رہی تھی..... رحمان شاہ کون تھا؟ کیا تھا؟ مومل کو اس کا کچھ پتہ نہیں تھا، لیکن جو اندازہ اسے ہوا تھا وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ قدرت اس پر مہربان ہوئی ہے اور ایک ایسے اچھے انسان سے ملاقات ہو گئی ہے جو اسے عارضی سہارا تو دے ہی سکتا ہے، حالانکہ وہ خود شرمندہ تھی..... کوئی بھی تو رشتہ نہیں تھا اس شخص سے اپنے طور پر ہر کوشش کر رہا تھا اور ہر طرح سے مومل کا ساتھ دے رہا تھا..... اس نے بہت سے کپڑے لا کر دیئے تھے مومل کو پھر اس سے پوچھا تھا کہ کیا اسے سینا پرونا آتا ہے..... مومل نے بے بسی کا اظہار کیا تھا تو رحمان شاہ نے اسے کسی اور عورت سے ملایا تھا اور ان دونوں نے مل کر کپڑے سیئے تھے..... اس طرح مومل کا دل بھی تھوڑا سا لگ گیا تھا..... پھر کھانے پینے کی بے شمار اشیاء لے آیا تھا وہ اور اس نے کہا تھا۔

"دیکھ بہن ہمارے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا..... اس لئے گھر میں کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا، کیونکہ ہم بھی جہاں بیٹھتے تھے..... کتے کی طرح منہ مار لیا کرتے تھے، لیکن اب ہو گئے ہیں ہم بہن والے اور جس کی کوئی جوان بہن ہو اس کی عزت بھی ہوتی ہے..... اب کھانے پینے کا انتظام گھر پر ہی ہوگا..... تجھے تکلیف تو ہوگی مگر ہم بھی گھر کا مزہ لیں گے۔" مومل نے گردن جھکا دی تھی..... یہاں آئے ہوئے تقریباً گیارہ بارہ دن ہو گئے تھے اور ان گیارہ بارہ دنوں میں رحمان شاہ کی ساری شخصیت صاف ہو گئی تھی..... وہ انتہائی صاف ستھرا انسان تھا..... کیا کرتا ہے..... ذریعہ معاش کیا ہے..... اس کے بارے میں ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا..... صبح کو نکل جاتا اور شام کو واپس آتا، لیکن اپنا ٹھکانہ اس نے گھر سے باہر ہی رکھا تھا..... کئی دفعہ مومل کا دل چاہا کہ اس سے اس موضوع پر بات کرے، لیکن ہمت

نہیں پڑی تھی..... البتہ اسے افسوس ضرور ہوتا تھا کہ اس کی وجہ سے رحمان شاہ بے گھر ہو گیا ہے..... گھر کے دروازے کے باہر سوتا تھا..... ہمیشہ آواز دے کر اندر آتا تھا..... یہ وہ باتیں تھیں جو ظاہر کرتی تھیں کہ وہ جیسی بھی زندگی گزار رہا ہے وہ الگ بات ہے لیکن نیک ماں باپ کا نیک خون ہے..... اس نے اس کے بعد مومل سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا..... یہ بہت بڑی بات تھی، جبکہ اس سے پہلے جو دو تجربے ہوئے تھے وہ بڑے خوفناک تھے..... وہ دونوں عمر رسیدہ نیک اور دیندار لیکن دونوں ہی کی نیتوں میں فتور تھا..... اگر رحمان شاہ نہ ملتا تو کیا ہوتا، بات تو کچھ نہ ہوتی بس جہنم سامنے آ جاتا..... پھر ایک شام جب رحمان شاہ نے آنے کے لئے اجازت طلب کی اور اس کے اجازت دینے پر اندر آ گیا تو مومل نے طے کیا کہ آج رحمان شاہ سے کچھ باتیں کرے گی..... رحمان شاہ آ کر بیٹھ گیا تھا..... چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو..... مومل نے ایک لمحے محسوس کیا اور پھر خود ہی کہا۔

"رحمان بھیا کوئی بات ہے۔"

"ہاں..... تجھ سے کام ہے بہن۔"

"تو کہئے سوچ کیوں رہے ہیں۔"

"ایک بات پوچھیں تجھ سے۔"

"سو باتیں پوچھئے۔"

"یہ بتا ہمارے پاس رہے گی یا چلی جائے گی یہاں سے۔" اب اس سوال پر مومل نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔

"بھیا کوئی مشکل پیش آ گئی ہے۔"

"ہاں۔"

"کیا ہوا.....؟ خیریت تو ہے۔"

"تو پہلے ہمارے سوال کا جواب دے، کہیں جانا ہے تجھے یہاں سے۔"

"کیا بتاؤں بھیا بس کسی کی تلاش تھی، لیکن ایسا لگتا ہے کہ بے وقوفی کی ہے مصیبت کا وقت ہے زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنا مشکل...... کیا کروں اور کیا نہ کروں، لیکن اب اگر آپ اجازت دیں گے تو کچھ دن یہیں رہوں گی۔"

"دیکھو ہم نے تمہیں بہن کہا ہے اور بڑی مشکل سے اپنے دل کو یہ سمجھایا ہے کہ ہم بھی دنیا میں بسنے والے ہیں، ہمیں بہت سے احساسات ہو رہے ہیں...... ہم تمہیں اپنی زندگی کی کہانی پھر کبھی سنائیں گے بہن...... بس تم یہ سمجھ لو کہ جس قدر کسی گندی نالی کی کیچڑ ہو سکتی ہے اور اس کیچڑ سے جتنی بدبو اٹھ سکتی ہے ہم وہی کیچڑ ہیں...... گندی نالی کے بدبودار کیڑے کبھی عزت کا کوئی خیال ہمارے دل میں نہیں آیا، لیکن جب بہن کا نام ہمارے سینے میں اترا تو ہم نے سوچا کہ اب تو ہم بھائی بن گئے ہیں...... اصل میں ہم یہ سوچ رہے تھے کہ تھوڑے دن کے لئے شریف بننے سے کیا فائدہ، جب تک تو ہے شرافت سے کام چلالیں اور جب تو چلی جائے تو وہی دن ہوں گے اور وہی راتیں کیا سمجھی...... لیکن اگر تو بہن بن کر ہمارے ساتھ رہے گی تو پھر ہمیں اپنے آپ کو بدلنا پڑے گا۔" مومل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس نے کہا۔

"بھیا میں جہاں بھی رہوں گی ایک بات میں تمہیں بتادوں...... میرا کوئی بھائی نہیں ہے...... ایک بہن تھی میری جواب مجھ سے دُور ہو گئی ہے اور شاید میں کبھی اس سے نہ مل پاؤں، اگر بھیا مجھے تم اپنا یہ بات بتا رہے ہو تو میں بھی تمہیں بتادوں...... جس کی مجھے تلاش ہے، وہ...... وہ میرے ساتھ پڑھتا تھا...... میں یہ نہیں کہوں گی کہ اس نے مجھ سے بے وفائی کی ہے...... بس وہ نجانے کس مزاج کا انسان تھا...... وہ اپنا گھر چھوڑ کر نکل گیا ہے اور میں اپنا گھر چھوڑ کر نکل آئی ہوں، مجھے اس کی تلاش ہے۔"

"اوہو پھر ہمیں تفصیل سے بتانا...... سن بات اصل میں یہ ہے کہ ہم یہ جگہ چھوڑنا چاہتے ہیں...... ہم یہاں سے کسی... جگہ چلے جائیں گے، جہاں کوئی مجھے رحمان [illegible] بدمعاش کی حیثیت سے نہیں پہچانے گا...... بہن بھائی مل کر رہیں گے اور سن اس بات کی [illegible] تو پرواہ

ت کر کہ تجھے کسی کی تلاش ہے...... بھائی ہے اب تیرا تیرے ساتھ دونوں مل کر اسے تلاش کریں گے...... ایک اور گھر ہے ہمارے پاس کل صبح ہم اس گھر میں منتقل ہو جائیں گے...... وہاں لوگ ہمیں بدمعاش کی حیثیت سے نہیں پہچانتے تو رہے گی اس گھر میں اور ہم تیرے بھیا کی حیثیت سے کبھی کبھی آتے رہیں گے...... لوگوں کو یہی بتانا کہ تو شادی شدہ ہے...... تیرا شوہر تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے اور بھائی نے تجھے یہ گھر لے کر دیا ہے...... اس طرح تو وہاں رہنا ہم دنیا کی ہر چیز تجھے مہیا کر دیں گے...... اصل میں یہاں ہم بدمعاش کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور تیری یہاں موجودگی کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھے گا کیا سمجھی...... جہاں تک رہا اس کی تلاش کا سلسلہ تو ہمیں بتانا اس کے بارے میں تفصیل سے ہمارے بہت سے ساتھی ہوتے ہیں، جو ادھر سے ادھر گھومتے پھرتے ہیں...... تم پرواہ مت کرنا ہم اسے تلاش کر کے لے آئیں گے۔" مومل نے گردن ہلادی تھی اور اس کے بعد دوسرے ہی دن رحمان شاہ نے اسے نئے گھر میں منتقل کر دیا...... دن پھر مصروف رہا دو کمروں اور چھوٹے سے صحن کا مکان تھا...... ایک چھوٹے سے خاندان کے رہنے کے لئے خاصی گنجائش تھی، وہاں اور اس رات رحمان شاہ گھر کے صحن میں ہی سویا مومل سے اس نے یہی کہا تھا کہ دروازہ اندر سے بند کیا کرے...... پھر دوسرے دن تمام ضروری ہدایتیں دینے کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا اور مومل گھر کی صفائی کرنے لگی...... بہر حال یہ جو کچھ ہو رہا تھا بہت ہی نیک کام تھا...... مومل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے...... رہنے کا ٹھکانا مل گیا تھا...... رحمان شاہ پر اعتماد بھی کر یہ بھلا کوئی زندگی ہے، اپنا گھر چھوڑ کر شاہ گل کی تلاش میں نکلی تھی اور کیا کیا بن کر رہ گئی...... آہ کیا ہوگا...... آگے چل کر کیا ہوگا...... اکثر وہ سوچتی رہتی تھی، لیکن اس کی سوچ کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا...... ایک طرح سے اس کی شخصیت میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، جو حوصلے اس کے اندر تھے...... وہ اب پست ہوتے جا رہے تھے...... وہ سوچوں میں ڈوبی رہتی تھی اور اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ اب وہ زندگی میں کچھ بھی نہ کر پائے گی، نہ تو شاہ گل کو تلاش کر پائے گی اور نہ ہی یہاں سے جا سکے گی...... تقدیر میں یہی لکھا ہے یہی

سہی...... رات دن گزرتے رہے...... ایک لڑکا جو رحمان شاہ کا خاص آدمی تھا...... یہاں آتا رہتا تھا، بڑی عزت و احترام کے ساتھ وہ سارے کام کرتا تھا...... اس دن وہ گھبرایا ہوا آیا اور اس نے آکر کہا۔

"باجی استاد سخت زخمی ہو گیا ہے...... ایک لڑائی ہو گئی تھی...... پولیس ہماری تلاش میں ہے۔ ہم لوگ چھپے ہوئے ہیں...... استاد نے یہ رقم بھیجی ہے اور کہا ہے کہ کچھ عرصے اسی جگہ چھپے رہنا پڑے گا، ذرا احتیاط سے خرچ کرنا، ہو سکتا ہے آگے رقم آنے میں دیر ہو جائے۔"

"خدا خیر کرے کیا ہو گیا کیا رحمان بھیا بہت سخت زخمی ہیں۔"

"میں نے نہیں دیکھا باجی، لیکن لمبا چکر ہے پولیس نے گھیرا باندھ لیا تھا...... ہم تو نکل بھاگے...... استاد بھی نکل گیا ہے لیکن سنا ہے کہ اسے کچھ لوگ اُٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"کون...... ؟ کیا پولیس والے؟"

"نہیں استاد کے ساتھی، میں تو الگ تھا استاد نے مجھے یہ پیسے کسی اور جگہ بھجوائے اور یہ پیغام مجھے استاد نے کسی دوسرے کے ذریعے دیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ صورت حال بڑی سنگین ہے۔"

"تمہیں یہ نہیں معلوم کہ رحمان بھیا کہاں ہے۔"

"نہیں......"

"میرے بھائی مجھے بتاتے رہنا اس کے بارے میں کہ کیا کیفیت رہی اس کی، خدا اسے زندگی دے...... صحت دے۔" لڑکا چلا گیا، لیکن مومل کا دل کانپتا رہا...... یہ نئی افتاد پڑی تھی، بہر حال کئی دن گزر گئے...... مومل بری طرح تڑپ رہی تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے...... کیا نہ کرے، لیکن پھر ایک دن وہی لڑکا واپس آیا...... اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا...... آنکھوں میں غم کا تاثر تھا کہنے لگا۔

"باجی اُستاد کا انتقال ہو گیا۔" مومل پر جیسے بجلی گر پڑی...... سکتے کے عالم میں رہ گئی جس سہارے پر اس نے لاکھوں سجدے کئے تھے...... وہ چھن گیا تھا...... لڑکا اپنی دھن میں بولے

جا رہا تھا۔

"بس باجی پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے استاد...... پولیس نے ہسپتال میں داخل کرا دیا...... ہسپتال ہی میں مر گئے...... کچھ اور لوگ بھی گرفتار ہو گئے ہیں...... میں ابھی تک پولیس کے ہاتھ نہیں آیا...... چھپتا چھپاتا پھر رہا تھا...... آج موقع ملا تو تمہیں استاد کی خبر دینے آ گیا۔" مومل شدید غم کے عالم میں رہ گئی تھی، لڑکے نے کہا۔

"تم استاد کی بہن ہو باجی...... ہم بھی تمہیں باجی کہتے ہیں...... اللہ سے دعا کرو کہ ہم تمہاری خدمت کر سکیں، خود اگر دس فاقے بھی کرنے پڑے تو پرواہ نہیں...... تمہیں فاقہ نہیں کرنے دیں گے...... ہماری طرف سے اطمینان رکھنا...... ہم استاد کے وفادار ہیں...... پیارا استاد اس دنیا سے چلا گیا مگر کوئی بات نہیں ہے باجی ہم جو کچھ کریں گے وہ اپنے استاد کے لئے کریں گے...... تم یہاں اطمینان سے رہو جو پریشانی ہو اسے عارضی طور پر برداشت کرو...... ذرا ہمارا پاؤں کھل جائے...... پھر ہم تمہاری ہر مدد کریں گے، فکر مت کرنا۔" وہ چلا گیا لیکن مومل کا کلیجہ پھٹ گیا تھا...... اسے یوں لگا تھا جیسے اس کا سگا بھائی مر گیا ہو...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"در حقیقت میں نہ کسی کی عزت بننے کے قابل ہوں اور نہ کسی کو اپنی نحوست سے بچا سکتی ہوں...... آہ کیا کروں میں...... کیا کروں۔" لیکن کوئی حل نہیں تھا...... رحمان شاہ کی بات اور تھی...... یہ لڑکا بھلا اس کی کیا مدد کر سکے گا...... اس سے اسے کیا واسطہ رحمان شاہ سے تو امید بھی تھی کہ سکون کی سانس لے کر شاہ گل کی تلاش میں مدد دے گا، لیکن اب کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا...... پھر ایک دوپہر کوئی ڈھائی بجے کا وقت ہو گا دروازے پر دستک ہوئی تو مومل چونک پڑی...... سمجھی وہی لڑکا ہو گا...... لیکن آنے والے بڑی شاندار شخصیت کے مالک تھے...... سفید داڑھی، عمدہ لباس، چہرہ پر وقار ایک نگاہ دیکھ کر ہی دل کو یہ احساس ہوتا تھا کہ شریف آدمی ہیں، کہنے لگے۔

"بی بی اجازت دو تو اندر آ جاؤں...... بڑی مشکل سے یہاں پہنچا ہوں...... پتہ مجھے

داور نے بتایا تھا اور بڑی مشکل سے یہ پتہ چلاتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں...... دل میں ڈر بھی رہا تھا کہ خدانہ کرے کہ کوئی مشکل نہ پیش آجائے، لیکن شکر ہے تمہارا نام موٴمل ہی ہے ناں۔"

"جی......" موٴمل نے حیرانی سے کہا دل کانپ رہا تھا...... ویسے داور اس لڑکے کا نام تھا جواب تک موٴمل کی مدد کرتا رہا تھا...... بزرگ کو اندر آنے کی اجازت دی تو وہ بولے۔

"میرا نام غیاث احمد ہے...... بات سوچنے کے لئے تو بہت چھوٹی سی ہے لیکن بہت بڑی بھی ہے...... میری بیٹی ہے جو کالج میں پڑتی تھی، کچھ غنڈوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی...... چیخ پکار ہوئی تو رحمان شاہ وہاں پہنچ گیا اور اس نے ان غنڈوں سے شدید مقابلہ کیا...... پانچ آدمی مار دیئے اس نے ان غنڈوں کے، خود بھی شدید زخمی ہو گیا، لیکن بہر حال اس نے میری بیٹی کی عزت بچالی...... ان لوگوں کو ختم کردیا...... بہت عرصے سے میری بیٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور اسے نقصان پہنچانا چاہتے تھے...... ہم لوگ تو محفوظ ہو گئے کیونکہ کوئی یہ بتانے والا نہیں تھا کہ جس لڑکی کو اٹھانے کی کوشش کی گئی تھی وہ کون ہے، لیکن بیچارہ رحمان شاہ زخمی ہو کر مر گیا...... خدا اسے غریق رحمت کرے...... بیٹی مجھے اس کے بارے میں تمام تر تفصیلات پتہ چل گئی تھیں...... یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کی ایک ہی بہن ہے...... میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا...... تڑپ رہا تھا...... تم تک آنے کے لئے، میں چاہتا تھا کہ اس عظیم انسان کا شکریہ ادا کروں جس نے میری عزت بچائی...... بیٹی اب میں موقع ملتے ہی تمہارے پاس آیا ہوں اور ہر طرح سے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں...... کیا تم مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گی...... کیا تم یہ پسند کرو گی کہ مجھے اپنی خدمت کا موقع دو۔" بزرگ غیاث احمد نے کہا اور موٴمل عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی، اس کا دل ہنس رہا تھا...... واہ ری تقدیر کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہے...... کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، انسان کو سب کچھ چھوڑ آئی ہوں اپنا خواہ کچھ بھی ہو واپس نہیں جاؤں گی...... ان لوگوں کے لئے داغ نہیں بنوں گی جنہوں نے میری غیر موجودگی میں اپنی عزت کو سنبھالا ہو گا...... کتنے جھوٹ بولے ہوں گے، انہیں میں مزید جھوٹ نہیں بولنے دوں گی انہیں کچھ بھی ہو جائے اب میں انہیں مزید

جھوٹ نہیں بولنے دوں گی، اس نے بزرگ غیاث احمد کو دیکھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ کوئی ایسی بات کی جائے کہ انہیں اس پر اعتماد ہو جائے...... کچھ لمحے اپنے آپ کو سنبھالتی رہی اور اس کے بعد کہا۔

"میں آپ سے کیا کہوں اپنے بارے میں چچا جان لاوارث ہوں، کوئی سرپرست نہیں ہے میرا دنیا میں...... اللہ نے ایک بھائی دیا تھا، وہی میری کفالت کرتا تھا، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا اور میں پھر سے تنہا رہ گئی ہوں۔"

"کیا نام ہے بیٹی تمہارا؟" غیاث احمد نے پوچھا یہاں بھی موٴمل کو ایک دم سنبھلنا پڑا تھا...... اس نے فوراً ہی کہا۔

"شاہدہ...... شاہدہ ہے میرا نام۔"

"شاہدہ بیٹی میں تم سے مزید کچھ اور نہیں پوچھوں گا...... زندگی کا اگر کوئی بھی اہم مسئلہ ہو اس میں اگر تم بذاتِ خود میری ضرورت محسوس کرو تو مجھ سے رابطہ کرنا...... دوسری صورت میں تم جس جگہ لے جائی جاؤ گی وہاں تمہیں کوئی دقت نہیں ہو گی، میں تمہیں ایک بات بتاؤں کہ بہت ہی ممنون ہوں میں اس شخص کا جس نے میری بیٹی کی عزت بچانے کے لئے اپنی جان دے دی...... میں کوشش کروں گا کہ تمہاری خدمت کر کے اس کا احسان ادا کر سکوں...... اللہ نے مجھے ایک اور بیٹی سے سرفراز کیا ہے...... اپنے دل کی ہر بھڑاس نکال لو...... اللہ کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس، بہت بڑا خاندان ہے میرا...... میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، ضروری سامان سمیٹ لو حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے...... بس آج سے تم میرے پاس رہو گی۔"

"چچا جان!"

"کافی ہے تم نے خود یہ رشتہ بھی قائم کرلیا، مجھے اپنے سگے چچا کی مانند سمجھو...... بس میں اور سنو تمہاری سوچیں صرف تمہاری سوچیں ہوں گی، لیکن اس چھوٹے گھر سے تمہارا تعارف اس طرح کراؤں گا کہ لوگ تمہاری عزت کریں گے...... میرا بیٹا

سرفراز بڑی اچھی طبیعت کا مالک ہے، اس کی بیوی عذرا بھی بہت نفیس طبیعت کی مالک ہے۔ ہمارا گھرانہ انہی افراد پر مشتمل ہے...... خاندان البتہ بہت بڑا ہے...... بہرحال تم میری بیٹی کی حیثیت سے میرے گھر میں جاؤ گی...... وقت کی کہانی ہوتی ہے اور ہمیں وقت کی کہانیوں سے انحراف نہیں کرنا چاہئے بیٹی...... کیا سمجھیں۔"

"جی۔"

"بہرحال تیار ہو جاؤ۔" اور اس کے بعد مومل کی زندگی میں ایک اور نیا موڑ آیا...... غیاث احمد صاحب بہت نفیس انسان تھے کہ مومل ان سے انکار نہ کر سکی اور اس کے بعد اپنے آپ پر ہنستی ہوئی...... اس نئی منزل کی طرف چل پڑی...... اک اور نئی زندگی "عشق خانہ خراب کیا کیا نہیں کرا دیتا" کہاں کہاں پر بھٹکتی رہی تھی، وہ کیسی عجیب دنیا ہوتی ہے ماں باپ اولاد کو پھولوں کی طرح پالتے ہیں اور اولاد کے فیصلے کسی اور کے لئے اگر ہو جائیں تو ماں باپ کی حیثیت کچھ بھی نہیں رہ جاتی، کتنی غلط بات ہے یہ کہ وہ جو تمہارے ہر سانس کی حفاظت کر کے اس قابل بناتے ہیں کہ تم اس دنیا میں اپنے قدم جما سکو، تمہاری اپنی سوچوں میں بے مقصد اور بیکار ہوتے ہیں...... تم ان سے مشورہ لینا بھی پسند نہیں کرتے...... تم انہیں بھٹکتا چھوڑ کر اپنی منزل کی تلاش میں نکل پڑتے ہو...... کیسے برے ہو تم۔

❀❀❀

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی کی کہانی نت نئے ہنگاموں سے دوچار ہوتی ہے، نہ صرف ان کا حال اور مستقبل بلکہ ان کا ماضی بھی ایسے ہی انوکھے واقعات سے دوچار رہا ہے...... شاہ عالم کی زندگی اور اس کے بعد اس کے بیٹوں کا ہنگامہ خیز ماحول پھر شاہ گل کا پیدا ہونا، صنوبر کی کہانی، شاہ گل کی اپنی شخصیت ان ساری باتوں کو اگر یکجا کر لیا جائے تو یقینی طور پر اسے ایک انوکھی کہانی کا نام دیا جا سکتا ہے...... شاہ گل اپنے وجود میں اس کمی سے مکمل طور پر آشنا ہو چکا تھا، جو اسے دوسروں سے بالکل مختلف کر دیتی تھی اور وہ اس کمی کی شدت کو اپنے وجود میں اتارے لمحہ لمحہ سلگ رہا تھا...... یہاں تک کہ مومل زندگی میں آئی اور اس نے شاہ گل کی زندگی میں ایک اور ناسور پیدا کر دیا...... ایک ایسا تکلیف دہ عمل جس نے اسے ذہنی طور پر اتنا مضمحل کر دیا کہ گھربار ہی چھوڑ بھاگا...... اپنے آپ میں سلگتے ہوئے اتنا طویل وقت گزار دیا کہ سکندر کی مہربانی سے سر میں چوٹ آئی اور کچھ لمحوں کے لئے وہ ماحول کو، اپنے آپ کو، اپنی شخصیت کو بھول گیا...... اپنی وہ کمی بھی اسے یاد نہ رہی...... چہرے پر زخم آئے تھے اور اسے اپنا چہرہ تک یاد نہیں رہا تھا، لیکن اللہ کے کام اللہ ہی جانتا ہے...... ہو سکتا ہے وہ راستوں پر بیٹھ کر بھیک مانگتا...... دماغی طور پر غیر متوازن ہو کر کچھ بھی کر سکتا تھا، لیکن ایسے موقع پر اسے راؤ ریاست علی خاں مل گئے اور اس کی کہانی تبدیل ہو گئی...... یہاں راؤ ریاست علی خاں کی حسین جمیل کوٹھی میں اسے پناہ مل گئی تھی اور وہ اپنے آپ سے ناواقف وقت گزار رہا تھا...... راؤ صاحب کے دل میں اللہ نے اس قدر نیکی ڈال دی تھی کہ وہ اس سے بہت

زیادہ انسیت کرنے لگے تھے...... حکیم فردوس بیگ اس کا علاج کر رہے تھے اور انہیں امید تھی کہ اس کے چہرے کے زخم بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے...... راؤ ریاست علی اس کا ہر طرح خیال رکھتے تھے...... وہ جانتے تھے کہ ایک نئے شخص کی آمد اور وہ بھی اس انداز میں بہت سوں کو ناگوار گزرے گی، کیونکہ اسے کوٹھی میں جگہ دی گئی تھی...... تنگ دل لوگ تھے اور کسی اجنبی کو ذرا اپنے درمیان برداشت کرنا مشکل ہی کام تھا، لیکن راؤ ریاست علی خاں یہاں بھی اپنے مقام کو برقرار رکھنا چاہتے تھے...... اس وقت بھی شام کا وقت تھا اور وہ چہل قدمی کرنے کے لئے نکلے تھے...... شاہ گل کا کمرہ تو برابر تھا ہی دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس سے شاہ گل ایک کرسی پر خاموش بیٹھا نظر آ رہا تھا...... وہ کمرے میں داخل ہو گئے...... قدموں کی آہٹ پر شاہ گل نے گردن اٹھائی اور راؤ صاحب کو دیکھ کر احترام کے انداز میں کھڑا ہو گیا...... راؤ صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"بیٹھو بیٹے۔" یہ کہہ کر وہ خود بھی ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئے...... وہ شاہ گل کا لمحہ لمحہ جائزہ لیتے رہتے تھے، اس طرح پر ادب کھڑے ہو جانا بھی اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ اسے احترام کرنا آتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کسی کرم فرما کا کس طرح استقبال کیا جا سکتا ہے...... وہ اسے غور سے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"یہاں رہ کر تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔" شاہ گل نے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولا۔

"نہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تمہیں یاد نہیں آتا کہ اس سے پہلے کہاں رہتے تھے...... ماں باپ کیا کرتے تھے، کون سے شہر سے تعلق رکھتے تھے۔"

"نہیں مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اس بات پر فکر مند تو نہیں ہو...... یہ تو نہیں سوچتے کہ کسی اجنبی جگہ آ گئے ہو۔"

"پتہ نہیں۔" شاہ گل اُلجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"اس کمرے میں دل گھبراتا ہے۔" شاہ گل نے ایک نظر پورے کمرے پر ڈالی اور پھر بولا۔

"نہیں۔"

"ابھی کسی سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"نہیں میں خود سے باتیں کرتا ہوں...... اپنے آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں کون ہوں۔"

راؤ صاحب کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے...... وہ جلدی سے بولے۔

"بالکل ٹھیک آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو دیکھا کرو اور اس سے پوچھا کرو کہ تم کون ہو، مگر فکر مند نہ ہونا تمہارے لاشعور میں جو کچھ بھی موجود ہے ایک نہ ایک دن تمہارے شعور تک پہنچ جائے گا...... یہ اداسی تو عارضی ہے، سب کچھ یاد آ جائے گا نہیں...... تم اپنے آپ کو جان لو گے بیٹے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور ہاں یہاں اپنے کمرے میں اداس رہنے کی ضرورت نہیں...... میں نے تو اس لئے تمہیں یہاں لا کر چھوڑا ہے کہ یہاں دوسرے لوگ تم سے الٹے سیدھے سوالات کر کے پریشان نہ کریں...... تم آرام سے باہر نکل جایا کرو اور اگر کوئی تم سے سوالات بھی کرے تو ان لوگوں کی کسی بات کا برا نہیں ماننا...... آؤ چلو باہر چلتے ہیں۔" شاہ گل راؤ صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا اور راؤ صاحب اسے ساتھ لے کر چل پڑے...... کوٹھی کے مغربی حصے میں ایک خوبصورت پارک بنا ہوا تھا...... یہاں رنگین پھولوں کے تختے تھے...... سنگ مرمر کا ایک حوض بنا ہوا تھا، جس کے کنارے پتھر کی بنچیں بنوائی گئی تھیں...... حوض میں رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں...... راؤ صاحب نے اس پوری زمین کوٹھی میں اپنی پسند کے مطابق تھوڑا سا کام کرایا تھا، وہ حوض کے پاس جا کھڑے ہوئے اور شاہ گل ان رنگین مچھلیوں کو دیکھنے لگا...... بہت دیر تک یہ خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد شاہ گل اپنے کمرے میں واپس آ گیا...... دوسری صبح نجانے کس وقت اس کی آنکھ کھل گئی تھی...... اسے حوض اور اس کے قرب و جوار کا ماحول بے حد پسند آیا تھا، چنانچہ راؤ صاحب کی اجازت کے بعد وہ اس طرف چل پڑا طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے اور ماحول اس قدر حسین تھا کہ دیکھ کر دل خوش ہو جائے...... فراست علی خاں کی اولادوں میں

کئی بیٹے اور بیٹیاں تھیں..... باقی اور بچوں کی اولادیں بھی تھیں، اپنے اپنے عزیز و اقارب، بیوی بچوں اور حویلی کا ایک ایسا ماحول جسے دیکھ کر دیکھنے والے رشک کریں..... لڑکے لڑکیاں بھی آپس میں ملے جلے رہتے تھے..... لڑکیوں کو بہت زیادہ آزادی نہیں تھی..... ایک بزرگ کی موجودگی میں جس قدر پابندیاں قبول کی جاسکتی تھیں، وہ یہاں موجود تھیں، لیکن اس کے باوجود ماحول کافی حسین تھا اور خوب عمدہ زندگی گزر رہی تھی، ان کی..... زمرد نیر حسین کی بیٹی تھی..... نیر ایک درمیانہ ذہن کا انسان تھا، لیکن اس کی بیوی شاداب ذرا مختلف مزاج کی عورت تھی..... محبت کرنے پر آتی تو اس طرح کے قدموں میں بچھ جاتی نفرت بھی اس انداز میں کرتی تھی..... کسی بات سے اختلاف کرتی تو اس طرح کہ جان چلی جائے مگر اختلاف ختم نہ ہو..... بہر حال اس کا اپنا مزاج تھا جس کا خیال رکھا جاتا تھا..... خود ان سب کے کمانڈر راؤ صاحب ایک ایک کے مزاج سے واقفیت رکھتے تھے..... زمرد انہی دوماں باپ کی بیٹی تھی..... ماں سے بڑی جنونی کیفیت مزاج میں پائی تھی، بلکہ یہ کیفیت زمرد کے ذہن تک پہنچ کر اور شدت اختیار کر گئی تھی۔ بہت ہی عجیب لڑکی تھی..... ہر چند کہ آج تک کسی کے لئے پریشانی کا باعث نہیں بنی تھی، لیکن اس کے مزاج سے سبھی واقف تھے اور اس کا پورا پورا احساس رکھتے تھے، اس کی مرضی کے مطابق ہی ہر کام ہوا کرتا تھا اور خاص طور سے خیال رکھا جاتا تھا کہ کوئی کام اس کی پسند سے الگ نہ ہونے پائے..... البتہ یہ الگ بات کہ اس نے اپنے مزاج سے آج تک کوئی ایسا حادثہ نہیں ہونے دیا تھا، جو کوٹھی کے رہنے والوں کے لئے پریشانی کا باعث بن سکے، لیکن یہ سب جانتے تھے کہ وہ جو کام بھی کرتی ہے..... نرالی حیثیت رکھتے ہیں..... عبادت کرنے پر آئے تو ایسی عبادت کرے کہ دیکھنے والے اسے ملانی جی کہہ کر بلائیں..... پانچوں وقت کی نماز، تمام روزے اور اب اس کی وہی کیفیت تھی، ویسے بھی تمام تر جدید ہونے کے باوجود یہاں مذہب کی خاصی حیثیت تھی اور لوگ عبادت کیا کرتے تھے..... زمرد صبح کی نماز کے بعد چہل قدمی کیا کرتی تھی..... آج بھی وہ اسی طرح چہل قدمی کرنے کے لئے نکلی تھی کہ اچانک اس کی نظر تالاب کی طرف اٹھ گئی..... شاہ گل کو دیکھ کر

ان کی طرف بڑھ گئی، ایک لمحے کے لئے دل میں خیال آیا کہ کہیں غلط نہ ہو..... شاہ گل کے سے میں سن چکی تھی، مکمل طور پر لیکن ابھی تک اس کی زیارت نہیں ہوئی تھی..... آگے بڑھی اور اس کے قریب پہنچ گئی..... قدموں کی چاپ پر شاہ گل نے پلٹ کر اسے دیکھا اور زمرد کئی قدم پیچھے ہٹ گئی، اسے شاہ گل کے دو اگلے چہرے سے خوف محسوس ہوا تھا..... پہچان تو گئی تھی کہ وہی دادا جان کا پالتو ہے، لیکن یہاں تنہا اس کے سامنے آکر کچھ نروس سی ہوگئی تھی..... بہر حال قریب پہنچی اور شاہ گل کی آنکھوں میں دیکھا..... ایک عجیب سا احساس دل میں جاگ اٹھا، اتنی حسین آنکھیں کم ہی ہوا کرتی ہیں..... اتنی خوبصورت آنکھیں اور ذہانت..... ان آنکھوں کی نیلاہٹیں سچے موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں..... نجانے کیوں زمرد کو اپنا دل ڈولتا ہوا محسوس ہوا..... وہ اس کشش میں اس طرح گم ہوگئی کہ بات کرنا بھی بھول گئی..... شاہ گل نے ایک لمحے تک اسے دیکھا پھر گردن گھما کر حوض میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھنے لگا..... اس نے دل میں سوچا کہ چہرہ کتنا بدنما ہے، لیکن آنکھیں اتنی حسین ہیں کہ ان پر خدا کی حمد و ثنا کی جاسکتی ہے..... قریب پہنچی اور زور سے کہا۔

"سنو۔" شاہ گل کے بدن میں پھر جنبش ہوئی اور اس نے پلٹ کر زمرد کو دیکھا، پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"ارے نہیں بیٹھ جاؤ..... میں نے تم سے کھڑے ہونے کے لئے تو نہیں کہا۔" شاہ گل اس طرح بیٹھ گیا کہ جیسے زمرد کا حکم ماننا بے حد ضروری ہو..... زمرد کو ہنسی آگئی..... شاہ گل نے پھر اسے دیکھا اور زمرد بولی۔

"تمہارا نام شاہ گل ہے نا۔"

"ہاں....."

"کہاں سے آئے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ارے ہاں میں بھول گئی لوگ کہتے ہیں کہ تم پاگل ہو۔" زمرد نے کہا لیکن شاہ گل نے

کوئی جواب نہیں دیا..... زمرد اسے دیکھتی رہی اس نوجوان میں پاگلوں والی کوئی بات تو نظر نہیں آ رہی تھی..... زمرد اس سے کچھ اور بھی باتیں کرنا چاہتی تھی کہ سمن اسے تلاش کرتی ہوئی آ گئی..... سمن اس کی کزن تھی اور زمرد کی گہری دوست..... بہر حال چند لمحوں کے بعد سمن اس کے قریب آ گئی اور بولی۔

"آج بہت جلد اُٹھ گئیں تم۔"

"ہاں۔"

"ارے یہ..... یہ..... سمن نے شاہ گل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ کیا۔"

"تمہیں اس سے خوف نہیں محسوس ہوتا..... اس کی بھیانک صورت دیکھو اور یہ پتہ ہے کہ پاگل ہے۔"

"تمہارا اپنا دماغ زیادہ خراب معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں؟"

"یہ سب کچھ تم اس کے سامنے کہہ رہی ہو۔"

"تو کیا پاگل سب کی باتیں سمجھ لیتے ہیں۔" سمن نے رازداری سے پوچھا۔

"فضول باتوں سے گریز کرو..... چہرے اللہ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اس سے ہمدردی کی جاتی ہے۔"

"تھوڑی دیر کے بعد تم بھی تکلیف میں مبتلا ہو سکتی ہو بی بی..... اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم یہاں تک آ گئی ہو اور اس سے باتیں کر رہی ہو..... سمن نے شوخی سے کہا۔

"ہوں..... میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی اور پھر یہ بیچارہ تو خود بھی معصوم ہے..... کسی کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں ہے..... میرا کیا بگاڑے گا۔"

"پھر بھی پاگل تو پاگل ہی ہوتا ہے ناں..... ڈانٹ پڑے گی قسم کھا رہی ہوں، اگر کسی کو پتہ چل گیا تو شامت آ جائے گی چلو واپس چلو۔"

"واپس تو چلنا ہے کیونکہ صبح ہو گئی ہے..... گھر کے کام کاج دیکھنا ہوں گے..... بزرگوں کی نگرانی بھی کرنا ہو گی، لیکن میں ذرا دو چار باتیں اور کر لوں اس سے۔" زمرد نے کہا اور آگے بڑھ کر بولی۔

"شاہ گل۔" شاہ گل نے پھر نگاہیں اٹھائیں اور زمرد کو دیکھا..... زمرد بولی۔

"آپ روزانہ صبح یہاں آتے ہیں۔"

"نہیں....."

"آج پہلی بار آئے ہیں۔"

"ہاں....."

"نہیں اور ہاں کے علاوہ آپ کچھ اور بھی بول سکتے ہیں۔"

"نہیں....." شاہ گل نے جواب دیا اور سمن ہنس پڑی..... زمرد کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"اچھا میں کل بھی یہاں آؤں گی، اگر آپ آئے تو آپ سے باتیں کروں گی، لیکن شرط یہ ہے کہ ہاں اور نہیں کے علاوہ بھی آپ کو کچھ بولنا ہو گا..... چلو سمن۔" زمرد نے رُخ بدل کر کہا..... شاہ گل خاموشی سے حوض میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کی جانب متوجہ ہو گیا، جبکہ دونوں لڑکیوں نے کئی بار اسے پلٹ کر دیکھا تھا، سمن نے حویلی کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"زمرد تم بڑی ہمت والی ہو۔"

"کیوں....."

"تم اس کے قریب پہنچ گئیں۔"

"پھر وہی فضول باتیں، کیا اس نے مجھے کاٹ کھایا۔"

"نہیں اس کا چہرہ کتنا خوفناک ہے، یہ تم نے نہیں دیکھا۔"

"دیکھو سمن تم سے کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ چہروں پر تبصرہ نہ کیا کرو..... میرے ذہن میں ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا..... چہرے تو اللہ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور

پھر اس کے چہرے پر تو زخم کے نشانات ہیں...... تم نے اس کی آنکھیں نہیں دیکھیں۔"

"آنکھیں۔"

"ہاں۔"

"آنکھوں میں کیا ہے۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ وہ قابل رحم ہے۔"

"زیادہ رحم نہ کھالینا اس پر کہیں تم خود قابل رحم نہ ہو جاؤ۔"

"اچھا بکواس بند۔" دونوں واپس چلتی ہوئی اندر پہنچ گئیں...... ویسے اس عمارت کی رونقیں بڑی شاداب تھیں...... اصل میں لڑکے لڑکیاں بہت سے تھے، ہر ایک کے الگ الگ ملنے جلنے والے، ہر ایک کی الگ الگ زبان، ہر ایک کا الگ الگ انداز، آپس میں چونچیں بھی چلتی تھیں...... دور کے رشتے دار قریب کے رشتے داروں سے ڈرتے تھے، کیونکہ اس گھر پر اپنی کچھ زیادہ فوقیت سمجھتے تھے...... راؤ ریاست علی خان نے ان کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے...... گھر میں آج تک کوئی ایسا حادثہ نہیں ہونے پایا تھا جو روایت بن جائے...... ایک طرح سے راؤ ریاست کا دم اس گھر کے لئے بڑا قیمتی تھا، ان سے ہر ایک دبتا تھا اور صحیح معنوں میں ابھی تک انہی کی حکمرانی قائم تھی...... کسی کو مجال نہیں تھی کہ اپنی رائے ان کی رائے پر مسلط کرتا...... لڑکوں کے دوست احباب آتے رہتے تھے...... لڑکیوں کی سہیلیاں آتی رہتی تھیں...... ایک رونق، ایک میلہ اس گھر میں لگا رہتا تھا اور راؤ صاحب کو یہ میلہ سب سے زیادہ عزیز تھا...... وہ ان سب کے درمیان سب سے زیادہ خوش رہا کرتے تھے...... اس وقت بھی علی حیدر کے کچھ دوست جو عموماً یہاں آجایا کرتے تھے آئے ہوئے تھے اور لونگ ٹینس کھیلا جارہا تھا...... یہاں باقاعدہ ٹینس کورٹ بنا ہوا تھا اور لونگ ٹینس ہوا کرتی تھی......

اس وقت بھی علی حیدر کے کچھ دوست علی حیدر کے ساتھ ایک زبردست میچ کھیل رہے تھے کہ علی حیدر کے ایک دوست حیات نے ایک اجنبی شکل کو دیکھا...... دُور سے درخت کے ایک تنے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوا وہ ان لوگوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا...... حیات نے

ی طرف رُخ کر کے کہا۔

"حیات دو دیکھو بھوت۔" حیدر نے ادھر نگاہیں اٹھائیں اور برا سا منہ بنا کر حیات کو

لگا پھر بولا۔

"کھیلو یار کس منحوس کی شکل دکھادی۔"

"کیا مطلب......" حیدر کا دوسرا دوست بولا۔

"کون ہے وہ۔" حیات نے سوال کیا۔

"ہمارے دادا ابا کا پالتو۔"

"کیا مطلب...... کیا راؤ ریاست علی خاں نے کوئی کتا پالا ہے"

"یہ ہے کیا شے یار اس کا چہرہ تو دور سے ہنومان کا چہرہ نظر آرہا ہے۔"

"بس میں تو ڈرتا ہی رہتا ہوں اس بات سے کہ خدا صبح ہی صبح اس کا چہرہ نہ دکھا دے۔"

"کیوں......"

"بس یار چھوڑو ان باتوں کو۔"

"مگر کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"بس دادا جان کہیں سے آرہے تھے...... راستے میں ریل میں مل گیا...... دادا میاں کی ات تو جانتے ہی ہو اٹھا لائے اسے یہاں اور اب یہ یہیں مرتا رہتا ہے۔" کھیل جاری ہا۔ ایک بار بال اُچھل کر شاہ گل کے پاس جا پڑی اور حیات نے منہ سے شی شی کی آواز ل کر شاہ گل کو متوجہ کیا اور بال لانے کے لئے کہا لیکن بال اپنی جگہ پڑی رہی...... شاہ گل نہیں تھا، اچانک ہی حیدر نے چیخ کر کہا۔

"ابے سنتا نہیں کیا...... بال لے کر ادھر آ۔" سب انتظار کر رہے تھے لیکن شاہ گل ٹس ے مس نہیں ہوا، تب حیات نے کہا۔

"یار یہ تو بے عزتی ہے...... یہ آخر سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو...... بال اسی سے اٹھواؤ میں اسے دیکھتا ہوں۔"

"یہ میرے ہاتھوں مار کھائے بغیر نہیں رہے گا۔" حیدر نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔۔۔ پیچھے سے حیات وغیرہ بھی اس کے ساتھ چل پڑے تھے۔۔۔ دوسرے بھائی نے کہا۔

"حیدر کیوں جھگڑا مول لے رہے ہو۔۔۔ اگر تم نے کچھ کہا تو دادا جان کا غصہ برداشت کرنا پڑے گا۔" لیکن حیدر کو دوستوں کے سامنے بڑی بے عزتی محسوس ہوئی تھی۔۔۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ آگے بڑھا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"چل ہاں اٹھ وہاں سے۔" لیکن شاہ گل نے اسے سادہ سی نگاہوں سے دیکھا پھر منہ زیادہ بگڑ گیا۔۔۔ شاہ گل اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔۔۔ حیدر علی نے کہا۔

"تو سمجھتا کیا ہے خود کو، دیکھتا نہیں کس کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔۔۔ میں اتنا ماروں گا تجھے کہ تیرا سانس خراب کر دوں گا۔۔۔ اچانک ہی شاہ گل کی آنکھوں میں جنون کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے خونی نگاہوں سے حیدر کو دیکھا تو حیدر آگے بڑھا اور اس نے شاہ گل کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ ہوا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ شاہ گل کا تھپڑ اتنی زور سے حیدر کے منہ پر پڑا تھا کہ وہ کئی فٹ دور جا کر گرا اور ایک دم سے بات خوف ناک حدود میں داخل ہو گئی۔۔۔ علی حیدر اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا۔۔۔ شاہ گل اس کی جانب بڑھ گیا، لیکن پھر سب نے مل کر اسے پکڑ لیا تھا۔۔۔ تھپڑ نے علی حیدر کو چکرا دیا تھا۔ اس ایک تھپڑ سے ہی اسے معلوم ہو گیا کہ صورت حال اس کے حق میں نقصان دہ رہے گی۔ بڑی مشکل سے بات کو ختم کیا گیا، لیکن علی حیدر نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا۔

"یا تو یہ اس گھر میں رہے گا یا میں۔" یہ بات راؤ برکت حسین کو بھی پسند نہیں آئی تھی اور اچھا خاصا یہ مسئلہ بن گیا تھا لیکن بات وہی تھی کہ راؤ ریاست علی خاں سے کوئی کیا کہہ سکتا تھا۔ البتہ ذہن میں ایک بال آ گیا تھا اور پورے گھر میں یہ بات اڑ گئی تھی، اس سے تھوڑی سی کشیدگی بھی پیدا ہو گئی تھی۔

فروزاں کا انتقال ہو گیا۔۔۔ علی داراب کافی دن تک افسردہ رہا، لیکن بہر حال اسے یہ معلوم ہو چکی تھی کہ فروزاں نے بھی ظلم کیا ہے اور جو کچھ اس نے کیا تھا اور جس کے جو نتائج برآمد ہوئے تھے وہ بڑے سنسنی خیز تھے، لیکن بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔۔۔ ماں سے جدائی اور اس کے بعد کے حالات سارے کا سارا معاملہ اتنا افسوس ناک تھا کہ بیان سے باہر۔۔۔ علی نواز کی موت اکثر انہیں یاد آ جاتی تھی تو وہ دل برداشتہ ہو جاتے تھے۔۔۔ بہر حال داراب، علی شاہ اور علی ضیغم اب بالکل عام لوگوں کی زندگی گزار رہے تھے۔۔۔ شاہ عالم کے دور میں انہوں نے جس طرح عیش و عشرت میں بسر کی تھی وہ اب صرف ایک یاد بن کر رہ گئی تھی اور اس یاد سے پیچھا چھڑانا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔۔۔ اب وہ بالکل عام آدمیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔۔۔ دونوں کی بیویاں بری طرح بدل رہا کرتی تھیں اور اکثر کڑھتی رہتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ان کی تو تقدیر کالی ہو گئی۔۔۔ گھر میں جھگڑے فساد رہا کرتے تھے اور تان وہیں آ کر ٹوٹتی تھی کہ ادھر دیکھو صنوبر اور زلیخا کیسی زندگی گزار رہی ہیں نہ کوئی غم، نہ کوئی فکر۔ یہ بات سچ تھی کہ زمان ملنگی کی جائیداد سے زبردست آمدنی ہوتی تھی۔۔۔ شاہ عالم بیچارے نے تو جو کچھ کمایا تھا بچوں میں بانٹ دیا تھا، لیکن زمان ملنگی کی جائیداد اتنی تھی کہ صنوبر وغیرہ صحیح معنوں میں اعلیٰ پائے کی زندگی گزار رہے تھے۔۔۔ تینوں بھائی اکثر مل کر بیٹھا کرتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کون سا ایسا سبب ہو جس سے کوئی کام کی بات نظر آ سکے اور ان کا بھی کوئی داؤ چلے۔۔۔ اپنے

اپنے اپنے طور پر خود غرضی کے حامل بھی تھے...... علی داراب تو خاص طور سے اب تنہا رہ کر افسردہ ہو گیا تھا۔ اچانک ہی بیٹھے بیٹھے اس کے دل میں خیال آیا اور وہ اُچھل پڑا، ایسا عجیب ایسا انوکھا خیال تھا کہ رواں رواں خوش ہو گیا تھا...... بہت دیر تک غور کرتا رہا اور اس کے بعد کچھ منصوبے باقاعدہ تکمیل دے کر اس نے رات کو اپنے دونوں بھائیوں کو بلا کر میٹنگ کی۔ بھابیوں کو اس میٹنگ میں شریک نہیں کیا گیا تھا، کیونکہ عورتوں کی باتیں عورتوں ہی جیسی ہوتی ہیں...... کافی مشکل اور خطرناک ان لوگوں کے مشورے غلط بھی ہو سکتے ہیں اور پھر وہ حسد بھی کر سکتی ہیں...... بھائیوں کے بارے میں اس نے البتہ یہ سوچا تھا کہ سب اپنے اپنے کھیل میں ست ہیں، کوئی کسی کی مدد کرنے والا نہیں ہے، کوئی ایسی بات کہہ دی جائے ان سے جس سے وہ جال میں پھنس جائیں اور اس کے بعد اس جال سے نکلنا کوئی مشکل کام نہیں ہے...... علی شاد اور علی ضیغم، علی داراب کے پاس آ بیٹھے...... علی داراب نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ دیکھ لیجئے ایک زندگی ہم گزار رہے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ جو شکلوں سے اب پہچانے ہی نہیں جاتے، ماں تو ایک ایسی ہستی ہوتی ہے جو اولاد کی ہر بات سہہ لیتی ہے، اس کی ہر مشکل کی شریک ہوتی ہے، لیکن ہماری اماں نے بھی اس سلسلے میں ہمارا ساتھ نہیں دیا اور عیش و عشرت کی زندگی میں گم ہو کر ہمیں بھول گئی، کیا یہ مناسب بات ہے۔"

"ہزاروں بار تو ہم اس طرح کی باتیں کر چکے ہیں...... دیکھ بھی لیا ہے ہم نے اماں سے باتیں کر کے کچھ حاصل نہیں ہے، اب ایسی باتیں کر کے دل دکھانے سے فائدہ۔" علی ضیغم نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن بھائی علی ضیغم کیا ہم بے وقوف ہیں۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" علی ضیغم نے کہا۔

"کیوں...... بے وقوفی کی کون سی بات کی ہے ہم نے۔"

"سب سے بڑی بے وقوفی یہ ہے کہ اپنی بیویوں کی باتوں میں آ کر ہم نے عقل کا دامن

...ہے کھو دیا۔"

"ہاں یہ بات تو ہے آپ کیا سمجھتے ہیں میں نے بلاوجہ آپ لوگوں کو اس تنہائی میں ...بت دی ہے، میں ایک ایسی تجویز آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، جس سے ہماری ...ت کا بہت بڑا حل ہمیں مل جائے گا۔" دونوں بھائیوں نے علی داراب کی طرف دیکھا ...ی شاد نے کہا۔

"کیا کوئی خاص تدبیر ہے تمہارے ذہن میں علی داراب۔"

"ہاں۔"

"بتاؤ تو سہی۔"

"فروزاں مر چکی ہے، یہ بات تو آپ کو معلوم ہے۔"

"آگے بولو......"

"کیا میں آپ لوگوں کو اتنا بوڑھا نظر آتا ہوں کہ دوسری شادی نہ کر سکوں۔"

"بالکل نہیں...... تم دوسری شادی کر سکتے ہو۔"

"اس کے لئے آپ کے ذہن میں کوئی انتخاب ہے۔"

"بھلا اب اس کی کیا گنجائش ہے، تم خود سمجھدار ہو صحیح فیصلے کر سکتے ہو، خود تمہارے ...ن میں کوئی بات ہے تو بتاؤ اور اطمینان رکھو کہ ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

"میں نے ایک ایسی تدبیر سوچی ہے جسے سن کر آپ لوگ بھی خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔"

"چلو تدبیر بتا دو پاگل ہم نہیں ہونا چاہتے۔" علی شاد نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"نہیں علی شاد یقین کرو بات ایسی ہی ہے۔"

"ارے بھائی تو پھر بتاؤ تو سہی۔"

"میری شادی کے لئے رشتہ دے دو۔"

"کوئی نگاہ میں ہے۔"

"ہاں......"

"کون؟"

"صنوبر......" علی داراب نے کہا اور دونوں بھائی اُچھل پڑے۔

"کون......" علی ضیغم بولا۔

"صنوبر علی نواز کی بیوہ۔" دونوں بھائی ششدر رہ گئے تھے...... دیر تک ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے اور اس کے بعد علی ضیغم نے کہا۔

"خدا کی پناہ...... خدا کی پناہ علی داراب تمہارا ذہن تو واقعی شیطانی قوتیں رکھتا ہے...... آہ کاش ہم میں سے کسی کی بیوی مر جاتی...... مم...... میرا مطلب ہے علی ضیغم فوراً سنبھل گیا تو علی داراب ہنس کر بولا۔

"یہ تو اپنی اپنی تقدیر ہے...... فروزاں نے میرے لئے راستہ صاف کیا مگر آپ کیا سوچتے ہیں بھائی علی ضیغم اگر میری شادی صنوبر سے ہو جاتی ہے اور صنوبر کی جائیداد میرے قبضے میں آ جاتی ہے تو کیا میں بھی اپنے ماں باپ کی طرح اتنا خود غرض نکلوں گا کہ اکیلا اس جائیداد اور دولت کو اپنے استعمال میں لاؤں گا...... بھابیاں ہیں میری، بھتیجے بھتیجیاں ہیں میری، یہ سب کچھ جو میں حاصل کروں گا انہی کیلئے حاصل کروں گا...... مجھے کیا کرنا ہے۔"

"خدا تمہیں زندہ سلامت رکھے، اگر اس انداز میں سوچو گے تو کبھی تکلیف نہیں اٹھاؤ گے...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔"

"بھائی علی ضیغم سب سے بڑے آپ ہیں۔"

"نہیں بابا نہیں دیکھو ساری باتیں اپنی جگہ اس سلسلے میں میں معافی چاہتا ہوں۔"

"مطلب۔"

"بھئی اس بات کو منہ سے نکالنا امی کے سامنے بڑا خطرناک ہوگا۔"

"دیکھیں بھائی علی ضیغم وہ ہماری ماں ہیں ان کا احترام سر آنکھوں پر لیکن زمانہ یہ کہتا ہے کہ اپنے لئے سوچو صرف اپنے لئے، اگر کوئی تمہارے حق پر سانپ بن کر بیٹھ جائے تو پھر

بھول جاؤ کہ بیٹھنے والا کون ہے، ہم امی کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کریں گے، لیکن مطالبہ ہمارا حق ہے...... بھائی کی بیوہ سے شادی کرنا کوئی بری بات تو نہیں ہے، ...حال یہ ...ائی علی ضیغم ہم تینوں ہی چلیں گے اور معذرت کے ساتھ یہ بات کہوں...... بھابیوں کو اس ...لیے میں بھنک نہ پڑنے دینا ورنہ سب سے پہلے ٹانگ اڑانے والی وہی ہوں گی، عقل سے تو ...ونی نہیں ہیں...... یہ اتنی بڑی جائیداد اگر قبضے میں آ جائے تو اس بار اسے ضائع نہیں کریں ...بلکہ اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچیں گے۔"

"جائیداد کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کے بجائے پوری سنجیدگی سے یہ سوچو کہ ...دونوں خواتین کو شیشے میں کیسے اتارا جائے۔"

"بھائی علی ضیغم یہ بات آپ سوچیں گے آپ بڑے ہیں۔"

"نہیں سب مل کر سوچو لیکن بہر حال ہم تمہاری اس تجویز سے پورا پورا اتفاق کرتے ہیں۔" علی ضیغم نے کہا اور علی شاد بھی گردن ہلانے لگا...... یہ تجویز دے کر علی داراب چلا ...لیکن دوسرے دن علی ضیغم نے خفیہ طور سے علی شاد کو اپنے پاس بلایا اور بولا۔

"علی شاد، علی داراب نے جو ترکیب سوچی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کمال کی ...کیب ہے، اگر واقعی وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو سمجھ لو اس کے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

"ہاں...... آپ یقین کریں بڑی نیت خراب ہو رہی ہے میری بھی بلکہ بعض اوقات تو ...پنی سوچ پر ہنسی بھی آتی ہے۔"

"کیا مطلب......"

"میں سوچتا ہوں کہ کون سی ایسی ترکیب ہو جس سے ہم یہ مقام حاصل کر سکیں۔"

"یعنی۔"

"بس بھائی جان! ظاہر ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا...... علی داراب کو تقدیر نے یہ موقع ...دیا ہے۔"

"بھئی اس برے انداز میں مت سوچو میرا ذہن بھی کئی بار خراب ہو چکا ہے...... نسرین

کے سلسلے میں۔" علی شاد ہنس پڑا تھا تو اس نے کہا۔

"اگر ہماری یہ بیویاں ہمارا یہ منصوبہ سن لیں تو فوراً پولیس اسٹیشن پہنچ جائیں اور ہمارے خلاف رپورٹ درج کروادیں۔"

"میں تم سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔"

"کیا......"

"علی داراب کو ہم فرشتہ تو نہیں سمجھ سکتے، جو کچھ وہ کہہ رہا ہے بات بڑی سنسنی خیز اور انوکھی ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا بعد میں علی داراب اپنے قول پر جما رہے گا...... کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ دولت ہاتھ میں آتے ہی وہ ہم دونوں کو ٹھوکریں مار دے اور اس کے بعد ہم چپ تاپتے رہ جائیں اور وہ عیش کرے۔"

"بھائی جان امکانات ہیں اس بات کے آپ اسے نظر انداز نہ کریں۔"

"تو پھر کیا کیا جائے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔"

"کیا؟"

"علی داراب کی پوری پوری مدد کریں گے ہم اماں سے جاکر بات کریں گے، بلکہ انہیں مجبور کریں گے اور ہر طرح سے مجبور کردیں گے، ان سے کہیں گے کہ ایسا کرنا ضروری ہے، ورنہ پھر گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلا تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑیں گی...... ہم صنوبر کو اٹھا بھی سکتے ہیں...... زبردستی کہیں لے جاکر اس سے نکاح نامہ پر دستخط بھی کرا سکتے ہیں...... یہ سب کچھ کر سکتے ہیں ہم...... ورنہ وہ خاموشی اور شرافت کے ساتھ علی داراب کی شادی صنوبر سے کردیں۔"

"ٹھیک ہے چلو مان لیا اور ہم نے یہ کام کر بھی لیا مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ بعد میں علی داراب ہم لوگوں کو یاد رکھے گا۔"

"علی داراب سے کھل کر بات کر لیتے ہیں...... اس سے باقاعدہ لکھوا لیتے ہیں کہ

لاکھوں روپے کا مقروض ہے اور اسے یہ رقم ہمیں ادا کرنی ہے اور اس کے لئے ہم کسی بھی وقت اس پر دعویٰ کا حق رکھتے ہیں۔" علی ضیغم خوشی سے اچھل پڑا...... علی شاد نے تجویز بڑی اعلیٰ درجے کی پیش کی تھی...... بہرحال دونوں بھائیوں میں کافی دیر میٹنگ ہوتی رہی...... علی ضیغم نے یہ ذمہ داری علی شاد کو دی کہ وہ باقاعدہ اسٹامپ پیپر پر ایسا مضمون لکھوالے اور دونوں کے حق میں لکھوالے اور رقم بھی کم از کم پچیس پچیس لاکھ کی ہونی چاہئے بلکہ اگر اور کچھ نہ بن سکے تو پچیس پچیس لاکھ ہی ہاتھ آئیں۔

"کتنے افسوس کی بات ہے بھائی جان کبھی اتنی بڑی رقم ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی، مگر آج ہم پچیس لاکھ پر ہی قناعت کئے ہوئے ہیں۔"

"اس بار اگر یہ رقم ہمارے ہاتھ آجائے تو سیدھے سیدھے چھوٹا موٹا کوئی کاروبار کرلیں گے اور ایمانداری سے کریں گے تاکہ باقی وقت ذرا سکون سے گزر سکے۔"

"ٹھیک ہے میں یہ کام کروالوں گا۔" دوسرے ہی دن علی شاد نے اسٹامپ پیپر خریدے، ... کا مضمون بنوایا...... گواہوں کا خانہ بھی رکھا اور اس کے بعد رات کو یہ کاغذ اس نے علی ضیغم کو پیش کردیئے...... علی ضیغم نے کہا۔

"ویری گڈ...... پھر میرا خیال ہے کہ علی داراب کو طلب کر ہی لو...... وہ جو کہتے ہیں کہ نیک کام میں دیر کیسی...... علی داراب خود بھی بھائیوں کے پاس آنے کے لئے بے چین ... بات وہی تھی نیت سب کی خراب تھی...... علی داراب نے سوچا تھا کہ علی ضیغم کے ... یہ کام نکلنے کے بعد وہ آرام سے اس شاندار گھر میں منتقل ہو جائے گا، زیادہ سے زیادہ یہ ... معاملہ ہے تو بہرحال بھائی قبضہ تو نہیں کر سکتے، اس پر اس کا حصہ تو اسے ملے گا ہی...... اگر صنوبر کی بے پناہ دولت اس کے قبضے میں آجائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس گھر کا اپنا ... اپنے دونوں بھائیوں کو خیرات کردے، لیکن اس سلسلے میں علی ضیغم کا سہارا بڑا ضروری تھا، چنانچہ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ علی ضیغم سے بات کرے کہ اس نے کیا سوچا ہے کہ علی شاد آ گیا۔

"بڑے بھائی جان بلاتے ہیں۔"

"میں خود آنے والا تھا چلو۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ اسی خفیہ کمرے میں پہنچ گئے جہاں بیٹھ کرانہوں نے پہلی ملاقات کی تھی اور دروازہ اندر سے بند کرلیا گیا، علی ضیغم نے کہا۔

"ہاں! علی داراب تمہارے مسئلے پر بہت دیر تک ہم سوچتے رہے ہیں اور آخر کار علی شاد نے اور میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اماں کو تیار کر کے صنوبر سے تمہاری شادی کرادی جائے۔"

"بھائی جان میرے بارے میں سوچنے والا آپ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" علی داراب نے نجانے کیسی کیسی کوششوں سے آنکھوں میں نمی پیدا کر کے کہا۔

"دیکھو علی داراب یہ وقت لینے اور دینے کا ہے...... کچھ دو اور کچھ لو...... تبھی بات بنتی ہے، بے شک تم ہمارے بھائی ہو اور ہمیں تم پر پورا پورا اعتماد ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ دنیا نے جو بے اعتمادی دی ہے...... ہم اس سے کیسے نمٹ سکتے ہیں...... اس بے اعتمادی کا تقاضا ہے کہ ہم تم سے کھل کر بات کریں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بھائی جان۔" علی داراب نے کہا۔

"اگر ہم نے اماں کو تیار کرلیا اور صنوبر سے تمہاری شادی ہوگئی تو ظاہر ہے کہ زمان ملنگی کی کل جائیداد کے تم وارث بنو گے، اس کے بعد اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہم تمہارے ذہن میں رہیں گے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جان آپ...... آپ کو اپنے بھائی سے اس کی امید ہے۔"

"بالکل نہیں ہے لیکن زمانہ بڑا سنگین ہے۔"

"نہیں بھائی جان! بھلا میں تو آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ مجھے حاصل ہوگا وہ میرے بھتیجے، بھتیجیوں کے لئے ہوگا، آپ کے لئے ہوگا...... ہم سب مل کر زندگی گزاریں گے، جیسے گزارتے رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو خدا تمہیں خوش رکھے، لیکن اس وقت جو زمانہ چل رہا ہے اس کے

نی ہر طرح کا خوف دل میں آتا رہتا ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو ہمارے دل سے ہمارا یہ خوف دور کردو۔"

"میں دل و جان سے حاضر ہوں بھائی جان ایسی کیا بات ہے۔"

"تو پھر ان کاغذات پر دستخط کردو۔" علی ضیغم نے کہا اور دونوں اسٹام نکال کر علی داراب کے سامنے رکھ دیئے...... علی داراب نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ اسٹام دیکھے، وہ ششدر رہ گیا، لیکن بہرحال جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ بھی بہتر تو نہیں تھا...... آخر اسی کے بھائی تھے اسی کی طرح شاطر اور چالاک...... اس نے کاغذوں پر لکھی ہوئی تحریر پڑھی اور اس کے ہوش اڑ گئے...... پچیس پچیس لاکھ گویا پچاس لاکھ کیا کیا جائے، کیا نہ کیا جائے...... جہاں تک زمان ملنگی کی جائیداد کا اندازہ تھا اس کے بارے میں علی داراب کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ کروڑوں پر مشتمل ہے لیکن پھر بھی سوچنے کے لئے وقت درکار تھا اور اگر ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا تو دونوں بھائی مشکوک ہو سکتے تھے، جب کہ اس وقت ان کا مشکوک ہونا سارے منصوبے کو خاک میں ملانے کے مترادف تھا...... اس نے فوراً ہی چہرے کا رنگ بدلا اور آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"بھائی علی ضیغم اور علی شاد کیا تم لوگ مجھ سے اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ میں صنوبر سے شادی ہو جانے کے بعد اس کی دولت اور جائیداد پر اکیلا سانپ بن کر بیٹھ جاؤں گا۔"

"دیکھو علی داراب برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم زمانے کی بات کرتے ہیں اور زمانہ اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں بھی مضبوط رکھے جائیں ورنہ آہوں اور آنسوؤں کے سوا اپنے پاس کچھ نہیں رہتا۔"

"اچھا ایک بات بتایئے، اگر صنوبر کی جائیداد ہمارے توقع کے برعکس ہوئی اور ہمیں اتنا نہ حاصل ہو سکا تو پھر میں پچیس پچیس لاکھ آپ کو کہاں سے دوں گا۔"

"بالکل نہیں...... نہ ہم یہ پچیس پچیس لاکھ تم سے مانگ رہے ہیں اور نہ ہی ہم تم سے یہ رقم لیں گے، یہ اصل میں اس صورت میں ہے جبکہ تم معاف کرنا...... خود غرضی سے سوچ

کر ہم سے الگ ہونا چاہو گے ورنہ دوسری صورت میں تو یہ ہے کہ جو کچھ ہو گا سامنے آجائے گا...... ہمارے تمہارے باہمی اشتراک سے ہی سب کچھ ہو گا...... کیا سمجھے یہ بات تو بھول کر بھی نہ سوچو کہ ہم تم سے پچیس پچیس لاکھ کا تقاضہ کر دیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں دستخط کئے دیتا ہوں، صرف آپ کے سکون کے لئے علی داراب نے کہا اور دونوں کاغذوں پر دستخط کر دیئے لیکن دستخط کرتے ہوئے بھی اس نے یہی سوچا تھا کہ میرے پیارے بھائیو تمہیں اپنے اعتماد میں لے کر سب سے پہلے میں انہی کاغذوں کو ضائع کرنے کی کوشش کروں گا...... چھپاؤ گے کہاں ہوں گے تو اسی گھر میں...... ایسا جال ڈالوں گا کہ تم لوگ بھی یاد رکھو، میرا نام بھی علی داراب ہے...... جب اس نے کاغذات پر دستخط کر دیئے تو دونوں بھائیوں نے انتہائی خلوص کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں منصوبہ بندی کرنے لگے کہ کس طرح زلیخا کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ صنوبر کا نکاح علی داراب سے کر دے، اس سلسلے میں آدھی سے زیادہ رات تک میٹنگ ہوتی رہی تھی اور پھر یہ بھی سوچا گیا تھا کہ عورتوں کو اگر اس معاملے میں شریک نہ کیا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے سوچنے کا انداز کچھ اور ہو جائے، وہ یہ سوچیں کہ بھائیوں نے انہیں کیوں نظر انداز کیا لیکن یہ بات بھی تھی کہ وقت سے پہلے اس بات کو منظر عام پر لا کر ایک طرح سے اس سارے منصوبے کو ختم کر دینے کی کوشش ہوتی، چنانچہ آخری فیصلہ یہی ہوا کہ عورتوں کو اس بارے میں کچھ نہ بتایا جائے اور پھر ایک مناسب دن کا انتخاب کیا گیا جب تینوں بھائیوں کو ایک بار پھر اسی مکان میں داخل ہونا تھا جس مکان سے انہیں بار بار نکالا جا چکا تھا اور جہاں زلیخا، صنوبر اور غلام خیر رہا کرتے تھے...... تینوں اس طرح ماں سے بیگانے ہو گئے تھے کہ انہیں یہ بات بھی معلوم نہیں تھی کہ ان دنوں زلیخا اور صنوبر پر کیا بیت رہی تھی...... انہیں اس بات کا بالکل علم نہیں تھا کہ شاہ گل گھر سے غائب ہو گیا ہے بلکہ شاہ گل کے بارے میں تو انہوں نے بات تک نہیں کی تھی، حالانکہ شاہ گل صنوبر ہی کا بیٹا تھا اور علی داراب کو یہ بھی سوچنا تھا کہ اگر صنوبر کے ساتھ اس کا نکاح ہو جاتا ہے تو شاہ گل کا کیا ہو گا...... آخر کار مقررہ دن تینوں بھائی تیار ہو کر چل

پڑے۔ پچھلے دنوں جو تلخ تجربہ ہوا تھا اس کے تحت بہت ہی محتاط انداز میں انہیں زلیخا سے ملاقات کرنی تھی، چنانچہ علی ضیغم کی سربراہی میں کچھ ایسی باتیں سوچی گئی تھیں جن سے ماں کو متاثر کیا جاسکے اور اس کے لئے کچھ چیزیں بازار سے خریدیں گئی تھیں...... غرض یہ کہ تینوں اپنے دلوں میں لاکھوں منصوبے لئے اس مکان تک پہنچ گئے جہاں غلام خیر، زلیخا اور صنوبر وغیرہ رہتے تھے۔

❁ ❁ ❁

غیاث احمد ایک نفیس انسان تھے...... صاحب حیثیت بڑی شخصیت کے مالک بہت کچھ تھا، ان کے پاس بھرا پرا گھر تھا...... گھر میں شاید تمام تفصیلات بتلادی گئی تھیں...... خاص طور سے وہ لڑکی جسے بچاتے ہوئے رحمان شاہ موت کے گھاٹ اتر گیا تھا اور جسے یہ بات معلوم تھی کہ رحمان شاہ کی بھی ایک بہن ہے اور اسی بہن کو مد نگاہ رکھتے ہوئے رحمان شاہ نے کسی اور بہن کی عزت بچائی ہے۔ لڑکی کا نام طاہرہ تھا اور طاہرہ بہت ہی نفیس طبیعت کی تھی...... اس نے مومل کو ہاتھوں ہاتھ لیا...... ادھر غیاث احمد صاحب کے گھر کے دوسرے افراد بھی مومل سے بڑی عزت سے پیش آئے...... وہاں اسے رہنے کے لئے ایک اچھی جگہ دی گئی اور غیاث احمد صاحب نے اس سے بڑے پیار سے کہا۔

"میں تمہاری اور کوئی خدمت تو نہیں کر سکتا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو جس طرح بھی بن پڑے ہم لوگ تمہاری خدمت کرنا چاہتے ہیں...... ہمیں اس کا موقع دینا مرحوم رحمان شاہ کو اسی طرح خراج عقیدت پیش کیا جا سکتا ہے...... مومل یہاں رہنے لگی، لیکن اس کے احساسات ابھی تھے...... دنیا اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر رہی تھی...... تقدیر بری نہیں تھی ورنہ گھر سے اس طرح نکل آنے والی لڑکیوں کے ساتھ جو حادثے پیش آتے ہیں...... مومل نے انہیں اور کہیں نہیں تو کم از کم اپنے باپ کی بنائی ہوئی فلموں میں ضرور دیکھا تھا اور اس کی حقیقتوں سے انکار نہیں کرتی تھی، لیکن اسے ایک سے ایک اچھا انسان مل رہا تھا...... نہیں مل رہا تھا تو شاہ گل...... آہ شاہ گل تم کہاں ہو، کیا اس طرح

بھٹکتے بھٹکتے کوئی دن ایسا بھی آئے گا جب میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی...... وہ دل کی گہرائیوں سے سوچتی تھی...... طاہرہ وغیرہ اس کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتی تھیں...... اس سے محبت بھری باتیں کرتی رہتی تھیں، بلکہ طاہرہ تو اس کی اچھی خاصی دوست بن گئی تھی، لیکن زندگی کو قرار نہیں ہوتا۔ بڑی مشکل پیش آجاتی ہے...... زندگی اپنی مرضی سے گزارنے میں...... ہوا یوں کہ کے ایک دوست یہاں آئے...... نام تھا مرزا جلیل بیگ، بڑے خوش مزاج انسان تھے، بڑی اچھی حیثیت کے مالک اس شام جس شام وہ آئے تھے...... سرفراز احمد صاحب نے ان کے لئے بڑا اہتمام کیا تھا...... یہ صرف اتفاق تھا کہ مومل کوئی چیز لے کر اس کمرے میں پہنچی تھی، جہاں مرزا جلیل بیگ بیٹھے ہوئے اہل خاندان سے باتیں کر رہے تھے مومل نے مطلوب سامان رکھا اور رکھنے کے بعد واپس پلٹی ہی تھی کہ جلیل بیگ صاحب نے اس کا چہرہ دیکھا، ایک لمحے کے لئے بھونچکے رہ گئے اور اس کے بعد بولے۔

"یہ...... یہ بچی...... یہ بچی۔" مومل اتنی دیر میں جا چکی تھی...... سرفراز احمد صاحب نے کہا۔

"ہاں کہئے کیا بات ہے۔"

"کوئی عزیز ہے تمہاری سرفراز یہ...... ہاں یہ ہمیں بہت عزیز ہے۔"

"میرا مطلب ہے شیراز صاحب سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔"

"شیراز صاحب۔"

"ہاں بھئی، وہ مشہور ڈائریکٹر شیراز۔"

"کیوں خیریت آپ ہم سے اس رشتے کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"عزیزم یہ شیراز کی بیٹی ہی ہے...... میرے اندر ایک خرابی ہے، اگر کسی کو پہچان لیتا ہوں تو کبھی دھوکا نہیں کھاتا، ذرا بلاؤ اس بچی کو۔"

"شیراز صاحب کی بیٹی ہے، اچھا یہ بتائیے کہ رحمان شاہ کا شیراز صاحب سے کیا رشتہ

تھا۔" سرفراز نے پوچھا۔

"رحمان شاہ۔"

"ہاں اس لڑکی کا بھائی۔"

"بھائی......" بیگ صاحب بولے۔

"ہاں کیوں۔"

"شیراز کا کوئی بیٹا نہیں ہے...... بس دو بیٹیاں ہیں اس کی...... ایک یہ ہے اور ایک اور۔"

"آپ اسے جانتے ہیں۔"

"بلاؤ نا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"جناب عالی! بہت بڑا دھوکا ہوا ہے آپ کو یہ شاہدہ ہے اور اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے جن کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں۔"

"مونچھیں صاف کرادوں گا اگر ایسا نہ ہوا۔" بیگ صاحب بولے اور سرفراز ہنسنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

"سوچ لیجئے بیگ صاحب آپ کی مونچھیں آپ سے زیادہ مجھے اچھی لگتی ہیں...... یہ اگر صاف ہو گئیں تو مجھے آپ سے زیادہ دُکھ ہو گا۔"

"بھئی بلاؤ...... بلاؤ اس بچی کو میں ذرا بات کروں گا اس سے۔" اسی وقت غیاث احمد صاحب بھی آگئے تو سرفراز احمد نے غیاث احمد صاحب کو اس بارے میں تفصیلات بتائیں...... غیاث احمد گردن ہلا کر بولے۔

"نہیں میاں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"آپ بلائیے تو سہی بچی جان اسے...... آپ کی جو کوئی بھی ہے وہ میرے لئے بھی بیٹیوں کی مانند ہے......" بیگ صاحب نے کہا اور غیاث احمد صاحب نے مومل کو بلوا بھیجا...... بیگ صاحب جن کا نام جلیل بیگ تھا...... شیراز صاحب کے دوستوں میں سے تھے...... شیراز صاحب نے اپنا ایک نظریہ بنایا ہوا تھا...... دوستوں وغیرہ کو تو کبھی گھر میں نہیں لاتے تھے، گھر

[illegible]مر کا درجہ دیتا لیکن بہرحال مومل اور مشعل بالکل گھریلو بھی نہیں تھیں...... بہت سی تقریب میں شیراز صاحب کے ساتھ چلی جاتی تھیں، چنانچہ ایک تقریب میں بیگ صاحب نے بھی انہیں دیکھا تھا اور ان کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے...... یہ الگ بات ہے کہ مومل انہیں نہیں جانتی تھی...... مومل آگئی اور بیگ صاحب نے اسے غور سے دیکھا اور سینے پر ہاتھ مار کر بولے۔

"اگر یہ آنکھیں دھوکا کھا جائیں تو ان آنکھوں کو پھوڑ کر رکھ دوں گا، بیٹی ادھر آجاؤ۔" انہوں نے مومل کو آواز دی اور مومل ان کے پاس پہنچ گئی۔

"بیٹا آپ کا نام تو شاید میرے ذہن سے نکل گیا ہے، لیکن آپ شیراز صاحب کی بیٹی ہیں نا۔" مومل ساری جان سے لرز گئی تھی، ایک لمحے کے لئے اسے چکر آ گیا، اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے بیگ صاحب کو دیکھا لیکن اسے یہ چہرہ یاد نہیں آسکا، اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔

"جی۔"

"میرا مطلب ہے آپ شیراز صاحب کی بیٹی ہیں نا...... وہ پروڈیوسر، ڈائریکٹر شیراز صاحب۔"

"نہیں بھائی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے...... میرے والد کا نام شیراز نہیں تھا۔"

"کک...... کیا کہہ رہی ہو۔"

"میرا نام شاہدہ ہے...... میرے لائق کوئی خدمت۔" مومل نے پوچھا۔

"بیٹے وہ آپ کے میرا مطلب ہے آپ کی ایک بہن بھی ہے...... میں حیران [illegible]...... بے شک چہرے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں، لیکن اس طرح کہ انسان [illegible] کر رہ جائے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... معافی چاہتا ہوں بیٹی بیگ صاحب نے کہا [illegible]مومل وہاں سے باہر نکل آئی...... سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی اور بستر پر گر کر تھر تھر [illegible]... یہ کیا ہو گیا...... یہ نہیں ہونا چاہئے...... کسی قیمت پر نہیں ہونا چاہئے، لیکن [illegible] یہ بات طے ہے کہ اگر یہاں میری موجودگی کا راز کھل گیا تو میں خاموشی سے یہاں

سے نکل جاؤں گی ۔۔۔ کسی بھی طرح اپنے گھر واپس نہیں جاؤں گی میں ۔۔۔ کسی بھی طرح
اپنے گھر واپس نہیں جاؤں گی بہرحال یہ سارا مسئلہ اسی شکل میں چلتا رہا ۔۔۔ بیگ صاحب
چند دن قیام کرنے چلے گئے مولی کے شب و روز یہاں گزرتے رہے، لیکن تھوڑے
عرصے بعد مختلف ہوتے ہیں بیگ صاحب جب گھومتے گھامتے واپس پہنچے تو انہوں نے
شیراز صاحب کو تلاش کیا شیراز صاحب ان دنوں بالکل ہی گوشہ نشین ہوگئے تھے
سارے کام ترک کر دیئے تھے دل و دماغ پر ایک عجیب سا بحران سوار رہتا تھا ۔۔۔ شدت
سے اس بات کا احساس کرتے تھے کہ ان کی لاپرواہی کی وجہ سے بچی دربدر ہوگئی، کہاں ہوگی
کس مشکل میں گرفتار ہوگی۔ کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا، ایک طرح سے بستر پکڑ لیا تھا انہوں
نے ۔۔۔ بیگ صاحب خاص طور سے ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر پہنچے ۔۔۔ شیراز صاحب
کے پرانے شناسا تھے ۔۔۔ بہرحال شیراز صاحب نے ان سے ملاقات کی۔

"بھئی کمال ہے یعنی آرام کرنے کی ٹھانی تو اس طرح کہ گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا
میں نے پوچھا کہ شیراز ایک دم گوشہ نشین ہوگئے ہیں ۔۔۔ خیریت تو ہے کیا بات ہے
طبیعت کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں کوئی خاص بات نہیں ہے، بس ایسے ہی طبیعت پر ایک بوجھ سوار ہے۔"

"خیر اس وقت میں کسی کاروباری مسئلے میں تم سے ملنے نہیں آیا ۔۔۔ ایک معلومات
حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے۔" شیراز صاحب نے تھکی تھکی آواز میں پوچھا۔

"ایک بار ایک تقریب میں تم نے میری ملاقات اپنی دونوں بیٹیوں سے کرائی تھی۔"
بیگ صاحب نے کہا اور شیراز صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"ہاں پھر۔"

"کیا کیا نام تھے ان بیٹیوں کے۔ کیا ان میں سے ایک کا نام شاہدہ تھا۔"

"نہیں ایک مولی ہے اور ایک مشعل۔"

"معاف کرنا کیا تم مجھے ابھی اسی وقت ان دونوں سے ملا سکتے ہو۔"

"کیوں خیریت بات کیا ہے۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے تمہاری بچی کی ہم شکل لڑکی کو کہیں دیکھا ہے اور
میں نے اس سے ملاقات کر کے اسے تمہارا حوالہ دیا تو اس نے یہ بات تسلیم کرنے
سے انکار کر دیا اور اپنا نام شاہدہ بتایا۔" شیراز صاحب پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ جلدی سے بولے۔

"بیگ کہاں دیکھا ہے اسے مجھے بتاؤ، وہ گھر سے ناراض ہو کر نکل گئی ہے ۔۔۔ وہ گھر سے
ناراض ہو کر چلی گئی ہے ۔۔۔ کہاں ہے وہ، خدا کے لیے مجھے بتاؤ اس کے بارے میں۔"

"تب تو کیا واقعی وہی ۔۔۔ وہی میرا مطلب ہے وہی۔"

"ہاں سو فیصدی وہ مولی ہی ہوگی ۔۔۔ مشعل ۔۔۔ مشعل ۔۔۔ مشعل ادھر آؤ بیٹی ۔۔۔ مشعل ادھر
آؤ تمہیں مولی کا پتہ چل گیا ہے۔" شیراز صاحب نے کہا اور مشعل دوڑتی ہوئی اندر آگئی ۔۔۔
بیگ صاحب کو دیکھ کر ایک دم رک گئی تھی، لیکن شیراز صاحب نے بدحواسی سے کہا۔

"یہ میرے دوست مرزا جمیل بیگ ہیں ۔۔۔ ان کی ملاقات مولی سے ہوئی ہے، وہ کسی
ہوٹل میں شاہدہ کے نام سے رہ رہی ہے ۔۔۔ مرزا صاحب آپ اگر میرے دوست ہیں تو
انکار نہ کیجئے گا ۔۔۔ ہمیں فوراً لے کر وہاں چلیے گا ہماری زندگی ہمارا ۔۔۔ ہمارا سب کچھ
تباہ و برباد ہو گیا ہے ۔۔۔ ہم مولی کی تلاش میں دیوانے ہو رہے ہیں۔"

"بھئی اگر ایسی بات ہے تو میں فوراً تیار ہوں، تم لوگ تیاریاں کر لو ہمیں دوسرے شہر
جانا ہوگا ۔۔۔ کافی فاصلہ طے کرنا ہوگا۔"

"یہ تیاریاں کرتی ہیں مشعل ۔۔۔ جلدی کرو بیٹے۔" شیراز صاحب خوشی سے دیوانے
ہو گئے تھے۔

راؤ ریاست علی خان کی کوٹھی میں محاذ بن گیا تھا...... حیات علی خاں، شیر علی خاں اور ان کی بیگمات ایک طرف تھیں...... فراست علی خاں اپنے طور پر نارمل تھے...... پہلی پارٹی کو شاہ گل کی موجودگی اس کوٹھی میں نامنظور تھی، لیکن فراست علی خاں اور ان کی بیگم وغیرہ نارمل تھے...... ویسے بھی فراست علی اور ان کی بیگم راؤ ریاست علی کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے...... بہر حال باقی دونوں بیٹے بدزبان تھے اور ان کی اولادیں بھی ان کے انداز میں سوچ رہی تھیں...... حیات علی خاں کی بیٹی ثمن، زمرد کی دوست تھی...... اس لئے وہ ان لوگوں کی سازشیں اور باتیں زمرد کو بتا دیتی تھی...... ابھی تک ان لوگوں میں آپس میں کوئی تنازعہ نہیں پیدا ہوا تھا...... بچے سب ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے، لیکن اب کچھ گڑ بڑ ہو رہی تھی...... خاص طور سے علی حیدر تو شاہ گل سے شدید نفرت کرنے لگا تھا اور اپنے ماں باپ کو اس کے سلسلے میں بھڑکاتا رہتا تھا، جس کے نتیجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی...... اس دن بھی راؤ ریاست علی خاں دستر خوان سے غائب تھے...... یہاں کے معمول کے مطابق سب دستر خوان پر موجود ہوا کرتے تھے، لیکن ان دنوں ایک عجیب سی فضا پیدا ہو تی تھی...... حیات علی خاں نے جھنجھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ ابا جان نے عجیب اُلجھن پیدا کر دی ہے...... اب دستر خوان پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خدانہ کرے کسی کے سوئم کا کھانا کھایا جا رہا ہو...... سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔" راؤ فراست علی خاں کو یہ بات بڑی ناگوار گزری...... غصیلے لہجے میں بولے۔

"کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"آخر ابا جان کو کس طرح دستر خوان پر واپس لایا جائے۔"

"اگر وہ کبھی نہ آنا چاہیں تو کوئی انہیں مجبور کرے گا۔"

"نہیں لیکن کم از کم کوئی بات پتہ تو چلنی چاہئے...... اپنے طور پر انہوں نے ایک عجیب سی فضا پیدا کر دی ہے۔" حیات علی کی بیگم نے کہا اور راؤ فراست علی خاں کا ہاتھ کھانے پر رک گیا...... انہوں نے نورین بیگم کو دیکھا اور بولے۔

"آپ کو درمیان میں بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"کہاں تک خاموش رہا جائے دستر خوان پر آنا پڑتا ہے تو ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھا سکتے، سب سوگ میں بیٹھے ہوتے ہیں...... بھلا ایسے کیوں ہے...... نہ بولیں تو اور کیا کریں۔"

"حیات علی کیا آپ نے اپنی وکالت بیگم صاحبہ کے سپرد کر دی ہے۔" راؤ فراست علی خاں غصیلے لہجے میں بولے۔

"تم درمیان میں کیوں بول رہی ہو نورین بات میں کر رہا ہوں۔" حیات علی خاں نے بیوی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ کیا ہم انسان نہیں ہیں، کوئی حیثیت ہی نہیں ہے ہماری گھر میں، ایک مسئلہ سامنے آیا تو کہنا ہی پڑا...... صرف آپ لوگوں کی ذات سے تو اس کا تعلق نہیں ہے، اب یہ دیکھئے کہ ہماری حیثیت کیا ہے اس گھر میں...... ایسا لگتا ہے کہ نوکرانیاں خرید کے گھر میں ڈال دی گئی ہیں، بولیں گے نہیں تو کیا کریں گے...... معافی چاہتی ہوں بھائی جان! یہ ابا جان کی زیادتی ہے کہ انہوں نے ہم سب کو ذہنی عذاب میں گرفتار کر دیا ہے۔"

"یہاں کے دستور ہی نرالے ہیں...... نورین بھابی کسی مسئلے میں عورتیں زبان نہیں کھول سکتیں...... یہ تو زمانہ قدیم کا وہی ماحول ہو گیا جب لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔" زاہدہ بیگم نے جو منیر علی کی بیگم تھیں اپنی جیٹھانی کا ساتھ دیا۔

"تو اور کیا ایسا ہی لگتا ہے، اس طرح زندگی میں سکون پیدا ہوتا ہے کیا۔"

"سبحان اللہ...... سبحان اللہ اس گھر میں ایک نئی بنیاد ڈال دی گئی ہے، گویا اب آپ لوگ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ یہاں آپ پر ظلم ہو رہا ہے، ٹھیک ہے...... دستر خوان پر اگر آپ کا پیٹ نہیں بھرتا تو اپنے اپنے دستر خوان الگ الگ بچھا لیا کریں۔" راؤ فراست علی خاں نے کہا۔

"مگر بھائی جان یہ حل تو نہیں ہوا...... آپ خود دیکھئے کیسی عجیب بات ہے ابا جان سڑک سے ایک لڑکا پکڑ لائے...... نجانے کس نسل کا ہے، کون ہے، کیوں اس طرح اپنے آپ کو احمق بنائے ہوئے ہے...... اس بات کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ کسی لمبے چکر میں یہاں آیا ہو...... چوروں اور ڈاکوؤں کے ہتھکنڈوں سے تو آپ واقف ہیں...... لمبے کھیل کھیلتے ہیں...... کہیں مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں ہم لوگ۔"

"خوب بات دستر خوان سے نکل کر ابا جان کے لائے ہوئے لڑکے تک پہنچ گئی بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آغاز وہی ہے۔"

"دیکھئے بھائی جان خدا کے لئے سنجیدگی سے کچھ سوچئے۔"

"تو تم بتاؤ کیا کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں۔" راؤ فراست علی خان نے کہا۔

"ابا میاں سے بات کی جائے اور اگر وہ لڑکا اتنا ہی ضروری ہے اس دستر خوان پر تو کم بخت کو ذرا صاف ستھرا کر لیا جائے اور یہیں دستر خوان پر بلا لیا جائے۔"

"لڑکیوں کے درمیان۔" علی حیدر نے اچانک ہی کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ابا جان اس سلسلے میں زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں بیٹے۔"

"واہ! یعنی ایسا لگتا ہے جیسے سارے ریت رواج ختم ہو جائیں گے اور ایک دادا ابا کی پسند کے لڑکے کے لئے ساری رسمیں ختم کر لی جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے آپ لوگ فیصلہ کر لیجئے...... میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب ہمارا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے...... خواتین نے محاذ بنا لیا ہے اس سلسلے میں آپ لوگ فضول باتوں سے گریز کریں...... ابا جان سے جس وقت بھی بات کرنا چاہیں کریں لیکن ایک بات کا خیال رکھا جائے، میں بڑا ہوں اس گھر میں آپ لوگوں کا بڑا بھائی...... ابا جان کی شان میں کوئی

گستاخی ہوئی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔" فراست علی خاں اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"ارے ارے نہیں بیٹھئے، نا آپ...... بیٹھئے نا بھائی جان...... یہ ایک نیا جھگڑا شروع ہو گیا ہے، اس میں اس حد تک آگے بڑھنے کی کیا گنجائش ہے...... بھئی دیکھو تم سب...... تم سب بھابی سے بھی تو مشورہ کرو...... بھابی آپ نے زبان بند کر رکھی ہے...... آپ بھی تو کچھ بولئے۔"

"میں کیا بولوں...... آپ لوگ بولنے دیں تو میں بولوں...... بات اصل میں یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کے معاملے میں بولنا بالکل مناسب نہیں ہے...... ابا جان اس گھر کے سربراہ ہیں...... ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی ہر بات کو مانیں۔"

"آپ نیک بی بی بنی رہئے...... ہم نہیں مانتے ان باتوں کو۔" نورین بیگم نے بدستور زہریلے انداز میں کہا۔

"آپ پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے آخر جو بیچ میں بک بک کئے جا رہی ہیں...... بہت زیادہ بولنے کی کوشش نہ کیجئے ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے۔" حیات علی خاں نے اپنی بیگم کو ڈانٹا۔

"ہوں! نتائج خطرناک ہوں گے چلو اٹھو دیکھتے ہیں کس طرح ہماری گردن پر پاؤں رکھے جائیں گے۔" نورین بیگم نے دیورانی کو چڑھایا اور دیورانی اٹھ گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" نیر علی نے اپنی بیوی کو ڈانٹا اور وہ بیٹھ گئی...... نورین نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو حیات علی نے ان کا بازو پکڑ کر انہیں نیچے بیٹھا دیا۔

"یہ کیا تماشا شروع ہو گیا، کیا چاہتی ہیں آپ لوگ...... کیا آپ کوئی ایسا حادثہ لانا چاہتی ہیں اس گھر میں جو آپ لوگوں کا دماغ درست کر دے۔" خاموشی طاری ہو گئی تھی اور تھوڑی دیر تک اس خاموشی کے بعد فراست علی خاں نے کہا۔

"آپ لوگ اگر کھانا نہ کھانا چاہیں اس وقت تو دستر خوان ہٹا دیا جائے، واقعی فضا میں اتنا تقرر پیدا ہو گیا ہے کہ اب کھانا نہیں کھایا جا سکتا۔"

"میں ہاتھ جوڑتا ہوں بھائی جان! یہ لوگ اگر کم سمجھی کا ثبوت دے رہے ہیں تو آپ

اپنی برائی قائم رکھیں..... چلو سب کھانا شروع کرو۔" حیات علی نے کہا اور ان کی ہدایت پر سب کھانے میں مصروف ہوگئے، لیکن بہر حال اس وقت تو کھانا کھانا نہیں تھا..... علی حیدر اپنی ماں اور باپ کے ساتھ کمرے میں چلا گیا اور حیات علی، فراست علی سے باتیں کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چل پڑے..... علی حیدر ان سب لڑکوں میں سب سے زیادہ فتنہ پرور تھا، تاک میں لگ گیا تھا کہ کوئی ایسی بات ایسا کام ملے جس سے دوسروں کو چڑھایا جا سکے..... تقدیر اچھی تھی کہ اس دن صبح ہی صبح اس کی آنکھ کھل گئی..... آنکھ کھلنے کی وجہ پتہ نہیں چل سکی، لیکن کچھ بحران سا طاری تھا طبیعت پر باہر نکل آیا، حالانکہ ابھی صبح کی روشنی صحیح طور سے پھوٹی بھی نہیں تھی..... باغ کے پودے خوشگوار خوشبو بکھیر رہے تھے..... ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں..... انہی ہواؤں کے درمیان اچانک اس کی نگاہیں ایک جانب اُٹھ گئیں اور اس کا دل دھک سے رہ گیا، اس نے زمرد کو پہچان لیا تھا..... وہ کچھ فاصلے پر موجود تھی اور اس کے قریب ہی شاہ گل بھی نظر آرہا تھا..... علی حیدر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ربط ہے، اس نے سوچا اور پھر پھرتی سے اپنی جگہ سے باہر نکل آیا..... چھپ چھپ کر وہ اس طرح آگے بڑھا کہ ان لوگوں کو اندازہ نہ ہو اور پھر چھپنے کے لئے اس نے ایک مناسب جگہ تلاش کی اور اس قدر قریب پہنچ گیا کہ ان کی آوازیں سن سکے..... زمرد کی آواز اُبھری۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں شاہ گل..... کل پھر آؤں گی..... جو کچھ میں نے کہا ہے اسے یاد رکھنا۔" اور اس کے بعد زمرد سیدھی چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور علی حیدر کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"ہوں یہ کھیل ہو رہا ہے یہاں گویا ہمارے ہی گھر میں ہمارے ہی سینوں پر مونگ دلی جا رہی ہے، بات ختم ہوگئی..... شاہ گل صاحب زندگی کے آخری دن گن لیجئے..... یہ بزرگ اگر بے غیرت ہو جائیں تو ہو جائیں، مگر ہماری رگوں میں جوان خون ہے..... اگر ہماری عزت تک آپ کا ہاتھ پہنچا تو آپ یقین کیجئے کہ آپ کے ہاتھ کو بازو کے پاس سے کاٹ دیا

جائے گا، دیکھ لوں گا سب کو اور تایا ابا ان کو تو سب سے پہلے دیکھاؤں گا کل آئیں گی زمرد بیگم ایسے تو بڑی ملانی بنتی ہیں، لیکن خیر کوئی بات نہیں..... کل دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا..... ویری گڈ..... ویری گڈ، اسے کہتے ہیں تقدیر کا دھنی یعنی وہ سب کچھ خود ہو گیا، جس کے لئے ایک طویل منصوبہ بندی کرنی تھی۔" علی حیدر وہاں سے واپس پلٹ پڑا، حالانکہ زمرد سے اس کا کوئی جھگڑا نہیں تھا..... بات شاہ گل کی تھی، وہ ہر قیمت پر شاہ گل کو اس گھر سے نکال دینا چاہتا تھا، اس سلسلے میں خاصی منصوبہ بندی کی اس نے اور سب سے پہلے اس نے اپنی ماں کو ساری تفصیلات بتائیں اور نورین بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں..... بس عورت پن تھا اندر ورنہ ویسے تو تعلقات اچھے چل رہے تھے..... علی حیدر سے بہت دیر تک باتیں کرتی رہی..... آخر کار یہ طے پایا کہ خود علی حیدر اپنی زبان سے یہ بات فراست علی خاں کو بتائے..... علی حیدر کو بھلا اس میں کیا دقت پیش آسکتی تھی..... منہ پھٹ اور بدتمیز قسم کا آدمی تھا..... فراست علی کے پاس جا پہنچا اور انہیں ساری تفصیلات بتا دیں..... فراست علی غصیلے لہجے میں بولے۔

"علی حیدر جوان آدمی ہو اس گھر کی عزت کے پاسدار جو کچھ کہہ رہے ہو سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہو نا۔"

"تایا ابا آپ سب سے پہلے خود اس صورت حال کا جائزہ لے لیں..... اس کے بعد فیصلہ کریں۔"

"ہوں کسی اور کو بتائی ہے یہ بات۔"

"نہیں لیکن مجھے یہ لگ رہا ہے کہ آپ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"نہیں بیٹے یہ بات نہیں ہے..... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر یہ سچ ہے تو ہماری عزت کا جنازہ نکل جائے گا..... منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے ہم لوگ..... زمرد سے اس کی امید تو نہیں تھی"۔

"تایا ابو کسی غیر نوجوان کو اس طرح حویلی میں لا کر رکھا گیا ہے کبھی ہم سب دادا ابا کو

عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن دادا ابا بعض اوقات اپنی من مانی کرنے کے چکر میں ایسے اقدامات کر جاتے ہیں جس کا نتیجہ برا نکلتا ہے، دیکھئے نا ہم بھی جوان ہیں اور دنیا سے اس قدر ناواقف نہیں ہیں...... ہماری بھی عزت ہے اور ہم اس کوٹھی سے تعلق رکھتے ہیں...... اگر یہاں کوئی ایسی ویسی بات ہوتی ہے تو سب سے بڑی ذمہ داری تو نوجوانوں ہی پر آتی ہے۔"

"ہوں...... اچھا ذرا میں اس صورت حال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ انتظار کر لیجئے گا۔" بہر حال بیج بو دیا گیا تھا اور علی حیدر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ یہ گھٹیا سا لڑکا بڑا اس سے ٹکر لینے چلا تھا...... ماں کو اس نے بتا دیا کہ بات کامیاب حد تک چلی گئی ہے اور اب فیصلہ ہونے ہی والا ہے۔" نورین بیگم نے اس بات کو بڑی مشکل سے اپنے اندر محفوظ کیا تھا، کیونکہ اس طرح نیر علی اور ان کی بیگم بھی بگڑ سکتے تھے...... دوسری صبح علی حیدر جاگ گیا، فوراً ہی منہ ہاتھ دھو کر اس طرف چل پڑا...... جہاں اسے فراست علی خاں سے ملنا تھا...... ادھر فراست علی کے بھی دل کو لگی ہوئی تھی...... ظاہر ہے کوٹھی کی عزت کا معاملہ تھا، وہ پہلے سے یہاں موجود تھے...... علی حیدر ان کے پاس پہنچ گیا۔

"ابھی تک وہ یہاں نہیں پہنچے۔" فراست علی خاں نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے تایا ابا آتے ہی ہوں گے...... آپ دیکھ لیجئے گا۔" علی حیدر نے کہا مگر دل ڈر رہا تھا، کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے حالانکہ ان دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، جو اس نے اپنے کانوں سے سنا تھا لیکن ایسا نہ ہو جائے کہ اس کا ارادہ ملتوی ہو جائے...... اگر ایسا ہو گیا تو عذاب ہی میں گرفتار ہونا پڑے گا، لیکن تقدیر اس وقت علی حیدر کا ساتھ دے رہی تھی...... ان دونوں نے شاہ گل کو آتے ہوئے دیکھا...... شاہ گل اسی پھولوں کے تختے کے پاس آکر بیٹھ گیا...... زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ زمرد بھی آتی ہوئی نظر آئی اور فراست علی خاں کی آنکھیں سرخ ہو گئیں...... دونوں قریب بیٹھے ہوئے تھے...... علی حیدر کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے اور فراست علی خاں عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ

رہے تھے اور وقت گزرتا جا رہا تھا...... تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی...... پھر اس کے بعد اچانک ہی زمرد کی نگاہیں ان دونوں پر پڑ گئیں...... وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہاں آ گئی اس نے ان دونوں کو حیرت سے دیکھا اور پھر بولی۔

"خیریت تایا ابا آپ یہاں پر کیا کر رہے ہیں...... علی بھائی خیریت تو ہے نا۔"

"تم اتنی صبح یہاں باغ میں کیا کر رہی ہو۔"

"میں روزانہ یہاں آتی ہوں...... تایا ابو آپ کو معلوم نہیں ہے کیا۔"

"مجھے کیا معلوم۔"

"اصل میں شاہ گل ذہنی طور پر بالکل ہی بھٹکا ہوا نوجوان ہے...... میں اسے اچھی اچھی باتیں بتاتی ہوں۔"

"یہ ٹھیکیداری تم نے کیوں لے لی ہے، کون لگتا ہے وہ تمہارا...... تایا ابو بڑے چالاک ہیں یہ دونوں انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔" زمرد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ علی بھائی۔"

"میں پوچھتا ہوں کہ تم یہاں تنہائی میں اس کے ساتھ کیوں نظر آ رہی ہو۔"

"دیکھ رہے ہیں آپ تایا ابا اس کمینے کا دماغ خراب ہو گیا ہے...... یہ آخر ہوتا کون ہے مجھ پر احکامات جتانے والا...... شاہ گل بے چارہ ذہنی طور پر معذور لڑکا ہے...... میں صرف ہمدردی اور انسانیت میں یہ کوشش کر رہی ہوں کہ اسے اس کا ماضی یاد دلایا جائے...... کیا ایسا کرنا گناہ ہے تایا ابو کیا یہ نیکی کا کام نہیں ہے۔"

"نہیں بیٹے کام تو واقعی اچھا ہے لیکن پھر بھی وہ ایک غیر نوجوان ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے دنیا میں کسی کی فکر نہیں ہے، کوئی کچھ بھی سوچتا ہے کچھ بھی کہتا ہے...... سب جوتے کی نوک پر مارتی ہوں...... اب مجھے پتا چلا کہ علی حیدر بھائی میری ٹوہ میں رہتے ہیں...... آپ لوگ سن لیجئے میں روزانہ آؤں گی یہاں اور اس وقت تک آتی رہوں گی جب تک میرا دل چاہے گا شاہ گل بھی یہاں آئے گا کوئی نہیں روک سکتا مجھے......

سمجھ رہے ہیں آپ لوگ..... واہ یہ اچھی بات ہے کہ نیکیاں بھی کریں تو اس کے صلے میں ہمیں شک کی نظر سے دیکھا جائے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں تایا ابو یہ مجھ سے کتنی بدتمیزی کر رہی ہے۔"

"آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ سے تمیز سے کوئی بات کی جائے..... میں چلتی ہوں..... چلو شاہ گل کل بھی یہاں آنا ہے..... دیکھیں گے ہمیں کون روکتا ہے۔" زمرد تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی..... علی حیدر نے دانت پیس کر ان کی طرف دیکھا..... فراست علی خاں اس وقت مشکل میں مبتلا تھے، کہنے لگے۔

"تمہارا کہنا بھی غلط نہیں تھا اور تمہارا غصہ بھی غلط نہیں ہے، لیکن سنو اپنی طرف سے کوئی قدم اٹھانے سے گریز کرنا اب اس معاملے کو میں خود دیکھوں گا..... اگر کوئی غلط بات پائی گئی تو میں سنبھال لوں گا..... ابا میاں کو بھی سمجھا لوں گا، لیکن اگر تم نے اپنے طور پر کوئی غلط قدم اٹھایا تو یہ میرے حکم سے سرتابی ہوگی، سمجھے چلو اور اس کے بعد فراست علی خاں، علی حیدر کے ساتھ واپس چل پڑے..... علی حیدر بری طرح تلملا رہا تھا، لیکن بہرحال اسکیم ایک طرح سے فیل ہی ہوگئی تھی، نہ صرف اس کی یہ اسکیم فیل ہوئی تھی بلکہ اسے فراست علی کے چہرے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ انہوں نے علی حیدر کے اس عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

ٹھیک ہے بیٹے شاہ گل..... میرا نام بھی علی حیدر ہے..... میرے دوسرے وار کے لئے تیار رہنا۔"

غلام خیر نے حیران نگاہوں سے تینوں بھائیوں کو دیکھا تھا..... شاہ عالم سے اس کی [illegible]دوستی تھی اور شاہ عالم نے اس کی ہمیشہ عزت کی تھی، اس کے علاوہ علی نواز تو پلا ہی اس [illegible] ہاتھوں میں تھا، لیکن غلام خیر کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ تینوں بھائی اس قدر کمینے [illegible] ہیں..... وہ ان لوگوں کی کمینگی سے اچھی طرح واقف تھا..... بہرحال غلام خیر کو تو [illegible]رام بھی نہیں کیا کرتے تھے..... اندر داخل ہوگئے اور سیدھے اندرونی عمارت کی جانب [illegible] پڑے..... غلام خیر نے مداخلت نہیں کی تھی..... زلیخا اور صنوبر ڈرائنگ روم میں بیٹھی [illegible] تھیں..... ماں بہرحال ماں ہوتی ہے..... بڑی تنہائی محسوس کر رہی تھی، زلیخا پر ان دنوں [illegible] عجب سی بیچارگی سی سوار تھی، اس نے بارہا سوچا تھا کہ غلام خیر بیچارہ ایک غیر تعلیم یافتہ [illegible] ہے..... اگر کوئی صحیح سہارا ہوتا تو شاہ گل کو تلاش کیا جا سکتا تھا..... کئی بار بیٹے ذہن میں [illegible] تھے لیکن وہ جس قدر بد تھے اس سے زلیخا کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ ان سے رابطہ قائم [illegible]..... اب تینوں کو دیکھ کر دل میں ایک ہوک سی اُٹھی تھی..... تینوں کے تینوں ماں کے [illegible] سے لپٹ گئے اور زلیخا کے دل میں پیار اُمڈ آیا..... اس نے تینوں کے سر اپنے سینے میں [illegible] لئے، آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے..... دیر تک یہ منظر جاری رہا..... صنوبر خاموش [illegible] کونے میں بیٹھی ہوئی تھی..... سنبھلنے کے بعد بھی ان میں سے کسی نے صنوبر کی طرف [illegible] نہ دی تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ماں نے کہا۔

"کم بختو کیسے یاد آگئی میں تمہیں..... تم نے تو مجھے جیتے جی قبر کی گہرائیوں میں

پہنچادیا...... پتہ نہیں میں نے کیا برائی کی تھی تمہارے ساتھ، میری تنہائیاں روتی ہیں تمہارے لئے۔

"اماں کیا کروں برا نہیں کہیں گے آپ کو...... آپ نے ہم سے جس طرح منہ موڑ لیا ہے...... مائیں ایسا تو نہیں کرتیں...... علی ضیغم بولا۔"

"اور اولادیں ایسا ہی کرتی ہیں جیسا تم نے کیا...... میرا چراغ بجھا دیا تم لوگوں نے جب بھی مل کے آستین کا سانپ بن کر ملے۔"

"یہ آپ کی سوچ ہے اماں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ذہن میں یہ سوچ کس نے پیدا کی یقین کریں ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"مجھے ہی برا کہو گے کم بختو، بد نصیبو، ماں کی دعاؤں سے محروم ہو گئے ہو...... جو زندگی گزار رہے ہو خود دیکھ لو برائی کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"کہتی رہیں، کہتی رہیں آپ کو حق ہے کیونکہ آپ ہماری ماں ہیں۔" علی شاد نے کہا۔

"ہاں، ہاں سب ایک زبان بول رہے ہو...... بیویوں کا جادو ایسا سر پر چڑھ کر بولا ہے کہ اللہ محفوظ رکھے۔"

"اماں آپ بہت اچھی خاتون ہیں...... ہم اتنے بے وقوف تو نہیں ہیں کہ اپنی بیویوں کے چکر میں آجائیں۔"

"ارے چھوڑو چھوڑو ان باتوں کو سب ٹھیک ہے ناں...... بچے ٹھیک ہیں۔"

"جی اماں کیا ٹھیک ہیں...... بس یوں سمجھ لیجئے زندگی گزر رہی ہے علی داراب کو دیکھ دیکھ کر دل اور کڑھتا ہے آخر ہمارا بھائی ہے...... تنہائی کی زندگی گزار رہا ہے...... روتا رہتا ہے ہر وقت۔"

"نکاح کیوں نہیں کر لیتا کسی اچھی لڑکی کو دیکھ کر ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے...... اصل میں تم لوگوں نے تو مجھ سے میرا حق ہی چھین لیا، ورنہ یہ باتیں میرے سوچنے کی تھیں۔"

"نہیں اماں دیکھیں کہیں گے تو گستاخی ہو جائے گی، آپ نے خود ہمارے سروں سے

...انی ہے۔"

"جو کچھ کیا گیا میرے بچے کے ساتھ جس طرح میرے شوہر نے تنہا مر... تو... کے بعد کیا رہ جاتا ہے اس زندگی میں کیا کرتی اور کیسے کرتی جواب دو۔"

"...ہیں اصل میں وہ۔"

"اصل نقل کچھ نہیں جو میں کہہ رہی ہوں، وہ سمجھ رہے ہو تم...... تم نے ہمیشہ منہ ...و اپنے باپ کی موت کے بعد بھی تم نہ سدھرے...... شادو مل بیچارے کس طرح اس دنیا ...ے تم نے کچھ پوچھا...... تمہیں پتہ ہے اس کی کہانی کا۔"

"اماں! ابا کی غیر موجودگی ہم بھی جس طرح محسوس کرتے ہیں آپ سوچ نہیں ...تیں...... بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کے دل میں ہمارے لئے نفرت بھر گئی ہے...... آہ! ...یہ نفرت کسی طرح نکل سکے۔"

"چھوڑو ان باتوں کو علی داراب ادھر آ میرے پاس" ماں کے دل کا نرم گوشہ دیکھ کر ...داراب نے جوہر اداکاری شروع کر دیئے...... ایسا بلک بلک کر رویا کہ دونوں بھائی بھی بکا ...لگے۔ ماں کا دل تو پگھل کر پانی بن گیا تھا۔

"کمینے روتا کیوں ہے...... کیا کیا جا سکتا ہے بیچاری فردوس جہاں اللہ اس کی مغفرت ...ے کیا کہوں میں اس کے بارے میں۔"

"...ری تھی اماں اس دنیا سے چلی گئی، مگر مجھے بتاؤ کہ میں تنہائی کا یہ عذاب کیسے کاٹوں۔"

"تیرے اوپر کیا مصیبت پڑی ہے، میں کوئی رشتہ تلاش کروں تیرے لئے بول۔"

"اماں رشتہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" علی ضیغم نے کہا۔

"کیوں نکاح ہو جائے اس کا تو زندگی اکیلے تو نہیں گزرے گی۔"

"...سے کون انکار کرتا ہے۔"

"تو پھر کوئی لڑکی دیکھ لی ہے تم لوگوں نے۔"

"ہاں اماں ایسا ہی ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے..... اچھا اچھا سمجھ گئی، میں آج تم تینوں کی آنے کی وجہ..... چلو ٹھیک ہے تم لوگ میرے ساتھ کچھ بھی کرو..... میں اپنا فرض پورا کرنے سے انکار نہیں کروں گی..... کون ہے، کہاں ہے مجھے بتاؤ..... جاؤں گی میں..... اگر تمہیں اطمینان ہے ان کی طرف سے تو۔"

"اماں آپ ایک بہت بڑی بات کو نظر انداز کر رہی ہیں۔" علی ضیغم نے اپنی ذمہ داری پوری کرنا شروع کر دی۔

"کیا۔"

"اماں صنوبر جو ہے کون سی عمر ہو گئی ہے اس کی، معصوم سی ہے..... بیچاری اگر علی داراب کا نکاح اس سے کر دیا جائے تو بات گھر کی گھر میں رہے گی۔" زلیخا بیگم منہ کھول کر رہ گئی تھیں..... کوئی ایسی بات بھی نہیں کی تھی علی ضیغم نے جو غصے والی ہوتی..... ایک اچھی تجویز تھی..... کافی دیر تک زلیخا بیگم خاموش رہیں..... تینوں بیٹے ماں کے چہرے کا تاثر دیکھ رہے تھے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد زلیخا نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔"

"کیا اماں....."

"شاہ گل کہیں چلا گیا ہے۔" زلیخا کے ان الفاظ پر تینوں کے چہرے کھل اُٹھے..... یہ بات سبھی نے سوچی تھی کہ اگر زمان ملنگی کی جائیدادوں کا مسئلہ سامنے آیا تو شاہ گل ایک بڑی رکاوٹ بن سکتا ہے..... علی شاد نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"کہیں چلا گیا ہے آخر۔"

"کافی دن پہلے غائب ہو گیا ہے..... یہ تو تم نے اندازہ لگا ہی لیا تھا کہ وہ ذرا مختلف قسم کا نوجوان ہے..... بتائے بغیر چلا گیا کہیں بھی تلاش کرنے سے نہیں ملا۔"

"پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔"

"سب کچھ کر لیا کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے اس کا۔"

"یہ تو افسوس کی بات ہے آپ نے ہم سے تذکرہ بھی نہیں کیا..... بھتیجا ہے وہ ہمارا۔ تلاش کریں گے اسے..... ہاں تو اماں آپ یہ بتایئے کیا سوچا آپ نے اس بارے میں۔"

"دیکھو میں نے تو کبھی بھول کر بھی یہ بات نہیں سوچی..... پھر بھی صنوبر سے بات کروں گی..... صنوبر تیار ہو گئی تو میں انکار نہیں کروں گی لیکن ایک شرط ہو گی۔"

"وہ کیا....." علی ضیغم نے پوچھا۔

"علی داراب کو یہاں اس گھر میں میرے پاس آ کر رہنا ہو گا۔"

"اماں آپ کے قدموں میں جگہ مل جائے..... اس سے بڑی اور کون سی خوشی ہو سکتی ہے میرے لئے۔" علی داراب نے مکاری سے کہا۔

"پھر بھی صنوبر سے بات کرتی ہوں میں۔"

"میں بتاؤں اماں اس معصوم عورت سے کچھ نہ پوچھو..... وہ تو موم کی ناک ہے، جو کوئی مان لے گی اور پھر ہمیں تو اپنا گھر دیکھنا ہے..... وہ مانتی ہے یا نہیں مانتی، وہ ایک الگ بات ہے۔"

"نہیں پوچھ تو لینے دو مجھے اس سے۔"

"نہیں اماں ایسا میں نہیں کرنے دوں گا۔" علی ضیغم نے کہا اور اسی وقت دروازے سے نوخیر اندر داخل ہو گیا..... وہ سرد نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا، اس نے کہا۔

"ساری باتیں میں نے سن لی ہیں، سمجھ رہے ہو تم لوگ بھول کر بھی ایسی بات نہ سوچنا آج کے بعد سے اگر تم لوگوں نے اس عمارت میں قدم رکھا تو تم یقین کرو کہ میں تمہیں اپنے پیروں پر واپس نہیں جانے دوں گا..... شاہ عالم میرا آقا نہیں دوست تھا..... میں نے اس کی زندگی جس طرح گزاری وہ میں جانتا ہوں، لیکن اگر تم لوگ مجھے غلام سمجھتے ہو تو اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو..... صنوبر علی نواز کے وجود کا ایک حصہ تھی اور ہے..... وہ اس کی یاد کے ساتھ زندہ ہے..... زمان ملنگی نے یہ مکان تمہیں نہیں مجھے خرید کر دیا تھا..... صنوبر کی حفاظت کے لئے اور میں آج بھی صنوبر کا محافظ ہوں..... تم لوگوں کے چہروں پر

چھپی ہوئی مکاری، زلیخا بیگم نہیں دیکھ پا رہیں...... بھابی جان زندگی بھر آپ کی عزت کرتا رہا ہوں...... ایک بات آپ بھی کان کھول کر سن لیجئے...... علی نواز کو میں نے پروان چڑھایا تھا وہ میرے ہاتھوں میں پلا تھا اور ایک طرح سے میں ہی اس کا باپ ہوں...... شاہ عامل نے اسے میرے حوالے کیا تھا...... میرے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے...... صرف اس لئے خاموش رہا کہ قاتل شاہ عامل کے گھرانے کے لوگ تھے...... زمان ملنگی نے جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی...... میرا مکمل وجود آج بھی اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے...... آپ تیار ہو جائیں بے شک، لیکن میں صنوبر کے نکاح کیلئے تیار نہیں ہوں، سمجھ رہی ہیں آپ...... اور اگر آپ میری بات کو برا سمجھتی ہیں تو صرف یہی عرض کروں گا آپ سے کہ آپ بھی یہ گھر چھوڑ دیجئے، جو نہ آپ کا ہے نا آپ کے شوہر کا۔" زلیخا تو ہکا بکا رہ گئی تھی، لیکن علی ضیغم، علی شاد اور علی داراب کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے تھے، علی ضیغم نے کہا۔

"غلام خیر تم غلام خیر نہیں بلکہ غلام شر ہو...... میں کہتا ہوں کہ تمہیں جرات کیسے ہوئی ہمارے ذاتی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی اور تم جو اپنے آپ کو بہت تیس مار خان ظاہر کر رہے ہو تمہاری اوقات کیا ہے...... اگر زمان ملنگی کے حوالے سے بھی بات کرتے ہو تو غلام ہو صرف غلام۔" علی ضیغم آپے سے باہر ہو گیا تھا...... اپنی جگہ سے اٹھا اور غلام خیر کے پاس آ گیا۔

"اور اب اس کے بعد میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس گھر سے نکل جاؤ...... یہاں میری ماں رہتی ہے...... میرے بھائی کی بیوی رہتی ہے...... تم ہمارے نہ رشتے دار ہو نہ ناتے دار چلو باہر چلو۔" لیکن غلام خیر کی طرف سے جو رد عمل ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ ایک زوردار تھپڑ علی ضیغم کے منہ پر پڑا اور علی ضیغم کوئی آٹھ فٹ دور زمین پر جا کر گرا۔ اس کا داہنی جبڑا ہل کر رہ گیا تھا...... علی شاد اور علی داراب غلام خیر پر جھپٹے تو اس نے ان دونوں کی گردنیں پکڑ لیں۔

"زلیخا بیگم آج اس گھر کے بقیہ چراغ بھی بجھا رہا ہوں...... یہ نہیں جانتے کہ غلام خیر کیا ہے...... شاہ عامل مجھے معاف کرنا تمہارے تینوں بیٹوں کو قتل کر رہا ہوں میں، لیکن میری وفاداری کا یہی ثبوت ہے...... مجھے یہ کرنا پڑے گا۔" زلیخا جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور غلام خیر کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"نہیں غلام خیر چھوڑ دو میرے بچوں کو، چھوڑ دو معاف کر دو انہیں۔"

غلام خیر نے دونوں کو زور سے دھکا دیا اور غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں ان تینوں کو اسی کمرے میں دفن کر سکتا ہوں...... یہ بات آپ انہیں سمجھا دیجئے زلیخا بیگم اور یہ بھی سمجھا دیجئے کہ اگر اس کے بعد انہوں نے کوئی شرارت کی تو دیکھئے میں تو اپنی زندگی گزار چکا ہوں، میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے...... اب نہیں تو کل موت کی پکار آ جائے گی، لیکن ان تینوں کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا، تاکہ زمان ملنگی کی روح کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور میں ان تینوں کو عالم بالا میں بھی مجرم کی حیثیت سے زمان ملنگی شاہ عامل اور علی نواز کے سامنے پیش کر سکوں...... کان کھول کر سن لو تم لوگ زندہ نہیں چھوڑوں گا تم تینوں کو سب کچھ بھول چکا ہوں میں خیال رکھو گے نا...... چلو نکلو یہاں سے۔"

غلام خیر علی ضیغم کی طرف بڑھا تو علی ضیغم نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی...... بڑا ہی ہمت ہار چکا تھا...... چھوٹے بھائیوں کی کیا ہمت ہوتی کہ رکتے...... تینوں ایسے سرپٹ ہوئے کہ عمارت کے دروازے سے باہر نکل کر ہی دم لیا...... غلام خیر ان کے پیچھے پیچھے گیا اور ان کے پیچھے پیچھے زلیخا باہر نکل آئی تھی۔ جب وہ تینوں چلے گئے تو غلام خیر نے زلیخا کی طرف دیکھا اور بولا۔

"زلیخا بھابی حق ہے میرا یہ...... وہ تینوں سازش کے تحت آئے تھے آپ بار بار ان کے فریب میں دھوکا کھا جاتی ہیں...... کیا نہیں کر چکے ہیں وہ لوگ آپ کے ساتھ اور اس کے باوجود آپ ان کے جال میں پھنس جاتی ہیں...... آپ نوٹ کر لیجئے اس بات کو کہ ان لوگوں نے یہ منصوبہ زمان ملنگی کی جائیداد ہتھیانے کے لئے بنایا ہے...... زلیخا بھابی مجھے معاف کیجئے میری زندگی میں یہ ممکن نہیں ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے زہر دے دیں...... یا

وہ لوگ میرے خلاف سازش کر کے مجھے مار دیں...... اس کے بعد میری مجبوری ہو گی، لیکن صنوبر جس قدر معصوم ہے...... اس بیچاری کے ساتھ جو مظالم کئے گئے ہیں...... ان کے بعد میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا...... آپ متاثر ہو جائیں بے شک، لیکن میں ان چالاک لوگوں سے متاثر نہیں ہوں گا...... سمجھ رہی ہیں ناں آپ۔"

"ہاں سمجھ رہی ہوں میں غلام خیر بدنصیب ہوں اس لئے کہ ماں ہوں ان کی۔" زلیخا نے جواب دیا۔

❁ ❁ ❁

مشعل اور شیراز اچانک ہی غیاث احمد صاحب کے گھر پہنچے تھے...... ظاہر ہے ساتھ لے جانے والے مرزا جلیل بیگ تھے...... غیاث احمد اس وقت بھی باہر ہی موجود تھے، جلیل بیگ کے ساتھ دو اجنبی چہروں کو دیکھ کر چونکے لیکن بہرحال پر اخلاق انداز میں استقبال کیا تھا۔

"چچا جان یہ شیراز صاحب ہیں اور یہ ان کی بیٹی مشعل...... ایک گفتگو کرنی ہے آپ سے تنہائی میں بیٹھ کر البتہ ایک درخواست اور بھی ہے کوئی ایسی جگہ جہاں ہم پوشیدہ ہو سکیں۔"

"ارے ارے خیریت تو ہے آیئے ایسا کیا اہم مسئلہ ہے۔"

"سرفراز ہیں؟"

"ہاں ہاں اندر موجود ہیں...... آؤ غیاث احمد نے کہا...... مشعل بولی۔

"ڈیڈی وہ سرکشی پر آمادہ ہے...... اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو کہیں یہاں سے فرار نہ ہو جائے۔"

"آ جاؤ بیٹے پریشانی کی کوئی بات نہیں آ جاؤ۔" غیاث احمد نے کہا اور اندرونی کمرے میں پہنچ گئے...... یہ ایک عمدہ نشست گاہ تھی...... مرزا جلیل بیگ نے کہا۔

"آپ ذرا ایک کام کیجئے گا وہ جو آپ کے ہاں بچی ہے شاہدہ نام ہے اس کا ذرا اس پر نگاہ رکھئے...... کہیں نکل نہ جائے...... آپ کو ساری حقیقت بتا دی جائے گی اور فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہو گا۔"

"شاہدہ، اس سے آپ لوگوں کا کیا تعلق ہے۔" غیاث احمد نے تعجب سے پوچھا۔
"آپ براہ کرم یہ زحمت کر لیجئے آپ کی عنایت ہوگی۔"
"مجھے جانے دیجئے بلکہ مجھے اس کے پاس پہنچا دیجئے۔" مشعل نے کہا۔
"بھئی دیکھئے آپ لوگ اس بات سے اطمینان رکھئے گا کہ یہاں سے کوئی نکل کر کہیں نہیں جائے، لیکن جو الفاظ جس شخصیت کے بارے میں آپ نے کہے ہیں اس کا ذرا مسئلہ دوسرا ہے..... ٹھہریئے میں اسے یہیں بلائے لیتا ہوں..... پتہ نہیں کیا قصہ ہے۔" غیاث احمد صاحب پریشان پریشان سے وہاں سے اٹھے تو مرزا جلیل بیگ نے کہا۔
"سرفراز نجانے کہاں ہے کہیں یہ بڑے میاں صورت حال خراب نہ کردیں۔" اسی وقت سرفراز اندر آگیا تو مرزا جلیل بیگ نے جلدی سے کہا باقی باتیں میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا، تمہیں ایک بات بتائی تھی نہ میں نے۔"
"کیا؟"
"یہی کہ وہ لڑکی..... میں اسے جانتا ہوں جو تمہارے ہاں شاہدہ کے نام سے رہ رہی ہے۔"
"ہاں تو پھر؟"
"یہ اس کے والد اور یہ اس کی بہن وہ گھر سے ناراض ہو کر چلی آئی ہے..... کہیں یہاں سے فرار نہ ہو جائے..... غیاث احمد صاحب اس کے پاس گئے ضرور ہیں، لیکن اگر اسے پتہ چل گیا تو۔"
"اوہو میں دیکھتا ہوں" سرفراز نے شیراز صاحب اور مشعل کو دیکھتے ہوئے کہا، لیکن تھوڑی ہی دیر میں مومل غیاث احمد صاحب کے ساتھ اندر آگئی تھی..... غیاث احمد صاحب نجانے کیا کہہ کر اسے لائے تھے اندر قدم رکھتے ہی اس نے مشعل اور شیراز کو دیکھا..... مشعل تو چیخ مار کر کھڑی ہوگئی تھی، لیکن مومل پتھرا گئی تھی، وہ ساکت نگاہوں سے باپ اور بہن کو دیکھ رہی تھی..... غیاث احمد صاحب اور سرفراز بھی اس صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے..... مشعل آگے بڑھی اور مومل سے لپٹ گئی۔

"مومل ٹھیک کیا تھا تو نے بول ٹھیک کیا تھا..... مومل نے کوئی جواب نہیں دیا..... اس کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہوگئے تھے اور وہ بھی بہن سے لپٹ گئی تھی..... شیراز صاحب آنسو پونچھنے لگے تھے..... غیاث احمد، سرفراز اور جلیل بیگ بھی متاثر نظر آرہے تھے..... غیاث احمد نے حیرانی سے کہا۔
"یہ تو اچھے خاصے لوگ معلوم ہوتے ہیں وہ بیچارہ جو میری بیٹی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا..... وہ کیا وہ شیراز صاحب کا بیٹا تھا۔"
"کہا تھا نا میں نے کہ شیراز صاحب کی صرف دو بیٹیاں ہیں..... یہ مومل اور وہ مشعل..... مومل کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے نکل آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی طرح اس کی ملاقات کسی ایسے شخص سے ہوگئی ہو جس نے آپ کی مدد کی، ویسے ایک بات کہوں غیاث احمد صاحب اگر مومل اپنے باپ اور بہن کو تسلیم کر لیتی ہے تو بڑائی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان سے ان کے ذاتی معاملات کے بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے۔"
"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں یہ سوال کروں گا۔" غیاث احمد صاحب نے کہا..... یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا سب کو کہ مومل بہرحال شیراز صاحب کی بیٹی ہے..... مشعل اور شیراز صاحب بہت دیر تک ایک تاثر میں ڈوبے رہے، پھر شیراز صاحب نے شرمسار نگاہوں سے غیاث احمد صاحب کو دیکھا اور کہا۔
"یہ میری بیٹی ہے ویسے تو آپ جیسے عظیم کرم فرما کے قدموں میں جتنا بھی وقت گزارے..... میرے لئے کم ہے لیکن موجودہ صورت حال کے تحت میں اپنی بیٹی کو لے کر جانا چاہتا ہوں اجازت مل جائے گی۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آپ کو روکنے کا آپ مجھے حکم دیجئے میں آپ کی کیا مدد کروں..... ویسے اس بچی سے بڑی انسیت ہوگئی ہے، لے جانے سے پہلے اتنا وعدہ کر لیجئے کہ کبھی کبھار ہمیں اس سے ملنے کی اجازت ہوگی۔"
"یہ میرا پتہ ہے آپ جب بھی تشریف لائیں گے آپ کو خوش آمدید کہوں گا، مومل

بنے چلو گی میرے ساتھ" مومل باپ سے لپٹ گئی اور یہ اظہار رضامندی تھا...... چنانچہ یہاں پر زیادہ دیر رکنا مناسب نہ سمجھا گیا اور شیراز صاحب فوراً ہی مومل کو لے کر وہاں سے چل پڑے...... مرزا جمیل بیگ یہیں رک گئے تھے...... مشعل اور شیراز صاحب مومل کو لے کر گھر واپس آگئے...... سارے فاصلے طے ہوگئے تھے۔ مومل پتھرائی ہوئی تھی...... بہن اور باپ کے ساتھ تھی...... اس کے ذہن میں بہت سے خیالات تھے...... دماغ بے شک سو یا ہوا تھا لیکن دل یہ کہہ رہا تھا کہ اچھا ہی ہوا...... شاہ گل کا مل جانا تو ناممکن ہی تھا...... بھٹکتی ہوئی نجانے کہاں سے کہاں نکل جاتی...... ہو سکتا ہے کوئی ایسا لمحہ آجاتا جو زندگی بھر کی پشیمانی بن جاتا۔ گھر پہنچنے کے بعد شیراز صاحب نے دونوں بہنوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ ان پر جو بیت رہی تھی ان کا دل ہی جانتا تھا...... بیٹی مل گئی تھی، یہی کیا کم تھا...... باقی معاملات بڑی ذہانت سے سلجھانے تھے...... مشعل نے مومل سے کہا۔

"وہ ملا؟"

"نہیں۔"

"تو نے اچھا تو نہیں کیا تھا۔"

"پتہ نہیں باجی میں نہیں جانتی اور اب بھی میں یہی کہتی ہوں کہ اسے ملنا ضروری ہے، اسے ملنا ضروری ہے باجی...... اسے تلاش کرو...... میں دربدر ہو جاؤں گی۔"

"اللہ سے لو لگا مومل...... اللہ سے لو لگا تو جانتی ہے زندگی بہت مختصر چیز ہوتی ہے، فرض کر تو اسے پالے لیکن وہی لمحہ تیری سانسوں کا آخری لمحہ ہو...... اللہ سے اس کی زندگی مانگ...... اپنی زندگی مانگ...... اس کی محبت مانگ...... اپنی بقاء مانگ، سب کچھ مل جائے گا تجھے...... دینے والی ایک ہی ذات تو ہے اسے نظر انداز کر کے دربدر بھٹک رہی ہے۔" مومل پھٹی پھٹی آنکھوں سے مشعل کو دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔

"ہاں باجی بالکل ٹھیک کہتی ہو...... واقعی بالکل ہی ٹھیک کہتی ہو۔"

فراست علی خاں سخت پریشان تھے...... خود معتدل انسان تھے اور باقی کسی کے معاملے میں ان کی کوئی شرکت نہیں تھی، لیکن علی حیدر بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی تھا...... البتہ زمرد جس طرح بے باک نظر آئی تھی۔ اس سے فراست علی خاں کو یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ زمرد کے دل میں کوئی چور نہیں ہے...... یہ انسانی رشتے ہوتے ہیں...... اگر وہ کسی طور شاہ گل سے متاثر ہوگئی ہے تو یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے...... بہرحال کوئی حل دریافت کرنا تھا اس کا۔ ادھر راؤ ریاست خاں کے دل میں شاہ گل کے لئے نجانے کیوں اتنی محبت اور ہمدردی پیدا ہوگئی تھی...... وہ گھر والوں کا رویہ بھی دیکھ رہے تھے اور ان کے دل میں دکھن تھی...... گھر والے اگر اسی حساب سے شاہ گل کو قبول کر لیتے کہ راؤ ریاست علی خاں عمر کی آخری منزل میں کسی پر مہربان ہیں...... ساری زندگی انہوں نے ان لوگوں پر مہربانی کی تھی...... ادھر شاہ گل کا معالج اپنے علاج کی آخری حدیں طے کر رہا تھا...... شاہ گل کے چہرے پر دوائیں لگی رہتی تھیں اور جن سے وہ ایک عجیب سی چیز نظر آتا تھا...... آخر کار دوائیں ہٹا دی گئیں...... معالج کے ساتھ کمرے سے نمودار ہوا تو سب سے پہلے خادم علی نے اسے دیکھا اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے۔

"خدا کیا یہ وہی بچہ ہے۔"

"دیکھ لیجئے آپ۔"

"ماشاءاللہ، نظر بد دور، یہ تو گلفام نکلا..... کتنا حسین لڑکا ہے" اس کے بعد راؤ ریاست علی خاں نے اسے دیکھا اور اس شام جب وہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر کوٹھی کے اس حصے میں آیا جہاں باقی افراد شام کی چائے کے لئے بیٹھا کرتے تھے تو آنکھوں کی کیفیت بدل گئی، جس نے دیکھا دیکھتا رہ گیا..... خود زمرد تو تصویر حیرت بن گئی تھی اور بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر شاہ گل کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"اللہ تمہیں زندگی دے شاہ گل..... کیا واقعی یہ تم ہی ہو؟ تم نے تو تھوک دیا ان لوگوں پر کیا بنا دیا تم نے انہیں..... کمال ہے، بخدا کمال ہے، کتنے پیارے لگ رہے ہو تم۔" غرض یہ کہ آج کی شام بڑی حیران کن تھی..... شاہ گل کے اندر وہی سادگی تھی، لیکن دیکھنے والے اسے دیکھ رہے تھے..... علی حیدر نے بھی اسے دیکھا اور جل بھن کر کباب ہو گیا..... زمرد کی بے تکلفی بھی ذرا قابل اعتراض نگاہوں سے دیکھی گئی اور اس طرح ایک نئی کہانی کی بنیاد پڑی..... خود نیر علی نے فراست علی سے کہا۔

"بھائی جان کیا آپ دیکھ رہے ہیں..... کیا یہ سب مناسب ہے، ایک ہلکی سی بھنک میرے کانوں میں پڑی تھی اور میں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا..... میں مانتا ہوں کہ زمرد خود اس کے پاس پہنچی تھی..... اور اس نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن بات وہی آ جاتی ہے بھائی جان یہ سب کچھ مناسب ہے کیا۔" نیر علی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ راؤ ریاست علی خاں عقب سے بولے۔

"بیٹے میں تمہاری باتیں سن رہا ہوں..... واقعی ٹھیک کہتے ہو تم اس بیچارے کے خلاف ایک محاذ بنا لیا ہے تم نے..... دل تو یہ چاہتا تھا کہ اس کا علاج کراؤں..... اسے بالکل صحت یاب کر کے یہاں سے بھیجوں..... چہرہ تو خدا کے فضل سے صاف ہو گیا ہے، لیکن تمہارے کالے چہرے اس کے سفید اور بے داغ چہرے کو برداشت نہیں کریں گے، تمہارے کالے دلوں میں وہ ہمیشہ کیلئے کھٹکتا رہے گا..... بے فکر رہو میں اسے گھر سے نکال رہا ہوں معذرت کروں گا اس سے ہاتھ جوڑوں گا اور کہوں گا کہ بیٹے کاش میرا دور ہوتا..... کاش میں

بڑی اس منزل میں داخل نہ ہوا ہوتا..... کاش میں اپنے تمام اثاثے بیٹوں میں تقسیم نہ کر چکا ہوتا کاش میں قلاش نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ رہتا مگر اب میری بھی مجبوریاں میرا راستہ روک رہی ہیں، تم چلے جاؤ یہاں سے ہم لوگ تمہارے متحمل نہ ہو سکیں گے..... ٹھیک ہے مگر اس کے بعد میں اپنے بارے میں بھی فیصلے کروں گا..... نیر علی اور فراست علی مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اب میں یہاں ایک بیکار انسان ہوں ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر راؤ ریاست علی خاں وہاں سے چلے گئے..... دونوں بیٹے سکتے میں رہ گئے تھے..... لیکن راؤ ریاست علی خاں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا..... شاہ گل کے پاس پہنچے اور بولے۔

"بیٹے شاہ گل کیا تمہیں یہ باتیں یاد ہیں کہ تم مجھے ریل میں ملے تھے اور میں تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا تھا۔"

"جی دادا جان۔"

"بیٹے میں نے دل میں یہ طے کیا تھا کہ تم صحت مند ہو جاؤ گے تو تمہیں اپنے گھر سے جانے کی اجازت دوں گا، لیکن یہاں حالات سنگین ہو گئے ہیں..... اگر تم برا نہ مانو تو اب یہ گھر چھوڑ دو، جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ..... لو یہ کچھ رقم ہے میرے پاس وہ اپنے لباس میں رکھ لو اور ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ یہاں سے، ہم بڑے لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں..... بیٹے تم چھوٹے لوگ کبھی ہم بڑے لوگوں سے متاثر نہ ہونا، ورنہ ہمیشہ ہی دکھ اٹھاؤ گے..... جاؤ خدا حافظ۔" شاہ گل ایک لمحے تک دادا جان کی صورت دیکھتا رہا، پھر مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گا دادا جان خدا حافظ۔" یہ کہہ کر وہ پیسے اٹھائے بغیر وہاں سے باہر نکل گیا..... اس نے راؤ ریاست علی خاں کی آنکھوں کے آنسو نہیں دیکھے تھے..... تھوڑی دیر کے بعد وہ کوٹھی سے باہر نکل گیا تھا..... ساری باتیں اپنی جگہ راؤ ریاست علی خاں کا اتنا کہہ دینا ہی مناسب تھا..... دادا جان کہنے لگا تھا وہ انہیں اور ان کی ہر بات کو اپنا لیکن سمجھنے لگا تھا..... چہرہ اپنی جگہ آ گیا تھا، لیکن ذہن ابھی شاید کسی ایسے حادثے کا منتظر تھا، جو مکمل یادداشت واپس کر دے..... کیوں اس شہر میں بھی رکنے کو دل نہ چاہا..... اتنا تو جانتا تھا

کہ ریل کا سفر ماحول بدل دیتا ہے اور اس نے اپنا ماحول بدل دیا...... ٹرین اسے لے کر چل پڑی...... وقت رہنمائی کرتا ہے اور وقت اس کا رہنما تھا...... کہانی جو کچھ بھی بننا چاہتی تھی، بن رہی تھی...... آخر کار ریل کا آخری مرحلہ آیا اور جب پورا ڈبہ خالی ہو گیا تو وہ خود بھی نیچے اتر آیا...... اس وقت شام کے جھٹپٹے فضاؤں سے نیچے اتر رہے تھے...... تاریکی کی چادر تیزی سے زمین کو ڈھکتی جا رہی تھی...... وہ بے یار و مددگار ایک سڑک پر آگے بڑھنے لگا...... پھر کسی نے اسے دیکھا...... جلدی سے دوسرے کو بلا کر سرگوشی کی ور اس کے بعد دونوں اس کا تعاقب کرنے لگے...... یہ گردش زمانہ تھی تقدیر کا کھیل تھا...... دیکھنے والے سکندر کے ساتھی تھے اور انہوں نے شاہ گل کو پہچان لیا تھا...... شاہ پیر کے میلے میں عرس میں جو ہنگامہ آرائی ہوئی تھی...... اس میں شاہ گل کی سکندر سے براہ راست ٹھن گئی تھی، جن لوگوں نے شاہ گل کو دیکھا تھا انہوں نے اس کی قیام گاہ کا اندازہ بھی لگا لیا تھا، جو ایک سرائے تھی...... چھوٹی سی سرائے جس میں شاہ گل نے اپنے لئے رہائش تلاش کر لی تھی اور سرائے کے چھوٹے سے کمرے میں مقیم ہو گیا تھا...... یہاں سے زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا وہ جبکہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات نہیں تھی کہ یہ آغاز کیسے کرنا ہے...... ادھر دونوں افراد سکندر کے پاس پہنچے تھے اور انہوں نے کہا تھا۔

"استاد ایک شکار آیا ہوا ہے...... سنو گے تو اچھل پڑو گے...... حیران رہ جاؤ گے۔"

"جوتا تاروں ابھی حیران کر رہا ہے مجھے...... کون شکار کیسا شکار۔"

"استاد وہ لڑکا یاد ہے جو یاقوت کے ساتھ تھا اور نواب جانی نے اس کی وجہ سے ہم لوگوں کو مارا تھا۔"

"ہاں یاد ہے۔"

"استاد وہ یہاں پہنچ گیا ہے اور یقینی طور پر تمہاری تلاش کے لئے آیا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو ہم نے تو انہیں بم سے اڑا دیا تھا۔"

"استاد یہ بات تو تمہیں یاد ہے کہ بم سے وہاں صرف دو آدمی ہلاک ہوئے تھے، باقی

بچ گئے تھے...... نواب جانی کی خبر تو تمہیں شام پور سے مل ہی گئی تھی کہ وہ زندہ ہے...... لڑکا بھی زندہ ہے یقیناً وہ یاقوت کی تلاش میں آیا ہو گا۔" جواب میں سکندر ہنس پڑا اور بولا۔

"یاقوت اسے اب کہاں ملے گی وہ ہیرا تو ایک انگوٹھی میں جڑا جا چکا ہے اور اس کے بدلے میں پورے دو لاکھ روپے ملے ہیں مجھے۔"

"مگر استاد یہ لڑکا۔"

"اسے بھی دیکھ لیتے ہیں کہاں ہے۔"

"ایک سرائے میں ٹھہرا ہے۔"

"پتہ لگایا ہے تم نے اس کا۔"

"ایک بندہ چھوڑ دیا ہے ادھر۔"

"رات کو حساب کر لیں گے اس سے۔" سکندر نے جواب دیا...... شاہ گل جو نہ کسی دشمنی کے قابل تھا، نہ دوستی کے جو اپنی ہی آگ میں جل بھن رہا تھا اور اپنی عقل تک کھو بیٹھا تھا...... رات کو جب ماحول سے بیزار ہو کر باہر نکلا تو اس کے دشمن اس کی تاک میں لگ گئے...... ایک سنسان سی جگہ انہوں نے اسے پکڑ لیا...... سکندر کی شکل دیکھتے ہی شاہ گل کی یادداشت واپس آ گئی، اس نے دانت بھینچ کر چیختے ہوئے کہا۔

"سکندر یاقوت کہاں ہے۔"

"واہ بیٹے جیتے رہو...... ابھی تمہیں یاقوت دیتا ہوں...... سکندر کے اشارے پر اس کے دو آدمیوں نے شاہ گل پر حملہ کر دیا...... انہوں نے شاہ گل کی گردن پر ہاتھ مارا تو شاہ گل اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور زمین پر گر گیا...... تیسرے آدمی نے شاہ گل پر چھلانگ لگائی اور اس کے سینے پر بیٹھ کر اسے گھونسے مارنے لگا...... اچانک ہی شاہ گل کے ذہن میں ایک جنون سا ابھر آیا...... اس نے دونوں ٹانگیں اوپر اٹھائیں اور اس شخص کی گردن میں پھنسا کر اسے الٹ دیا۔

تیسرے آدمی نے چاقو نکال لیا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ یہ چاقو شاہ گل تک پہنچے...... لیکن شاہ گل نے اس کی پسلی پر ٹھوکر ماری اور یہ ٹھوکر کچھ ایسی پڑی کہ چاقو اس شخص کے

ہاتھ سے نکل کر نیچے گرا...... شاہ گل نے فوراً ہی چاقو اٹھا لیا...... وہ پہلا آدمی جو شاہ گل کے پیروں کی زد میں آکر نیچے گرا تھا...... اٹھا ہی تھا کہ چاقو اس کے پیٹ میں اتر گیا، اس کی ایک کربناک چیخ ابھری...... شاہ گل نے چاقو اس کے جسم سے کھینچا اور دیوانوں کی طرح آگے بڑھا...... سکندر کا ساتھی جو سامنے ہی زور آزمائی کر رہا تھا اس پر جھپٹا تو اس نے چاقو اس کے پیٹ میں اتار دیا اور دوسرے لمحے تیسرے آدمی نے شاہ گل پر حملہ کیا اور پھر دبوچ لیا...... شاہ گل کی ایک لات اس کے سینے پر لگی اور پشت کے بل نیچے گر پڑا...... شاہ گل نے نیچے جھک کر چاقو اس کی پسلی میں اتار دیا اور ایک ہی وار پر بس نہیں کیا...... کئی جگہ سے اس پر چاقو کے وار کئے...... سکندر اس دوران وہاں سے بھاگ گیا تھا اور وہ لوگ جو زمین پر پڑے تھے...... تڑپ رہے تھے...... شاہ گل خون میں تربتر ہو گیا تھا اور چاقو اس کے ہاتھ میں تھا، اسی وقت چاروں طرف سے سیٹیاں بجنے کی آوازیں اُبھریں...... کئی پولیس والے جو گشت کر رہے تھے آگے بڑھے اور شاہ گل کے اطراف میں پہنچ گئے...... پہلے تین کانسٹیبل رائفلیں سیدھی کر کے شاہ گل کو وارننگ دینے لگے اور کہنے لگے کہ چاقو پھینک دے ورنہ گولی چلا دی جائے گی...... عقب سے ان میں سے ایک نے رائفل کی بٹ شاہ گل کی کمر میں ماری تو شاہ گل بے اختیار پلٹ گیا...... چاقو والا ہاتھ سیدھا تھا پلٹتے ہوئے یہ سیدھا ہاتھ کانسٹیبل کے پیٹ پر پڑا اور شاہ گل کا چاقو اس کے پیٹ میں کمر تک اتر گیا...... اس کے بعد شاہ گل کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دی گئی تھی...... وہ چاقو نکالنے کی کوشش میں تھا کہ پولیس کے کئی افراد نے اسے رائفل کے بٹوں سے مارنا شروع کر دیا...... پھر سر پر ایک چوٹ پڑی اور شاہ گل کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا...... آنکھ کھلی تو ننگی اور کھردری زمین بدن کے نیچے تھی...... سارے جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، کروٹ بھی نہیں بدلی جاتی تھی سر کے بال کیچڑ اور خون میں سنے ہوئے تھے...... سارے بدن پر خون کے دھبے تھے...... ہاتھوں پیروں پر بھی خون ہی خون جما ہوا تھا...... جس جگہ وہ کھڑا ہوا تھا وہاں مدہم سی روشنی کا بلب ٹمٹما رہا تھا اور آہنی سلاخوں کے پیچھے مسلح سپاہی نظر آرہے تھے...... شاہ گل جاگا تو وہ رک کر اسے دیکھنے لگے اور اس کے بعد انہوں نے

اسے گالیاں دینا شروع کر دیں...... بڑی عجیب و غریب گالیاں تھیں اور شاید ... خصوصی ایجاد تھی کچھ دیر تک تو شاہ گل کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ عجیب و غریب ... دی جا رہی ہیں...... اس کے بعد وہ بڑی مشکل سے زمین سے اٹھ کر بیٹھا...... پولیس والے بھی اسے برا بھلا کہہ رہے تھے...... شاہ گل نے بیٹھ کر دیوار سے کمر لگائی اور ... سے اسے دیکھنے لگا...... تھوڑی دیر کے بعد عقب سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی اور سارے کانسٹیبل وہاں سے ہٹ گئے...... پولیس کی وردی میں ملبوس لمبے قد کا ایک آدمی دروازے پر آیا تھا اور اس نے غرائی آواز میں کہا۔

"باہر لاؤ اسے......" وہ لوگ اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگے تھے...... لاک اپ کا دروازہ کھولا گیا اور اس کے بعد وہ شاہ گل کو کسی جانور کی طرح گھسیٹ کر آگے بڑھتے رہے...... شاہ گل کے پورے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں...... آنکھوں میں اندھیرا چھایا جا رہا تھا...... قدم قدم پر وہ ٹھوکریں کھا رہا تھا اور وہ لوگ اسے سنبھالے نہ ہوتے تو لازمی طور پر وہ زمین پر گر پڑتا...... سپاہی اسے ایک مختصر تنگ راستے سے گزار کر انچارج کے کمرے تک لے گئے...... یہاں پہلے سے دو پولیس آفیسر اور بیٹھے ہوئے تھے، وہ انچارج بھی موجود تھا جو ان لوگوں کو ہدایات دے کر گیا تھا، اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"اسے کوئی پانی وغیرہ پلایا۔"

"نہیں سر یہ تو ابھی جاگا ہے۔" سپاہی نے جواب دیا۔

"اس کا بیان لینا ہے کیوں بھئی کیسی کیفیت ہے تیری۔"

"ٹھیک ہوں۔" شاہ گل کے منہ سے آواز نکلی۔

"کیا نام ہے تیرا؟"

"شاہ گل۔"

"باپ کا کیا نام ہے؟"

"نبی نواز۔"

"کہاں کا رہنے والا ہے؟"

"نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب بھی کچھ نہیں ہے۔"

"اچھا بیٹا مار کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"پتہ نہیں۔" شاہ گل کے انداز میں بیزاری پیدا ہو گئی تھی...... پولیس آفیسر تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"دیکھ تیرے ساتھ ہمدردی کی جائے گی...... جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا نتیجہ تو جانتا ہے کہ کیا ہو سکتا ہے۔ تیری زندگی تو ختم ہو گئی ہم نہیں چاہتے کہ کسی مرے ہوئے کو مارا جائے مگر پھر بھی تفصیلات تو تجھ سے معلوم کرنا ہی ہو گی...... یہ ساری تفصیل بتا دے وہ لوگ کون تھے؟ جنہیں تو نے مارا۔"

"یقین کر میں نہیں جانتا...... انہوں نے یاقوت کو اغوا کر لیا تھا...... ان میں سے ایک سکندر تھا...... شاہ پیر کے میلے میں یاقوت مجھے ملی تھی...... وہ سکندر کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی، لیکن سکندر نے اسے زبردستی لے جانے کی کوشش کی...... نواب جانی نے اسے مارا اس نے نواب جانی پر بم پھینک دیا اور...... اور...... اور اچانک ہی شاہ گل خاموش ہو گیا...... اس کے پورے وجود میں سنسناہٹ ہونے لگی، وہ اپنے آپ کو بھولے ہوئے تھا لیکن ان تمام باتوں کو اس کی زبان سے نکلنا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ اس کی یادداشت واپس آ گئی ہے...... سب کچھ یاد آ گیا اسے...... سب کچھ یاد آ گیا تھا اور اس کے اندر جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے...... وہ ایک دم سے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، لیکن اس نے اپنی اس کیفیت کو دبا لیا...... ساری صورت حال کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا...... سب کچھ یاد آ گیا تھا، آہ یہ تو بڑی خطرناک بات جو کچھ ہو چکا ہے، وہ بہت ہی خطرناک ہے...... یہاں تک کہ ایک پولیس والا بھی اس کے ہاتھوں یا تو شدید زخمی ہوا ہے یا قتل ہو گیا ہے...... کچھ نہیں کہا جا سکتا...... کچھ بھی نہیں کہا

جاسکتا...... بہر حال اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پولیس آفیسر کے سوالات کا جواب دینے کے لئے مستعد ہو گیا...... اب کیفیت بالکل تبدیل ہو گئی تھی، حالانکہ سکندر کو پہچان لینے کا مطلب یہ تھا کہ اس کی ذہنی قوتیں واپس آ گئی ہیں لیکن تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی جو یہاں ان سوالات نے پوری کر دی تھی۔ انسپکٹر کا لہجہ غضب ناک ہوتا جا رہا تھا، اس نے کہا۔

"تجھے اندازہ ہے کہ تو نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے اور تیسرا ایک کانسٹیبل ہے سیدھا بول کیا تو ان دونوں آدمیوں کے قتل کا اقرار کرتا ہے۔"

"تو تو ان لوگوں کو جانتا تھا ابھی تو نے شاہ پیر کے عرس کا حوالہ دیا ہے۔"

"ہاں......" شاہ گل اب پوری طرح سنبھل گیا تھا۔

"یاقوت کون تھی۔"

"میں نہیں جانتا عرس میں ہی مجھے ملی تھی اور اس نے اپنا نام یاقوت بتایا تھا۔"

"کچھ عجیب و غریب بیان ہے اس کا، پہلے تو یہ بتا کہ کیا تو ان تینوں افراد کے قتل کا اعتراف کرتا ہے۔"

"میں نے کہا ناں کہ جو میں کر چکا ہوں اگر اس سے انکار بھی کروں تو مجھے کیا فائدہ ہو گا۔"

"پھر تو بات ہی کچھ نہیں...... اسے جا کے ذرا صورت حال کو صحیح انداز میں دیکھ لو اور اس کے بعد اس کا بیان لکھ لو۔"

"محرر کو بلا لیا جائے، وہ باقی کام کرے گا...... میرا خیال ہے کہ اس کے اوپر سختی کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"سنو لباس تبدیل کرایا جائے گا تمہارا...... پہلے تم اپنا بیان لکھوا دو...... اس کے بعد ہم تمہیں بیان کے بعد عدالت میں پیش کریں گے۔" اس کے بعد کارروائیاں ہوتی رہیں...... اس کی انگلیوں کے نشانات لے لئے گئے اور اس کے بعد اسے حوالات کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا...... آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا، شاہ گل کوٹھڑی کے گوشے میں بیٹھ گیا تھا...... اس

کے ذہن میں گزرے ہوئے ماضی کا ایک ایک نقش متحرک تھا اور وہ سب کچھ یاد کر رہا تھا۔ موتی، مشعل، صنوبر، دادی جان لیکن میرا مقام کیا ہے...... اس دنیا میں میرے جینے کا مقصد کیا ہے...... آہ کاش بس اتنا پتا چل جائے مجھے کہ مجھے کیسے جینا ہے، اب تو قتل بھی ہو گیا ہے...... میرے ہاتھوں کیا میری زندگی کا اختتام اسی شکل میں ہو گا...... اچانک ہی اس کی ہنسی نکل گئی۔

"ایسا ہی ہونا چاہئے...... شاید یہ میرے ساتھ انصاف کا ایک عمل ہے کہ میری بیکار زندگی اس طرح ختم ہو رہی ہے...... اچھی بات ہے یہ...... اچھی بات ہے...... بری بات تو نہیں ہے...... بہرحال اس کے بعد باقی ساری کارروائیاں ہوتی ہیں...... اس کا سارا بیان لکھوالیا گیا اور اسے بتادیا گیا کہ تین آدمیوں کے قتل کا الزام ہے اس کے اوپر اور اسے اس مقدمہ کے سلسلے میں عدالت میں پیش کیا جائے گا...... وقت گزرتا رہا پھر صبح کی روشنی نمودار ہوئی...... صبح کا ناشتہ اسے دیا گیا اور اس کے بعد مزید کارروائیاں، پھر ساری کارروائیاں مکمل کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر تھانے کی چار دیواری میں کھڑی ہوئی گاڑی کے قریب لایا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی...... عدالت کی عمارت میں ایک ہنگامہ برپا تھا...... محسوس ہوتا تھا کہ اس شہر کا ہر شخص کسی نہ کسی جرم کے چکر میں پکڑا ہوا تھا...... مجرم، سپاہی، وکیل، گواہ، تماش بین، اخباری نمائندے، فوٹوگرافر ہر طرح کے آدمی عدالت کے احاطے میں نظر آرہے تھے...... بہرحال اسے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا...... پیش کار نے شاہ گل کا فائل پیش کیا تو مجسٹریٹ نے چہرہ گھما کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے اسے ایک انوکھے قاتل کو دیکھ کر حیرت ہوئی ہو...... ہر شخص کا اپنا ایک انداز بھی ہوتا ہے...... پولیس والوں نے فائل کے بارے میں تھوڑی سی باتیں کورٹ انسپکٹر کو بتائیں اور معمولی سی کارروائی ہوئی پھر اسے عدالت سے واپس لے آیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی لاک اپ، دوپہر کی دال روٹی شام کی تنہائی دیواروں میں ابھرے ہوئے نوکیلے پتھر، رات کو پھر اسے انسپکٹر کے کمرے میں طلب کر لیا گیا

اور وہ لوگ اس سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، لیکن اب وقت کافی گزر گیا تھا اور شاہ گل کو ساری تفصیلات ذہن نشین ہو گئی تھیں...... وہ اپنی شخصیت کو بھی سمجھ چکا تھا...... اور یاقوت علی خاں بھی انہیں یاد تھے اور ان کا گھرانہ بھی، لیکن نہ تو اس نے یاقوت کے بارے میں کچھ بتایا نہ کسی اور کے بارے میں کرتا بھی کیا...... وہ تو خود ایک ایسے جال میں گرفتار ہو گیا تھا جس کا اختتام موت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا...... چار دن کے بعد دوبارہ پیشی ہوئی اور اس پیشی میں مجسٹریٹ نے اسے ہدایت کی کہ اسے حوالات سے نکال کر جیل میں منتقل کر دیا جائے اور یہاں ایک اور دلچسپ صورت حال شاہ گل کی منتظر تھی...... جیل کی جس کوٹھڑی میں اسے پہنچایا گیا وہاں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا اور یہ نواب جانی تھا۔

uploader by salimsalkhan

شیراز صاحب مومل اور مشعل کے ساتھ گھر واپس آ گئے..... تقدیر نے ایک سنگین حادثے سے بچا لیا تھا..... ان چند ہی روز میں جو کچھ ان پر بیتی تھی..... ان کا دل ہی جانتا تھا..... اندازہ تو یہ ہو رہا تھا کہ اگر مومل کا پتہ نہ چلا تو شاید زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے..... خود اگر زندہ رہنا بھی چاہیں تو دنیا نہیں زندہ رہنے نہیں دے گی..... بہرحال تقدیر کمال کی پائی تھی کہ تھوڑے ہی دن کے بعد بالکل اتفاقیہ طور پر بیگ صاحب کے ذریعے مومل کا پتہ مل گیا..... یہ سب قدرت کے کھیل ہوتے ہیں..... ڈرے سہمے گھر واپس آئے تھے..... مومل کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا..... مشعل کو لے کر بیٹھ گئے تھے۔

"مشعل اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"ڈیڈی! مومل ٹھیک ہے تقدیر نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے..... آپ اس قدر پریشان نہ ہوں..... ہو جائے گا انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سمجھاؤں گی میں اسے۔"

"بیٹے مجھے ہدایت ملی ہے اگر اب بھی میں خود کو نہ سمجھالوں..... تو مجھ سے بڑا بے وقوف اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہو گا..... میں اب اپنا کاروبار ختم کر رہا ہوں..... جائزہ لوں گا کہ میرا کتنا بنک بیلنس ہے..... تم دونوں کو جو کچھ مجھے دینا ہے وہ الگ مخصوص کئے دیتا ہوں، باقی میری چھوٹی سی زندگی رہ جائے گی۔" مشعل نے اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا..... بہرحال شیراز صاحب نے دوسرے دن سے ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا..... جتنے پروجیکٹ

...رہے تھے..... ان کا اپنا ایک حساب کتاب بنایا..... جو رقم باہر پھیلی ہوئی تھی اس کا جائزہ لیا ...بینکوں میں تھی اس کے بارے میں پورے حساب کتاب درست کئے..... اُدھر وہ اپنے کام ...معروف تھے اور ادھر مشعل پوری منصوبہ بندی کے ساتھ مومل پر کام کر رہی تھی..... ...نے مومل سے کہا۔

"قدرت انسان کو موقع دیتی ہے مومل..... تم نے گھر چھوڑ دیا بیٹے حالانکہ میں ...تمہارے ساتھ تھی، میں نے ہر لمحے تمہارا ساتھ دیا تھا، مگر تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا اور اپنی ...کے لئے خود فیصلہ کر کے باہر نکل گئیں..... کیا یہ درست تھا۔"

"جو کچھ کہوں گی اس پر یقین کر لو گی باجی۔"

"ہاں..... یقین کر لوں گی..... یقین کرنا بھی چاہتی ہوں اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ مجھے ...بہن اور ڈیڈی کو اپنا باپ سمجھ لو تم اور یہ بھی سوچ لو کہ ہم سے زیادہ دلدار اور کوئی نہیں ...تمہارے لئے۔"

"تو باجی تم یقین کر لو میں ہوش و حواس کے عالم میں گھر سے باہر نہیں گئی تھی، وہ ...کہیں گم ہو گیا ہے..... میرے دل نے کہا کہ میں اسے تلاش کروں اور میں چل ...

"تمہارا زندگی کا کچھ تجربہ حاصل کیا تم نے۔"

"ہاں..... یہ کہ اگر تقدیر ساتھ نہ دے تو باہر کی فضا کم از کم لڑکیوں کے لئے سازگار ...نہیں..... چہرے پہچاننا ایک انتہائی مشکل کام ہے، کبھی کبھی ایسے مل جاتے ہیں جو زندگی کا ...سب کچھ چھین لیتے ہیں۔"

"تم کہنا چاہتی تھی میں کیا تمہیں ایسا کوئی ملا۔"

"ہاں! وہ ایسے تھے جن پر اعتبار کرنے کو دل چاہتا ہے وہی برے نکلے اور وہ جو شکل و ...صورت سے برا تھا اس نے مجھے بہن بنایا اور برائیاں چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔" مومل نے ...کہانی مشعل کو سنائی اور مشعل نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتے ہوئے کہا۔

"خدا تجھے عقل دے موحل کہیں بھی تباہ ہو سکتی تھی اور کیا اس تباہی کے بعد اگر شاہ گل تجھے مل جاتا تو تو اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر سکتی تھی...... داغوں سے بھرا چہرہ لئے کیا تو اس کے سامنے جا سکتی تھی۔"

"نہیں۔"

"تو پھر۔"

"کہاناں! ہوش و حواس ساتھ چھوڑ چکے تھے مگر اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

"ہاں! لیکن کیا میں اس بات پر یقین کر لوں کہ اب تو مجھے دغا نہیں دے گی...... دیکھو موحل اپنی ذات کے لئے تو سب ہی جیتے ہیں، بلکہ ہر شخص اپنی ذات کے لئے جیتا ہے...... میں اس لئے تیرے بارے میں فکر مند ہوں کہ تو میری بہن ہے...... مجھے تجھ سے محبت ہے اور میری محبت تیری جدائی برداشت نہیں کر سکتی...... یعنی بات وہی میری اپنی ذات تک آگئی ناں...... یہ ہی کیفیت ڈیڈی کی ہے اور یہی کیفیت تیری، شاہ گل کو تو اس لئے تلاش کر رہی ہے کہ تجھے اس سے محبت ہے...... خیر چھوڑ ان باتوں کو اگر تیری محبت میں سچائی ہے تو شاہ گل ضرور تیرے پاس پہنچے گا...... کیا تو دل کی طلب سے ناواقف ہے اور کیا اس کی قوت سے انکار کرتی ہے۔"

"پتہ نہیں باجی ایسا ہوتا ہے یا نہیں۔"

"ہوتا ہے موحل ہوتا ہے۔"

"باجی مجھے کوئی تدبیر بتاؤ نجانے وہ کہاں چلا گیا۔"

"دیکھ اللہ سے لو لگا نمازیں پڑھ، دعائیں مانگ، وظیفے پڑھ واپس آ جائے گا...... وہ تجھ سے رجوع ہو جائے گا، محبت کرنے لگے گا وہ تجھ سے کیا سمجھی...... گھر سے بھاگ جانا اسے تلاش کرنے کی کوشش کرنا یہ سب احمقانہ عمل ہیں جو تیری جیسی عمر کی لڑکی کر سکتی ہے لیکن نتائج جو نکلتے ہیں وہ یہ ہوتے ہیں کہ ایسی لڑکیوں کی لاشیں میں دریاؤں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یا پھر وہ کسی بلند جگہ سے گر کر خودکشی کر لیتی ہیں، یا گلے میں پھندا لگا کر لٹک جاتی

...... یہ ساری کہانیاں سامنے آتی رہتی ہیں...... نگاہوں سے دور کی باتیں نہیں ہیں یہ اور ...نی راستوں پر چل رہی ہے، ان عام اور گھٹیا لڑکیوں کی طرح...... اللہ سے لو لگا دیکھ کیا ملتا ہے تجھے۔" موحل نے پر عقیدت انداز میں گردن ہلائی تھی...... مشعل اسے بہت دیر تک سمجھاتی رہی اور اس کا نتیجہ بہتر نکلا...... موحل نے غسل کر کے جائے نماز تلاش کی اور اس کے بعد اپنے کمرے کے وسط میں بیٹھ گئی...... مشعل نے دروازے سے اسے دیکھا تھا اور مطمئن انداز میں گردن ہلا کر باپ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی...... شیر از صاحب اس وقت اپنے کمرے ہی میں بیٹھے ہوئے تھے...... ان کے سامنے رجسٹر رکھے ہوئے تھے...... مشعل کو دیکھ کر مطمئن انداز میں گردن ہلائی اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور مشعل ان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔"

"یہ دیکھو تقریباً چھتیس لاکھ روپے باہر پھیلے ہوئے ہیں...... یہ مکان اور تھوڑی سی جائیداد کل مل کر تقریباً 60 لاکھ روپے نقد پڑے ہوئے ہیں...... گویا ڈیڑھ پونے دو کروڑ کے اثاثے ہیں، میں نے اپنے ایک دوست سے کہا ہے کہ ایک گن مین مجھے مہیا کر دے وہ دروازے پر پہرہ دیا کرے گا...... اسے میں ہدایت کر دوں گا کہ اگر کبھی موحل کو تنہا باہر جاتے ہوئے دیکھے تو ہر قیمت پر اسے روک دے...... اب وہ خطرہ مول نہیں لے سکتا، میں جس سے دوچار ہو چکا ہوں...... تمہارے لئے میں نے رشتے کی تلاش شروع کر دی ہے...... تم دونوں کے لئے میرے پاس بہت کچھ ہے، یہ مکان اپنے لئے رہنے دوں گا...... باقی سب کچھ تمہیں دے دوں گا...... کوئی اچھا رشتہ مل جاتا ہے تو انشاء اللہ سب سے پہلے تمہارا بندوبست کر رہا ہوں، کم از کم اس طرح مجھے ایک بیٹے کا سہارا حاصل ہو جائے گا...... داماد بیٹوں سے کم نہیں ہوتے، اچانک ہی میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں...... وہ مضبوطی ختم ہو رہی ہے میرے اندر...... میں نے اپنے سارے پراجیکٹ تقسیم کر دیئے ہیں، جو کچھ کر رہا ہوں اسے بھی فروخت کرنے کا اعلان کر دیا ہے...... بس اب میں تم لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں...... مجھے ایک دم احساس ہوا ہے کہ غلطی میری ہی تھی ورنہ یہ سب کچھ

نہ ہوتا..... اب اصل بات آجاتی ہے شاہ گل کی تو ایسا کرتے ہیں مشعل کہ کسی مناسب وقت میں اور تم شاہ گل کے گھر چلتے ہیں..... وہاں ان لوگوں سے معلومات حاصل کرتے ہیں، جیسے کہ تم نے مجھے بتایا کہ وہ بھی دونوں ساس بہوئیں اور ایک ملازم ہے وہ اس انداز میں سب کچھ نہیں کر پا رہے جس انداز میں انہیں کرنا چاہئے..... ہم ان کی مدد کریں گے جہاں تک ممکن ہو سکا شاہ گل کو تلاش کریں گے اور آخری عمل یہ ہوگا میرا کہ اگر شاہ گل نہ ملا تو پھر موحل کو کسی مناسب ہاتھوں میں دینا ہوگا..... مشعل نے بے چینی سے باپ کو دیکھا کچھ کہنے کے بارے سوچا لیکن پھر فیصلہ کیا کہ یہ کہنا مناسب نہیں ہوگا..... وقت آنے پر ہی باپ کو اس کے عمل سے روکا جائے گا..... جانتی تھی کہ موحل شاہ گل کے علاوہ کسی اور کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گی..... ہزار جانیں ہوں گی تو ہزار جانیں دے دے گی وہ..... شاہ گل کے نام پر زندگی کا آخری لمحہ تک گزار دے گی، لیکن کسی اور کے لئے کبھی تیار نہیں ہوگی، جہاں تک باپ کا کہنا تھا کہ خود مشعل کی شادی کی جائے تو اس کے لئے بھی مشعل تیار نہیں تھی..... وہ باپ اور بہن کو اس حال میں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

موحل گھر آگئی..... وہ خود اپنے آپ کو کوستی تھی..... سارے گھر کو برباد کر کے رکھ دیا ہے میں نے..... کتنے افسوس کی بات ہے..... کتنے خوش رہا کرتے تھے ہم..... لیکن اب..... اور پھر گھر سے نکل کر تو بہت ہی برا قدم اٹھایا تھا میں نے..... وہ..... میری بہن اور میرے باپ کو میری وجہ سے کتنی تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔

"باجی میں نے بہت برا کیا تھا نہ شاید مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا نہ، باجی یقین کرو میرے ہوش و حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ ورنہ باجی..... ورنہ میں اتنی بہادر نہیں ہوں..... تم یقین کرو باجی باہر نکلنے کے بعد بھی مجھے یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ یہ دنیا میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی..... باجی تھوڑا سا تجربہ اس دنیا کا ہو گیا مجھے..... ہم اس دنیا میں رہنے والوں کو شناخت نہیں کر سکتے..... کوئی کچھ نظر آتا ہے اور کچھ ہوتا ہے اور کوئی کچھ ہوتا ہے اور کچھ نظر آتا ہے..... باجی مجھے اچھے برے تمام ہی لوگ ملے، لیکن لیکن اتنا میں

جانتی ہوں کہ آپ لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی ہوگی، میری وجہ سے۔" مشعل نے محبت بھری نگاہوں سے اپنی بہن کو دیکھا اور بولی۔

"تجھے بس احساس ہو گیا اتنا کافی ہے..... دیکھ موحل! زندگی میں بہت سارے نشیب و فراز آتے ہیں..... ہم صرف اپنے لئے تو نہیں جیتے، ہماری ماں نہیں ہے اور ہمارے باپ نے جس طرح ہمیں پرورش کیا ہے اس کا تھوڑا بہت احساس تجھے بھی ہوگا..... بے شک ڈیڈی اپنے کاموں میں مصروف رہے ہیں، مگر تو مجھے بتا کہ ان کا نظریہ کیا رہا ہے..... ہمارے لئے اچھے مستقبل کی تلاش ناں اور موحل اگر کسی مرحلے پر ہم انہیں دور کے انسان کی حیثیت سے تنہا چھوڑ دیں تو تو مجھے بتا کہ کیا ہمارا مناسب عمل ہے؟ موحل اس سے زیادہ بری بات اور کوئی نہیں ہو سکتی..... موحل میں نے..... میں نے ڈیڈی کو چھپ چھپ کر روتے ہوئے دیکھا ہے..... پتھر کی آنکھ سے آنسو بہتے ہوئے دیکھے ہیں میں نے..... موحل ایسا پھر کبھی نہ کرنا۔"

موحل زار و قطار رونے لگی اور روتے ہوئے بولی۔

"نہیں کروں گی باجی بڑی غلطی کی تھی میں نے، مگر باجی ایک بات بتاؤ..... کوئی اگر کسی کی طلب بن جاتا ہے تو اس کا پس منظر کیا ہوتا ہے..... باجی میں اتنی بے غیرت ہو گئی ہوں کہ اب تم سے ہر طرح کی بات کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی شرم و حیاء تو میری اسی وقت رخصت ہو گئی تھی، جب میں نے مجرمانہ انداز میں گھر سے باہر قدم نکالا تھا..... اب اگر میں شرمانے کی کوشش کروں گی تو وہ صرف اداکاری ہوگی..... میرے جیسی بے غیرت لڑکیاں شرم و حیاء کی پتلیاں نہیں کہی جا سکتیں، مگر باجی وہ بہت..... وہ بہت اچھا لگتا تھا مجھے..... باجی میں نے خود کو لاکھوں بار سمجھانے کی کوشش کی..... اپنے آپ سے نفرت کی، لعنت بھیجی اپنے آپ پر کہ ایک انسان کی طلب نے مجھے دوسرے تمام انسانوں سے بیگانہ کر دیا ہے، مگر باجی اب بھی رات کی تنہائیوں میں اس کا چہرہ تیرتا ہوا مجھ تک آتا ہے اور میں بے کل ہو جاتی ہوں..... باجی مجھے اس کی طلب نہیں ہے، میں کیا چاہتی ہوں اگر یہ میری سمجھ میں آجائے تو میں اپنی اس سوچ کو قتل کر دوں..... ٹکڑے ٹکڑے کر دوں میں اس سوچ کے، جس میں

ہے۔"

"عبادت کرتی ہوں باجی۔"

"دیکھو موحل عبادت کے لئے بھی وقت اور طریقہ کار متعین ہیں...... تم [illegible] میں حد سے تجاوز کر جاتی ہو...... اتنی عبادت بھی نہ کرو کہ بیمار پڑ جاؤ۔" موحل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"باجی سچ کہہ رہی ہوں آپ سے میں تو اپنے اندر بڑی توانائی محسوس کر رہی ہوں پہلے دل ڈوبا ڈوبا رہتا تھا...... کیفیت کمزور کمزور سی محسوس ہوتی تھی، لیکن اب میرے اندر ایک توانائی ہے۔" مشعل نے محبت بھری نگاہوں سے بہن کو دیکھا پھر بولی۔

"مجھے یقین ہے تم میری بات کا برا نہیں مانو گی، بس اتنی عبادت کیا کرو کہ سکون حاصل ہو جائے...... ساری ساری راتوں کو جاگنا مناسب نہیں ہوگا...... چلو جاؤ ناشتہ کرو اور تھوڑی دیر آرام کر لو۔" ناشتے کے بعد موحل اپنے بستر پر لیٹ گئی...... اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں رات کا تصور اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت جگا رہا تھا...... کتنا اچھا لگ رہا تھا وہ پھول کی طرح کھلا ہوا...... یہ خواب اور خاص طور سے جاگتی آنکھوں کے خواب کیسے انوکھے ہوتے ہیں...... پھول میں نظر آیا تھا وہ مجھے اور وہ پھول میں نے اپنے سینے میں چھپا لیا تھا...... دفعتاً ہی موحل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... پھول کو لباس میں چھپانے کا تصور دل میں آیا تو سینے پر ایک ہلکی سی سرسراہٹ کا احساس ہوا اور اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر پہنچ گیا اور پھر بدن میں جو سنسنی طاری ہوئی تھی اس میں شدت آ گئی...... گریبان سے وہ حسین پھول برآمد ہو گیا تھا جو اس نے عالم خواب میں سینے میں چھپایا تھا، وہ پوری جان سے لرز گئی اور پھول کو گریبان سے نکال کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی...... آہ! وہ تو صرف ایک خواب تھا، ایک تصور وہ تو خاموش بیٹھی ہوئی عبادت میں مصروف تھی کہ ذہن شاہ گل کی جانب چلا گیا تھا، مگر یہ پھول یہ کہاں سے آیا...... گزرے ہوئے دن کا پورا تصور ذہن میں تھا، لیکن پھول کی موجودگی کہیں سے بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی...... وہ بے چین ہو کر اپنی

[illegible] اٹھ گئی...... پھول [illegible] نے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا جیسے شاہ گل [illegible] پتیوں سے چھپائے چھپا رہی ہو...... وہ پھول کی پتیوں سے اندر آنکھیں [illegible] کیا شاہ گل اس پھول میں قید ہے...... یہ کیا اسرار ہے، یہ کیا اسرار ہے اور پھر اس پھول کی جانب بے پناہ محبت محسوس ہونے لگی...... اس نے اپنے زیورات میں سے مخمل کا ایک [illegible] زیور نکال کر اسے ایک طرف ڈالا اور پھول کو بڑے پیار اور بڑے احترام سے اس میں رکھا، پھر اس ڈبے کو ہاتھوں میں لئے چاروں طرف گھومتی رہی...... کہاں اسے کہاں چھپاؤں، آخر کار الماری کے ایک گوشے میں اس نے وہ ڈبہ محفوظ کر دیا اور سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی...... الٰہی یہ کیا معجزہ ہے...... یہ خواب حقیقت کیسے بن گیا...... ساری باتیں اپنی جگہ، لیکن پھول کہاں سے آیا، اس بات کا اسے کوئی جواب نہیں مل سکا اور پھر دوسری رات وہ دوبارہ اسی تصور میں بیٹھ گئی...... یہ تو بڑی دلچسپ اور دلکش بات ہے اور یہی ہوا وہ بیٹھی ہوئی آنکھیں بند کئے کچھ پڑھ رہی تھی...... نماز وغیرہ سے فراغت حاصل ہو چکی تھی اور اب صرف بیٹھے رہنے کا عمل جاری تھا کہ عقب میں اسے آہٹیں محسوس ہوئیں...... ایک لمحے تک تو دل نے چاہا کہ پلٹ کر دیکھے پھر خیال آیا ضرور مشعل ہو گی، جو اسے جاگتے دیکھ کر یہاں آئی ہے...... بے پناہ محبت کرتی تھی وہ موحل سے، اب اس کے لئے راتوں کو جاگے گی...... شرمندگی کے انداز میں پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گئی...... شاہ گل تھا اور مجسم تھا، خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا...... موحل نے چاروں طرف دیکھا یہ یہاں کیسے آ گیا، قرب وجوار میں سناٹا چھایا ہوا تھا...... شاہ گل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے کبھی کبھی ہم کسی کو دل اور جان سے زیادہ چاہتے ہیں، لیکن جب وہ سامنے آ جاتا ہے تو اس خوف کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔"

"م...... مگر شاہ گل...... شاہ گل تم یہاں کہاں سے آ گئے۔"

"آؤ...... یہاں بیٹھ کر باتیں کرنا ذرا اچھا نہیں لگتا...... آؤ...... یہاں سے چلتے ہیں۔"

"م...... مگر کہاں۔"

"آؤ جس میں بتاتا ہوں کیا تم مجھ سے بے اعتباری کا اظہار کر رہی ہو۔"

"اس کائنات میں تم سے بڑا اعتبار تو میرے لئے کوئی ہے ہی نہیں۔" وہ بولی اور شاہ گل کے ساتھ آگے بڑھ گئی..... شاہ گل کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی وہ اپنی رہائش گاہ سے نکل گئی۔ چند ہی قدم طے کرنے کے بعد شاہ گل اسے ایک خوبصورت پارک میں لے گیا..... انتہائی حسین موسم بناڈالا تھا اور موسم اتنا خوبصورت تھا کہ خواہ مخواہ دل میں امنگیں جاگنے لگی تھیں..... پھولوں کے ایک کنج کے پاس بیٹھ کر شاہ گل نے اس سے کہا۔

"جی اب کہئے موہل صاحب آپ تو مجھ سے بڑا گریز کر رہی تھیں۔"

"تم سے گریز نہیں کر سکتی شاہ گل! پتہ نہیں تقدیر میں کیا لکھا گیا تھا..... شاہ گل کیا تمہیں مجھ پر گزری ہوئی باتوں کا علم ہے۔"

"بات اصل میں یہ ہے موہل! کہ محبت تو کی جاتی ہے، لیکن محبت کو پانے کا تصور ذرا سا بدل گیا ہے..... لوگ یہ سوچتے ہیں کہ محبوب کی قربت ہی محبت کی انتہا ہے، حالانکہ محبوب کی قربت محبت کے تصور کو پامال کر دیتی ہے..... دوری میں جو مزا ہے، جس طرح سلگ سلگ کر زندگی گزرتی ہے..... اس کا حسن ہی الگ ہے۔" موہل لاجواب ہو گئی اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"لیکن شاہ گل تم چلے کہاں گئے تھے۔"

"میں تو کہیں نہیں گیا موہل! تم دیکھ لو کتنا قریب ہوں تمہارے..... جب بھی آواز دو گی مجھے خود سے دور نہیں پاؤ گی، لیکن میرے لئے در در بھٹکنا میں سمجھتا ہوں، میری ہی توہین ہے۔"

"معافی چاہتی ہوں آئندہ ایسا نہ ہوگا۔" ساری رات اسی طرح گزر گئی..... صبح کی روشنی نمودار ہونے کو تھی تو شاہ گل نے کہا۔

"اب اجازت دو گی..... آؤ تمہیں تمہاری جگہ چھوڑ دوں۔" اور تھوڑی دیر کے بعد موہل اپنی آرام گاہ میں اسی جائے نماز پر موجود تھی..... اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور مسرت سے سرشار تھی..... محبوب کی یہ قربت اس کے لئے نئی زندگی بن گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

نواب جانی نے اسے دیکھا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا..... پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر اس کی حیرت زدہ آواز اُبھری۔

"گلفام! کیا یہ واقعی تو ہی ہے..... چمن زادے۔" شاہ گل خاموشی سے نواب جانی کو دیکھتا رہا..... ماضی کے لاتعداد واقعات ذہن میں تازہ ہو گئے..... اپنا گھر، ماں، دادی، غلام خیر، موہل اور باقی تمام افراد..... یاقوت بھی یاد تھی، لیکن اس سے کوئی ذہنی لگاؤ نہیں تھا..... نواب جانی نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا اور وہ خاموشی سے ماضی کی چادر کے دوسری جانب جھانک رہا تھا..... نواب جانی نے کہا۔

"کیا مجھے نہیں پہچانا گلفام! میں نواب جانی ہوں..... تیرا دوست..... تجھے زندہ دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی ہوئی ہے..... شاید چندا! تیرے ماں باپ کو بھی نہ ہوتی، مگر تو کس طرح مجھے اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے..... مان لیا کہ تیرا میرا بہت ساتھ نہیں رہا ہے..... مان لیا کہ تو نے پہلے بھی کبھی مجھے اتنی اہمیت نہیں دی ہے، لیکن چندا! ایسا تو نہیں کرتے محبت کرنے والوں کے ساتھ..... بولے گا نہیں۔"

"میں آپ کو پہچان گیا نواب صاحب!"

"تو گلے کیوں نہیں لگ رہا میرے۔" اور پھر نواب جانی نے آگے بڑھ کر شاہ گل کو اپنے سینے سے لپٹا لیا تھا..... بہت دیر تک وہ شاہ گل کو گلے سے لپٹائے رہا اس کی آنکھوں میں مسرت سی جاگ رہی تھی، پھر اس نے شاہ گل کو سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس میا کے جنے نے بم کا دھماکہ کیا تھا تو بھی بچ گیا...... مجھے بھی اللہ نے بچادیا، لیکن فرصت کر اب تو مل گیا ہے مجھے...... چھوڑیں گے نہیں دونوں مل کر اسے...... ہمارا سامنا نہیں کر سکے گا وہ، تو دیکھ لینا۔" جواب میں شاہ گل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی......اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے انہیں قتل کر دیا ہے نواب صاحب!"

"کیا۔" نواب جانی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں...... میں نے اسے اور اس کے ایک ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور اسی قتل کے نتیجے میں گرفتار ہو کر یہاں پہنچا ہوں۔"

"قت...... قتل کر دیا۔" نواب جانی ہکلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں" ...... "ارے واہ...... میری جان جتنی زندگی ہے اس سے دس گناہ زیادہ جیو...... یہ ہوتی ہے مردوں والی بات، وہ لڑکی کہاں گئی۔"

"اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم۔"

"مطلب۔"

"مجھے اس سے کوئی خاص لگاؤ تھا بھی نہیں...... وہ تو زبردستی بس مجھے وہاں مل گئی تھی، کیونکہ میری شناسا تھی اس لئے میں نے اس پر توجہ دے دی تھی...... سکندر سے اس کا کیا رشتہ اور کیا رابطہ تھا...... یہ میں نہیں جانتا تھا...... باقی ساری باتیں جو ہوئیں اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔"

"ہوں...... خیر مگر تو نے قتل کر دیئے...... مقدمے کا فیصلہ ہو گیا کیا۔"

"نہیں ابھی تو گرفتار ہوا ہوں۔"

"شکر ہے مولا کا۔" نواب جانی نے پرخیال انداز میں کہا...... بہرحال جیل میں نواب جانی کا ساتھ غنیمت تھا...... نواب جانی کی یہاں ایک حیثیت ایک عزت تھی، لیکن کبھی کبھی شاہ گل کو اس کے چہرے پر ایک مکاری رقص کرتی نظر آتی تھی...... نواب جانی نے شروع

...ے اس پر کچھ اہم توجہ دی تھی اور اس کی وجہ شاہ گل کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی، ...ن بہرحال کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ شاہ گل تو ایسی باتوں پر توجہ ہی نہیں دیتا ... غرض یہ کہ نواب جانی کی وجہ سے شاہ گل کو جیل میں بھی کافی آسانیاں حاصل ...ہو گئیں...... بہت سی پرانی یادیں نواب جانی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے تازہ ہو جاتی ...تھیں...... ان یادوں میں مومل کی یاد بھی شامل تھی اور اپنے گھر کی یاد بھی...... بہرحال ساری ...باتیں اپنی جگہ مقدمے کی پیشیاں ہو رہی تھیں اور اس کے لئے جو وکیل مقرر ہوا تھا وہ بھی ...سرکاری حیثیت سے ہوا تھا، لیکن مقدمہ انتہائی کمزور تھا...... ایک کانسٹیبل کو شدید زخمی کرنا ...اور دو افراد کو قتل کر دینا...... کوئی معمولی جرم نہیں تھا، نتیجہ صاف نظر آ رہا تھا...... سزائے ...موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہونا تھا...... نواب جانی نے ایک رات بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"شاہ گل! مقدمے کا فیصلہ جلد ہو جانے کی توقع ہے...... وجہ یہ ہے شہزادے کہ تیری ...طرف سے کوئی باقاعدہ پیروی نہیں ہو رہی اور بس سرکاری خرچ پر کیا جانے والا وکیل صرف ...فرض پورا کر رہا ہے...... بات یہ نہیں ہے چندا! کہ میں تیری طرف سے وکیل نہیں کھڑا ...کر سکتا...... لائن لگا دوں وکیلوں کی کیونکہ تیرا دوست ہوں تیری بہتری چاہتا ہوں، لیکن وجہ ...یہ اور ہے...... وجہ یہ ہے شہزادے! کہ میرے دل میں ایک اور خیال ہے تیری زندگی تو بچانی ...ہے...... اللہ نے چاہا ہر طریقہ کار مختلف ہوگا...... آج میں تجھے بتائے دیتا ہوں...... یہ کام ...ہفتے بھر کے اندر اندر ہو جائے گا...... دیکھ مقدمے کا فیصلہ تیرے خلاف ہونے والا ہے اور بھی ...وکیل کرتا تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ کر سکتے تھے کہ تیری موت کی سزا، عمر قید کی سزا میں تبدیل ...کرا دیتے، مگر تجھے عمر قید تو کیا ایک دن کی قید بھی مجھے گوارا نہیں ہے...... یہاں میری قید کے ...کچھ دن باقی رہ گئے ہیں...... ایک خاص سلسلے میں سزا ہو کر آیا تھا یہاں...... اصل میں جیل ...بھی ضروری ہے...... اس لئے کبھی کبھی یہاں چلا آتا ہوں...... خیر جو بات اب میں بتا رہا ...ہوں اسے ذرا غور سے سن...... منگل کے روز میری پیشی ہے...... اس دن کے لئے میں نے کچھ ...بندوبست کر لیا ہے...... شہر کے ایک حصے میں ڈاکہ زنی کی واردات ہوگی...... تھوڑے سے

بندے زخمی کردیئے جائیں گے، جس علاقے میں یہ کام میں کررہا ہوں وہاں کے لوگ ذرا زیادہ
سر پھرے ہیں...... جلوس نکالیں گے، ٹائر جلائیں گے، اسی دن تجھے پیشی کے لئے لے
جائے گا...... میں بھی ساتھ ہوں گا کیوں کہ اتفاق سے اس دن میری پیشی بھی پڑی ہے
تجھے وہاں سے فرار کرانا ہے...... بم کا دھماکہ ہوگا، میں تجھے نیچے اتار دوں گا...... ایک کار کھڑی
ہوگی جو تجھے لے کر جائے گی...... وہ لوگ تجھے جہاں لے جائیں بے دھڑک اور بے فکری سے
چلے جانا...... باقی سارے کام میری ذمہ داری ہے...... کیا سمجھا۔"

"مگر۔"

"نہیں بیٹا! ایک بات دماغ میں رکھیو۔ جہاں دماغ میں یہ مگر مچھ گھسا...... سب کچھ ختم
ہو جاتا ہے...... تیرے لئے جو کچھ میں کررہا ہوں...... بلاوجہ نہیں کررہا، میں بھی تجھ سے
معاوضہ وصول کروں گا، مگر خیال رکھنا یہی تیرے حق میں بہتر ہے ورنہ اس پیاری پیاری
زندگی کو...... موت بناکر گلے مت لگالینا...... سمجھ گیا نا میری بات۔" شاہ گل نے گردن
جھکادی تھی...... پتہ نہیں نواب جانی اس سے کیا چاہتا ہے...... اس کی زندگی تو کسی کے قابل
بھی نہیں ہے نواب جانی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے...... لیکن بہرحال اس نے جو کچھ کہا تھا، وہ
قابل غور تھا اور کئی بار شاہ گل نے سوچا تھا کہ یہ نواب جانی خاصی خطرناک شخصیت معلوم
ہوتی ہے...... خیر خوف و دہشت تو کچھ بھی نہیں تھا، اس کے دل میں...... لیکن پھر بھی
نجانے کیوں ایک عجیب سا احساس دل پر طاری رہتا تھا...... آخرکار وہ دن آگیا، جب اسے
پیشی کے لئے عدالت جانا تھا...... نواب جانی کی بات اسے یاد تھی...... بڑی سی گاڑی میں نواب
جانی بھی اس کے ساتھ موجود تھا اور بھی چند افراد تھے اور اس طرح بے تعلق نظر آرہے
تھے...... جیسے کسی کو اس بارے میں معلوم ہی نہ ہو کہ کیا ہونے والا ہے...... نواب جانی خود
بھی بے تعلق بیٹھا ہوا تھا...... یہاں تک کہ گاڑی چل پڑی اور پھر مقررہ جگہ پہنچ گئی...... بم
دھماکہ ہوا اور شاید گاڑی کو نقصان بھی پہنچا...... شور افراتفری نواب جانی نے فوراً ہی عمل
شروع کردیا، اس نے بڑے اطمینان سے اپنی جیب سے ان ہتھکڑیوں کی چابی نکالی جو شاہ گل

کے ہاتھوں میں لگی ہوئی تھیں اور پھر گاڑی کا دروازہ کھولا اور نواب جانی نے شاہ گل کو
دروازے کی جانب دھکیل دیا...... شاہ گل کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ نواب جانی یہ عمل کرے
گا وہ بری طرح دروازے سے باہر جاکر گرتے گرتے لگا، لیکن کچھ افراد نے اسے سنبھال لیا......
ہر طرف دھوئیں کے بادل گردش کررہے تھے...... آنسو گیس آنکھوں کو اندھا کئے دے رہی
تھی شاہ گل کی آنکھوں میں بھی مرچیں لگ گئیں، لیکن اسے سنبھالنے والے شاید کسی
طریقے سے اس آنسو گیس سے محفوظ تھے...... وہ شاہ گل کو دونوں بازوؤں سے پکڑے ہوئے
ایک گاڑی تک پہنچے...... اسے گاڑی میں دھکیلا گیا اور اس کے بعد گاڑی سٹارٹ ہوکر چل
پڑی...... غالباً سارے سفر کے دوران ہی شاہ گل کی آنکھیں تکلیف کا شکار رہی تھیں اور وہ
آنسو گیس کے اثرات سے خود کو آزاد نہیں کرپایا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک
عمارت میں اُتارا گیا اور اندر پہنچادیا گیا...... یہاں اس نے واش روم میں جاکر چہرہ وغیرہ
دھویا...... تب آنکھوں کی حالت بہتر ہوئی تھی...... آنکھیں بری طرح سوجھ گئی تھیں اور
سرخ ہوگئی تھیں...... تکلیف کا احساس اب بھی تھا، چنانچہ شاہ گل سوچے سمجھے بغیر ایک
مسہری پر دراز ہوگیا...... نواب جانی نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا تھا اور شاہ گل آزاد ہوکر یہاں
تک پہنچ گیا تھا، لیکن بہرحال بالکل ہی بے وقوف نہیں تھا...... پڑھا لکھا تھا کہ بات اسے یاد
تھی کہ وہ دو افراد کے قاتل کی حیثیت سے سزائے موت پانے والا تھا...... بہرحال کافی دیر
تک وہ لیٹا رہا اس کے بعد ایک دراز قد آدمی اندر آیا اور اس نے بڑے احترام سے کہا۔

"براہ کرم لباس وغیرہ تبدیل کرلیجئے...... آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی......
آپ کے خادم آپ کا ہر طرح خیال رکھیں گے...... نواب صاحب نے ہم سب کو یہی حکم دیا
ہے کہ آپ کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے...... پھر بھی اگر ہم سے کوتاہی ہو جائے
تو آپ براہ کرم ہم سے یہ بات بتانے میں گریز مت کیجئے گا۔" شاہ گل ایک ٹھنڈی سانس لے
کر خاموش ہوگیا تھا......

❁❁❁

شیراز صاحب کی سوچ کے انداز میں اس قدر گہرائی نہیں تھی، جس قدر معاملہ سنگین تھا...... انہیں صرف اس بات کا اندازہ تھا کہ ان کی لاپرواہی اور لڑکیوں کی طرف سے بے توجہی سے موحل بھٹک گئی تھی اور اسی بھٹکنے کی وجہ سے وہ گھر سے چلی گئی تھی...... موحل کے وجود کی گہرائیوں میں جو کچھ آباد تھا، اس سے وہ بالکل ناواقف تھے اور بس اسی سوچ کا شکار رہتے تھے کہ بچیوں کے لئے جلد سے جلد ان کا مستقبل مہیا کر دیا جائے...... مشعل بڑی تھی اور موحل چھوٹی، اب تک صرف کاروبار پر توجہ دیتے رہے تھے اور بہت سی باتوں پر غور نہیں کیا تھا، لیکن اب غور کرنا ضروری تھا...... بہت سے دوستوں سے کہہ رکھا تھا کہ بچیوں کے لئے اچھے رشتے کی ضرورت ہے...... ایک کرم فرما نے احمد نثار صاحب سے ملاقات کرائی...... احمد نثار ایک بڑے بزنس مین تھے...... ان کا بیٹا توصیف نثار اکلوتا تھا...... ایم اے کرنے کے بعد باپ کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا اور بہت ہی اچھی زندگی گزر رہی تھی سلیقے کا نوجوان تھا، چنانچہ جب یہ ساری صورت حال پیش آئی تو احمد نثار صاحب، شیراز صاحب کے گھر پہنچ گئے...... شیراز صاحب کے دوست نے ساری صورت حال بتا دی تھی کہ شیراز صاحب کی دو بیٹیاں ہیں...... دونوں ہی کے لئے رشتے درکار ہیں...... بہر حال توصیف اور احمد نثار اپنی اہلیہ کے ساتھ جب شیراز صاحب کے گھر پہنچے تو شیراز صاحب نے ان کا پرجوش استقبال کیا...... احمد نثار صاحب کی اہلیہ زرینہ بیگم گھر کے ماحول سے بے حد متاثر ہوئی تھیں اور شیراز صاحب نے توصیف کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی توصیف میاں! لیٹ ہو گئے تھوڑے سے میں اب شوبزنس چھوڑ چکا ہوں چھوڑا ہوتا اور اپنا کوئی سیریل وغیرہ بنا رہا ہوتا تو یقینی طور پر تمہیں آفر کرتا کہ میرے سیریل میں ہیرو کا کردار ادا کرو۔" شیراز صاحب کے دوست جمیل احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیراز صاحب آپ کے سیریل میں ہیرو کا کردار تو توصیف اب بھی ادا کرنے کے لئے تیار ہے...... بشرطیکہ آپ اسے اپنے اس لائف ٹائم سیریل میں کردار دینا پسند کریں۔" جمیل احمد صاحب کی گہری بات پر سب ہی قہقہے لگا کر ہنس پڑے تھے...... زرینہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

"یہ عمدہ بات کہی ہے واقعی ہم سب کی زندگی ایک سیریل ہی تو ہے...... کہانیاں شروع ہوتی ہیں...... آگے بڑھتی ہیں...... نئے نئے کردار ان میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور اسی طرح سیریل چلتا رہتا ہے...... بھئی جمیل بات آپ نے بڑی لاجواب کہی ہے...... بچیاں کہاں ہیں۔"

"آ رہی ہیں۔" شیراز صاحب نے ملازمہ کو حکم دیا کہ موحل اور مشعل کو بلایا جائے...... مشعل اور موحل کمرے میں بیٹھی ہوئی اسی موضوع پر بات کر رہی تھیں...... باپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ کچھ خاص مہمان آنے والے ہیں، اس لئے عمدہ طریقے سے تیار ہو جاؤ...... مشعل نے اپنی مخصوص ملازمہ حسینہ سے پوچھا تھا۔

"حسینہ ایسے کون سے مہمان ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے...... ڈیڈی نے پہلی بار ذرا یہ انداز اختیار کیا ہے۔"

"بی بی صاحبہ! آپ تو بڑے صاحب سے بہت زیادہ بے تکلف ہیں...... آپ ان سے ہی معلوم کر لیتیں۔"

"تو نخرے کیوں کر رہی ہے، اگر معلوم ہے تو بتا دے۔"

"آپ کو دیکھنے کے لئے آ رہے ہیں۔" حسینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور مشعل کا چہرہ

بجھ گیا...... اس نے تشویش زدہ نگاہوں سے مومل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مومل آج تک کبھی میں نے ڈیڈی سے کوئی اختلاف نہیں کیا...... ہمیشہ ہی ان کی بات پر سر جھکایا ہے، لیکن ڈیڈی نے یہ جو کچھ کیا ہے وہ غلط کیا ہے...... ہمارے حالات ابھی ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم زندگی کے ان حالات سے آنکھیں ملائیں...... ہم ابھی بہت کچے ہیں...... ہمیں ابھی بہت کچھ سوچنا ہے۔"

"باجی میں کیا کہہ سکتی ہوں اس سلسلے میں، لیکن آپ ڈیڈی سے بات تو کریں۔"

"کچھ لوگ آئے ہیں ہمیں دیکھنے کے لئے...... یہ بتاؤ کیا کیا جائے...... کیا ابھی سے ڈیڈی سے اختلاف شروع کر دیا جائے، یا پھر بعد میں انہیں سمجھایا جائے۔" مشعل نے کہا اور مومل بے اختیار ہنس پڑی۔

"آپ نے بڑی دلچسپ بات کہی، باجی ہمیں دیکھنے آرہے ہیں...... بھلا مجھے کوئی دیکھ کر کیا کرے گا...... آپ اپنی خیر منایئے۔"

"نہیں مومل ہنسنے کی بات نہیں دیکھو! میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں...... ہونا تو وہی سب کچھ ہے جو ڈیڈی کر رہے ہیں...... ہماری شادی کرنا ہو گی انہیں، لیکن نہ تو میں تمہیں تنہا چھوڑ سکتی ہوں نہ ڈیڈی کو...... اگر عام حالات ہوتے تو ظاہر ہے ڈیڈی سے اختلاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن موجودہ حالات میں جبکہ نہ تمہاری کیفیت بہتر ہے اور ڈیڈی بیچارے ہماری وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر بیٹھ گئے ہیں...... میں شادی وادی کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔"

"فی الحال تو ڈیڈی کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہے...... باجی تم تیار ہو کر چلی جاؤ۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو تم۔"

"بھئی میری گنجائش کہاں ہے۔" مومل نے کہا اور مشعل اسے گھورنے لگی...... پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں میں محبت اُمنڈ آئی۔ مومل کی حالت اب کافی بہتر نظر آنے لگی تھی...... پچھلے دنوں اس پر جو دیوانگی اور جنون طاری تھا، اب اس میں کافی حد تک کمی ہو گئی

اور اس کی بنیادی وجہ اس کے وہ سنہرے خواب تھے، جو ایک عجیب و غریب نوعیت کے تھے...... نفسیات کی دنیا میں ایک انوکھا واقعہ، وہ جاگتی آنکھوں سے اپنی خواہش کے شاہ گل کو دیکھتی تھی اور شاہ گل کی بہت سی نشانیاں اس کے پاس ہوش و حواس میں آنے کے بعد بھی موجود ہوتی تھیں...... گویا جو تھا وہ صرف ایک خواب نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا پراسرار عمل تھا جس کی صحیح شکل کسی بھی طور سامنے نہیں آسکتی تھی۔ بہر حال اس وقت مہمان آئے ہوئے تھے اور ان کے سامنے جانا تھا، چنانچہ دونوں بہنیں باپ کی ہدایت کے مطابق تیار ہوئیں اور جب حسینہ ان کو بلانے کے لئے آئی تو وہ اس کے ساتھ چل پڑیں...... دونوں بے حد خوبصورت تھیں، کمرے میں داخل ہوئیں تو جیسے اُجالا پھیل گیا...... زرینہ بیگم ایک لمحے کے لئے بے خود ہو گئی تھیں...... اپنی جگہ سے اٹھیں دونوں بچیوں کو سینے سے لگایا اور پھر انہیں سامنے بٹھاتی ہوئی بولیں۔

"ماشاء اللہ! صحیح معنوں میں چاند کے ٹکڑے ہیں...... شیراز صاحب آپ نے تو انہیں سنبھال کر رکھا ہو گا۔"

"بس بھابی جان! بیگم کی موت کے بعد جو ذمہ داریاں انہیں سنبھالنی تھیں وہ مشعل نے سنبھالیں...... مجھے تو ان دونوں نے آزاد ہی چھوڑ دیا تھا...... اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ مجھ پر اپنے بھی کچھ فرائض ہیں اور بس اس کے بعد میں نے اپنے معمولات میں تبدیلی پیدا کی...... مشعل یوں سمجھ لیجئے اس گھر میں روشن ہے اور اسی نے اس گھر کو منور کر رکھا ہے۔"

"ماشاء اللہ! کیوں نہیں...... کیوں نہیں...... واقعی بہت پیاری بچیاں ہیں...... مشعل یہ ہے۔" زرینہ بیگم نے مشعل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... یہ مشعل ہے اور وہ مومل۔"

"کاش...... میرے دو بیٹے ہوتے تو میں ان دونوں کو ساتھ لے جاتی، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کسے چھوڑوں۔" زرینہ بیگم نے کہا بڑے خوشگوار حالات میں یہ گفتگو جاری رہی...... مشعل اور مومل خاموشی سے بیٹھی رہیں...... ناشتا شروع ہوا تو صیف پر شوق

نگاہوں سے دونوں بہنوں کو دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اس کی نظر کبھی ایک پر پڑتی کبھی دوسری پر اور وہ الجھن کا شکار نظر آتا۔۔۔۔۔۔ آخر کار اس کی نگاہیں مومل پر جم گئیں اور وہ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔۔۔۔۔۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔۔۔۔۔۔ مشعل اور مومل چلی گئیں۔۔۔۔۔۔ توصیف بہت دیر تک چشم تصور سے انہیں دیکھتا رہا اور پھر یہ نشست ختم ہوگئی۔۔۔

توصیف گھر پہنچا، ماں باپ بھی بہت خوش تھے۔۔۔۔۔۔ نثار احمد صاحب نے کہا۔

"بھئی توصیف میاں! آج تک ہمارے آپ کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ قائم نہیں رہا بلکہ ہم دونوں دوستوں کی طرح وقت گزارتے رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ اب آپ یہ بتائیے کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں، ہم تو واقعی زرینہ بیگم سے اتفاق کرتے ہیں کہ اگر ہمارا بس چلتا تو دونوں بچیوں کو ساتھ لے آتے، مگر کیا کریں زرینہ بیگم نے اپنی زندگی میں بہت کم کام کئے ہیں۔۔۔ ایک بیٹا اور پیدا کر لیتیں تو ہماری یہ مشکل حل ہو جاتی۔" توصیف ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ڈیڈی! آپ واقعی میرے بہت اچھے دوست ہیں اور دوستوں سے دل کی بات کہہ دینی چاہئے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں کچھ ہے۔۔۔۔۔۔ تمہارے دل میں۔"

"جی ڈیڈی۔"

"بھلا کیا! ہمیں بھی تو بتاؤ۔" نثار احمد صاحب نے کہا۔

"ڈیڈی ظاہر ہے آپ مشعل کے لئے میرا رشتہ دیں گے۔"

"ظاہر ہے کیوں۔"

"ڈیڈی میں مومل سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔ مجھے مومل پسند ہے۔" توصیف نے کہا اور گردن جھکالی۔

❀ ❀ ❀

نواب جانی کی اس شاندار رہائش گاہ میں شاہ گل کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ یہاں ملازم ہی تھے لیکن بہت شائستہ اور مہذب خاص طور سے مس صوفیہ تو بہت ہی اچھی خاتون تھیں۔۔۔۔۔۔ چہرے پر نرمی اور محبت کے آثار لئے جب وہ پہلی بار شاہ گل کے سامنے پہنچیں تو دیر تک شاہ گل کو دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے کہا۔

"شاہ گل صاحب! آپ کے بارے میں زیادہ تفصیلات تو نہیں معلوم لیکن بس اتنا بتا دیا گیا ہے مجھے کہ آپ ایک انتہائی مہذب شخص ہیں اور آپ کے ساتھ تہذیب کا سلوک ہی کیا جائے۔" شاہ گل نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے صوفیہ کی صورت دیکھتا رہا۔۔۔۔۔۔ بہرحال صوفیہ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا تھا۔۔۔۔۔۔ پہلا دن خاموشی سے گزرا۔۔۔۔۔۔ ذہنی بحران کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔ سکندر کی موت کا کوئی خاص تاثر ذہن پر نہیں تھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔۔۔۔۔۔ یاقوت کے سلسلے میں بھی ذہن پر کوئی خاص بوجھ نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ظاہر ہے یاقوت سے کوئی گہرا ذہنی رابطہ نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ بس درمیان میں آگئی تھی، لیکن اسی رات ذہن پر کچھ بحران سوار ہو گیا اور ایک عجیب سی شدت اختیار کرتا چلا گیا۔۔۔۔۔۔ کمرے میں رقص و موسیقی کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔۔۔۔۔۔ شاہ گل اپنی جگہ سے اٹھا۔۔۔۔۔۔ عضو عضو تھرک رہا تھا۔۔۔۔۔۔ رقص شروع کر دیا اور اس طرح جی توڑ کر ناچا کہ دنیا سے بے خبر ہو گیا۔۔۔۔۔۔ صوفیہ دروازے میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر پتھریلا سکوت طاری تھا۔۔۔۔۔۔ شاہ گل پسینہ پسینہ ہو گیا۔۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد وہ زمین پر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔ پھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے اس

www.paksociety.com

نے آنکھیں بند کرلیں...... تقریباً سوا گھنٹے تک صوفیہ اسی طرح کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا آگے بڑھی...... شاہ گل اتنا ہلکا پھلکا بھی نہیں تھا کہ اسے آسانی سے اٹھا لیتی...... بمشکل تمام اٹھا کر مسہری پر ڈالا...... کمبل اوڑھایا اور روشنی بند کر کے چلی گئی۔ دوسرے دن ناشتے پر شاہ گل بڑا ترو تازہ تھا، صوفیہ اس کی نگران کی حیثیت سے کام کرتی تھی...... شاہ گل کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"ایک بات پوچھوں شاہ گل! برا تو نہیں مانیں گے۔" شاہ گل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ کو رقص کا شوق کب سے ہوا۔" شاہ گل نے بڑے اچھے موڈ میں نگاہیں اٹھائیں اور اسے دیکھا اور بولا۔

"جسے آپ رقص کہتی ہیں، اس کا نہ کوئی شوق ہوتا ہے نہ کوئی عمل برسات میں ناچتے ہوئے مور کو دیکھا ہے کبھی...... اسے نہ رقص کا شوق ہوتا ہے نہ وہ کہیں سے سیکھتا ہے...... یہ تو اعضاء کی تڑپ ہوتی ہے...... جو کسی خاص عمل سے متحرک ہو تو جنون بن جاتی ہے...... اگر جان بوجھ کر یہ سب کچھ کیا جائے تو مصنوعی ہوتا ہے اور مصنوعی چیزوں میں یہ کیفیت بیدار نہیں ہو سکتی...... کیوں پوچھا آپ نے یہ سوال۔"

"نہیں بس ایسے ہی۔" صوفیہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی...... وہ شاہ گل کے فلسفے سے بہت متاثر ہوئی تھی اور ایک نئی چیز منظر عام پر آئی تھی...... وہ یہ کہ رقص خود بخود شروع ہوتا ہے اور کسی خاص جذبے کو اعضاء کی تحرک سمجھ لیا جاتا ہے...... بہر حال یہ ایک انوکھا انکشاف تھا، لیکن صوفیہ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ دنیا کے اس حسین ترین نوجوان کے اندر کوئی ایسا لاوا پک رہا ہے جو کسی وقت بھی آتش فشاں بن سکتا ہے...... بہر حال اسے جس قدر ہدایات تھیں، اس سے زیادہ وہ کسی بھی مسئلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لے سکتی تھی...... یوں وقت گزرتا رہا پھر ایک دن اچانک نواب جانی نمودار ہو گیا...... پوری کوٹھی میں

مچ گئی تھی...... ملازم مستعد نظر آنے لگے تھے...... صوفیہ نے ساری تفصیلات نواب جانی کو بتائیں اور آخر کار نواب جانی نے دوپہر کے کھانے پر شاہ گل کو بلا لیا...... شاہ گل نے اس وقت نواب جانی کو دیکھا تھا، لیکن کسی خاص تاثر کا اظہار نہیں کیا تھا...... نواب جانی اس ذرا بدلے ہوئے انداز میں نظر آ رہا تھا...... اس کے اندر ایک سختی سی تھی...... وہ شاہ گل کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

"چاند کے ٹکڑے کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ہماری اس دنیا میں تمہیں۔"

"نہیں نواب صاحب! شکریہ۔"

"باہر کی دنیا سے واقفیت رہی۔"

"نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہاں باہر کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئی، ارے کہاں مرگئے تم سارے کے سارے...... ذرا پرانے اخبارات تو لا کر دو...... بچے کو تم نے صورت حال سے آگاہ ہی نہیں کیا۔" ایک ملازم نے پچھلے کچھ دن کے اخبارات لا کر دے دیے، تو نواب جانی نے ان کے صفحات درست کیے اور پھر ایک صفحہ سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو یہ تمہارے فرار کے دوسرے دن کا اخبار ہے...... یہ اخبار والے بھی بڑے کمال کے لوگ ہوتے ہیں...... تمہیں کیا سے کیا بنا کر رکھ دیا...... پراسرار قاتل، دہشت گرد، ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ، غیر ملکی ایجنٹ، ساری خوبیاں تمہارے اندر بھر دی گئی ہیں۔ چپے چپے پر تمہاری تلاش ہو رہی ہے...... مفرور قاتل کی حیثیت سے۔" شاہ گل نے سکون کی نگاہ سے ان خبروں کو دیکھا تو نواب جانی نے کہا۔

"چندا! ویسے تو جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ ہوتا ہی رہتا ہے، مگر زندگی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے۔ کسی نے کچھ بھی لکھا لیکن ان سب سروں کا ایک ہی مقصد ہے...... وہ یہ کہ تجھے

سولی پر لٹکا دیں ...... یہ سفید خوبصورت گردن ہنس کی طرح لمبی ہو جائے اور تیری جان آنکھوں کے راستے باہر نکل جائے...... ہائے ہائے...... ہائے کون سے دل سے انسان یہ کیفیت دیکھ سکے گا...... خیر! ہم ہیں نا...... جب تجھے یہاں تک پہنچایا ہے تو آگے بھی تیری مدد کریں گے، مگر چند اقدون کی ضرورت ہوگی...... سرکشی مت کرنا ہم سے...... سرکشی کرے گا تو کچھ نہیں پاسکے گا...... یہ بات اس لئے کہہ رہے ہیں ہم کہ تیری ذات میں کچھ سرکشی نظر آتی ہے، مگر خیر چھوڑ کیا رکھا ہے ان باتوں میں...... تو آرام سے ہے نا کوئی تکلیف تو نہیں ہے تجھے۔" نواب جانی ہزار طرح کی باتیں کرتا رہا...... شاہ گل ذرا مختلف قسم کا انسان تھا...... غور کرنے کی کوئی بات ہی نہیں تھی اس کے لئے جو غور کیا اور جو ذہن میں آیا بس اسی کو حقیقت جان لیا، لیکن صوفیہ دوسری رات اسے ملی تھی۔

"تم جو کوئی بھی ہو مجھے صرف ایک بات کا جواب دو...... انسان ہو یا نہیں۔"

عجیب سا سوال تھا شاہ گل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"آپ مجھے یہ بتائیے صوفیہ میں انسانوں جیسا لگتا ہوں یا نہیں۔"

"لگتے تو ہو لیکن میں نے کبھی تمہارے اندر وہ جذبات نہیں پائے جو انسانیت کا حصہ ہوتے ہیں۔"

"شاید۔" شاہ گل نے افسردگی سے جواب دیا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہوں تم سے۔"

"اس کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں...... اپنی بات اگر کہتی ہو تو میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔"

"شکریہ شاہ گل! نواب جانی کے ہاتھ کیسے لگ گئے۔" صوفیہ نے سوال کیا۔

"شاہ پیر کے میلے میں ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد جیل میں ملے...... مجھے فرار کرا کر یہاں تک پہنچا دیا...... قتل کا مجرم ہوں شاید سزائے موت ہو جاتی...... نواب صاحب بچا کر یہاں تک لے آئے ہیں، اب میں نہیں جانتا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔"

"کوئی ایسی جگہ ہے جہاں بھاگ جاؤ۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"نواب جانی کے چنگل سے نکل کر۔"

"نواب جانی کے چنگل سے۔"

"ہاں۔"

"مجھے نواب جانی کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی۔"

"ہاں بہت غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں نواب جانی کے بارے میں بتادوں...... سوچو گے کہ یہ فیصلہ میں نے کیوں کیا ہے تو میں تمہیں اس کا جواب دے دوں...... میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا...... بعض شکلیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان خود بخود موم ہوتا ہے...... ہم ایک چھوٹے سے خوبصورت بچے کو دیکھتے ہیں اور ہمارے دل میں اس کے لئے پیار جاگ اٹھتا ہے...... سیدھی سی بچی سی بات ہے کہ یہ صرف اس بچے کی شکل و صورت ہوتی ہے، جو ہمیں پیار پر آمادہ کر دیتی ہے ورنہ ایسے بہت سے بچے نظر آتے ہیں، جنہیں دیکھ کر کبھی دل میں پیار نہیں اُمنڈتا...... تمہیں دیکھ کر میرے دل میں پیار اُمنڈ آیا ہے...... میں نہیں چاہتی کہ تم کسی جال میں پھنسو...... نواب جانی کی شخصیت کے بارے میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں...... اول درجے کا فراڈ آدمی ہے...... ایک چھوٹا موٹا گروہ بھی رکھتا ہے...... ہر قسم کے مجرمانہ عمل کر لیا کرتا ہے...... میں نہیں جانتی کہ وہ تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے لیکن ایک بات میں تمہیں بتادوں...... وہ بلاوجہ تم پر وقت برباد نہیں کر رہا اور یقینی طور پر اس کے دل میں تمہارے لئے کوئی خاص منصوبہ ہے...... اب تم یہ دیکھ لو کہ وہ منصوبہ تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"میں آپ کے اس سوال کے جواب میں صرف ایک لفظ کہہ سکتا ہوں محترمہ صوفیہ۔"

"ہاں کہو۔"

"باہر کی دنیا میں میرے لئے موت ہے اس سے پہلے بھی میرے لئے موت مخصوص

کر دی گئی تھی۔۔۔۔ دو طرف سے میرے لئے موت ہے اگر تیسرا بھی کوئی ایسا ہی مسئلہ ہے تو موت تو ایک ہی بار آنے گی ناں مجھے، خوشی ہے کہ میرے تین دشمن مجھے صرف ایک سزا دیں گے۔۔۔۔ صرف ایک سزا۔"

"اس سزا سے بچنا نہیں چاہتے تم۔"

"نہیں۔" شاہ گل نے جواب دیا اور صوفیہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے تو تم بھی دیوانے ہی معلوم ہوتے ہو تم رقص کر رہے تھے۔۔۔۔ خدا کی پناہ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ جب تمہارا رقص تھمے گا تو تمہارے اعضاء ٹوٹ کر زمین پر گر پڑیں گے۔" شاہ گل نے عجیب سی نگاہوں سے صوفیہ کو دیکھا اور بولا۔

"میں نے آپ سے شاید پہلے بھی بات کی تھی کہ آپ مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کریں۔"

"ہاں تم نے کہا تھا معافی چاہتی ہوں۔۔۔۔ آخری بار تم کو یہ پیش کش کر رہی ہوں کہ میں نے جب تمہارے سامنے یہ زبان کھول دی ہے تو اب کھل کر کہہ رہی ہوں کہ اگر تم یہاں سے فرار ہونا چاہو اور کوئی ایسی جگہ منتخب کر لی ہو تم نے جہاں تم بچ سکتے ہو تو میں تمہیں فرار میں مدد دینے کے لئے تیار ہوں اور اگر تم یہاں سے فرار نہیں حاصل کرنا چاہتے اور میرے بارے میں تمہارے دل میں کوئی برائی نہیں ہے تو ایک درخواست کروں گی تم سے کسی کو میرے ان الفاظ کے بارے میں نہیں بتانا، وہ دیوانہ شخص میرے چہرے کو مسخ کر دے گا۔۔۔۔ تیزاب سے جلا دے گا مجھے یا آنکھیں نکال لے گا میری۔۔۔۔ وہ اتنا ہی ظالم اور سنگدل ہے ایسا نہ ہونے دینا تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" شاہ گل آگے بڑھا اس نے صوفیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اسے ہونٹوں سے چومتے ہوئے بولا۔

"مقدس بہن کی قسم! یہ الفاظ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے سینے کی گہرائیوں میں دفن ہو جائیں گے۔۔۔۔ تم ان کے لئے بالکل تردد نہ کرنا۔" صوفیہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔۔۔۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔ پھر وہ خاموشی سے مڑی اور وہاں سے وا

چل پڑی۔۔۔۔ شاہ گل اسے دیکھتا رہا تھا۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ نے نواب جانی کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا خود شاہ گل کے ذہن میں بھی وہی سارے خیالات تھے۔۔۔ نواب جانی اسے شاہ پیر کے عرس میں ملا تھا اور اس نے ایک خاص لگاؤ کا اظہار کیا تھا، لیکن شاہ گل اس وقت کچھ نہیں سمجھا تھا۔۔۔۔ یاقوت کے مسئلے میں بھی نواب جانی نے بڑی شرافت کا ثبوت دیا تھا اور ملندر کے خلاف اس کی مدد کی تھی، لیکن اس کے بعد جو صورت حال اب پیش آئی تھی، وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔۔۔۔ خاص طور سے اس نے شاہ گل کو اس کے جرم کے بارے میں جو تفصیلات بتائی تھیں۔۔۔۔ اس سے شاہ گل کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ نواب جانی اسے اس کی حیثیت سے روشناس کرانا چاہتا ہے اور یقینی طور پر اس کا یہی مقصد ہے کہ وہ صورت حال کو سمجھ لے، لیکن اس کے بعد وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔۔۔۔ اس کا ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا، جہاں تک صوفیہ کا تعلق تھا۔۔۔۔ بہر حال ایک معصوم سی عورت تھی جس نے اسے اصل صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور اس رات شاہ گل نے بہت سے فیصلے کئے تھے۔۔۔۔ اپنے بارے میں، نواب جانی کے بارے میں اور ایک مدہم سی مسکراہٹ کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔۔۔۔ تقدیر نے اسے ایک انوکھے بحران کا شکار کیا تھا، لیکن بہر حال تقدیر کے فیصلوں سے کون لڑ سکتا ہے۔۔۔۔ اس نے تقدیر کے یہ فیصلے ابھی تک قبول نہیں کئے تھے۔۔۔۔ وہ اپنے آپ کو انسانوں کی دنیا سے دور سمجھ ہی لیتا، اگر مومل اس کی دنیا میں نہ آتی، لیکن مومل نے اسے صحیح معنوں میں شدید ذہنی کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔۔۔۔ اس کا رواں رواں مومل کے لئے تڑپتا تھا، لیکن پھر ایک انوکھا احساس ایک ایسا احساس جو شرم کے سوا اور کچھ نہیں دیتا تھا۔۔۔۔ یہ تھا کہ مومل سے اگر وہ ملے تو کس حیثیت سے اس کی [illegible] کی حیثیت سے یا اس کے دوست کی حیثیت سے یہاں اس کے حوصلے پست ہو جاتے تھے۔۔۔ نواب جانی نے دو دن مزید انتظار کیا۔۔۔ اس دوران اس کے ساتھ اور بہترین سلوک کا اظہار کیا گیا تھا۔۔۔ نواب جانی خود اس کی نگرانی کرتا تھا۔۔۔۔ درزی کو بلایا گیا، ایک بہت ہی مشہور ٹیلرنگ ہاؤس کا نمائندہ آیا تھا اور نواب جانی نے اس کے ناپ دلوائے تھے۔۔۔ [illegible] سوٹ، شلوار قمیض وغیرہ اور پھر

درزی کو ہدایت دی گئی تھی کہ یہ سلائی اس پیمانے کی ہونی چاہئے کہ کوئی اسے مقامی نہ سمجھ
سکے، بلکہ باہر کی سلائی تصور کی جائے اور اس کے لئے نواب جانی نے شاہ گل کے سامنے ہی
فرانس کے ایک زبردست ٹیلرنگ ہاؤس کے اسٹیکر درزی کو دیئے تھے اور کہا تھا کہ لباس پر یہ
اسٹیکر لگائے جائیں...... غرض یہ کہ یہ سارے معاملات طے ہوئے تھے اور شاہ گل اندازہ
لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ نواب جانی کیا چاہتا ہے...... ویسے اس کی فطرت میں بھی ایک
لاپرواہی شامل تھی، لیکن صوفیہ کے کہنے کے بعد اس نے مزید اپنے آپ کو لاپرواہ ظاہر کرنا
شروع کر دیا تھا اور نواب جانی کو یہ احساس دلوا تا رہا تھا کہ وہ ایک لاابالی فطرت کا آدمی ہے اور
اس کی باتوں پر زیادہ غور ہی نہیں کر رہا حالانکہ انسانی فطرت کے مطابق شاہ گل نواب جانی
کے دل کا حال جاننے کا خواہشمند تھا...... یہ اندازہ تو ہو چکا تھا اسے کہ یہ مجرمانہ ذہنیت کا مالک
شخص جو شاہ پیر کے میلے میں ایک اچھے کردار کی حیثیت سے نظر آیا تھا...... درحقیقت کوئی
شریف آدمی نہیں ہے...... اس سے جیل میں ملاقات ہونا بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا
تھا لیکن بہرحال اس نے شاہ گل کو ایک مفرور مجرم بنا دیا تھا...... ویسے بھی شاہ گل سمجھتا تھا کہ
سکندر اور اس کے ساتھی کو قتل کرنے کے الزام میں اسے موت کی سزا ہی ملتی، لیکن اب
صورت حال ذرا سی مختلف ہو گئی تھی اور شاہ گل اس سوچ کا شکار تھا کہ اس سلسلے میں اسے
اپنے طور پر کیا کرنا چاہئے...... غرض یہ کہ ان خیالات اور ان احساسات میں وقت گزر رہا تھا
اور نواب جانی کے اس مکان میں اس کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا جا رہا تھا...... آخرکار
سارے مسئلے طے ہو گئے اور نواب جانی نے اپنا موقف کھل کر اس کے سامنے پیش کر دیا......
اس شام چائے پر نواب جانی موجود تھا اور یہ نشست کوٹھی کے پچھلے حصے میں ہوئی تھی۔

"چاند کے ٹکڑے! آج میں تم سے ایک بہت ہی اہم بات کرنا چاہتا ہوں...... دیکھو اللہ
کا دیا ہوا میرے پاس سب کچھ موجود ہے...... اتنا کچھ کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے...... کسی چیز کی
ضرورت نہیں ہے مجھے اس دنیا میں، بہرحال انسان کا اپنا ایک موقف ہوتا ہے...... میری
زندگی کا بھی ایک موقف تھا...... چھوٹی سی کہانی سنا رہا ہوں تمہیں، شاید تم اس پر یقین

بہت مختلف الفاظ میں تمہیں اپنی روداد سنا رہا ہوں...... برا آدمی نہیں تھا میں ایک اچھا
...ی تھا تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی تھی...... ایک پس منظر تھا میرا، پھر ایک کرم
...سے ملاقات ہوئی بظاہر بہت اچھی شخصیت کا مالک تھا لیکن بڑے آدمی کا بیٹا تھا اور
...اپ بڑا سمجھتا تھا میری اس سے کبھی دوستی ہو گئی اور میں معصومیت میں اس کے
...کام کرتا رہا...... بہت عرصے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک فریبی اور مکار آدمی ہے
...مجھے بے وقوف بنا رہا ہے...... بس یہ سمجھ لو کہ ہاشم زمان نے میرے ان تمام خوابوں کو چکنا
...دیا جو میں نے دیکھے تھے اور نتیجے میں مجھے جرم کی دنیا میں آنا پڑا...... وقت آگے بڑھتا
... ہاشم خان اپنے آپ کو ایک ناقابل تسخیر انسان سمجھتا تھا...... ویسے بھی تم یہ بات
...جانتے ہو کہ دولت انسان کو وہ سب کچھ بخش دیتی ہے جو وہ چاہتا ہے...... ہاشم خان نے اپنی
...ت کا سہارا لے کر مجھ غریب انسان کو بے بس کر دیا...... میں نے بہت عرصے تک
...جدوجہد کی اور آخرکار اپنے آپ کو بالکل تبدیل کر لیا...... میں تمہیں اس پرانی شخصیت کے
...بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا جو میری اصل شخصیت تھی، لیکن اس کے بعد جو شخص نواب
...جانی بن کر ابھرا...... وہ بالکل مختلف انسان تھا...... ہاشم خان کے خلاف میں کوئی ایسا کام نہیں
...کرنا چاہتا تھا جو اسے زندگی کا نقصان پہنچا دے...... میرا اور اس کا تو صرف احساس کا جھگڑا
...تھا، احساس کی دشمنی تھی، میری اس کی...... میں اسے ایک ایسی شکست دینا چاہتا تھا جو اسے
...یاد بھی رکھے اور لمحہ لمحہ بے بسی کا احساس دلاتی رہے اور اس کے لئے میں نے بہت سے
...منصوبے سوچے تھے...... بہت طویل وقت گزر چکا ہے...... ہاشم خان کی ایک بیٹی ہے، اکلوتی
...اور ہاشم خان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی زندگی اسی بیٹی میں ہے...... میں چاہتا
...تھا کہ ہاشم خان کو ایک ایسی شکست دی جائے جو اسے ہمیشہ یاد رہے...... اب میں
...تمہیں جو باتیں بتا رہا ہوں وہ انتہائی خاص باتیں ہیں...... جنوبی افریقہ میں ہاشم خان کا ایک
...شناسا تھا، جس سے اس کے کاروباری تعلقات تھے...... یہ شناسا کبھی ہاشم خان سے نہیں ملا
...اتفاق کی بات یہ کہ میں بھی اس وقت جنوبی افریقہ میں تھا...... جب مجھے ایاز خاں کے

بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ہاشم خاں کا دوست بھی ہے اور کاروباری پارٹنر بھی، ایاز خان کا ایک بیٹا تھا اس کا نام شہزاد خان تھا...... بہر حال تم یوں سمجھ لو کہ ہاشم خان اور ایاز خان کے درمیان کچھ اس طرح کی بات چیت بھی ہوئی تھی، جس سے مجھے یہ پتا چلا کہ شہزاد خان کو شاید رمشا سے منسوب کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے...... پھر یہ ایک عجیب اتفاق ہوا کہ ایاز خان اور شہزاد خان ایک ہوائی حادثے میں ہلاک ہو گئے اور اس کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکا...... بس یوں سمجھ لو کہ ایاز خان نے جنوبی افریقہ کی رہائش ترک کر کے فرانس منتقل ہونے کا ارادہ کیا تھا اور اس بارے میں اس نے ہاشم خان کو بھی لکھ بھیجا تھا...... ہاشم خان ایاز خان کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا تھا...... بہر حال دونوں میں بات چیت چل رہی تھی...... میں نے ایک منصوبہ ذہن میں تیار کیا...... شہزاد خان کی طرف سے میں نے اس ہوائی حادثے کی اطلاع ہاشم خان کو دی اور بتایا کہ ایاز خان ہلاک ہو چکا ہے اور وہ زندہ بچ گیا ہے...... ہاشم خان نے ہوائی حادثے کی تفصیلات معلوم کیں اور بڑے دُکھ کا اظہار کیا...... میں نے خط و کتابت کے ذریعے ہاشم خان سے رابطہ قائم رکھا...... میرا مطلب ہے شہزاد خان کے نام سے...... سمجھ رہے ہو نا میری بات اور یہ بات میرے ذہن میں ہمیشہ سے تھی کہ کبھی کسی مناسب موقع پر شہزاد خان کو ہاشم خان سے ملاؤں گا اور اس کے بعد کچھ مفادات حاصل کروں گا کہ شاہ پیر کے میلے میں میری نگاہ تم پر پڑ گئی اور میرے ذہن نے ایک منصوبہ تیار کر لیا...... میری جان شاہ گل! اب تمہیں شہزاد خان کا کردار ادا کرنا ہے...... مجھے دولت کی ضرورت نہیں ہے، میں تو بس ایک پرانی آگ میں جل رہا ہوں اور ہاشم خان کو شکست دے کر اس آگ کے شعلے بجھانا چاہتا ہوں...... تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں تم سے کیا چاہتا ہوں...... تم شہزاد خان کی حیثیت سے فرانس سے واپس آؤ گے...... تمہارے سارے کاغذات تیار ہوں گے...... میں تمہیں ایک مکمل منصوبہ بتاؤں گا...... ہاشم خان تمہیں خوش آمدید کہے گا اور اس کے بعد وہ سلسلہ جاری ہو جائے گا، یعنی وہ اپنی بیٹی سے تمہاری شادی کر دے ... بیٹی تمہاری مٹھی میں ہو گی اور ہاشم خان میری مٹھی میں...... دیکھو

ایک بات میں تم سے بڑے صاف لہجے میں کہہ رہا ہوں...... دنیا میں ہر انسان کو اپنی زندگی سے محبت ہوتی ہے اور ہر شخص زندہ رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے...... تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے یہاں سے اگر تم میری بات کو ٹھکرا کر چلے جاؤ گے تو میں تو محبت میں کچھ بھی نہیں کروں گا اور کچھ بھی نہیں کہوں گا، لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو...... پولیس تمہیں پاتال کی گہرائیوں میں بھی نہیں چھوڑے گی...... گرفتار ہو جاؤ گے اور اس کے بعد تمہیں مستقل ایک خطرناک مجرم قرار دے دیا جائے گا...... تمہارے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی...... تمہارے لئے بدترین سزا تجویز ہو گی لیکن ان تمام چیزوں سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے میرے کہنے پر عمل کرنا، اس سلسلے میں تم ابھی مجھ سے غور کرنے کی مہلت لو گے یا اس بات کا اظہار کرو گے کہ تم میری ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو۔" شاہ گل اب اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ صورت حال کو سمجھ نہ پاتا...... یہ الگ بات ہے کہ زندگی کے مسائل ذرا مختلف تھے، لیکن یہ بھی ایک سچائی تھی کہ وہ زندگی کھونے کے لئے تیار نہیں تھا...... اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولا۔

"نہیں نواب صاحب ظاہر ہے میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" نواب جانی خوشی کے عالم میں جھوم کر اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا۔

"ہزاروں سال جیو میری جان...... ہزاروں سال۔" یہ کہہ کر اس نے شاہ گل کو سینے سے لگا لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مومل اپنے کمرے میں دراز ایک کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی کہ اچانک ہی فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور بولی۔

"ہیلو۔"

"مومل...... میں شاہ گل بول رہا ہوں۔" مومل کے ہاتھ سے کتاب اُچھل کر نیچے گر پڑی...... اس نے حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولی۔

"کیا کہا کون۔"

"شاہ گل...... نہیں پہچان رہیں۔"

"شاہ گل کہاں ہو تم...... کہاں غائب ہو گئے ہو...... تمہیں پتا ہے تمہاری وجہ سے میرے ساتھ کیا واقعات پیش آئے ہیں۔"

"مجھے کیسے پتہ ہو سکتا ہے...... تم بتاؤ گی تو پتا چلے گا۔"

"کہاں سے بول رہے ہو۔"

"زیادہ فاصلہ نہیں ہے میرے اور تمہارے درمیان...... تمہارے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ ہے یہاں نیلا گڑھ لکھا ہوا ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"اور وہاں ایک برگد کا درخت بھی ہے۔"

"ہاں ہے۔" مومل پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی۔

"بس وہاں اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا موبائل فون سے تمہیں فون کر رہا ہوں۔"

"میں تم سے فوراً ملنا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں آنا ہو گا مومل۔"

"میں آجاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کر رہا ہوں۔" شاہ گل نے کہا فون بند ہوتے ہی مومل نے ریسیور رکھا...... دیوانوں کی طرح اپنی جگہ سے اُٹھی...... آئینہ کے سامنے پہنچ کر اپنا حلیہ درست کیا اور اس کے بعد برق رفتاری سے باہر نکل آئی...... مشعل کو اگر اس بارے میں اطلاع دیتی تو مشعل پچاس طرح کے خیالات کا اظہار کرتی، اس لئے بہتر یہ تھا کہ پہلے جا کر شاہ گل کو پکڑے اور اس کے بعد اس سے بات کرے...... کم از کم شاہ گل اتنے عرصے کے بعد ہاتھ تو لگا...... خاموشی سے باہر نکل آئی جس جگہ کے بارے میں اسے بتایا گیا وہ یہاں سے کافی دور تھی...... لیکن مومل کسی نہ کسی طرح وہاں تک پہنچ گئی...... شاہ گل ایک شاندار گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا...... مومل اسے دیکھ کر خوشی سے دیوانی ہو گئی...... سارے تکلفات ترک کر کے وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر شاہ گل کے برابر بیٹھ گئی...... اس کا سانس پھول رہا تھا اور شاہ گل اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... جب مومل بمشکل تمام اپنے آپ پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی تو اس نے کہا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم۔"

"کہیں نہیں مومل! تم سے بھاگ کر کہیں جا سکتا ہوں میں۔"

"دیکھو میں تم سے اپنے دل کی کہانی کہہ چکی ہوں شاہ گل! پاگل ہو گئی ہوں میں تمہارے لئے...... شاہ گل! میں تمہیں ساری زندگی کے لئے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں...... زندگی میں تمہارے قدموں کی خاک بن کر تمہارے پیروں سے لپٹے رہنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہیں کیا بتاؤں مومل! میری زندگی کے ساتھ ایسے عجیب و غریب واقعات وابستہ ہیں کہ میں تم سے کہہ نہیں سکتا، بس یہ سمجھ لو کہ عجیب و غریب حالات کا شکار ہوں......

موم! زیادہ نہیں مختصر میں تمہیں اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا شاہ گل! کیا۔"

"موم! میرے والد اور والدہ ایک پہاڑی بستی خانہ خیل کے رہنے والے ہیں۔۔ زمان ملنگی میرے نانا کا نام تھا...... میں نہیں جانتا کہ تقدیر نے کیسی کیسی ستم آرائیاں کی ہیں میرے ساتھ، لیکن بس یوں سمجھ لو اس طرح سے میں شدید اُلجھنوں کا شکار ہو گیا ہوں...... مجھے ایک پناہ گاہ کی ضرورت ہے...... موم اور میرے دل میں یہی خیال تھا کہ میں اس پناہ گاہ میں جا کر سکون پاؤں...... میرے نانا کی حویلی بہت وسیع ہے...... بڑی عظمت ہے وہاں نانا اب اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن ان کا نام خانہ خیل کی عظمت ہے...... موم یہاں کی دنیا مجھے ناپسند ہے...... میں خانہ خیل جا رہا ہوں...... موم مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے...... میں نے بہت غور کیا اس کے بعد تمہیں فون کیا...... بولو! میرے ساتھ خانہ خیل چلو گی...... موم! ہم وہاں جا کر رہیں گے...... وہیں جئیں گے وہیں مریں گے...... خانہ خیل بہت اچھی جگہ ہے...... وہاں سے تھوڑے فاصلے پر بابا شاہ کا مزار ہے...... شاہ بابا بہت بڑے بزرگ ہیں...... وہاں ہمیں سکون ہی سکون ملے گا...... موم! اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" موم کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں...... شاہ گل کی تلاش میں تو وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل گئی تھی اور نجانے کہاں کہاں ماری ماری پھری تھی...... وہ تو تقدیر نے اس کا ساتھ دیا تھا کہ اسے اچھے لوگ ملتے رہے تھے...... ورنہ ایک جوان لڑکی باہر کی دنیا میں تنہا رہ کر صرف بربادیوں کی کہانی تحریر کر سکتی ہے، لیکن تقدیر اسے واپس لے آئی تھی...... شیراز صاحب اور مشعل پریشان تھے...... موم واپس آ گئی تھی لیکن اب اس کائنات میں شاہ گل کے علاوہ اسے کسی اور سے اس قدر لگاؤ یا انسیت نہیں تھی۔ شاہ گل کو نہیں چھوڑ سکتی تھی وہ، شاہ گل نے کہا۔

"کشمکش کا شکار ہو موم! تم یقین کرو میں تمہیں کسی بھی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا...... میری اپنی آرزو، میری طلب، میری خواہش، بلاشبہ تم سے زیادہ حیثیت نہیں

نہیں...... اگر تم کسی اُلجھن کا شکار ہو تو میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا، لیکن موم! مجھے ...نیل جانا ہے...... میرے لئے وہی جگہ سکون کی جگہ ہے...... تنہا چلا جاؤں گا۔" موم نے ...بے چین ہو کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

"نہیں! تنہا تو میں تمہیں کہیں بھی نہیں جانے دوں گی شاہ گل! اب تم مجھے جو کچھ بھی ...پوچھو بھی سمجھو...... میرا اور تمہارا تو زندگی بھر کا ساتھ ہے، تنہا تو میں تمہیں قبر میں بھی ...نہ جانے دوں گی۔"

"تو ٹھیک ہے میرے ساتھ چلو۔" شاہ گل نے مسرور لہجے میں کہا اور موم نے ایک ...لمبی سانس لی اور بولی۔

"ٹھیک ہے شاہ گل! چلو میں تیار ہوں، میں کچھ کپڑے وغیرہ لے آؤں۔"

"بالکل نہیں...... یہاں آنے کے بعد تمہارا گھر واپس جانا اس بات کی دلالت کرتا ہے ...کہ تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی۔"

"تو ٹھیک ہے چلو...... انسان کبھی کبھی اپنی ذات کے لئے اتنا خود غرض بھی ہو جاتا ...ہے...... حالانکہ میں ایسے محبت کرنے والے اپنے پیچھے چھوڑے جا رہی ہوں، جن کی عزت ...داؤ پر لگ جاتی ہے اور جن کی محبت بھی انہیں دیوانہ کئے دیتی ہے، لیکن میں خود غرض ...ہوں چلو۔"

...شاہ گل چلو...... میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔" شاہ گل نے اپنی پجارو سٹارٹ کر کے ...بڑھا دی...... خوبصورت مناظر باہر دوڑ رہے تھے...... وقت پیچھے کی جانب سرک رہا تھا ...پجارو برق رفتاری سے اونچے نیچے، ہموار اور ناہموار راستے عبور کرتی ہوئی ان پہاڑی ...راستوں سے گزر رہی تھی، جو کہیں انتہائی ہیبت ناک اور کہیں اس قدر خوبصورت نظر آتی ...تھیں کہ انسان کی نظر ان میں کھو کر رہ جائے...... شاہ گل اسے ان علاقوں کے بارے میں بتا ...رہا تھا...... وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ سنگ مرمر کے پہاڑ ہیں...... ان پہاڑوں سے دنیا کا نایاب ترین سنگ مرمر حاصل

کیا جاتا ہے ان آبادیوں کی دوسری جانب زمین کی گہرائیوں میں تیل کی دولت اہل رہی
ہے اور ہم اگر اس پر پوری پوری توجہ دیں تو ہمارا ملک دنیا کے ان ترقی یافتہ ملکوں میں شمار
ہو سکتا ہے جن میں زندگی کروٹیں بدلتی ہے اور دیکھو یہ سرسبز و شاداب وادیاں ان سے
پرے پھلوں کے درخت ہیں..... ہمارے یہاں دنیا کے بہترین انگور پیدا ہوتے ہیں
سیب، آڑو اور دوسرے پھل جتنی کثرت سے ان علاقوں میں بکھرے ہوئے ہیں تم سوچ بھی
نہیں سکتیں اور دیکھو وہ خانہ خیل ہے..... وہ چمکتی ہوئی برف کے پیچھے میرے نانا کی دنیا آباد
ہے۔" اور موبل نے اس آباد دُنیا میں زمان ملنگی کی حویلی دیکھی جو اپنی مثال آپ تھی اور
دیکھنے والے اسے دیکھ کر دیکھتے رہ جاتے تھے..... جب ان کی ہیجارو اندر داخل ہوئی تو
ملازموں کی پوری کی پوری فوج ان کے سامنے بچھ گئی..... وہ سب بڑی مسرت کا اظہار
کر رہے تھے..... حویلی کے شاندار آراستہ کمروں میں موبل سحر زدہ سی ہو گئی تھی اور پھر شاہ
گل جس نے اس کے سامنے حسین زیورات اور حسین کپڑوں کے انبار لگا دیئے تھے.....
موبل نے حویلی کا ایک ایک چپہ دیکھا..... صدر دروازے پر تین شیر مختلف انداز میں بیٹھے
ہوئے تھے..... شاہ گل نے فیصلہ کیا کہ اسے خانہ خیل کے سارے مناظر دکھائے گا اور وہ
موبل کو اپنی ہیجارو میں لے کر چل پڑا..... بستی کے لوگ اس سے جس محبت کا اظہار کر رہے
تھے..... اس نے موبل کو بہت متاثر کیا تھا اور وہ بے حد خوش تھی..... تب شاہ گل اسے ان
ڈھلانوں پر لے گیا جو شاہ عالم کی ملکیت تھے اور جن پر خوبانیوں کے درختوں کا بہت بڑا جنگل
پھیلا ہوا تھا۔

"یہ میرے دادا کی ملکیت ہیں..... میرے دادا شاہ عالم پہلے ان زمینوں کے مالک
تھے..... پھر یہ زمینیں ان سے میرے نانا نے چھین لیں، لیکن اس کے بعد میرے دادا کی
عظمت نے میرے نانا کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے اپنی بیٹی میرے باپ کو دے
دی..... یہ میری کہانی ہے..... موبل آؤ میں تمہیں خوبانیوں کے اس باغ تک لے چلوں.....
ان ڈھلانوں پر دوڑتے ہوئے زندگی کا حسن نظر آتا ہے..... موبل خوشی سے دیوانی

ہوئی..... خوبانیوں کی میٹھی بو..... دور دور تک بکھری ہوئی تھی..... وہ ان ڈھلانوں پر
دوڑنے لگی..... شاہ گل اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا..... اچانک ہی موبل نے رُخ بدلا تو شاہ
گل کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا..... بے اختیار اس کا پاؤں ایک پتھر سے اُلجھا اور اس
کے حلق سے چیخ نکلی وہ نیچے گر گئی اور اسی وقت مشعل کمرے میں داخل ہوئی..... موبل
مسہری سے نیچے گر پڑی تھی اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی..... اس نے قالین
کے لمبے بال مٹھیوں میں جکڑے ہوئے تھے..... پھر مشعل کو دیکھتے ہی وہ چیخی۔
"سنبھالنا مجھے باجی..... میں لڑھک کر گہرائیوں میں چلی جاؤں گی..... مجھے سنبھالنا۔"
مشعل جلدی سے اس کے قریب پہنچ گئی، وہ دہشت زدہ ہو گئی تھی، اس نے کہا۔
"کیا ہوا موبل..... کیا ہوا..... اٹھو موبل کیا ہوا..... تم مسہری سے نیچے کیسے گر پڑیں۔"
"م..... مسہری سے۔" موبل نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا، کتاب
بھی اس کے ساتھ نیچے گر پڑی تھی..... موبل یہ سب کچھ دیکھتی رہی، پھر اس نے بے اختیار
رونا شروع کر دیا..... مشعل بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی..... اس نے موبل کو سینے سے لپٹا لیا
اور محبت بھرے لہجے میں بولی۔
"خود کو سنبھال موبل! خود کو سنبھال میری بہن..... کیا ہوا کوئی خواب دیکھا تھا کیا۔"
"خواب....." موبل نے عجیب سے انداز میں کہا اور پھر زار و قطار روتے ہوئے بولی۔
"ہائے باجی ایسے خواب ٹوٹ کیوں جاتے ہیں..... ہائے باجی مجھے پھر وہی خواب
دکھا دو..... باجی مجھے وہی خواب دکھا دو..... تمہیں خدا کا واسطہ..... باجی میں انہی خوابوں میں
کھو جانا چاہتی ہوں..... باجی میں..... میں باجی۔"
"موبل..... موبل کیوں مجھے ختم کیے دے رہی ہے تو..... موبل میں مر جاؤں گی، میں
تیرا اس طرح بلکنا نہیں دیکھ سکتی..... سنبھال لے میری بچی اپنے آپ کو سنبھال لے.....
تجھے تو خدا میری دعاؤں کے سہارے زندہ سلامت رکھے گا، جیتا رکھے گا، مگر میں مر جاؤں گی
موبل، مجھ سے اب تیرا یہ دکھ برداشت نہیں ہوتا..... نہیں ہوتا مجھ سے تیرا یہ دکھ

برداشت، مومل خود کو سنبھال لے...... تجھے خدا کا واسطہ۔" مشعل بے اختیار رو پڑی تو مومل
ایک دم چونکی اور اس نے شرمندگی سے کہا۔

"باجی پلیز...... باجی نہیں...... چپ ہو جاؤ باجی۔"

"کیسے چپ ہو جاؤں...... میرا دل تو تو نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے...... مومل پتہ نہیں تو میری بات کو سچ مانے یا جھوٹ میں نہیں جانتی کہ ماں تا کیا چیز ہوتی ہے...... مومل میں نہیں جانتی کہ اللہ نے عورت کا دل کیا بنایا ہے، مگر مومل تیرے لئے میں...... میں تیرے لئے مومل۔" مشعل کو اپنی سسکیوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا اور بہن کی یہ کیفیت دیکھ کر مومل ایک دم سنبھل گئی تھی...... اس نے شرمندگی سے کہا۔

"باجی معاف کر دو...... مجھے، مجھے معاف کر دو...... واقعی مجھ سے زیادہ بد نصیب بہن اور کوئی نہیں ہوگی...... جو اتنی محبت کرنے والی بہن کو اس کرب میں مبتلا کئے ہوئے ہے...... پاگل ہو گئی ہوں میں باجی...... خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔"

"اچھا تو بتا کیا خواب دیکھا تھا تو نے جس نے تجھے اس قدر دلبرداشتہ کر دیا۔"

"باجی بس وہ۔"

"نہیں...... مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتا۔" مومل کی آنکھوں میں ایک بار پھر مسرت کے نقوش پیدا ہو گئے، اس نے مغموم لہجے میں کہا۔

"وہ خواب بھی تو نہیں ہوتے باجی...... کاش وہ صرف خواب ہوتے باجی میں ایسے خوابوں کو خواب کیسے کہوں جن کی کوئی نہ کوئی نشانی میرے پاس رہ جاتی ہے...... پھول والا واقعہ میں نے تمہیں بتایا تھا باجی اور اگر نہیں بتایا تو پہلے اس واقعہ کو سن لو۔" مومل نے وہ جاگتی آنکھوں کا خواب مشعل کو سنایا اور پھر آج کے بارے میں بتانے لگی۔

"تم یقین کرو باجی! میں نے اتنی تفصیل سے یہ سب کچھ دیکھا ہے کہ شاید میری جگہ کوئی بھی ہوتا اسے خواب سمجھنے کو تیار نہ ہوتا...... اچھا ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"کیا خانہ خیل نامی کوئی بستی ہمارے ملک میں ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"کیا زمان ملنگی کا کوئی نام سنا ہے تم نے۔"

"بالکل نہیں۔"

"وہ...... میرا مطلب ہے شاہ گل، زمان ملنگی کو اپنا نانا اور شاہ عالم کو اپنا دادا بتاتا ہم نے اتنی تفصیلات تو کبھی نہیں پوچھیں ان سے، باجی ایک کام کرو گی...... اگر تم مناسب سمجھو تو۔"

"بول کیا۔"

باجی یوں کرتے ہیں کہ وہاں چلتے ہیں...... ان کے پاس صنوبر آنٹی سے خانہ خیل کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ ان کے ابو کا کیا نام تھا، کیا واقعی وہ زمان ملنگی کے نام سے یاد کئے جاتے تھے، ہیں باجی...... ان کے بارے میں پوچھیں گے تم...... کہ کیا ان کا نام زمان ملنگی تھا۔"

"ضرور پوچھیں گے مومل! لیکن بیٹے اپنے آپ کو سنبھالو گی نہیں تم...... دیکھو ہم کتنے مجبور کتنے بے بس ہیں...... ایک طرف ابو ان کیفیتوں کا شکار ہیں اور دوسری طرف تم اس سلسلے میں کس قدر پریشان اور اداس نظر آتی ہو...... دیکھو ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے نا بیٹے۔"

"باجی معلوم تو کر لیتے ہیں ان سے، ذرا سی تکلیف تو ہوگی تمہیں...... پوچھو تو سہی یہ پتا چلے کہ میرے یہ خواب واقعی سچے ہیں یا جھوٹے ہیں...... باجی ایک بات کہوں تم سے اس دن پھول والی بات بھی میں نے تم سے غلط نہیں کہی...... یقین کرو وہ پھول اب بھی میرے پاس محفوظ ہے...... میں نے اسے بڑی احتیاط سے رکھ دیا ہے اور باجی آج...... باجی کم از کم یہ تو پتا چل جائے کہ ان خوابوں کی کیا حقیقت ہے...... یہ خواب اتنے پر سحر کیوں ہیں...... باجی کچھ پتا تو چلے۔"

"ٹھیک ہے ہم چلیں گے معلومات ہو جائیں گی ہمیں...... چلیں گے بیٹے ہم۔" مشعل

اسے تسلی دیتی ہوئی بولی اور پھر اسے سینے سے لگا کر مشعل نے بقیہ رات گزار دی کہ
مول دوبارہ اس پریشانی کا شکار نہ ہو جائے..... شیراز صاحب بیچارے گوشہ نشین ہو گئے
تھے..... بہت کم باہر نکلتے تھے اس دن صبح ناشتے پر انہوں نے کہا۔

"ابھی تک توصیف کے سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا..... کیا فیصلہ کیا ان لوگوں
نے، نثار احمد صاحب سے براہ راست ملاقات نہیں کرنا چاہتا میں بلکہ میری خواہش ہے کہ
اپنے دوست سے تفصیلات معلوم کروں، حالانکہ اب ان کا کوئی واسطہ نہیں رہ گیا اس سے
میں ہم نثار احمد سے براہ راست مل لیتے ہیں..... بیٹے آپ کیا کہتی ہیں اس بارے میں۔"
مشعل نے عجیب سی نگاہوں سے باپ کو دیکھا اور بولی۔

"ابو آپ کا معاملہ ہے، میں کیا کہوں آپ سے لیکن میرا موقف آپ اچھی طرح
سمجھتے ہیں، جب تک میری مول بالکل بہتر حالات میں نہیں ہو جائے گی..... جب تک
ہمارے گھر کی پرانی حیثیت واپس نہیں آجائے گی..... میں شادی نہیں کروں گی، ابو! ضد نہ
کریں آپ..... دیکھیں آپ ضد نہ کریں..... خواہ مخواہ ایک الجھن پیدا ہو جائے گی۔" مشعل
نے کہا اور شیراز صاحب کے چہرے پر ایک سنگین کیفیت پھیل گئی..... کچھ لمحے خاموش
رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

دیکھو بیٹا! اگر تم دونوں میرے بیٹے ہوتے تو یقین کرو ہر وہ بات مانتا جو تم کہتے، بلکہ اپنی
باگ دوڑ مکمل طور سے تمہارے ہاتھوں میں دے دیتا، لیکن بیٹا کیا کروں بد نصیبی نے دو
بیٹیوں کا باپ بنا دیا ہے، چنانچہ جو فیصلہ کرنا ہے خود ہی کرنا ہے..... اس سلسلے میں ظاہر ہے کسی
سے مشورہ نہیں کر سکتا۔"

"ڈیڈی! آپ بیٹیوں کو بد نصیبی سمجھتے ہیں۔"

"ان حالات میں یہی کہنا پڑ رہا ہے، کیونکہ تم انتہائی فضول بات کر رہی ہو..... بات
کسی انا، یا کسی گہرے جذبے کی نہیں ہے..... جن لمحات سے میں گزر چکا ہوں تم اس کا تصور
بھی نہیں کر سکتیں..... میں دوبارہ ایسے کسی حادثے کو جنم نہیں دینا چاہتا، کم از کم دنیا کی

ہی میں ضرور بنانا چاہتا ہوں..... یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ میری کوئی بیٹی مجھے چھوڑ کر چلی
یا دوسری بیٹی بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو گئی..... اپنا فرض مجھے پورا کرنا ہے اور اس سلسلے میں
کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے..... تم اس بات کو اپنے ذہن میں رکھو کہ میں جو کچھ
کر رہا ہوں وہ ایک انتہائی اہم بات ہے میرے لئے اور میں اس سلسلے میں کسی کا کوئی مشورہ
نہیں چاہتا..... میں تم دونوں کے ساتھ رعایت کر رہا ہوں، ورنہ ہونا تو یہی چاہئے تھا کہ کسی
...کی طرح میں تمہارے لئے ایک پہریدار مقرر کر دیتا اور اسے ہدایت کر دیتا کہ کوئی
...مرضی کے بغیر قدم گھر سے باہر نہ نکالے..... مجبور کر رہی ہو تم مجھے، یہ لہجہ اور یہ
...اختیار کرنے پر تم خود سوچو مجھے کیا معلوم تھا کہ میرا تم پر اعتماد بالکل بے مقصد اور بے
...ہے، ورنہ میں شروع سے تم پر نگاہ رکھتا اور مجال ہے کسی کی کہ تم دونوں کی زندگی میں
...ہو..... یہ اچھی بات ہے کل ساری کہانیوں کا سامنا مجھے کرنا پڑتا تاں..... تم تو گھر کی
چاردیواری میں محفوظ رہتیں..... سنو مشعل بیٹا! جو میں کر رہا ہوں کافی سوچ سمجھ کر کر رہا
ہوں..... کاروبار بند کر دیا ہے..... میں نے اپنا صرف تم پر توجہ دے رہا ہوں..... یہ ایک
...آیا ہے اگر اس کی تکمیل ہو جاتی ہے تو مجھے توصیف جیسے شخص کا سہارا مل جائے گا اور
...ایک بیٹے کی کمی پوری ہو جائے گی..... کوشش کروں گا کہ میرے اس کے درمیان
...محبت کے رشتے قائم ہوں کہ میری یہ آرزو پوری ہو جائے۔"

"ٹھیک! گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں ڈیڈی! کہ اب ہمارے معاملات مکمل طور سے آپ
نبھائیں گے۔"

"سوری بیٹے! میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔"

"نہیں سوری کی بات نہیں ہے ظاہر ہے آپ کو اس کا حق حاصل ہے اور آپ ضرور
...نجئے گا اور ڈیڈی! یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ بہت سی ایسی ذمہ داریاں جو میں نے بلاوجہ
...شانوں پر اٹھا رکھی ہیں..... مجھے بھی تھوڑی سی آسانی حاصل ہو جائے گی..... آپ ایسا
...ایک بات اور بتا دیجئے، ہمیں باہر آنے جانے کی آزادی ہے یا نہیں۔" شیراز صاحب

نے بے بسی کی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا اور بولے۔

"ظالم کہنا چاہتی ہو نا مجھے، کہہ لو بیٹے! کوئی حرج نہیں ہے، کبھی کبھی اپنے ہی زخم لگا دیتے ہیں...... غیروں کے زخموں سے تو نمٹا جا سکتا ہے...... اپنوں کو صرف دعائیں دے سکتے ہیں۔"

"یہ آپ کی اپنی سوچ ہے ڈیڈی! نہ میں زخم لگا رہی ہوں، نا کوئی بری بات کہنا چاہ رہی ہوں...... بات اصل میں یہ ہے کہ میں بھی اپنی ذمہ داریوں کو عجیب انداز میں محسوس کر رہی ہوں...... ڈیڈی! میں اس معیار پر اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتی، جس کی نوعیت [illegible] ہے...... میں خود بھی یہ چاہتی ہوں کہ آپ ان ذمہ داریوں کو سنبھال لیں...... کم از کم مجھے الزام تو نہ دیں گے۔"

شیراز صاحب نے فوراً ہی لہجہ تبدیل کیا اور نرم لہجے میں بولے۔

"مجھے اندازہ ہے کہ میں کافی تلخ باتیں کر گیا ہوں، لیکن بیٹے میری بھی مجبوریاں سمجھو...... میں نے تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگائی، جہاں دل چاہے جا سکتی ہو...... جہاں دل چاہے کوئی بھی کام کر سکتی ہو، لیکن بیٹے مجھے جو میں کر رہا ہوں کرنے دو...... اس میں مداخلت نہ کرو...... یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا۔" مشعل خاموش ہو گئی تھی...... پھر تنہائی میں اس نے شیراز صاحب کی بے بسی کو محسوس کیا...... واقعی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شیراز صاحب نے ہمیشہ اپنی بیٹیوں پر اعتماد کیا تھا...... آج تک کبھی ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہو سکا تھا جس کے سلسلے میں شیراز صاحب نے ان پر کوئی پابندی لگائی ہو...... وہ ہر جگہ آرام سے آ جا سکتی تھیں...... جو دل چاہے کر سکتی تھیں، لیکن کچھ نہ کچھ ہوا تو تھا...... مومل گھر سے نکل گئی تھی...... لڑکیاں تو بدنام ہوتیں لیکن ایک باپ کے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں...... شیراز صاحب نے اس خوف کو محسوس کیا تھا اور اس کے بعد ان کا یہ خوف اور زیادہ بڑھ گیا تھا...... اب وہ اپنی ذمہ داری کو اس شکل میں تقسیم کرنا چاہتے تھے...... مشعل نے سوچا کہ ٹھیک ہی ہے...... شیراز صاحب کو توصیف کی شکل میں اگر کوئی دست راز مل جائے تو واقعی انہیں

آسانی ہو جائے گی، وہ اس مسئلے میں کچھ کچھ نرم ہونے لگی، کیونکہ شیراز صاحب اپنی جگہ [illegible] نہیں تھے...... بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں، لیکن مومل نے جو کچھ کیا تھا اس کے لئے وہ ضرور عمل کرنا چاہتی تھی، چنانچہ تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد دونوں تیار ہو گئیں اور اس طرف چل پڑیں جہاں شاہ گل رہتا تھا...... مومل کے دل میں آرزوؤں کے کنول کھل رہے تھے...... راستے میں اس نے مشعل سے کہا۔

"باجی ہو سکتا ہے وقت اپنی کوئی اور کہانی تحریر کر رہا ہو۔"

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے باجی! شاہ گل آ گیا ہو۔"

"خدا کرے۔" مشعل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تھا...... غلام خیر نے ان لوگوں کا استقبال کیا تھا...... اسے بھی شاید یہ بچیاں پسند تھیں...... مشعل نے سلام کیا تو غلام خیر بولا۔

"بیٹے! بہت دن کے بعد آئے آپ لوگ سب خیر تو ہے۔"

"جی غلام خیر چچا! کیا شاہ گل واپس آ گئے۔" غلام خیر کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی، اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"وہ چلا گیا بیٹے! وہ واپس نہیں آئے گا اب۔" مومل نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے تھے...... اس کے لہجے سے بڑی بے بسی ٹپک رہی تھی، اس نے کہا۔

"کیوں غلام خیر چچا۔"

"اسے آنا ہوتا تو کبھی نہ جاتا وہ...... وہ......" غلام خیر کی آواز بھرا گئی...... پھر وہ جلدی سے سنبھل کر بولا۔

"ہم لوگ اس کا انتظار کرتے کرتے پتھرا گئے ہیں، وہ کہیں نہیں مل رہا ہماری اسے تلاش کرنے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی ہے...... دعائیں بھی ساتھ میں دے رہے ہیں۔" غلام خیر کے ذہن میں تو نجانے کیا کیا تھا، لیکن مومل اور مشعل کیا سمجھتیں، اس نے جلدی سے کہا۔

"آؤ بیٹی! میں تو پاگل ہو گیا ہوں...... اپنی اوقات سے بڑھ کر بولنے لگا ہوں۔ بیچاری

زلیخا بھابی بیمار ہیں...... صنوبر تو ایک طرح سے مٹی کی مورت ہے، حالانکہ وہ ماں ہے لیکن اس نے اپنے جذبات اس طرح بند کر لئے ہیں کہ اس کی کیفیت کا پتہ ہی نہیں چلتا...... آؤ...... آؤ چلو اندر چلو رک کیوں گئیں۔" صنوبر نے بھی غیر معمولی طور پر ان کا استقبال کیا تھا، حالانکہ وہ کسی سے بہت زیادہ الفت کا اظہار نہیں کرتی تھی، لیکن مومل اور مشعل کو اس نے بڑے پیار سے خوش آمدید کہا تھا...... زلیخا واقعی بیمار تھی، ان دونوں نے اس کی خیریت پوچھی تو زلیخا نے آنسو بھری آواز میں کہا۔

"ماں سے زیادہ چاہت کا اظہار تو نہیں کروں گی میں کیونکہ اس کے لئے ایک الگ مثال موجود ہے، لیکن شاہ گل کے جانے کے بعد کچھ اچھا نہیں لگتا...... دنیا بھی اچھی نہیں لگتی، بس ہر شخص اپنے اپنے ردعمل کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتا ہے...... یہ سمجھ لو کہ یہ میرا ردعمل ہے۔" بہت سی باتیں ہوئیں شاہ گل کے بارے میں بھی بہت سی باتیں ہوتی رہیں...... پھر مشعل نے مومل کو اشارہ کیا...... مومل بہرحال اب اس قدر ناکارہ بھی نہیں تھی کہ مطلب کی بات نہ کر سکتی کہنے لگی۔

"اچھا ایک بات بتائیے دادی جان!"

"ہاں پوچھو۔"

"دادا جان کیا آپ لوگ کسی خانہ خیل بستی کی رہنے والی ہیں۔"

"ہاں بیٹے کیا پہلے تمہیں کبھی یہ بات نہیں بتائی گئی۔" زلیخا کے الفاظ پر مشعل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، اس نے کہا۔

"ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے ملک میں خانہ خیل نامی کوئی آبادی ہے۔"

"بیٹے! اتنی خوبصورت آبادی کہ دیکھو تو بار بار دیکھنے کو دل چاہے...... پہنچ جاؤ تو وہاں سے واپس آنے کو دل نہ چاہے۔"

"دادی جان! آپ کے شوہر کا نام شاہ عالم تھا۔"

"ہاں۔"

"اور شاہ گل...... شاہ عالم کے پوتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر ایک بات اور بتائیے...... کیا ان کے نانا کا نام زمان ملنگی ہے۔"

"ہاں بیٹے یہ معلومات کہاں سے حاصل کر کے آئی ہو تم۔"

"کیا خانہ خیل کے نواح میں گہرے ڈھلانوں پر خوبانیوں کے درخت ہیں۔"

"خانہ خیل کے گردونواح تو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں...... ڈھلانوں پر خوبانیوں کے درخت ہیں یا خوبانیوں کے جو کھیت ہیں وہ شاہ عالم کی ملکیت تھے اور ہیں۔" مومل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اور مشعل پتھراتی ہوئی کھڑی تھی...... صنوبر اور زلیخا نے ان کا یہ صورت دیکھی اور پھر مدہم لہجے میں بولیں۔

"کیا بات ہے تم رونے کیوں لگیں۔"

"نہیں میری آنکھوں میں تکلیف ہے، اس طرح پانی بہنے لگتا ہے کبھی کبھی۔" مومل نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ زلیخا عجیب سی نگاہوں سے مومل کو دیکھ رہی تھی...... جب کہ صنوبر کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی اور اس کی آنکھوں سے کوئی خاص تاثر نہیں جھلکتا تھا، بہرحال وقت گزرتا گیا کافی باتیں ہوئیں...... مومل نے خواب میں جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں ان دونوں سے باتیں کرتی رہی اور وہ اس کے خواب کی تصدیق کرتی رہیں، جبکہ انہیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ خواب کہانی ہے...... کافی دیر کے بعد وہ وہاں سے اٹھیں تھیں...... مشعل بری طرح چکرائی ہوئی تھی اور مومل کار میں آنے کے بعد بلک بلک کر رو رہی تھی، اس نے کہا تھا۔

"دیکھا نا باجی آپ نے، دیکھا نا......" مشعل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁

نواب جانی انتہائی شاطر آدمی تھا...... اس کے اختیارات بھی تھے اور اس نے حیرت انگیز طریقے سے اپنے کام کئے تھے...... فرانس سے باقاعدہ ٹیلی فون موصول ہوا تھا۔ ہاشم خان کے گھر اور شہزادو خان نے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی...... اس نے کہا تھا کہ جیسے ہی صورت حال بہتر ہوگی اور اسے موقع ملے گا وہ وطن پہنچ جائے گا...... ہاشم خان اور اس کے اہل خاندان خوشی سے سرشار ہوگئے تھے اور انہوں نے پوچھا تھا کہ شہزادو کب آ رہا ہے۔ جواب میں جس شخص کو نواب جانی نے اس کام کے لئے مطمئن کیا تھا اس نے یہی کہا تھا کہ بس اسے پتہ معلوم ہونا چاہئے...... وہ کسی بھی وقت پہنچ جائے گا۔ ہاشم خان نے کہا تھا کہ کچھ بھی ہو اپنے آنے کی اطلاع ضرور دی جائے اور چونکہ وہ لوگ اسے پہچانتے نہیں ہیں اس لئے اپنی شناخت بھی بتائی جائے...... جواب میں وہ ساری باتیں طے ہو گئی تھیں اور آخر کار شاہ گل کو اس کے لئے تیار کر دیا گیا تھا...... وہ فلائٹ جو ایئر فرانس سے آئی تھی پہنچی اور بہت سے استقبال کرنے والے ایئرپورٹ پہنچ گئے...... نواب جانی نے وہاں بھی انتظامات کر رکھے تھے، چنانچہ دوسرے مسافروں کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی نمودار ہوا، جس نے اس فلائٹ پر سفر نہیں کیا تھا، لیکن جس کے پاس ساری چیزیں موجود تھیں...... نواب جانی کا آدمی اس نام سے سفر کر کے آیا تھا اور اس کا ٹکٹ وغیرہ اب شاہ گل کے پاس منتقل ہو چکا تھا...... اپنی آگ میں جلنے والا شاہ گل زمانے کی آگ دیکھ رہا تھا...... لوگ کس قدر چالاک ہوتے ہیں...... کیسی کیسی شیطانیت ان کے ذہنوں میں ہوتی ہے...... وہ ان ساری باتوں سے واقف

ہوا تھا...... باہر نکلا تو ایک طرف کچھ افراد کو پے کارڈ اٹھائے ہوئے دیکھا جس پر اس کے لئے استقبالیہ الفاظ لکھے ہوئے تھے...... ہاشم خان، اس کی بیٹی رمشا اور اہل خاندان میں سے کچھ افراد استقبال کے لئے موجود تھے...... وہ مسکراتا ہوا ان کی طرف آیا...... اس نے اپنے کوٹ کی جیب پر تین کلیاں لگا رکھی تھیں...... اور ہاشم خان کے اہل خاندان خوشی سے کھل اٹھے تھے...... رمشا سحر زدہ تھی...... وہ ایک ماڈرن اور خوبصورت لڑکی تھی، لیکن شاہ گل کا آفاقی حسن تو روایتی حیثیت رکھتا تھا...... اس کے مردانہ حسن اور وجاہت کے سامنے رمشا کچھ نہیں تھی...... پروقار چال چلتا ہوا وہ ان کے پاس پہنچا اور اس نے کہا۔

"میرا نام شہزادو خان ہے۔" دیکھنے والوں کی سحر زدہ نگاہیں سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لے رہی تھیں اور شدت حیرت سے گم تھیں...... ہاشم خان نے اس کا پرجوش استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ شہزادو خان کاش ایاز خان بھی تمہارے ساتھ ہوتے ہم نے تو تمہیں دیکھا ہی نہیں تھا...... بہر حال یہ عجیب موقع ہے، سمجھ میں نہیں آتا خوشی کا اظہار کریں کہ غم کا تمہارے آنے کی خوشی تو دیوانہ کئے دے رہی ہے، لیکن ایاز خان کی غیر موجودگی، آؤ...... بیٹے آؤ۔" اور اس کے بعد قیمتی کاریں سفر کرتی ہوئی ایک شاندار کوٹھی کی طرف چل پڑیں...... رمشا کے ساتھ اس کی دو کزن بیٹھی ہوئی تھیں...... فیروزہ اور نائلہ دونوں سحر زدہ تھیں...... خود رمشا بالکل خاموش تھی لیکن اس کے چہرے سے جو مسرت پھوٹ رہی تھی وہ صاف ظاہر ہو رہی تھی...... ادھر ہاشم خان بھی بہت مسرور تھے اور بڑی محبت سے شہزادو کی شخصیت کے بارے میں غور کر رہے تھے...... فطرت کے ذرا ایسے ہی آدمی تھے یعنی کہ ان کے مزاج میں تھوڑی سی بناوٹ تھی، اپنے آپ دوسروں سے منفرد سمجھتے تھے...... کئی بار انہوں نے ایاز خان اور اس کے بیٹے شہزادو خان کے بارے میں سوچا تھا، ویسے تو مخلوط پارٹی تھی، لیکن شخصیتوں کا جائزہ لینے میں زیادہ آسانی ہو جاتی ہے...... اب جب شہزادو کو دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا...... ایسا داماد ملے کہ لوگ دانتوں میں انگلی دبا کر رہ جائیں گے...... آخر

نار کارین کوٹھی میں داخل ہو گئیں..... کوٹھی بے حد شاندار تھی، لیکن شاہ گل تو فقیر تھا..... اسے ایسی چیزوں کی زیادہ پروا نہیں ہوتی تھی..... بہر طور یہ سارا مسئلہ اپنی جگہ اسے ایک شاندار کمرے میں ٹھہرا لیا گیا..... دو ملازم اس کے لئے مخصوص کر دیئے گئے اور اس کے بعد جب اہل خانہ اکٹھے ہوئے تو تعریفوں کے پل باندھ گئے..... بیگم ہاشم خان نے کہا۔

"خدا کی پناہ بڑا فخر کرتے تھے ہم اپنی رمشا پر لیکن یہ بچہ تو شہزادہ معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ معلوم ہونے کی بات کر رہی ہیں مالی طور پر وہ ہم سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں..... وہ شہزادہ لگتا نہیں بلکہ ہے اور پھر جہاں تک شخصیت کا تعلق ہے تو آپ کیا سمجھتی تھیں..... اپنی رمشا کے لئے ہم کسی معمولی شخصیت کا انتخاب کر سکتے تھے۔"

"واقعی بے پناہ حسین ہے۔" ادھر فیروزہ اور نائلہ شرارت سے پتھرائی ہوئی رمشا کے سامنے بیٹھیں تھیں..... رمشا ان کی شرارت کو سمجھ رہی تھی..... غصیلے لہجے میں بولی۔

"یہ آخر تم لوگوں نے کیا چکر چلا رکھا ہے، تم پر یہ سوگ کیوں طاری ہو گیا ہے۔"

"بس رمشا آج سے ہمارے تمہارے تعلقات ختم۔"

"بہت بہتر اطلاع کا شکریہ، لیکن اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"ارے اب ہماری حیثیت کیا رہ گئی ہے..... ان کے سامنے بھلا ہماری طرف کون نگاہ اٹھا کر دیکھے گا، وہاں تو کوہ قاف سے شہزادہ اتر آیا ہے۔"

"جل رہی ہو تم۔"

"جلنے کی بات ہی ہے سارے چراغ بجھ گئے اس کے سامنے کیا کریں اور کیا نا کریں..... اب ہمارے لئے اتنا حسین لڑکا کہاں سے آئے گا۔"

"یار دیکھو شرارت مت کرو..... میں تم سے سنجیدہ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"اب تو خیر تم سنجیدہ گفتگو ہی کرو گی..... ظاہر ہے مرتبہ بڑھ گیا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے میں اب اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ارے نہیں..... نہیں اب بھی ناراض ہونے کی گنجائش ہے اسے دیکھنے کے بعد تو دل

میں کسی برائی کا تصور ہی نہیں آ سکتا۔"

"یار واقعی بڑا خوبصورت ہے یہ تو۔" رمشا نے کہا۔

"ویسے یقین کرو رمشا دیکھ کر دل خوش ہو گیا ہے ہمارا اپنا تو ہے نا آخر۔" رمشا مسرت سے مسکرا دی تھی..... بہر حال شاہ گل کی آمد کو یہاں بہت ہی اہم انداز میں دیکھا گیا اور اسے بڑی حیثیت دی گئی، لیکن شاہ گل ان لوگوں کو بخوبی دیکھ رہا تھا..... نواب جانی کے بارے میں اس کے دل میں یہ اندازہ تھا کہ وہ بہت ہی شاطر آدمی ہے اور یقینی طور پر ہاشم خان کو نقصان پہنچائے گا..... بہت سارا وقت گزر گیا تھا اور ہاشم خان نے شہزاد سے ذرہ برابر کسی شبے کا اظہار نہیں کیا تھا..... اس نے پورے خلوص دل کے ساتھ اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اس کے دوست کا بیٹا شہزاد ہی ہے..... ویسے بھی شاہ گل ان لوگوں کے بارے میں مکمل طور پر یہ اندازے لگا رہا تھا کہ سادہ لوح لوگ ہیں اور اچھی طبیعت کے مالک نواب جانی کیوں ان کا دشمن ہو گیا..... اس کے بارے میں نواب جانی نے یکطرفہ تفصیل بتائی تھی..... حقیقت کیا تھی یہ تو نواب جانی اور ہاشم خان ہی جانتے ہوں گے، لیکن بہر حال چند روز کی رفاقت نے شاہ گل کے دل میں ان لوگوں کی عزت پیدا کر دی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کسی بھی طرح ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے..... کم از کم اس نقصان کا ذریعہ وہ نہ بنے تو اچھا ہے...... رمشا کی محبت بھری نگاہوں نے بھی شاہ گل کو پریشان کر دیا تھا..... مشرقی گھرانے کی ایک مشرقی لڑکی تھی اور انداز بھی مشرقی ہی تھے..... بے شک اپنا حلیہ جدید بنا رکھا تھا، اس نے بلکہ گھر میں اس کی اجازت تھی، لیکن ذہنی طور پر بہت زیادہ آزاد خیال نہیں تھی..... اس ضرور ہی خوش ہوئے جا رہی تھی کہ شاہ گل مستقبل میں اس کی زندگی کا حصہ بنے گا..... بہر حال اس دوران نواب جانی نے صرف ایک بار رابطہ قائم کیا تھا اور گفتگو کرتے ہوئے کہا تو..... اس کا ٹیلی فون شاہ گل کو موصول ہوا تھا اور مخصوص الفاظ کے تبادلے کے بعد شاہ گل نے اس سے بات کی تھی۔

"بہت اچھے جا رہے ہو..... دلارے! بہت خوش ہوں میں تمہاری ان کوششوں سے جو

کچھ تمہیں اس سلسلے میں ملے گا اس کا اندازہ تم نے کر ہی لیا ہوگا...... ساری زندگی کے عیش، میرا تو بس چھوٹا سا معاملہ ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"کوئی اور ہدایت نواب صاحب!"

"بالکل نہیں...... بس یہ سمجھ لو کہ وہاں مکمل انتظام ہے...... ایک ایک لمحے کی خبر مجھے ن رہی ہے...... بالکل ٹھیک جا رہے ہو، آہستہ آہستہ سارے معاملات طے ہو جائیں گے، اسی طرح جاری الفاظ سے شاہ گل کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ یہاں اس کوٹھی میں ایسے افراد موجود ہیں جو یہاں کے حالات سے نواب جانی کو باخبر رکھتے ہیں...... شاہ گل کو اپنی تو کوئی فکر نہیں تھی، لیکن بہر حال ان لوگوں کے بہترین رویئے سے وہ بہت متاثر ہوا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو ذرہ برابر کوئی تکلیف نہ پہنچے، کوئی نقصان نہ پہنچے، چنانچہ اس نے اپنے دل میں ان جذبوں کو پروان چڑھایا تھا...... حالانکہ وہ اپنے ہی دکھ کا شکار تھا...... اپنی ہی آگ میں جل رہا تھا، لیکن اس کے باوجود دنیا کا کچھ قرض ہوتا ہے اور یہ قرض ادا کرنا بھی بہت ضروری تھا، چنانچہ وہ فیصلے کرتا رہا اور آخر کار اس نے ایک مناسب فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ یہی تھا کہ وہ ہاشم خان کو اس بارے میں تفصیل بتا دے...... ادھر ہاشم خان اور اس کے اہل خاندان اس پر اپنی محبت اور عنایتیں نچھاور کیے ہوئے تھے...... رمشا کی محبت بھری نگاہیں باقی تمام لوگوں کا محبت بھرا رویہ شاہ گل کو مزید دکھ میں مبتلا کیے ہوئے تھا...... اپنی زندگی کی تو اسے خیر کیا پرواہ ہو سکتی تھی، بس دنیاداری تھی دنیا نبھانا چاہتا تھا...... اس لئے جی رہا تھا...... اس نے پیغام بھیجا اور ہاشم خاں سے درخواست کی کہ وہ اسے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے...... جس کمرے میں ہاشم خان نے اسے طلب کیا تھا، وہ الگ تھلگ تو تھا...... ہاشم خان نے وہاں اس کا پرجوش استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں شہزاد ضرور کوئی ایسی ہی بات ہوگی، جو تم مجھ سے بالکل تنہائی میں کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں! ہاشم خان صاحب! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جسے کرتے ہوئے انسان کے

ذہن پر نجانے کیا کیا سوچیں طاری ہوتی ہیں...... کبھی کبھی کسی کو محفوظ رکھنے کے لئے اس کی خوشیاں بھی چھیننا پڑتی ہیں...... میں آپ کو اپنے بارے میں تفصیلات تو کیا ہی بتاؤں گا، بس یوں سمجھ لیجئے کچھ ایسی ضرورت آن پڑی ہے، جس کی وجہ سے آپ کو یہ تکلیف دے رہا ہوں...... بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں ہاشم خان صاحب! کہ انسان کا خود اپنا ضمیر کٹ جاتا ہے اور وہ یہ سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ جو کچھ وہ نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ اسے کرنا پڑ رہا ہے۔"

ہاشم خان کے چہرے پر کسی قدر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے، اس نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہو تم جو میرے لئے تکلیف اور خوف کا باعث بنے۔"

"شاید ایسا ہی ہے۔"

"آہ! کہیں...... کہیں تم...... مگر نہیں بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ایک غم بھری بات ہے بے شک لیکن مستقبل میں آپ کیلئے بہت اچھی ثابت ہوگی۔"

"بیٹے اور زیادہ امتحان میں نہ ڈالو مجھے، بتاؤ تو سہی بات کیا ہے۔"

"آپ کے خلاف ایک سازش کی گئی ہے...... ہاشم خان صاحب! اور میں اس سازش کا ذریعہ ہوں۔" ہاشم خان اب کچھ نہ بولا پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہ گل کو دیکھتا رہا...... شاہ گل نے کہا۔

"ایک نام لے رہا ہوں میں آپ کے سامنے، اگر اس نام سے آپ واقف ہیں تو آپ کو بات کی سنگینی کا احساس ہوگا...... کیا آپ کسی نواب جانی کو جانتے ہیں۔" شاہ گل نے اپنے الفاظ کا ردعمل مکمل طور سے ہاشم خان کے چہرے پر دیکھا تھا...... ہاشم خان ساکت رہ گیا تھا...... پھر اس نے کافی دیر کے بعد خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اس شخص کو میں جانتا ہوں، مگر۔"

"چلئے ٹھیک ہے بات کو طوالت نہیں دے رہا میں...... یوں سمجھ لیجئے کہ میرا نام شہزاد خان نہیں ہے اور نہ ہی میں ایاز خان کا بیٹا ہوں...... نواب جانی نے مجھے کہیں سے حاصل کیا ہے اور شہزاد خان بنا کر یہاں بھیجا ہے...... اصل میں ایاز خان اور اس کا بیٹا شہزاد خان ایک

حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں ۔۔۔ یہ خبر آپ تک نہیں پہنچی لیکن نواب جانی اس ۔۔۔ میں جانتا تھا اور بہت عرصے سے وہ اس فکر میں تھا کہ کسی مناسب شخص کو شہزاد خان بنا کر آپ کے پاس بھیجے اور آپ کے گھر میں یہ ڈرامہ کر کے آپ کو نقصان پہنچائے اور اس بدبخت کو میں نظر آ گیا، اس نے مجھے اپنے جال میں پھانسا اور اس طرح پھانسا کہ میں اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور ہو گیا ۔۔۔ باقی تمام سازش اسی کی تیار کی ہوئی تھی ۔۔۔ اس نے ایک سازش کے تحت مجھے باقاعدہ یہاں بھیجا اور آپ لوگ اس کے جال میں پھنس گئے ۔۔۔ خیر اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا چاہتا ۔۔۔ میری سب سے بڑی صفائی یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے اس سازش کا انکشاف کر رہا ہوں ۔۔۔ چاہے مجھے پولیس کے حوالے کر دیجئے چاہے خود گولی مار دیجئے ۔۔۔ دونوں باتوں کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، لیکن آپ لوگوں نے جو میرے ساتھ بہترین سلوک کیا ہے ۔۔۔ اس نے مجھے پورے طور پر اس بات پر مجبور کر دیا کہ میں آپ کو اس سلسلے میں اطلاع دوں ۔۔۔ میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی برائی کبھی نہیں تھی، لیکن میں چاہتا تھا کہ مضبوط بنیاد پر جب نواب جانی کے بارے میں آپ پر انکشاف کروں تو اپنے تحفظ کا بھی بندوبست کر لوں، لیکن ایسا ممکن نہیں ہے ۔۔۔ میرے ضمیر نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی ہے، چنانچہ میں آپ کو ساری تفصیل فوری طور پر بتا رہا ہوں ۔۔۔ بہر حال یہ ہے سارا کھیل اب آپ خود سوچ لیجئے کہ آپ کو کیا کرنا ہے ۔۔۔ آپ کی صاحبزادی بہت اچھی شخصیت کی مالک ہیں، لیکن سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں ایک اتنی اچھی اور معصوم لڑکی کو کسی طرح کا دھوکا دوں ۔۔۔ آپ فیصلہ کر لیجئے کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ میں آپ کو تمام حقیقت بتا چکا ہوں۔"

"بیٹے! تم کون ہو۔"

"بس تقدیر کا مارا ہوا ایک شخص ۔۔۔ میرے بارے میں اس سے زیادہ مت پوچھیں تو بہت بہتر ہو گا۔"

"ہوں ۔۔۔ بہر حال اس انکشاف کا بہت بہت شکریہ میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ

نواب جانی کو گرفتار کرانے میں میری مدد کرو ۔۔۔ ظاہر ہے میں یہ نہیں چاہوں گا کہ تم اس سے کوئی دشمنی مول لو، البتہ ایک درخواست میں تم سے ضرور کر سکتا ہوں۔"

"جی فرمائیے۔"

"کیا تم اس وقت تک خاموشی سے یہاں رہ سکتے ہو، جب تک میں نواب جانی سے نہ نمٹ لوں ۔۔۔ اسے اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے کہ تم مجھے ساری حقیقت بتا چکے ہو ۔۔۔ صرف اور صرف اتنا چاہتا ہوں میں تم سے، باقی ساری باتیں اپنی جگہ۔" شاہ گل تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اس کا جواب میں آپ کو کچھ وقت کے بعد دوں گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے، میں تم سے اس کے لئے ضد نہیں کروں گا۔" بہر حال شاہ گل اپنے کمرے میں چلا گیا ۔۔۔ اپنا فرض پورا کرنے کے بعد اسے بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اپنے وجود کو کافی ہلکا محسوس کر رہا تھا، لیکن ہاشم خان پر جو گزر رہی تھی اس کا دل ہی جانتا تھا ۔۔۔ بیٹی کے چہرے پر کھلی ہوئی خوشی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا ۔۔۔ بیوی بھی خوش تھی ۔۔۔ سارے گھر میں خوشیوں کا راج تھا، جو کچھ ہونے والا تھا، اس نے سب کو مسرت سے لبریز کیا ہوا تھا ۔۔۔ بڑے بڑے منصوبے بنائے گئے تھے ۔۔۔ مستقبل کی بہت سی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔۔۔ رمشا اکلوتی بیٹی تھی اور اس کے لئے جو کچھ کر سکتا تھا وہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا، لیکن تقدیر نے جو دھکا دیا تھا اس سے سنبھلنا مشکل ہی نظر آ رہا تھا، پھر بھی بیوی اور بیٹی کو اعتماد میں لینا مناسب سمجھا، ایک اور خیال دل کے گوشوں میں پل رہا تھا ۔۔۔ بیوی اور بیٹی کو طلب کر کے اس نے سامنے بٹھایا اور بولا۔

"رمشا بیٹے! ایک بہت بڑا انکشاف کرنے جا رہا ہوں تمہارے سامنے ۔۔۔ دیکھو کوئی بات دل پر لینے کی ضرورت نہیں ہے، اس دنیا میں ایسے بے شمار واقعات ہوتے ہیں جو کبھی کبھی ہمیں نجانے کیسی کیسی مشکلوں میں گرفتار کر دیتے ہیں، لیکن انسان اگر کسی کے ساتھ برائی نہ کرے اور اپنے جیسے انسانوں کو تکلیف نہ پہنچائے تو اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے،

ہمارے ساتھ بھی اس وقت ایک ایسا ہی واقعہ پیش آگیا ہے۔" بیوی اور بیٹی پریشانی کے انداز میں ہاشم خان کی صورت دیکھنے لگیں..... ضرور کوئی ایسا ہی انکشاف تھا جس کو بتاتے ہوئے ہاشم خان اس قدر اُلجھ رہا تھا..... پھر ہاشم خان نے وہ ساری تفصیل ایک ایک لفظ کے ساتھ ماں بیٹی کے سامنے پیش کر دی اور دونوں کے چہرے تاریک ہو گئے..... یہ تاریکی اس سے پہلے نواب جانی کی طرف سے ہاشم خان پر مسلط کر دی گئی تھی اور ہاشم خان خود ایک دہشت، خوف کا شکار تھا..... بیوی نے کہا۔

"وہ کم بخت نواب جانی! وہ آج تک اپنے دل میں ہمارے لئے دشمنی سجائے بیٹھا ہے۔"

"اس کتے سے تو میں اچھی طرح نمٹ لوں گا لیکن اب اس بارے میں سوچو اس کے لئے کیا کرنا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ۔" بیوی نے کہا۔

"ہاں۔"

"اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے، کم از کم اس نوجوان کے بارے میں ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شریف زادہ ہے..... اچھا خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے..... اگر ہم اسے شہزادہ ہی کا درجہ دیئے رکھیں تو اس میں کوئی حرج ہے۔" ہاشم خان سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھی تجویز ہے..... اچھا مشورہ ہے..... غور کر لیں گے اس پر اور..... اور رمشا بیٹے آپ بھی غور کر کے ہمیں جواب دیں گی۔" رمشا جس کا دل تاریک ہو گیا تھا ایک بار پھر تاریکیوں سے روشنی میں نکل آئی تھی اور اس روشنی میں اسے شاہ گل کو بھی شریک کرنا مناسب سمجھا..... اور جیسے ہی موقع ملا وہ شاہ گل کے کمرے میں پہنچ گئی..... شاہ گل کو رمشا کے اس طرح چلے آنے کی توقع نہیں تھی، لیکن بہرحال اس نے رمشا کا استقبال کیا اور بولا۔

"آیئے..... آپ اس طرح آ جائیں گی مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔"

"میں کوئی دعویٰ کر کے نہیں آئی اور نہ کسی دعوے کے تحت آئی ہوں..... بہت سی

باتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو وقت سے پہلے نہیں کرنی چاہئیں..... اصل میں میرے والد صاحب اور میری امی پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں اور سچی بات بھی یہ ہے کہ بہت کم ہی رشتے ایسے ہوتے ہیں جو مکمل اعتماد کے حامل ہوتے ہیں..... انہوں نے مجھے ساری حقیقت بتا دی ہے۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ آپ نے ابو کے ایک بہت ہی پرانے دشمن کا انکشاف کیا ہے، جبکہ آپ خود اس کے آدمی ہیں۔"

"میں اس کا آدمی نہیں ہوں..... آپ کے ابو نے شاید آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں اس کا قیدی ہوں اور اس نے میرے حالات سے ہی فائدہ اٹھایا ہے۔"

"کچھ بھی سہی وہ کیفر کردار تک پہنچ جائے گا..... ایک بات میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں..... یہ میرا پہلا سوال ہے۔"

"جی۔"

"آپ کا اصل نام کیا ہے۔" رمشا کے اس سوال پر شاہ گل کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"دوسرا سوال کیجئے۔"

"نہیں پہلے سوال کے جواب کے بغیر میں دوسرا سوال نہیں کروں گی۔"

"تو پھر اس پہلے سوال کے جواب کے لئے مجھے مہلت دیجئے گا۔"

"کیوں۔"

"مس رمشا! یہ دوسرا سوال ہے۔" رمشا کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

"دیکھئے دل کے سودے دل سے ہوتے ہیں، آپ ایک بات پر یقین کر لیجئے گا میں کسی شہزادے کو نہیں جانتی تھی۔ نام سنا تھا ابو کی باتیں بھی سنی تھیں اور میں نے بڑوں کے اس کھیل کو ان کی ذمہ داری سمجھ کر اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا..... کوئی تصور نہیں تھا میرے ذہن میں، لیکن بہرحال ایسا ہوا، البتہ جب میں نے شہزادے کی حیثیت سے آپ کو دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی، بالکل اسی طرح جیسے کسی گفٹ بکس سے کوئی ایسا پسندیدہ تحفہ نکل آتا ہے جسے دیکھ کر دل و دماغ خوش ہو جائیں..... آپ میرے لئے ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے..... افسوس

ہیں آپ کو آپ کے نام سے مخاطب نہیں کر سکتی، لیکن خیر آپ نے کچھ وقت کی بات کی ہے...... ظاہر ہے میں اسے رد کیسے کر سکتی ہوں، لیکن میں انتظار کروں گی...... اب جا رہی ہوں زیادہ دیر آپ کا سامنا نہیں کر سکوں گی...... بڑی ہمت کر کے یہاں تک آئی تھی۔" وہ دروازے سے باہر نکل گئی اور شاہ گل اس دروازے کو دیکھتا رہا...... اس کے ہونٹوں پر ایک زخمی مسکراہٹ تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں رمشا! کہاں دل و دماغ تلاش کر رہی ہو، کسے انسان سمجھ رہی ہو...... میں تو انسانوں کی دنیا سے بہت دُور کا آدمی ہوں، مجھے...... مجھے انسان نہ سمجھو...... کہاں جھگڑوں میں آپھنسا ہوں میں، نہیں...... اس قابل بالکل نہیں ہوں کہ انسانوں کی دنیا سے میرا رابطہ رہے...... تقدیر نے مجھے جو کچھ بنایا ہے مجھے تقدیر کے فیصلے تسلیم کرنا ہی ہوں گے...... معافی چاہتا ہوں رمشا...... معافی چاہتا ہوں۔" اور پھر اس کے دل و دماغ میں ایک دھواں سا بھر گیا...... یہ دھواں اسے دنیا سے بیگانہ کر دیتا تھا...... وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا، بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا...... اب نہ اسے نواب جانی کی فکر تھی، نہ پولیس کی، نہ ان لوگوں کی جنہوں نے اس سے بہت سی توقعات وابستہ کر لی تھیں...... وہ اپنے جنون کی دنیا کا مسافر تھا اور کوٹھی کے صدر دروازے سے نکل کر وہ ویران دنیا کے ویرانوں میں آگے بڑھتا چلا گیا، کسی منزل کا تصور کیے بغیر۔

❁ ❁ ❁

زلیخا بیمار تو ہو ہی چکی تھی...... اس کی طبیعت بگڑ گئی اور غلام خیر پریشان ہو گیا...... اس نے زلیخا کو ہسپتال لے جانے کی کوشش کی تو زلیخا بولی۔

"نہیں غلام خیر بھائی! مجھے کسی ہسپتال وغیرہ لے جانے کی کوشش مت کرو...... بات یہ ہے نا تو ولی بن رہی ہوں نہ درویش، لیکن میرے دل میں یہ تصور جڑ پکڑ چکا ہے میں زندگی کے آخری لمحات گزار رہی ہوں...... سمجھ رہے ہونا۔"

"بھابی جی! ایسی باتیں نہ کریں۔"

"تمہیں یہی کہنا چاہئے...... ویسے بھی ظاہر ہے انسان کا اپنا ایک نظریہ ہوتا ہے...... حالات کا، باقی تمام چیزوں کا...... بیٹوں نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے...... ایسا لگتا ہے ایک بیٹے کی ماں تھی جو اس دنیا سے چلا گیا...... علی داراب، علی شاد اور علی ضیغم تو بالکل ہی پتھر دل نکلے، لیکن ہوتا ہے ایسا ہوتا ہے جن لوگوں کو ہم پتھر کا انسان کہتے ہیں...... وہ پتھر کے ہوتے ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو ہمارے پاس کہنے کے لئے کچھ نہ ہوتا بہتر یہ ہے کہ انہیں رہنے دو...... تم سے ہی شکایت کریں گے کیا فائدہ۔"

"میں انہیں بلا دیتا ہوں لیکن آپ براہ کرم اس طرح مایوس نہ ہوں۔"

"بس مجھے ہسپتال وغیرہ مت لے جانا، تم سمجھو گے نہیں غلام خیر بھائی! کہ میرے ساتھ کیا واقعات پیش آچکے ہیں...... یہ واقعات امانت بھی کہے جا سکتے ہیں اور امانت کسی کو

پی نہیں جاتی۔ آپ کو پتہ ہے اس کے بارے میں کسی سے تفصیل نہیں بتائی جاسکتی...... ان لوگوں کو بلادو، دو چار باتیں کرلوں آخر وہ بھی اولاد ہیں میری۔" علی ضیغم، علی شاد اور علی اراب کو غلام خیر نے اطلاع دی تھی اور تینوں ہی پہنچ گئے تھے اور اداکاری کرنے لگے تو زلیخا نے کہا۔

"دیکھو میں غلام خیر بھائی سے یہی کہہ رہی تھی کہ پتہ نہیں یہ سب میرے کیوں نہ بن سکے۔ لیکن ایسا ہوتا ہے، ایسا ہی ہوتا ہے بس تمہیں دیکھنے کو دل چاہا تھا...... دیکھ لیا میں تمہیں معاف کر کے جارہی ہوں تاکہ روز قیامت تم پر سخت نہ گزرے...... تمہاری قبر کی گہرائیاں تمہارے لئے اس قدر تکلیف دہ نہ ہوں، جتنی ہوجاتی ہیں، چنانچہ میں نے تمہیں صدق دل سے معاف کیا۔"

"وہ بس آپ یہ سمجھ لیں کہ ہمارے حالات نے۔"

"نہ کہو ایسی باتیں بہت کچھ تھا تمہارے پاس بہت کچھ چھوڑا تھا تمہارے باپ نے علی نواز کو تم نے مجھ سے چھین لیا اور تم نے علی نواز کے دشمنوں کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے...... اللہ نے علی نواز کے خون کو نظر انداز نہیں کیا...... خیر دنیا کے معاملات دنیا جانے اور کس نے کیا کیا ہے اس کا محافظ موجود ہے...... مجھے جو کہنا تھا۔" زلیخا کی آواز ایک دم بند ہوگئی اور غلام خیر کو آواز دی گئی جو باہر موجود تھا...... غلام خیر نے اندر آکر دیکھا تو زلیخا کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں...... غلام خیر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے...... صنوبر نجانے کتنے عرصے کے بعد بلک بلک کر روئی تھی...... حقیقت یہ ہے کہ زلیخا نے اسے ماں جیسا پیار دیا تھا...... باقی وہ تینوں شیطان اپنے طور پر معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے...... جھوٹ موٹ کے کچھ آنسو بھی بہائے گئے تھے...... بہر حال خوب ڈرامہ بازی ہوئی اور اس کے بعد ایک ڈیڑھ ہفتہ اسی طرح گزر گیا...... غلام خیر ان دنوں خاصی گہری سوچ میں مبتلا تھا...... درحقیقت اپنے طور پر جس قدر کوششیں کر سکتا تھا اس نے شاہ گل کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کرلی تھی اور اس کے بعد اس کا پتہ نہ پاکر مایوس ہوگیا تھا، لیکن

جو کچھ ہوا تھا وہ ذرا مختلف نوعیت کا حامل تھا اور اس کے بارے میں بڑا غور کرتا تھا کہ کیا کیا جائے...... غرض یہ کہ تھوڑے سے دن اور گزرے اور پھر ایک دن تینوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور غلام خیر کے پاس پہنچ گئے۔

"غلام خیر جی! بڑے نافرمان اور نامعقول ہیں ہم...... بڑی کوتاہیاں اور گستاخیاں ہوئی ہیں ہماری آپ کے ساتھ، لیکن بس یوں سمجھ لیجئے کہ جب سب کچھ کھو جاتا ہے تو انسان کو اس کا احساس ہوتا ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم لوگ۔"

"یہ کہ اب آپ ہی ہمارے بزرگ ہیں، ہمیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ شاہ جمال آپ کو کیا درجہ دیتے تھے...... ہم نے بہت سی بار آپ کے ساتھ گستاخیاں کی ہیں، کیا آپ ان گستاخیوں کے لئے ہمیں معاف کردیں گے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے ان گستاخیوں کو گستاخی سمجھا ہی نہیں جس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے، دوسرے کو وہی دیتا ہے وہ...... تم نے جو کچھ کیا ہے تم بہتر سمجھتے ہو۔"

"وہ غلام خیر چچا! امی نے وقت سے پہلے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا...... آپ کو طلب کررہی تھیں، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی آپ سے ہمارے بارے میں۔"

"کیا کہنا چاہتی تھیں۔"

"یہی غلام خیر چچا کہ صنوبر کو علی داراب سے منسوب کردیا جائے، اس کے علاوہ وہ ساری جائیداد ہم تینوں میں تقسیم کردی جائے...... وہ آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتی تھیں لیکن موت نے انہیں اس کی مہلت نہیں دی۔" غلام خیر کے ہونٹوں پر نفرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"میں اس وقت دروازے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا بیٹے! جب وہ تم سے باتیں کررہی تھیں انہوں نے جو الفاظ کہے تھے...... میں لفظ بہ لفظ تمہیں سناتا ہوں تمہیں یقین آجائے گا، اس بات پر کہ میں اندر کی ساری باتیں سن رہا تھا...... اصل میں اس کی وجہ کچھ اور تھی

وجہ یہ نہیں تھی کہ میں ماں بیٹوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سننا چاہتا تھا...... وجہ یہ تھی بیٹے کہ مجھے تم لوگوں پر بھروسہ نہیں تھا، میں جانتا تھا کہ تم کوئی نہ کوئی ایسا عمل کرو گے جو بعد میں تکلیف دہ ثابت ہو...... ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی انہوں نے۔"

"غلام خیر چچا! کیا آپ...... کیا آپ حد سے زیادہ نہیں بڑھ رہے۔" علی ضیغم نے کہا۔

"بیٹے! میں اگر چاہوں تو اب بھی تم لوگوں کے خلاف ایسا عمل کر سکتا ہوں کہ تم زندگی بھر اپنے کئے پر نادم ہوتے رہو گے، لیکن افسوس شاہ عامل اس دنیا میں نہیں ہے...... اگر وہ ہوتا تو لازمی بات ہے کہ میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑتا، بلکہ وہی مجھ سے درخواست کرتا کہ تمہارے خلاف کچھ کروں...... خیر کوئی بات نہیں ہے جاؤ...... ماں کی تدفین ہو چکی ہے...... اس گھر سے تمہارے تمام رابطے ٹوٹ چکے ہیں، اب ایسی کوئی کوشش نہ کرنا اس طرف رخ کیا تو میں یہ بات بھول جاؤں گا کہ تم شاہ عامل کے بیٹے ہو...... اٹھو۔" غلام خیر اٹھ کھڑا ہوا، اس کے انداز میں انتہائی نفرت اور خونخواری پائی جاتی تھی...... تینوں کو احساس ہو گیا کہ اگر زیادہ بولے تو کوئی گڑبڑ ہو جائے گی...... باہر نکلے، علی ضیغم نے کہا۔

"اس غلام خیر کو تو میں دیکھ لوں گا، اب اس کے خلاف قانون کو استعمال کرنا پڑے گا...... کیا سمجھتا ہے یہ اپنے آپ کو۔" وہ لوگ چلے گئے، لیکن غلام خیر کے لئے بڑی تشویش چھوڑ گئے، اس کی بھی عمر کافی ہو گئی تھی...... صحت بے شک بہت اچھی تھی لیکن پھر بھی اب عمر کا کوئی بھروسہ نہیں تھا، جبکہ صنوبر کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا...... شاہ گل تو پتہ نہیں کہاں گم ہو چکا تھا...... اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب اور کہاں ہے، لیکن غلام خیر ان تینوں سے خوفزدہ تھا...... اس کا تو خیر وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے، لیکن صنوبر کے لئے وہ مستقل خطرہ بنے رہیں گے اور اس کے دل میں ایک ہی خیال آیا...... صرف ایک خیال صنوبر زمان ملنگی کی بیٹی ہے اور زمان ملنگی نے اپنے آخری لمحات میں خانہ خیل میں لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس نے خانہ خیل کے لوگوں کو زمان ملنگی کا مرید بنا دیا تھا، ان سے اچھے محافظ صنوبر کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتے، چنانچہ صنوبر کو خانہ خیل چلنے کے لئے آمادہ کرنا

...... صنوبر خود بھی زلیخا کی موت کے بعد بہت بددل ہو گئی تھی...... ایک لمحے کے لئے اس کا دل یہاں نہیں لگتا تھا...... تنہا یادیں زلیخا سے وابستہ تھیں...... جواب اسے تنگ کرتی ...ہیں...... شاہ گل کے لئے اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت تھی، بس اسے یوں لگتا ...کہ جیسے علی نواز اچانک ہی اس سے بچھڑ گیا ہے...... شاہ گل بھی اسی طرح چلا گیا ہے...... ...اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ دونوں باپ بیٹے بے وفا تھے...... دونوں میں سے کوئی ...نہیں نبھا سکا...... غرض یہ کہ جب غلام خیر اس کے سامنے پہنچا تو خود صنوبر نے کہا۔

"غلام خیر چچا! دل نہیں لگتا، اب یہاں کیا کریں۔" غلام خیر کو خود ہی موقع مل گیا......

...نے کہا۔

"صنوبر بیٹی واقعی شاہ عامل چلے گئے...... زلیخا بھابی بھی چلی گئیں...... شاہ گل بھی نہ ...نے کہاں چلا گیا...... بس ہم یہاں رہ گئے ہیں، تنہا دل نہیں لگتا...... ایک بات کہوں صنوبر۔"

"جی غلام خیر چچا۔"

"تمہیں کبھی خانہ خیل یاد نہیں آتا۔" صنوبر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ...ہو گئی، دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"خانہ خیل میں میرے باپ کا گھر تھا وہاں میری بہت سی سہیلیاں تھیں...... جو شادی ...ہو جانے کے بعد وہیں آس پاس آباد ہو گئی ہیں...... کبھی ملی ہی نہیں مجھ سے میں بھی تو ان ...سے نہیں ملی، ایک کو بھی بلاتی تو میرے پاس آ جاتی...... بڑی دوستیاں تھیں ہماری غلام خیر ...ایک زمانے میں خانہ خیل کا ماحول بہت ہی اچھا تھا...... سب لوگ ایک دوسرے سے ملتے ...جلتے تھے...... غلام خیر چچا! ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گے۔"

"نہیں بیٹا ضرور کہو۔"

"ہم خانہ خیل چلیں۔"

"یہ تو تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے بیٹی...... واقعی اب یہاں شہری زندگی میں ...کیا رہ گیا ہے...... آسمان کو چھوتی ہوئی پہاڑوں کی چوٹیاں، چمکتی ہوئی برف، لہلہاتے

ہوئے باغ جن سے اُٹھتی ہوئی پھلوں کی خوشبو دُور دُور تک مہکتی رہتی ہے، اب بہت یاد آتے ہیں..... سب کچھ تو چھین لیا اس شہر نے ہمارا چلو..... چلتے ہیں۔"

"یہاں کے چھوڑیں گے غلام خیر چچا!"

"کسی کو نہیں زمان ملنگی کی کوٹھی اور زمینیں، وہاں بھی ہیں..... یہ گھر یہیں رہے گا..... میں اسے بیچوں گا اس لئے نہیں کہ یہ زمان ملنگی نے تمہارے لئے خریدا تھا..... چلو پھر تیاریاں کرو..... چلتے ہیں۔" صنوبر خوش ہو گئی تھی..... پتہ نہیں اس کی ذہنی تربیت میں یا ذہنی تیاریوں میں کیا دقت رہ گئی تھی..... آج بھی بچوں کی طرح معصوم تھی..... کسی بھی بات میں کبھی اتنی گہری نہیں ثابت ہوئی تھی..... بس جی رہی تھی..... کسی خاص جذبے کے بغیر اور یہ کام واقعی بے حد مشکل ہوتا ہے۔

❁❁❁

نثار احمد صاحب اچانک ہی شیراز صاحب کے پاس پہنچے تھے اور شیراز صاحب نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا تھا۔

"بھائی اس دن کے بعد سے تو آج تک ملاقات ہی نہیں ہوئی..... میں تو یہ سوچتا رہا کہ آپ کی طرف سے کچھ سلسلہ شروع ہوگا تو بات آگے بڑھائیں گے۔"

"میرا خیال ہے نثار احمد صاحب اس دن ہماری باتیں خاصی موثر انداز میں ہوئی تھیں..... میں سوچ رہا تھا کہ آپ..... اصل میں کچھ ریت رواج ہوتے ہیں جو ضروری نبھانے پڑتے ہیں..... ورنہ کوئی بھی دل کی بات کسی سے بھی کہہ سکتا ہے۔"

"بھائی شیراز..... میں تو فوراً ہی حاضری دیتا بلکہ کئی بار حاضری دیتا، لیکن کبھی کبھی یہ بچے بڑی اُلجھن بن جاتے ہیں اور ایک ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ بچے اگر بچے ہی رہتے تو زیادہ اچھا تھا..... ذرا سے بڑے ہوتے ہیں اپنے آپ کو سمجھانا شروع ہو جاتے ہیں..... ہم تو گویا کچھ کہتے ہی نہیں ہیں، اس کے بعد۔" نثار احمد صاحب اُلجھے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے اور شیراز صاحب پریشان نگاہوں سے نثار احمد کو دیکھ رہے تھے..... کچھ لمحے کے بعد نثار احمد صاحب نے کہا۔

"وہ بس ذرا سی غلطی ہو گئی..... حضرت سے پوچھ بیٹھے کہ بیٹے آپ کا کیا خیال ہے جو رشتہ ہم کر رہے ہیں، اس سے آپ کو بھی اتفاق ہے یا نہیں..... کہنے لگے کہ ڈیڈی ویسے تو

آپ کو جو دل چاہے کر دیں، لیکن اگر مجھ سے پوچھ بیٹھے ہیں تو پھر میری بھی جرات ہوتی ہے کہ میں آپ کو اپنے دل کی بات بتادوں..... میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے بتاؤ، لیکن اس نے عجیب بات کہی ہے کہ آپ سے کہتے ہوئے بڑی شرمندگی ہو رہی ہے مجھے۔" شیراز صاحب سر د نگاہوں سے نثار احمد کو دیکھنے لگے، جب وہ کچھ نہ بولے تو نثار احمد نے خود ہی کہا۔

"وہ دراصل توصیف چاہتا ہے کہ چھوٹی بیٹی سے اس کا رشتہ کر دیا جائے..... مومل اسے مشعل سے زیادہ پسند ہے..... دیکھئے معافی چاہتا ہوں بچوں کی اپنی پسند اپنا ایک انداز ہے..... میں بس اسی لئے اُلجھا ہوا تھا..... شیراز بھائی ایک باپ بن کر سوچئے..... اگر وہ مجھ سے سرکشی پر آمادہ ہو جائے اور کھل کر کہہ دے کہ اگر ایسا ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ شادی نہیں کرے گا تو صرف خاموش ہونے کے علاوہ میں کچھ نہیں کر سکتا..... میں نے آخر کار یہی سوچا کہ آپ کو اپنا راز دار بناؤں۔" شیراز صاحب کافی دیر تک پریشان بیٹھے رہے تھے..... ہزاروں خیالات دل میں آ کر گزر رہے تھے..... توصیف بہت اچھا نوجوان تھا اور نثار احمد صاحب بھی صاف ستھری طبیعت کے مالک تھے، اس گھرانے کو چھوڑنا مناسب نہیں تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ شیراز صاحب سخت اُلجھن کا شکار تھے..... مومل کا تو معاملہ بھی ذرا اُلجھا ہوا تھا..... بے شک قاعدے کی رو سے پہلے بڑی بیٹی کی شادی ہونی چاہئے تھی، لیکن یہ بھی ایک سچ ہے کہ وہ مومل کے لئے زیادہ پریشان تھے..... مشعل تو سیدھی سچی سی لڑکی تھی، کسی مسئلے میں اس کے لئے تو پریشانی کی بات نہیں تھی..... بہت دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔

"اُلجھن تو ہے میرے لئے مشورہ کرنے کے لئے بیٹیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے..... مجھے اپنی بیٹیوں سے مشورہ تو کرنا ہی ہوگا..... اس کے بعد ہی میں آپ کو مناسب جواب دے سکوں گا۔" پھر انہوں نے نثار احمد صاحب کے جانے کے بعد مومل اور مشعل کو طلب کر لیا..... دونوں نارمل تھیں..... مومل کی پیشانی پر اب نماز کا نشان چمکنے لگا تھا..... وہ دن رات عبادت کرتی تھی..... چہرے پر ایک عجیب سا بانکپن پیدا ہو گیا تھا..... ایک عجیب

ی ملامت سارے چہرے پر نظر آتی تھی..... شیراز صاحب نے پیار بھری نگاہوں سے دونوں بیٹیوں کو دیکھا اور بولے۔

"بیٹا ایک اُلجھن تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں..... اگر اس سے نمٹ لو تو زیادہ اچھا ہے میری مدد ہو جائے گی۔"

"جی ڈیڈی! کہئے کیا بات ہے۔"

"وہ بیٹے! نثار احمد صاحب آئے تھے..... یہ بات تو تم لوگوں کو معلوم ہے۔"

"جی۔"

"اصل میں وہ چاہتا ہے میرا مطلب ہے توصیف کہ اس کی شادی مشعل کی بجائے مومل سے کر دی جائے..... یہ تجویز لے کر آئے تھے نثار احمد صاحب..... بیٹے! میں بڑا پریشان ہوں لیکن ایک بات دل میں سوچتا ہوں..... تم لوگ اگر اس آخری عمر میں میرے تک جانے کے بعد مجھ سے تعاون کر لو تو میں زندگی بھر تمہارا یہ احسان مانوں گا..... بہت اُلجھ گیا ہوں، بہت پریشان ہو گیا ہوں..... میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک سہارا بن جائے بیٹا..... لگ کسی کو لاوارث اور بے سہارا دیکھ کر ہزاروں جھگڑے کھڑے کر دیتے ہیں..... میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا ہے..... بہت سے لوگ میری محنت کی کمائی کو ہڑپ کر جانا چاہتے ہیں..... اگر ایک مضبوط سہارا مجھے حاصل ہو جائے گا تو زندگی کے کچھ دن بڑھ جائیں گے..... اب زندگی کے یہ دن تمہارے حوالے ہیں..... مناسب سمجھو تو انہیں بڑھانے میں مدد کرو ورنہ کوئی بات نہیں ہے..... بیٹیوں سے زبردستی کچھ نہیں مانگا جا سکتا..... وہ اپنی رضی ہی سے کچھ دے دیں تب ہی ٹھیک رہتا ہے۔" مومل اور مشعل کی آنکھوں میں آنسو لگے..... کچھ دیر تک دونوں سوچتی رہیں، پھر مشعل نے کہا۔

"ڈیڈی! آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"جو کچھ چاہتا ہوں اب تمہارے سامنے ہے، بار بار دہرانے سے کیا فائدہ۔"

"آپ ایسا کیجئے ڈیڈی! ہمیں ایک ہفتے کی مہلت دے دیجئے..... صرف سات دن کی

آج ہی کے دن ہم آپ کو اپنے نظریئے سے مکمل طور پر آگاہ کر دیں گے۔" بہر حال شیراز صاحب نے نور... اس بات کی حامی بھر لی تھی...... مومل اور مشعل اپنے کمرے میں تنہا ہوئیں تو مشعل نے مومل سے کہا۔

"...ں مومل! کیا سوچا ہے تم نے...... کیا بات ہے۔"

"...ن! کیا اس دُنیا میں انسان صرف اپنے لئے جی سکتا ہے...... ہمارے والدین ہمارے لئے روزِ اول سے مشکلات کا شکار ہوتے ہیں...... اپنی نیند، اپنا چین، اپنا آرام ترک کر کے ہمیں زندگی کا ہر سکھ مہیا کرتے ہیں...... کہنے کو ہم جو دل چاہے کہہ لیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ والدین کا جتنا بڑا احسان ہم پر ہے...... ہم ہزار بار مر کر بھی اسے نہیں اتار سکتے...... باجی! میں چاہتی ہوں کہ واقعی ڈیڈی کا کوئی سہارا بنے، یہ سچ ہے کہ اللہ نے ہمیں کوئی بھائی نہیں دیا، لیکن ایک ایسا شخص ہم لوگوں کی زندگی میں شامل ہو جائے گا جس کے مستقبل کا آخر تک ہماری ذات سے وابستہ ہے تو وہ یقینی طور پر ہمارے ماں باپ کا بھی خیال کرے گا...... ڈیڈی کی آرزو پوری ہو جائے یہ بہت اچھی بات ہے۔"

مشعل پھٹی پھٹی آنکھوں سے مومل کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"مومل تو جو کچھ کہہ رہی ہے یقین کر میری سمجھ میں نہیں آ رہا، کیا تو اس بات کے لئے تیار ہے۔"

"نہیں! باجی! میں نہیں تم۔"

"مگر تو سن چکی ہے کہ نثار احمد صاحب تیرے بارے میں کہہ رہے تھے۔"

"وہ تم مجھ پر چھوڑ دو...... یہ بتاؤ کیا تم توصیف سے شادی کرنے پر تیار ہو۔"

"مگر پھر۔"

"نہیں باجی! بات پھر وہی آ گئی...... اگر مگر کی بات نہ کرو...... صرف ایک بات کا جواب دو...... توصیف کو تم نے دیکھا ہے...... باجی اچھی شکل و صورت کا ہے...... صاف ستھرا ہے اور ایک بات اور کہہ دوں...... اگر اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے تو یہ اس کی اچھی فطرت

کا ایک حصہ ہے...... میں اسے برا نہیں سمجھتی...... کم از کم صاف دلی سے اپنے دل کی بات کہہ دینے کا عادی ہے اور ایسے لوگ برے نہیں ہوتے۔"

"مگر پھر وہ مجھ سے شادی کیسے کرے گا۔"

"میں نے کہا نا...... یہ مجھ پر چھوڑ دو...... بس تم بتاؤ۔"

"ایک بات سن...... کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایثار ہماری زندگی کے لئے سب سے بڑا دُکھ بن جائے۔"

"اس کا کوئی امکان نہیں ہے باجی! توصیف بھائی کو اس بات کے لئے تیار کریں کہ وہ ہم سے محبت کرے...... ہم سب بھی ان سے بے حد محبت کریں گے...... باقی تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"جس قدر اعتماد سے تو یہ بات کہہ رہی ہے مجھے حیرت ہو رہی ہے کیونکہ اب تک تو نے اتنے اعتماد سے کوئی بات کہی نہیں ہے۔"

"اب کہہ رہی ہوں تو میری بات مان بھی لو۔"

"جیسا تو پسند کرے۔" مشعل نے ہتھیار ڈال دیئے...... مومل نے توصیف کو فون کیا، دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے کہا۔

"میں مومل بول رہی ہوں۔" توصیف ساکت رہ گیا تھا...... فون پر دیر تک سناٹا قائم رہا تو مومل پھر بولی۔

"توصیف صاحب! کیا آپ ہیں فون پر۔"

"ہاں مومل! میں ہی ہوں۔"

"توصیف صاحب! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"مم...... مم...... مومل میں۔"

"آپ براہ کرم بالکل نہ گھبرائیے، گھر آ جائیے بس یہ بتائیے کہ کب آ رہے ہیں۔"

"جب آپ کہیں۔"

"تو آ جائیے میں انتظار کر رہی ہوں آپ کا۔" مومل نے کہا اور توصیف نے وعدہ

کر کے فون بند کر دیا...... مشعل مومل کے پاس موجود تھی اور سخت پریشان تھی، کہنے لگی۔

"مومل! اتنے اعتماد سے یہ سب کچھ کر رہی ہے، اگر بات تیری مرضی کے مطابق نہ ہو سکی تو۔"

"تو باجی تمہارا کیا خیال ہے میں توصیف سے شادی کر لوں گی۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ ہے کہ اسے سمجھاؤں گی تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں شاہ گل کی امانت ہوں...... کسی اور کو میری طرف ایسی نگاہ سے دیکھنا بھی نہیں چاہئے۔" مشعل لرز گئی تھی، مومل کے لہجے میں جو دیوانگی پائی جاتی تھی وہ یہ بتاتی تھی کہ مستقبل میں دُور دُور تک ایسا کوئی تصور نہیں ہے کہ مومل شاہ گل کو بھول جائے...... اس نے بے شک اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا...... عبادت کرتی تھی، نماز پڑھتی تھی، لیکن شاہ گل کے بارے میں اس وقت اس نے جو الفاظ کہے تھے یا اس سے پہلے شاہ گل کے بارے میں جو کچھ بتاتی رہی تھی وہ...... اس نے مشعل کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا...... واقعی یہ روح کا رشتہ ہے...... روح کے رشتے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹ جاتے...... توصیف نے اگر ایسی کوئی کوشش جاری رکھی تو توصیف ہی کا نقصان ہو سکتا ہے...... مشعل خود دیکھ چکی تھی کہ مومل کے خواب کتنی سچائی رکھتے ہیں...... یہ خواب اصل میں روحانی رشتوں کے خواب ہوتے ہیں اور مومل اپنے عشق میں صادق تھی...... توصیف پہنچ گیا سلجھا ہوا نوجوان تھا...... مومل نے اپنے کمرے میں اس کا استقبال کیا...... بڑی بے باکی سے اس کے سامنے آئی، جبکہ توصیف کسی قدر اُلجھا اُلجھا سا تھا...... مومل نے دروازہ اندر سے بند کیا تو توصیف گھبرا گیا اور بولا۔

"مس مومل۔"

"نہیں توصیف بھائی! بیٹھئے پلیز۔"

"وہ دراصل میں۔"

"کچھ نہیں گھبرائیے نہیں آپ اپنوں میں ہیں...... توصیف بھائی! میں آپ سے ایک

بات کہنا چاہتی ہوں...... کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ میری باتوں کو سچا سمجھیں۔"

"مومل میں آپ کی ہر بات کو سچا سمجھوں گا...... وعدہ کرتا ہوں۔"

"اس احسان کے لئے میں زندگی بھر آپ کا شکریہ ادا کرتی رہوں گی توصیف بھائی! اصل میں یہ ہے کہ ہم دونوں بہنیں بھائی سے محروم رہی ہیں...... والد صاحب کا تعلق پولیس سے ہے...... ساری زندگی انتہائی مصروف گزری ہے اور ہم نے اپنے آپ کو بہت اکیلا محسوس کیا ہے...... توصیف بھائی! دراصل زندگی میں بے شمار افراد آتے ہیں، لیکن کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں جو ایک نگاہ میں اپنے اپنے سے لگتے ہیں...... بات سچائی کی ہو رہی ہے نا...... تو میں آپ سے بالکل سچ بول رہی ہوں...... آپ بھی مجھے بالکل اپنے اپنے لگے بہن کے حوالے سے مجھے یوں لگا جیسے بہنوئی نہیں ایک بھائی مل رہا ہے...... مجھے خیر وہ الگ بات ہے، میں اصل میں ان الفاظ سے یہ ظاہر کرنا چاہتی ہوں کہ میں آپ کو بے پناہ پسند کرتی ہوں...... توصیف بھائی! انکل نثار احمد آئے تھے...... انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ آپ مشعل کے بجائے مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں...... کوئی روایت کی بات نہیں ہے...... ڈیڈی! تقریباً اٹھانوے فیصد اس بات پر تیار ہیں کہ آپ کی خواہش کے مطابق میری شادی آپ سے کر دی جائے مگر توصیف بھائی! میرے دل میں جس جذبے کی پہلی کونپل پھوٹی تھی کیا اسے آپ اپنے پاؤں سے روند دیں گے...... میرے دل میں آپ کے لئے ایک بہن کا پیار بیدار ہوا تھا...... کیا آپ اس پیار کو مجھ سے چھین لیں گے...... توصیف بھائی! آپ یقین کیجئے میری روح کسی بھی طرح آپ کو اس حیثیت سے قبول نہیں کرے گی...... بدن کی بات چھوڑ دیجئے...... میں کبھی آپ کی وہ خدمت نہ کر سکوں گی جو بیویاں شوہروں کی خدمت کرتی ہیں...... توصیف بھائی! میرے دل میں آپ کا پہلا نقش ایک بھائی کی حیثیت رکھتا ہے...... اس نقش کو تبدیل نہ کریں تو اچھا ہے کیونکہ میں کسی طور اس شادی کے لئے تیار نہیں ہوں گی...... اس کی وجہ بھی بتا دوں آپ کو...... ایک لڑکا کالج میں پڑھتا تھا میرے ساتھ، شاہ گل ہے اس کا نام...... کچھ مصنوق قسم کا تھا...... فنون لطیفہ کی جانب مائل......

حضرت امیر خسرو کا مرید کچھ عجیب سے جذبے اس کے اندر پروان چڑھ رہے تھے...... میں تو اس سے محبت کرتی تھی لیکن اس کے بارے میں کبھی پتہ نہیں چل سکا کہ اس کے دل میں میرے لئے کیا ہے توصیف بھائی! آج بھی اس کے نام پر زندہ ہوں میں اور زندگی کے آخری لمحے تک اس سے محبت کرتی رہوں گی...... ایک ایسی اُلجھی ہوئی لڑکی کو آپ اپنی بیوی بنانا چاہتے ہیں توصیف بھائی! ڈیڈی کو ایک سہارے کی ضرورت ہے...... میری بہن مشعل بہت اچھی لڑکی ہے...... ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اس ویرانے کے گلاب بن جائیں...... اتنا چاہیں گے آپ کو توصیف بھائی! کہ چاہتوں کا تصور ختم ہو جائے گا...... باقی آپ کی مرضی ہے...... آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں الفاظ خرچ کر کے آپ کو موم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں...... بس میرا دل چاہا جب ہم اُلجھ گئے تو میں نے یہی کیا کہ میں آپ سے بات کرلوں...... ہو سکتا ہے ہماری تقدیر کی گتھی سلجھ جائے...... آپ سے جواب بھی چاہتی ہوں...... دیکھئے سوچنے والے کبھی کامیاب لوگ نہیں ہوتے...... یہ میرا فلسفہ ہے، غلط ہو تو غلط ہی سہی آپ یہ نہ کہیے کہ میں سوچ کر بتاؤں گا...... ہم اُلجھن میں رہیں گے اور اچھے لوگ کسی کو اُلجھن میں نہیں رکھا کرتے۔" توصیف پھٹی پھٹی آنکھوں سے مومل کو دیکھ رہا تھا...... اس کے ذہن میں آندھیاں سی اُٹھ رہی تھیں...... کتنی پیاری لڑکی ہے کس قدر بولڈ...... اچانک ہی توصیف کے ذہن میں کھٹ کی ایک آواز ہوئی...... انسانیت کے در کھل گئے تھے...... انسان انسان کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا اور جب ایسا ہو جائے تو فیصلے کرنا واقعی مشکل نہیں ہوتے...... توصیف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"سوری مومل! اب تم ایسا کرو کہ ایک تھپڑ میرے رخسار پر لگا دو، بعد میں جتنا دل چاہے میری عزت کر لینا...... اصل میں یہ تھپڑ اس غلط سوچ پر ہوگا جو میرے دل میں بیدار ہوئی تھی...... واقعی کیا بات ہے تمہاری...... مومل! سوری معاف کر دو، بہن ہونا میری چھوٹی سی غلطی ہو گئی تھی بیٹا! غلطی ہو گئی تھی...... ٹھیک ہے ہم تمہاری خدمت کریں گے...... مشعل کہاں ہیں ان سے بھی کہہ دینا کہ جو بات ان کے کانوں تک پہنچی تھی وہ ہماری ہی ہوئی نہیں بلکہ شیطان نے ہمارے کان میں کہی تھی اور وہ کم بخت کان سے پھسلتی ہوئی زبان سے باہر آ گئی، ٹھیک ہے۔" مومل محبت سے مسکرا دی اس نے آگے بڑھ کر توصیف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی انگلیوں کو چومتی ہوئی بولی۔

"بھائی کی محبت کیا ہوتی ہے میں نہیں جانتی، لیکن اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے توصیف بھائی! جیسے واقعی میری ماں نے ایک بیٹا بھی پیدا کیا تھا...... وہ آپ ہیں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ...... مشعل تو ناراض نہیں ہوں گی یہ سن کر۔"

"اصل میں ہم لوگ اتنے کچے ہیں...... ہماری پشت اتنی غیر محفوظ ہے کہ ہم کسی کی بات کو سن کر ناراض نہیں ہوتے، ڈر جاتے ہیں...... سہم جاتے ہیں...... ہم ناراضگی کا اظہار کریں تو کس کے بل پر کریں...... ڈیڈی بوڑھے ہو چکے ہیں اور کوئی مضبوط سہارا ہمیں حاصل نہیں ہے۔"

"اب بھی یہی کہو گی۔" توصیف نے مومل کو دیکھتے ہوئے کہا اور مومل ہنسنے لگی پھر بولی۔

"آئندہ نہیں کہوں گی۔" پھر مشعل بھی آ گئی...... دونوں نے مل کر خوب توصیف کی خاطر مدارت کی اور توصیف نے کہا۔

"مشعل آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہو گی کہ میں نے ایک بے وقوفی کی بات اپنے ڈیڈی سے کہی تھی اور ڈیڈی اسے یہاں سنانے آ گئے تھے...... مشعل ویسے تو میں زندگی میں آپ سے بہت سی معافیاں مانگوں گا، لیکن اس سلسلے میں آپ اگر مجھے ابھی معاف کر دیں تو مجھے خوشی ہو گی...... اصل میں مومل نے کچھ ایسی تیز رفتاری کا ریکارڈ قائم کیا ہے کہ اب دل چاہتا ہے کہ ہر بات میں اتنی ہی تیز رفتاری ہو...... کیا خیال ہے آپ کا میری حماقت کی اس بات کو کیا آپ معاف کر دیں گی۔" مشعل کا سر جھک گیا تھا اور مومل نے بزرگانہ انداز میں کہا تھا۔

"توصیف صاحب! لڑکی جب نکاح کے وقت قبولیت کا اعتراف کرتی ہے تب بھی گردن جھکا دیتی ہے...... آپ سمجھ لیجئے کہ آپ کی معذرت قبول کر لی گئی۔" مشعل نے مومل کو گھور کر دیکھا اور توصیف کا قہقہہ بلند ہو گیا۔

کوئی منزل نہیں تھی...... کوئی احساس نہیں تھا...... نواب جانی نے جو کھیل کھیلا تھا، اس کا خاتمہ کر آیا تھا، وہ لیکن اب اسے وہ کھیل بھی یاد نہیں تھا...... شہری آبادی پیچھے رہ گئی تھی...... رات بھر چلتا رہا تھا، صبح کی روشنی میں اپنے قرب و جوار کے جو مناظر اس نے دیکھے...... انہیں دیکھ کر اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی...... جنگل بکھرا ہوا تھا...... کچھ بھی نہیں تھا وہاں، حالانکہ جس شہر سے نکل کر آیا تھا اس کے بارے میں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اس کے قرب و جوار میں دُور دُور تک آبادیاں ہیں...... ایک رات میں اتنا فاصلہ نہیں طے کیا جا سکتا کہ شہری آبادیوں کا نام و نشان ہی نہ ملے، جس راستے پر سفر کر رہا تھا وہ بھی کوئی سڑک نہیں تھی...... کچا راستہ تھا جو ناہموار ٹیلوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزر تا تھا...... منزل کا کوئی نشان نہیں تھا...... راستوں کا کوئی تعین نہیں تھا...... سفر سفر اور سفر بس سفر اور اس کا کوئی انجام بھی تصور میں نہیں تھا...... پورا دن چلتا رہا، پچھلے دن کچھ کھایا پیا تھا...... باقی ساری رات اور سارا دن بھوک پیاس کے بغیر گزر گیا...... آخر کار جب رات ہوئی اور بدن تھک گیا تو تھک کر بیٹھ گیا...... قرب و جوار میں کیا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد ایک ناریل اوپر سے نیچے گرا تو وہ چونکا تھوڑے ہی فاصلے پر ناریل گرا تھا، اگر سر پر گرا ہوتا تو سر پھٹ گیا ہوتا...... البتہ ناریل پھٹ گیا تھا اور اب اس سے آہستہ آہستہ پانی رس رہا تھا...... پانی دیکھ کر بے چین ہو گیا...... ناریل اٹھایا اور تھوڑا سا کھولا تو پانی ڈھل

ڈھل کر کے بہنے لگا اور اس نے اس میٹھے اور ٹھنڈے پانی سے منہ لگا لیا...... قدرت کی طرف سے من و سلویٰ تھا...... روایتیں بھلا کہاں غلط ہوتی ہیں...... یہ روایتیں ہی تو ایمان کو تازہ کرتی رہتی ہیں...... نرم اور میٹھے ناریل کے گودے سے شکم سیری ہو گئی اور اس کے بعد بے خبری...... پورے دن کی تھکن نے نیند کو مسلط کر دیا تھا اور نیند برق رفتاری سے آنکھوں تک پہنچی تھی...... بیٹھا ہی ہوا تھا...... نیند نے گرا دیا اور صبح کو پرندوں کی آوازوں سے آنکھ کھلی...... یہ علاقہ تو کافی حسین تھا...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سی جگہ ہے، ویسے بھی معلومات زیادہ نہیں تھیں...... پھر اپنی جگہ سے اٹھا کوئی سمت کا تعین کئے بغیر آگے بڑھ گیا...... مست ملنگ ہو گیا تھا...... گرد و غبار میں اٹ گیا تھا، لیکن کوئی احساس ذہن میں نہیں تھا...... کوئی خیال دل میں نہیں تھا...... چلتا رہا اور اس کے بعد ایک بار پھر شام ہو گئی...... دماغ سنسنا رہا تھا...... بدن کی قوتیں ختم ہوتی جا رہی تھیں، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ نہیں چل رہا بلکہ اس کے اندر کوئی اور چل رہا ہے...... کانوں میں عجیب و غریب آوازیں گونجیں تو اس طرف چل پڑا...... پھر روشنیاں نظر آئیں...... یہ روشنیاں جیسے اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھیں...... وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر اس نے بے شمار افراد کو دیکھا...... روشنیاں تھیں، خوب چہل پہل تھی...... انسانوں کا بے پناہ ہجوم جگہ جگہ موجود تھا...... احساس ختم ہوتا جا رہا تھا...... بس بے احساسی کا سفر تھا...... بیٹھنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگا...... انسانوں کے ہجوم کے درمیان تھا، جہاں تک پہنچا تھا وہیں بیٹھ گیا...... کچھ فاصلے پر بہت سے لوگ دری بچھائے ہوئے بیٹھے تھے...... بلندی پر ایک مزار شریف نظر آ رہا تھا...... جگہ جگہ عرس میں شرکت کرنے والوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے...... کچھ لوگ لنگر بانٹ رہے تھے......

وہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا، پھر کسی نے اس کا شانہ جھنجھوڑا۔

”کھانا لے لو، بابا۔“ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو پتوں سے بنے ہوئے برتن میں کسی نے چاول ڈال کر اسے دیئے...... اس نے چاول کھانا شروع کر دیئے...... عمل خود بخود ہوتا ہے...... زندگی کی ضرورتیں اور ان ضرورتوں کو پورے کرنے والے لوازمات وہ کھانا کھاتا رہا

اور تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے پانی دیا..... لنگر بانٹنے والے چلے گئے تھے..... پانی پینے کے بعد طبیعت پر تھوڑی بہتری کا احساس ہوا تو اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا..... یہ اس مزار کا عقبی حصہ تھا..... چاروں طرف پتھر بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں..... وہ زمین پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور خود پر غور کرنے لگا، اب کیا کرنا چاہئے..... کیا چاہتا ہوں میں..... اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور دل نے کہا۔

"سکون، آہ..... مجھے سکون درکار ہے..... جیسے بھی مل جائے جس قیمت پر بھی مل جائے، لیکن سکون کہاں ہے۔" وہ پتھر پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور غور کرتا رہا..... اچانک ہی اسے ایک آواز سنائی دی اور پھر کسی نے کہا۔

"یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے یہاں سانپ..... بچھو ہوتے ہیں۔"

"وہ کیا کرتے ہیں۔" شاہ گل نے سوال کیا۔

"کاٹ کھاتے ہیں اور سب کچھ ختم ہو جاتا ہے کیا سمجھے..... سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔"

"میرا سب کچھ ختم ہو چکا ہے، میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔" اس نے کہا اور آنے والے نے اپنے لباس میں سے کوئی چیز نکالی اور شاہ گل کی طرف بڑھا دی۔

"کیا ہے یہ۔"

"سکون۔" شاہ گل کو جواب ملا اور وہ اس بوڑھے ملنگ کو دیکھنے لگا..... نیم دیوانہ سا معلوم ہو رہا تھا۔ شاہ گل نے کہا۔

"تو کیا تم میرے ہاتھ پر سکون رکھ رہے ہو۔"

"نہیں راستہ بتا رہا ہوں..... جاتا رہ..... چلتا رہ..... آگے کچھ اور ملے گا تجھے..... آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا تو سمجھ لے گیا..... سکون کی تلاش ہے تو تجھے جا آگے جا..... یہاں سے آگے جا..... چل چل۔" اور پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور آگے بڑھتا چلا گیا..... نہ کوئی منزل نہ راستے کا نشان..... سفر سفر اور سفر..... منزل ہونے ہو..... اس کا تعین خود بخود کر لیا جاتا ہے..... نجانے کہاں نکل آیا..... پھر کچھ درخت نظر آئے، ان کے سامنے

ایک چشمہ تھا..... درختوں کے نیچے کچے پکے پھل پڑے ہوئے تھے..... چھوٹے اور پھیکے اور بدمزہ پھل وہ آگے بڑھا اور یہ پھل اٹھا اٹھا کر کھانے لگا..... چھوٹی پہاڑی اور اونچی چٹان تھی..... اس کے دامن میں اینٹیں چنی ہوئی تھیں اور ایک کمرہ سا بنا ہوا تھا..... اس کمرے میں دروازہ بھی تھا..... پانی کے چند گھونٹ لئے اور چشمے کے کنارے لیٹ گیا..... زندگی بڑی عجیب چیز ہے اور ضرورت ہر حال میں کسی نہ کسی طرح پوری ہو جاتی ہے..... کچے پکے پھل کھا کر چشمے کا پانی پی کر جو نیند آئی..... اس کا کوئی جواب نہیں تھا..... نجانے کب تک سوتا رہا، اس کے بعد ایک بار پھر آنکھ کھلی اور اس نے اٹھنا چاہا تو کسی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں بیٹے! لیٹے رہو آرام کرتے رہو۔" اچانک ہی ماتھے پر کوئی ٹھنڈی سی چیز آ گئی، جس نے آنکھیں بھی ڈھک لی تھیں..... شاہ گل نے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں پر رکھے کپڑے کو ہٹانے کی کوشش کی تو وہی نرم آواز دوبارہ سنائی دی۔

"نہیں بیٹے! آرام سے لیٹے رہو..... تم محفوظ جگہ پر ہو..... کوئی خطرہ نہیں ہے یہاں تمہارے لئے بے فکر ہو جاؤ..... شاہ گل نے حیرانی سے آنکھیں کھول دیں..... ایک عمر رسیدہ شخص تھا..... سفید داڑھی رنگ خاصا پکا اور عمر اچھی خاصی..... وہ حیران ہو گیا اور اس نے حیران لہجے میں کہا۔

"کون ہو تم..... کون ہو۔"

"میاں خدا کا ایک بندہ ہوں..... نام الیاس علی ہے کیا ہوا کیا بات ہے..... پریشان ہو گئے ہو۔" الیاس علی نے کہا اور شاہ گل ادھر اُدھر نگاہیں گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگا..... پتھروں کو جن کے درمیان ایک کمرہ سا بنا ہوا تھا، جو کشادہ اور ہوادار تھا..... اسے یہ کمرہ یاد آ گیا..... اس وقت دیکھا تھا جب چشمے کے کنارے پھل کھا کر لیٹا تھا، لیکن اس کمرے کے اندر وہ کیسے آ گیا..... اسے نہیں معلوم تھا..... الیاس علی نے پوچھا۔

"پانی پیو گے بیٹے۔"

"تی پیاس لگ رہی ہے۔" وہ بولا اور عمر رسیدہ شخص اپنی جگہ سے اُٹھ گیا ...... پھر مٹی
کے ایک برتن میں اس نے شاہ گل کو پانی دیا...... شاہ گل نے دو تین بار پانی طلب کیا اور بار بار
اسے پانی مل گیا...... تب اس نے سوال کیا۔

"آپ میرا مطلب ہے میں یہاں کیسے آگیا اور آپ کیا...... یہاں تھوڑے فاصلے پر
ایک چشمہ ہے اور پھلوں کے درخت۔"

"ہاں بے شک تمہیں شدید بخار ہو گیا تھا...... سرسام کی حالت میں مجھے نظر آئے
تھے...... اٹھا کر یہاں لے آیا...... آج تیسرا دن ہے اور اللہ کے فضل سے پہلی بار ہوش آیا
ہے...... میں اپنی بساط بھر تمہاری خدمت کرتا رہا ہوں، لیکن اللہ کی ذات سے یقین کامل تھا
کہ آخر کار ہوش میں آجاؤ گے...... بہر حال یہ ساری بات چلتی رہی وہ یہ سن کر حیران رہ گیا
تھا کہ پورے چار دن بے ہوشی کے عالم میں گزارے ہیں، بہت بڑی بات ہوتی ہے...... چشمے
کے کنارے لیٹنے کے بعد نجانے کیوں بخار میں مبتلا ہو گیا تھا...... بہر حال سہارا لے کر اٹھا اور
بیٹھ گیا...... پھر اس نے کہا۔

"محترم اگر آپ کی اجازت ہو تو تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل جاؤں...... طبیعت پر کچھ
بوجھ سا طاری ہو رہا ہے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، آؤ۔" بزرگ نے کہا اور شاہ گل کو ساتھ لے کر باہر نکل آئے
وہی جگہ تھی...... شاہ گل نے باہر نکل کر چاروں طرف دیکھا پھر بولا۔

"آپ یہاں تنہا رہتے ہیں۔"

"نہیں میاں! اللہ کے فضل سے بہت سے ساتھی ہیں...... ایک دنیا آباد ہے یہاں،
خوبصورت پرندے طاقتور جانور سب ساتھی ہیں اپنے...... خوب دوستی کی ہوئی ہے ان سے
پرندوں کی ڈاریں پانی پینے آتی ہیں...... ان سے بھی دوستی ہے...... درندے بھی اسی چشمے پر
پانی پینے آتے ہیں، سب کا ساتھ ہے۔"

"انسان نہیں ہے یہاں آس پاس۔"

"انسان......" الیاس علی ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

"کیوں...... کوئی نہیں ہے۔"

"اللہ جانے کہاں ہوتے ہیں انسان...... اللہ جانے...... ویسے اب تم جو یہاں آگئے ہو۔"

"لیکن آپ یہاں کیوں رہتے ہیں۔" اس نے کہا اور الیاس علی ہنسنے لگے پھر بولے۔

"بس اللہ جہاں جس کا ٹھکانہ بنا دے۔"

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہوا۔"

"ہاں، خیر کوئی کہانی سننا چاہتے ہو...... سن لو تمہاری خوشی پوری کئے دیتا ہوں...... میں
یہاں کیوں رہتا ہوں، سمجھ لو جنہیں تم انسان کہتے ہو انہوں نے میرے ساتھ اچھا سلوک
نہیں کیا...... چار بھائی تھے ہم اور میں سب سے چھوٹا تھا...... نجانے کیوں مجھ سے نفرت
کرنے لگے وہ...... دنیاوی دولت ان کی نگاہوں میں مجھ سے زیادہ بہتر تھی...... میرے ساتھ
بدترین سلوک کیا انہوں نے، میں نے سب سے کہا کہ میری دولت، یہ زمین، یہ مٹی اور
چونے کے گھر نہیں ہیں...... میں تم سب کی محبت کی دولت سے مالا مال رہنا چاہتا ہوں......
مجھے اپنے پیار کی دولت سے محروم نہ کرو، لیکن یا تو انہیں اس بات پر یقین نہیں تھا کہ میں جو
کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے اور کبھی ان سے دولت اور جائیداد میں سے اپنا حصہ طلب نہیں
کروں گا...... بس میری بات انہوں نے کبھی نہ مانی اور آخر کار میں انہیں چھوڑ کر ان ویرانوں
میں آگیا...... اب یہاں بہت خوش ہوں میں، کائنات کی سچائیاں یہاں نظر آتی ہیں
انسان بھٹک گیا ہے، مگر اللہ نے اس کائنات میں اپنے وجود کے عکس جگہ جگہ پیدا کیا ہے...... یہ
بلند و بالا چٹانیں جن کی محبت بھری آنکھوں میں تم دیکھ نہیں سکتے، محسوس کرو تو تمہیں ان
آنکھوں میں محبت کی جھلکیاں نظر آئیں گی...... یہ خوبصورت پرندے اللہ کی سچی مخلوق جو پیار
کرتی ہے بہت سے ننھے ننھے پرندے میرے شانوں پر آکر بیٹھ جاتے ہیں...... وہ معصوم ہیں
اور مجھے بہت محبت سے دیکھتے ہیں...... ساری دنیا سے شکایتیں ختم ہو گئیں...... جسے تم انسان
کہتے ہو وہ انسانیت چھوڑ چکا ہے اور انسانیت اب حیوانوں اور پرندوں میں منتقل ہو گئی ہے۔"

"لیکن آپ کھاتے پیتے کہاں سے ہیں۔"

"کمال کرتے ہو..... رزق سے اتنا فاصلہ تو نہیں ہوتا، اسے کیوں بھول جاتے ہو..... یہ درخت، یہ چشمہ اللہ نے یہ سب کچھ مہیا کر دیا ہے..... تم ان پھلوں کو دیکھو توانائی سے بھرپور ہیں..... کبھی بیمار نہیں ہونے دیتے..... تم نجانے کیوں بخار میں مبتلا ہو گئے..... کچھ دن تک رہو یہاں کھاؤ پیو..... پھر دیکھو کیا ہوتا ہے..... کیسی رہی کہانی پسند آئی ہو گی۔"

الیاس احمد نے کہا اور خاموش ہو گئے..... شاہ گل بہت دیر تک ان کے بارے میں سوچتا رہا تھا..... پھر اس نے کہا۔

"کائنات میں ایسی ہی کہانیاں ہر جگہ بکھری ہوئی ہیں..... بہر حال صحیح ہے میرے بارے میں تو نہیں پوچھنا چاہتے بتاؤں گا نہیں۔"

"نہیں! یہ تو اپنی پسند کی بات ہے جو دل چاہے بتاؤ، جو دل چاہے نا بتاؤ، ہم کہانیوں میں کیوں اُلجھے رہیں..... انسانوں کی کہانیاں ہوتی ہی کتنی ہیں..... کوئی کسی دُکھ کا شکار ہے، کوئی کسی دُکھ کا..... بہر حال تم ٹھیک ہو جاؤ..... باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" بہت دیر تک شاہ گل بیٹھا رہا اور اس کے بعد وہاں سے اُٹھ گیا..... تین دن میں اس کی حالت بالکل بہتر ہو گئی تھی..... اس کے دل میں جو غم اور دُکھ کے اثرات تھے..... وہ اپنی جگہ الگ حیثیت رکھتے تھے، لیکن الیاس علی کے ساتھ بڑا اچھا گزر رہا تھا اور بہت ہی اچھے ماحول میں ان کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی تھی..... پھر الیاس علی نے کہا۔

"سکون کی تلاش میں نکلے ہو..... سکون چاہئے کبھی اپنے مسائل کے علاوہ ہٹ کر یادِ الٰہی میں بھی بسر کی ہے؟"

"شاید اس کے لئے کسی رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"کچھ عام سی باتیں میں تمہیں بتائے دیتا ہوں..... باقی تم جس طرح سے مناسب سمجھو کرو..... چلو دو زانوں بیٹھ جاؤ..... آنکھیں بند کرو اور سانس کو ناک سے کھینچو اور سانس کی بس اللہ ہو کہو۔" **الیاس علی** صاحب نے خود اللہ ہو..... اللہ ہو کہہ کر اسے دکھایا اور شاہ

کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی..... فضا میں جیسے ساز بجنے لگے ہوں..... میں ڈوب گیا ہو..... چاروں طرف سے ایک ہی آواز اُبھر رہی تھی..... اللہ ہو..... پھر در و دیوار باقی ساری چیزیں اللہ ہو..... اللہ ہو پکار رہی تھیں..... کچھ ہوش..... تب الیاس علی نے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔

"بس کافی ہے..... بہت کافی ہے بس اب جو کچھ میں بتاؤں وہی کرتے رہو اور اللہ کی یاد میں ڈوبے رہو۔" شاہ گل نے ان کے کہنے پر عمل شروع کر دیا تھا..... فرق صاف نمایاں ہو رہا تھا طبیعت میں ایک شگفتگی پیدا ہو گئی تھی..... پھل ان پر برس رہے تھے اور ہواؤں کے جھونکوں سے ڈالیاں ہل رہی تھیں..... اللہ ہو..... اللہ ہو..... اللہ ہو۔"

❁ ❁ ❁

موکل کی تھوڑی سی جرات نے بڑے مسائل حل کر دیئے تھے...... توصیف کچھ بڑ
ہی اچھا نوجوان نکلا تھا...... موکل اور مشعل سے ملاقات کے بعد اس نے اپنا ذہن پوری طرح
صاف کر لیا تھا اور اس بات سے خوش تھا کہ صورت حال اس کے لئے تکلیف دہ نہیں رہی
بلکہ بہت ہی عمدگی کے ساتھ ایک ایسی حقیقت سامنے آ گئی جس کا سامنے آنا انتہائی ضرور
تھا، چنانچہ اس نے نثار صاحب سے اپنا موقف تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ...... ڈیڈی! میری ملاقات موکل اور مشعل سے ہوئی تھی...... ان لوگوں سے
میری کچھ باتیں ہوئیں اور اس کے بعد میں نے ایک صحیح فیصلہ کر لیا ہے...... آپ کو تکلیف
دینے کے لئے معافی چاہتا ہوں...... وہ جو سلسلہ آپ نے استوار کیا تھا...... وہی زیادہ
موضوع ہے۔"

"کیا مطلب۔" نثار صاحب نے کسی قدر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"آپ نے جو طے کیا ہے کہ میری شادی مشعل سے کی جائے تو میں بھی اس سے
اتفاق کرتا ہوں۔"

"عجب نامعقول شخص ہو، یعنی اس وقت یہ الفاظ کہہ رہے ہو، جب میں نے بیچارے
شیراز صاحب سے اپنے مقصد کا اظہار کر دیا ہے اور ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار
دیکھے ہیں۔"

"ڈیڈی! آپ یقین کیجئے ایک اچھے اور صاف گو انسان کی حیثیت سے میں نے اپ

رونی احساسات آپ سے بیان کر دیئے تھے، لیکن میں نے آپ سے یہ بھی نہیں چھپایا کہ
لڑکیوں سے ملا تو میں نے اپنا موقف تبدیل کر دیا ہے۔"

"تو احمق آدمی پہلے ہی کیوں نہیں مل لئے...... کم از کم مجھے زبان تو نہیں کھولنی پڑتی۔"

"ہاں! اس کے لئے میں آپ سے شرمندہ ہوں ڈیڈی! براہ کرم ایک بار اور مل لیجئے اور
مسئلے کو حل کر دیجئے...... بہر حال کوئی اتنی سنگین بات بھی نہیں تھی، چنانچہ نثار صاحب
ایک بار پھر شیراز صاحب سے ملاقات کی"۔

"جناب! انسان بڑی عجیب چیز ہے، اپنے طور پر بہت سے معاملات میں وہ اپنی شخصیت
گوارا ناپسند نہیں کرتا، لیکن جب بچوں کی بات درمیان میں آ جاتی ہے تو بڑا مسئلہ بن جاتا
اور کبھی کبھی بڑے ہلکے پن کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے...... اصل میں اس وقت وہ بے وقوف
اپنی پسند کا اظہار کرتے ہوئے مشعل کے بجائے موکل کا نام لینے لگا تھا...... شاید کچھ غلط
ہو گئی تھی، اسے بعد میں جب یہ غلط فہمی دور ہوئی تو مجھ سے بڑی معذرتیں کرنے لگا اور
لگا کہ جو بزرگوں نے طے کیا ہے وہی سب سے بہتر ہے۔"

"یعنی مشعل۔" شیراز صاحب کا چہرہ بھی خوشی سے کھل پڑا، کیونکہ بہر حال موکل
بارے میں انہیں معلومات حاصل تھیں...... شدید غصے اور جھلاہٹ نے انہیں اس بات
مجبور کیا تھا کہ زبردستی ہی سہی موکل کی شادی ہی کر دی جائے...... کندھوں کا بوجھ تو
لیکن خوفزدہ تھے کہ کہیں کوئی بہت بڑی الجھن پیش نہ آ جائے، چنانچہ اب اس بات پر
ن ہو گئے...... تاہم خود کو سنبھال کر بولے۔

"بات اصل میں یہ ہے نثار صاحب! کہ کچھ لوگ کچھ گھرانے اس طرح دل میں اترتے
کہ پھر ان کی کوئی بات بری نہیں لگتی...... آپ اگر وہیں سے سفر کا آغاز کرنا چاہتے ہیں،
ہاں سے ہم نے طے کیا تھا تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، البتہ۔"

"بے حد...... بے حد شکریہ بات درمیان سے کاٹ دینے کی معافی چاہتا ہوں کیونکہ
کو کے ساتھ ایک اور درخواست بھی کرنا چاہتا ہوں...... اس مسئلے کو جتنی جلدی حل

کرلیں تو ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے۔"

"البتہ سے آگے یہی الفاظ میں بھی کہنا چاہتا تھا۔" شیراز صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے واہ! تو پھر ملایئے ہاتھ۔" ہاتھ ملے اور بات طے ہو گئی اور بہت مختصر وقت میں مشعل کو رخصت ہونا پڑا...... گھر سے رخصت ہونے کا عمل اس کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔ ایک بیمار بہن اور تھکے ہوئے باپ کو تنہا چھوڑ دینے کا تصور بے حد پریشان کن تھا، لیکن شیراز صاحب اپنے شانوں کا بوجھ ہلکا محسوس کر رہے تھے ...... پہلی ملاقات میں توصیف نے مشعل سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اور یقینی طور پر یہ بات آپ کے دل پر میل بن گئی ہو گی کہ میں نے آپ کو نظرانداز کر کے مومل کا ہاتھ مانگا تھا...... بہت بڑی بات کہہ رہا ہوں، لیکن اس کے بعد کچھ اور باتیں بھی کروں گا، آپ سے۔" مشعل مسکرا دی پھر بولی۔

"آپ کو تعجب ہو گا کہ آپ کی یہ بات مجھے بہت اچھی لگی تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری ماں بچپن ہی میں مر گئیں تھیں اور میں نے مومل کو سگی ماں کی طرح پروان چڑھایا ہے...... ایک ماں کے لئے اپنے بچے دنیا کی سب سے حسین چیز ہوتے ہیں اور انہیں پسند کرنے والا ظاہر ہے خود اس ماں کی پسند ہوتا ہے۔" توصیف ان الفاظ پر دنگ رہ گیا تھا، بہت دیر تک وہ اس تاثر میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

"درحقیقت کچھ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں اور میں مومل کو اتنا ہی خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ آپ جیسی بہن اسے ملی جو واقعی اپنے پیار میں بے مثال ہے، لیکن مومل کا قصہ کیا ہے اب یہ بتاؤ ہمیں کیا کرنا ہے اس کے لئے۔"

"خدا کی قسم آپ نے ساری اُلجھن دور کر دی ہے، اللہ آپ کو سلامت رکھے...... میں آپ کو مومل کے بارے میں پوری تفصیل بتاتی ہوں اور میری آرزو ہے کہ آپ اس میں اسی طرح دلچسپی لیں جیسے۔"

"مشعل یہ کہنے کی بات نہیں ہے آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ حقیقت سامنے آتے ہی

مجھے اپنی کوتاہی اور خود غرضی کا احساس ہوا...... میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں...... آپ براہ کرم ایسی بات نہ کریں۔"

"میں آپ کو ساری تفصیل بتاتی ہوں۔" اور اس کے بعد مشعل نے ساری تفصیل توصیف کو بتا دی...... توصیف کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں...... بہت دیر تک وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"آپ لوگ کب سے وہاں نہیں گئے۔"

"کہاں؟"

"میرا مطلب ہے شاہ گل کے گھر۔"

"بہت زیادہ وقت نہیں ہوا ہے...... شاہ گل کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، کہیں سے کوئی پتہ نہیں چل سکا...... وہاں غلام خیر چچا ہیں، بہت اچھے انسان ہیں، لیکن ان لوگوں کے بھی مسائل بڑے عجیب ہیں...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں، آپ سے بس یہ کہنا چاہتی تھی۔"

"نہیں مشعل بہت بڑی ذمہ داری ہے، بات اصل میں اس ذمہ داری ہی کی ہے...... باقی سب کچھ تو چلتا رہتا ہے...... ہم صرف اپنی ہی دنیا میں مست اور مگن نہیں رہیں گے...... تم بے فکر مومل کی بہت سی ذمہ داری اب میں اپنے شانوں پر اٹھاؤں گا۔" مشعل نے ممنون نگاہوں سے توصیف کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو گئی...... بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ توصیف واقعی ایک بہت اچھا انسان ثابت ہوا تھا...... ایک لمحے کے لئے بھی اس نے ان لوگوں کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ مومل یا شیراز صاحب تنہا رہ گئے ہیں...... مشعل کو ہر طرح کی آزادی تھی...... بہر حال مشعل جب بھی دل چاہتا اپنے گھر چلی جاتی، کئی کئی دن رہتی مومل کے بارے میں اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اب زیادہ سے زیادہ جنونی ہوتی جا رہی ہے...... دن کی روشنی ہو یا رات وہ جائے نماز بچھائے بیٹھی رہتی تھی...... مشعل جب نہ ہوتی تو کھانا پینا بھی ترک کر دیتی...... دو تین بار شیراز صاحب نے مشعل سے اس بات کا اظہار کیا

تھا...... توصیف نے تجویز پیش کی کہ شیراز صاحب اور موئل کو یہیں لے آیا جائے...... نثار احمد صاحب اور زرینہ بیگم پوری طرح تعاون کرنے والے لیکن شیراز صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹے! ہم دونوں مشعل کے جہیز میں نہیں آنا چاہتے۔"

"آپ میرے بزرگ ہیں...... یہ الفاظ کہہ کر مجھے میری اوقات یاد نہ دلایئے۔"

"بخدا میں نے یہ مذاق میں کہا ہے بیٹا! مناسب نہیں ہوتا البتہ اب تم لوگ یہ کوشش کرو کہ موئل کے لئے بھی کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔" توصیف اور مشعل نے اکیلے بیٹھ کر جب اس موضوع پر گفتگو کی تو دونوں ہی اس بات پر متفق نہیں تھے کہ موئل کی شادی میں جلد بازی کی جائے۔

"یہ جلد بازی سخت نقصان دہ ہوگی جو صورت حال دیکھ رہا ہوں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موئل کا معاملہ معمولی حیثیت نہیں رکھتا...... ایسا کرو مشعل تم خود ہی ڈیڈی کو سمجھاؤ اور ان سے کہو کہ موئل کی زندگی ختم کرنے کے بارے میں نہ سوچیں...... انتظار کریں کہ وقت کیا فیصلہ کرتا ہے اور وقت بہر حال اچھا ہی فیصلہ کرے گا۔" مشعل نے یہ بات شیراز صاحب سے کہی تو شیراز صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے، کہنے لگے۔

"میں جانتا ہوں بیٹی مگر میں کیا کروں میرے دل کی بے چینی مجھے مجبور کرتی ہے جو کوتاہیاں کر چکا ہوں...... ان کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں...... خدا میری مدد کرے۔"

"ڈیڈی! اب آپ تنہا نہیں ہیں، اس بات کا اندازہ اب آپ نے لگالیا ہوگا...... بہتر ہے کہ توصیف کے مشوروں پر بھی عمل کریں...... آپ کا نظریہ یہی تھا نا۔"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا نے مجھے توصیف کی شکل میں ایک اچھا انسان عطا کیا ہے...... ٹھیک ہے بیٹے جو کچھ کرنا ہے تم ہی لوگوں کو کرنا ہے...... میں تو جلد بازی نہیں کروں گا۔" مشعل موئل کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی...... بڑی مشکل سے وہ موئل کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے رضامند کرتی تھی...... موئل اس کے ساتھ آجاتی تھی...... زرینہ بیگم،

نثار احمد صاحب در حقیقت بہت اچھے انسان تھے وہ موئل کا پوری طرح خیال رکھتے تھے لیکن موئل کو وہاں اُلجھن ہوتی تھی، ایک دن اس نے کہا۔

"باجی! آپ کیوں مجھے زبان کھولنے پر مجبور کرتی ہیں...... میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں کہ اپنے گھر میں مجھے بے حد سکون ہے...... رات کی تنہائیوں میں وہ دو تین بار میرے پاس آیا ہے...... میں غیر مطمئن نہیں باجی...... آپ یقین کریں میں غیر مطمئن نہیں۔"

"کون آیا ہے تیرے پاس۔" مشعل نے حیرت سے سوال کیا۔

"شاہ گل کی بات کر رہی ہوں۔" مشعل افسوس بھری نگاہوں سے موئل کو دیکھنے لگی تو موئل ہنس کر بولی۔

"اب تم سمجھ رہی ہو کہ میں دیوانی ہوگئی ہوں...... باجی اور کتنے ثبوت لو گی مجھ سے، وہ پھول اور پھر خانہ خیل کے بارے میں ان لوگوں کی تصدیق کیا اس کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ اچھا اگر کسی ثبوت کی ضرورت باقی رہ گئی ہے تو مجھے بتاؤ...... کیا کہوں میں شاہ گل سے۔"

"نہیں! تو جو کچھ کہہ رہی ہے غلط تو نہیں ہوگا۔"

"چاہو تو کسی رات چھپ کر میرے پاس آجاؤ...... مجھے بھی نہ بتاؤ...... صرف دیکھو کہ کیا ہوتا ہے کیسے وہ میرے پاس آتا ہے۔"

"موئل اگر وہ تیرے پاس آتا ہے تو صرف رات کی تنہائیوں میں چھپ کر ہی کیوں آتا ہے۔" مشعل نے سوال کیا اور موئل خاموش ہوگئی...... دیر تک مشعل کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"کمال ہے باجی واقعی یہ سوال تو میرے ذہن میں ابھی تک نہیں آیا...... آج ہی لو میں اسے پوچھوں گی۔"

"تو کیا وہ روزانہ آتا ہے۔"

"زیادہ تر...... لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ نہیں آتا...... باجی واقعی تم بھی تماشہ

دیکھو آجاؤ کسی دن۔" موال کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ ذہنی عدم توازن کا شکار ہے...... بس وقت گزر رہا تھا اور اس کی دیوانگی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا...... مشعل نے موال کے جانے کے بعد یہ بات توصیف کو بتائی تو توصیف خیالوں میں ڈوب گیا۔

"کیا کریں مشعل کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... ایسا کرتے ہیں ایک چکر تو لگاتے ہیں شاہ گل کے گھر میں ان لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں...... کچھ اور باتیں کرنا چاہتا ہوں...... شاہ گل بھی مجھے کوئی نارمل آدمی نظر نہیں آتا، جو اس طرح کی حرکتیں کرتا رہتا ہے...... آخر وہ غائب کیسے ہو گیا...... چلتے ہیں کسی وقت۔"

"ایک بات کہوں توصیف۔"

"ہاں۔"

"خیر موال تمہارے سامنے تو اس کیفیت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی، جو اس پر طاری ہوتی ہے، لیکن اگر تم بھی میرا ساتھ دو تو میں چھپ کر دیکھوں تو سہی کہ رات کی تنہائیوں میں وہ کیا کرتی ہے اور کیسے کہتی ہے...... میں تمہیں پھول اور خانہ خیل کی تفصیل تو بتا چکی ہوں۔"

"ہاں! میں واقعی خود بھی حیران ہوں، لیکن سوچ لو اگر موال کو یہ پتہ چل گیا کہ ہم اس کی جاسوسی کر رہے ہیں تو کیا وہ اس بات سے خوش ہو گی۔"

"نہیں اس نے خود مجھے دعوت دی ہے اور کہا ہے باجی ذرا دیکھو تو سہی وہ رات کو تنہائیوں میں میرے پاس آتا ہے...... خیر میں اس بات پر تو یقین نہیں رکھتی، یہ صرف موال کا تصور ہی ہو سکتا ہے، لیکن دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" توصیف نے کہا اور اسی رات وہ موال کے علم میں لائے بغیر کوٹھی میں داخل ہو گئے...... شیراز صاحب اپنے بستر پر جا چکے تھے...... ظاہر ہے گیٹ کا چوکیدار

مشعل اور توصیف کو گھر میں داخل ہونے سے کیسے روک سکتا تھا...... انہوں نے ہدایت کر دی کہ کسی کو ان کی آمد کے بارے میں نہ بتایا جائے اور اس کے بعد وہ خاموشی سے وقت گزارتے رہے...... موال اپنے کمرے میں تھی اور چونکہ ملازموں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ مشعل کی آمد کے بارے میں اسے بھی نہ بتایا جائے، چنانچہ اسے بھی علم نہیں تھا...... پچھلے باغ کے ایک خوبصورت خطے میں موال نے جائے نماز بچھائی اور نماز پڑھنے بیٹھ گئی...... کافی دیر تک وہ سجدہ ریز رہی، پھر اچانک ہی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی...... مشعل اور توصیف ایک درخت کی آڑ سے اسے دیکھ رہے تھے...... آسمان پر چاند کھلا ہوا تھا...... چاندنی میں نہائے ہوئے پھول بے حد حسین لگ رہے تھے...... ہوا ان پھولوں کی خوشبو کو تقسیم کر رہی تھی اور ہوا کا یہ تحفہ ہر ذی روح وصول کر رہا تھا...... موال اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تشریف لائیے جناب! آپ نے آج کل پھر دیر سے آنا شروع کر دیا ہے...... جی...... جی معذرت کرنا تو آپ کی عادت بن چکی ہے...... نہیں معاف نہیں کیا جا سکتا...... بالکل نہیں کیا جا سکتا...... جی...... ٹھیک ہے پھول قبول کرنا کوئی ایسی بات نہیں ہے ناراضگی اپنی جگہ۔" موال کہے جا رہی تھی...... قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا، لیکن موال کے چہرے کا ہر تاثر یہ بتاتا تھا...... ہر لکیر بول رہی تھی کہ وہ کسی کو اپنے سامنے محسوس کر رہی ہے...... وہ مسکرا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں زندگی چمک رہی تھی اور چہرے پر ایسی ملامت تھی کہ دیکھنے والا دل تھام کر رہ جائے...... توصیف افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا...... اس نے مشعل کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ جذبہ جنون کی انتہا ہے...... اس کے جنون نے ایک تصور کو مجسم کر لیا ہے اور وہ تصور اس کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔" وہ لوگ موال کا عمل دیکھتے رہے، احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی موجود نہیں ہے...... بہرحال یہ ساری باتیں بڑی اہمیت کی حامل تھیں، لیکن اس وقت وہ خود بھی ششدر رہ گئے...... جب اس ناراضگی کا خاتمہ کر کے

مومل نے شاہ گل سے محبت کی باتیں شروع کر دیں اور اس کے بعد ایک سرخ پھول اس کے ہاتھ میں جگمگانے لگا، اس نے ہاتھ بڑھا کر یہ پھول لیا تھا اور پھر وہ پھول اس کے ہاتھ میں صاف دیکھا گیا تھا...... دونوں آنکھیں پھاڑ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے...... بہت دیر کے بعد توصیف نے کہا۔

ایک بات بتاؤ مشعل! کیا تم نے مومل کو یہ پھول کسی درخت سے توڑتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"خدا کی قسم نہیں۔"

"پھر یہ پھول اس کے ہاتھ میں کہاں سے آ گیا، جبکہ پھول لیتے وقت وہ شاہ گل کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔"

"توصیف میرا سر چکرا رہا ہے...... میں کچھ خوفزدہ ہو گئی ہوں...... براہ کرم واپس چلو۔"

"چلو......" توصیف نے بھی بے اختیار کہا اور دونوں وہاں سے واپس چل پڑے...... پھر وہ کوٹھی میں ہی نہیں رکے تھے...... توصیف مشعل کو ساتھ لے کر گھر آ گیا...... مشعل بار بار یہ الفاظ کہے جا رہی تھی۔

"یہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے...... اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہم نے پھول مشعل نے نہیں توڑا تھا، بلکہ پھول لیتے ہوئے پھول دینے والے کا شکریہ ادا کر رہی تھی ــــ پھر یہ پھول اس کے ہاتھوں میں کیسے پہنچ گیا۔"

"خدا جانے ــــ خدا جانے۔" توصیف خود بھی حیرت زدہ نظر آ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"مشعل تم یقین کرو ــــ یہ مسئلہ روحانیت کی حد میں داخل ہو گیا ہے...... مومل کے بارے میں تو میں کھل کر کہہ سکتا ہوں...... مشعل کے بارے میں نہیں...... مومل بلاشک و شبہ بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر متاثر ہے اور وہ شاہ گل کو بے پناہ چاہتی ہے ...... اس کی چاہت روحانیت اختیار کر چکی ہے اور یہ پھول اسی رنگ کا اظہار کرتا ہے...... کیا کریں کچھ سمجھ میں نہیں آتا ــــ کل لازمی طور پر وہاں چلیں گے۔" دوسرے دن شاہ گل کے گھر کا رخ کیا گیا...... توصیف اور مشعل اپنی کار میں جب وہاں پہنچے تو انہوں نے ایک اور کار دیکھی جو دروازے کے باہر کھڑی ہوئی تھی...... کوٹھی کے صدر دروازے کو تالا لگا ہوا تھا...... کار سے ایک شخص مایوسی کے انداز میں جھانک رہا تھا، لیکن توصیف نے اسے دیکھ کر پہچان لیا...... اس شخص کا نام ساجد حیات تھا اور ساجد حیات توصیف کا بہت پرانا دوست تھا...... اکثر کاروبار کے سلسلے میں شہر ہی نہیں ملک سے باہر رہتا تھا، اس لئے ملاقات بہت کم ہوتی تھی...... توصیف نے اسے پہچان لیا اور نیچے اترا...... ساجد حیات بھی نیچے اتر آیا تھا، دونوں گلے ملے اور ساجد حیات نے کہا۔

"خیریت یہاں کیسے آنا ہوا۔"

"اصل میں یہاں ایک صاحب رہتے تھے شاہ گل نام تھا ان کا، ان سے ملاقات کرنے آیا تھا۔"

"اوہ...... ہو شاہ گل سے کیسے واقفیت ہے تمہاری۔"

"بس ایسا ہی ایک سلسلہ تھا۔"

"کار میں کون ہے۔"

"میری مسز ہیں۔"

"کیا نہ کمینہ پن ہم اس قابل نہیں تھے کہ ہمیں بھی شادی میں بلا لیتے۔"

"پتہ کیا تھا تمہارے بارے میں گئے ہوئے تھے۔"

"تو انتظار کر لیا ہوتا یار اتنی جلدی شادی کر لی ...... خیر بھابی سے ابھی نہیں ملیں گے۔"

"تم یہاں کیسے رکے ہوئے تھے۔"

"یہاں ان لوگوں سے ملاقات کے لئے ہی آیا تھا...... شاہ گل کا ہی ایک معاملہ تھا...... ویسے ایک بات بتاؤ شاہ گل کے بارے میں کچھ اور جانتے ہو۔"

"کیا۔"

"ابھی تو خیر ممکن نہیں، لیکن ملاقات کرو مجھ سے میں تمہیں بتاؤں گا شاہ گل کے

بارے میں یہ لوگ یہاں سے خانہ خیل چلے گئے ہیں...... خانہ خیل اصل میں ان کا آبائی علاقہ ہے...... بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ شاہ گل بڑی عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے...... کبھی کسی مناسب وقت بیٹھ کر تم سے اس کے متعلق بات کروں گا۔"

"ساجد ہر وقت مناسب ہے...... شاہ گل کا معاملہ اصل میں کچھ ایسا ہے کہ مجھے اس سے ملنا ضروری ہے، اگر تم آج ہی شام کو میرے یہاں آ جاؤ تو بڑا اچھا ہو...... ویسے یہ لوگ خانہ خیل کب گئے۔"

"پڑوس کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہ اپنی آبائی آبادی میں چلے گئے۔"

"مکان بیچ دیا ہے۔"

"نہیں خالی پڑا ہوا ہے...... شاہ گل سے میری بہت پہلے سے واقفیت ہے...... چلو خیر ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ، ویسے میں تو نہیں بلایا جائے کب پلا رہے ہو اپنے گھر۔"

"آج ہی شام کو آ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے شام کو پانچ بجے کے بعد میں تمہارے پاس پہنچوں گا۔"

"او کے۔" اور اس کے بعد ساجد حیات اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا، جبکہ توصیف واپس آ کر مشعل کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"تالا لگا ہوا ہے یہاں تو کہیں گئے ہیں یہ لوگ۔"

"ہاں...... یہ خانہ خیل چلے گئے۔"

"چلے گئے سے کیا مراد۔"

"مطلب یہ کہ گھر بند کر کے چلے گئے۔"

"اوہ...... ہوں! اچھا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہاں! صورت حال اُلجھتی ہی جا رہی ہے۔"

"یہ صاحب کون تھے جو آپ سے ملے تھے۔"

"اس کا نام ساجد حیات ہے...... میرا ابہت قدیم ... ہے...... شاہ گل سے کافی

واقفیت رکھتا ہے۔"

"شاہ گل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا انہوں نے کہ ملا یا نہیں؟"

"نہیں اسے شاید خود بھی نہیں معلوم...... لیکن آج شام کو پانچ بجے وہ آ رہا ہے...... پانچ بجے ہم اس سے گفتگو کریں گے...... میں نے اسے شام کی چائے پر مدعو کر لیا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی سنسنی خیز انکشاف ہونے والا ہے۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔" توصیف نے جواب دیا اور کار میں بیٹھ کر کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

❀ ❀ ❀

کافی دن یہاں گزر گئے...... شاہ گل کو واقعی یہاں سکون کا احساس ہوا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی دل کی گہرائیوں میں مومل کا خیال بھی آباد تھا...... بزرگ سے اس بارے میں گفتگو کرنے کے بارے میں سوچا اور اس کے بعد ایک شام ان کے قدموں میں حاضری دی، وہ مسکرائے اور بولے۔

"ہاں! اب ہم بہت زیادہ روشن ضمیری کا مظاہرہ نہیں کریں گے...... کچھ تحریریں آنکھوں سے ظاہر ہوتی ہیں...... آنکھوں کی تحریر پڑھ لینا بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہوتا...... اگر تھوڑی سی دنیاداری ذہن میں ہو۔"

"میں جانتا ہوں محترم بزرگ! اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بھی میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں...... میرے وجود میں ایک کمی رہ گئی ہے، جس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں، مگر مجھے بتایئے میرے دل کو اس سانچے میں کیوں نہیں ڈھالا گیا، جو اس کمی کو قبول کر لیتا...... بزرگ میرے احساسات اور جذبات ویسے کیوں نہیں ہو جاتے۔" بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، انہوں نے کہا۔

"ایک شخص پیدائشی نابینا ہوتا ہے...... دنیا کے بارے میں اسے بتایا جاتا ہے کہ دنیا ایسی ہے...... آسمان پر چاند چمکتا ہے تو زمین پر نوادرات جگمگانے لگتے ہیں...... پانی پر پھیلی ہوئی چاند کی کرنیں، چاندنی کو جذب کرنے والے پھول، برف پوش چوٹیوں پر چمکنے والی چاندنی پھر ہوائیں آسمان، بادل، بارش، پرندے، دنیا کا حسن یہ ساری چیزیں اس نابینا کو بتائی جاتی ہیں

بتاؤ اس کی سمجھ میں کیا آتا ہوگا...... صرف لفظوں سے خیال تخلیق نہیں کیا جاسکتا...... خیال مجسم اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز دماغ میں محفوظ ہو اور دماغ آنکھوں کے راستے ہی بہت سی چیزیں اپنے آپ میں منجمد کرتا ہے...... اس نابینا کی محرومی کے بارے میں کیا کہو گے...... ہاتھوں اور پیروں سے معذور شخص کسی تکلیف، کسی مرض کا شکار، کیا ان کی بے بسی کسی طور تم سے کم ہوگی...... اپنے آپ کو اس قدر مظلوم نہ سمجھو، جو مل گیا ہے اس کا شکر ادا کرو، جو نہیں ملا اس کے لئے روتے رہنا مناسب نہیں ہوتا...... ایک بات کہوں...... دنیا کو اتنا محدود نہ سمجھو...... دنیا بڑی مشکلوں میں مبتلا ہے...... تم اپنی ایک محرومی ایک کمی کا شکار ہو کر خود سے دلبرداشتہ ہو گئے ہو...... اگر آگے بڑھ کر دنیا کو دیکھو تو تمہیں ایسے ایسے بہت نظر آئیں گے، جو کبھی تمہارے تصور میں بھی نہ آتے ہوں...... دنیا دیکھنا چاہتے ہو۔" شاہ گل نے عجیب سی نگاہوں سے بزرگ کو دیکھا اور بولا۔

"کیا میرے لئے اطمینان کی کوئی جگہ ہے۔"

"ہاں، ہے...... لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو...... راستے طے کرنا ہوتے ہیں...... منزلیں تلاش کرنا ہوتی ہیں اور منزل اسی وقت ملتی ہے، جب تلاش مکمل ہو...... تم تلاش کرو منزل ہوتی ہے، یقیناً ہوتی ہے۔"

"میں اپنی منزل تلاش کرنا چاہتا ہوں...... میں وہ مقام دیکھنا چاہتا ہوں جو میرے لئے ہے۔"

"راستوں کی تکلیف برداشت کر لو گے۔"

"ہاں! وہ سکون جس سے میں اپنے وجود کی تپش بجھانا چاہتا ہوں...... اس سلگتی آگ کو ختم کرنا چاہتا ہوں...... جس نے مجھے خاکستر کر دیا ہے، اس کے لئے میں ہر طرح کی منزلیں طے کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"پریشانی ہوگی تکلیف ہوگی...... حسرت اور مایوسی کا شکار ہو گے...... اذیتیں برداشت کرنا پڑیں گی...... منزل ملائی کی پلیٹ نہیں ہے کہ ہاتھوں میں آجائے اور تم آسانی سے اسے

اپنے معدے میں اتار لو۔"

"مجھے ہر مشکل برداشت کرنا قبول ہے ...... آپ سے چونکہ کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے اس لئے الفاظ میں بھی بیان کر دوں ...... میرے وجود کی تشنگی مجھے دیوانہ کئے ہوئے ہے۔"

"اندازہ کیا جا سکتا ہے، لیکن کائنات میں صرف تم ایک تشنہ تن نہیں ہو ...... بہت سے بھٹک رہے ہیں۔"

"آہ میں بہت محروم ہوں۔"

"ہرگز نہیں ...... یہ صرف تمہارا خیال ہے۔"

"مجھے سکون چاہئے۔"

"تلاش کرو ...... جائزہ لو ...... تمہیں وہ ملیں گے جو اپنی محرومیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں، ان سے ملو تو اندازہ ہو۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں محترم بزرگ۔"

"تو جا ...... دیکھ، وہ دریائے عشق ہے ...... اس کی روانی میں خود کو سنبھالو اور اسرار عشق سے شناسائی حاصل کرو۔"

اس کے ساتھ ہی شاہ گل کو اپنے پاؤں زمین سے اکھڑتے محسوس ہوئے ...... اسے یوں لگا جیسے اس کے پاؤں زمین پر نہ ہوں بلکہ پانی کی لہروں پر وہ آگے بڑھ رہا ہو ...... ایک دم ہی زمین اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی تھی ...... اپنے آپ کو سنبھالنے کی لاکھ کوشش کی لیکن خود کو نہ سنبھال سکا، بس ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ کسی دریا میں بہہ رہا ہو ...... دریا کے پانی نے اسے اُلٹ پلٹ کر دیا تھا ...... دفعتاً اس کا سر کسی پتھر سے ٹکرایا اور دوسرے لمحے ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا ...... پھر جب روشنی کی کرنوں نے آنکھوں میں گدگدی کی تو کانوں میں ایک آواز اُبھری۔

"دیکھ اس کا بدن ہل رہا ہے۔"

"ایں کیا سچ مچ۔"

"ہاں آنکھوں کے پوٹے بھی جنبش کر رہے ہیں۔"

"بادل ارے او بادل، دیکھ ذرا بیٹا کیا اسے ہوش آ رہا ہے؟"

"ہاں بابا جی اب یہ کراہ رہا ہے۔"

"سکینہ جا ری بٹیا ذرا دودھ گرم کر لے۔"

"دودھ چولہے پر ہی رکھا ہے بابا۔"

تو پھر لے آ حکیم جی کہہ گئے تھے کہ گرم گرم ہی پلانا ہے ...... شاہ گل یہ ساری باتیں سن رہا تھا آنکھوں پر کچھ ایسا بوجھ تھا کہ آنکھیں کھولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن ذہن سوچ رہا تھا ماضی کی ساری باتیں اسے یاد آ رہی تھیں ...... اچانک ہی قدموں کے نیچے دریا کا نمودار ہونا اور اس کے بعد دریا میں بہہ جانا یہ سب کچھ انوکھا تھا ...... بہر حال اس نے آنکھیں کھول لیں، سامنے ہی ایک نوجوان لڑکا کھڑا ہوا تھا ...... ابھی کچھ لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ سلونے سے چہرے والی ایک لڑکی مٹی کے برتن میں دودھ لئے اندر آ گئی ...... دودھ کے برتن سے بھاپ اٹھ رہی تھی ...... اس نے دودھ کا یہ برتن شاہ گل کے سامنے کیا تو شاہ گل کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھ گئیں ...... سانولا سلونا سا چہرہ، سادہ سے نقوش، انیس بیس سال کی عمر جوانی کی تمازت سے تپتے ہوئے سانس، کاجل بھری آنکھوں میں دوڑتی زندگی، شاہ گل کی آنکھوں سے آنکھیں ملتے ہی اس کی آنکھیں جھلک گئیں ...... ہونٹ آہستہ سے کپکپائے لیکن کوئی آواز نہ نکلی ...... شاہ گل نے آنکھیں جھکائیں اور دودھ کا پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ...... لڑکی بڑی تیزی سے مڑ کر باہر نکل گئی تھی ...... دودھ کے کچھ گھونٹ لے کر شاہ گل نے اس جگہ کا جائزہ لیا ...... کچی مٹی کی دیواروں سے بنا ہوا کمرہ جس میں تین چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں ...... ایک چارپائی پر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا، شاید وہ آنکھوں سے اندھا تھا ...... ایک نگاہ اسے دیکھ کر یہی احساس ہوتا تھا ...... اچانک ہی اس نے کہا۔

"دریا میں کیا کر رہے تھے بھیا۔"

"دریا میں؟" شاہ گل نے پوچھا۔

www.paksociety.com

"تو اور کیا..... آسمان میں سیر کر رہے تھے کیا۔"

"نہیں بس وہ کنارے پر تھا پھسل گیا۔"

"خود کو سنبھالا کرو بیٹا..... یہ عمر پھسل جانے ہی کی ہوتی ہے، پر ایک بات سن لو پھسلنے سے بچنا ضروری ہے..... ایک بار پھسل گئے تو سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"جی..... شاہ گل آہستہ سے بولا۔"

"نام کیا ہے۔"

"شاہ گل۔" شاہ گل نے جواب دیا۔

"دھوبی ہیں ہم ذات کے، یہ بستی دریا کنارے آباد ہے..... ہمارا نام رمضان ہے۔ دو بچے ہیں، ہمارے بادل اور حسینہ پہلے ہم محنت کرتے تھے، پر اللہ نے آنکھیں لے لیں..... مرضی مالک کی اس کی چیز جو چاہے لے لے اور جو چاہے بخش دے، اب یہی کیا کم ہے کہ ہمارا بیٹا ہماری جگہ سنبھالے ہوئے ہے اور زندگی گزر رہی ہے..... بیٹا ایک بات بتاؤ، تم کون ہو اور پانی میں کیسے گر پڑے تھے..... اچھا چلو چھوڑو..... یہ بتاؤ کہیں جاؤ گے یا ہمارے ساتھ رہو گے..... تم بھی کیا سوچتے ہو گے کہ ہم کیسی باتیں کر رہے ہیں..... اب دیکھو ہماری تو ہیں آنکھیں اندھی، ہم نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ تم شکل و صورت کے کیسے ہو..... کسی دولت مند آدمی کے بیٹے ہو یا ہماری طرح غریب ہو اور کہہ بیٹھے ہم تم سے اپنے ساتھ رہنے کی۔"

شاہ گل اس بات کا کیا جواب دیتا..... خاموش رہا، پھر تھوڑی دیر کے بعد رمضان نے ہی پوچھا۔

"بیٹا! کوئی گھر بار ٹھور ٹھکانہ کچھ ہے..... ہے تو ہمیں بتا ہم تیری مدد کریں گے۔"

"کوئی ٹھکانہ نہیں ہے رمضان بابا! تو بیٹا پھر یہیں رہ ہمارے ساتھ میں سمجھوں گا اللہ نے مجھے ایک اور بیٹا دے دیا۔"

"ٹھیک ہے رمضان بابا میں آپ کے ساتھ رہوں گا..... وہی کام کروں گا جو بادل کرتا ہے۔..... ارے نہ بیٹا! اب ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم کسی ایک اللہ کے بندے کو کھلا پلا نہ سکیں۔"

"نہیں بابا! میں تمہارا نہیں کھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے کوئی ایسی بات نہیں اب تیرا نام کیا لیں یہ تو بتا دے۔"

"آپ مجھے شاہو کہہ لیں۔" شاہ گل نے کہا۔

"ارے واہ! بڑا اچھا نام ہے۔" بہرحال یہاں وقت گزارنا شروع کر دیا..... سکون زندگی نہیں بھی ملے..... کیسے ہی ملے اپنی محنت شاید واقعی سکون دیتی ہے..... چند روز کام کرتے ہوئے گزرے تو شاہ گل کو احساس ہوا کہ مفت کی روٹی توڑنا چند روز تو اچھا لگتا ہے، لیکن اس کے بعد طبیعت اکتا جاتی ہے..... انسان کا اپنا ایک مصرف ہے..... ایک منصب ہے..... اگر مصرف اور منصب کو چھوڑ دیا جائے تو زندگی کاٹنا مشکل ہو جاتا ہے..... یہ چیزیں نہیں چھوڑنی چاہئیں..... بادل نے حالانکہ لاکھ منع کیا کہ وہ اس کام کا آدمی نہیں ہے، اس کے ہاتھ اور اس کا سارا وجود بتاتا ہے کہ اس نے آرام کی زندگی گزاری ہے..... وہ ایسا نہ کرے، ادھر حسینہ اس کی بہت مدد کرتی تھی اور اس سے بہت زیادہ محبت کرنے لگی تھی..... لیکن شاہ گل نے تشویش کی نگاہوں سے دیکھا تھا..... وہ تو ان راستوں سے بچنا چاہتا تھا لیکن فطرت کی رہنمائی کچھ اور ہی تھی..... غرض یہ کہ یوں وقت گزرتا رہا..... دریا کے گھاٹ پر دھوبنیں کپڑے دھوتی تھیں، لیکن جہاں شاہ گل ہوتا تھا وہاں مجمع کچھ زیادہ ہی لگ جاتا تھا..... کپڑے دھونے سے زیادہ وہ اسے دیکھتیں تھیں اور اس کے بارے میں آپس میں باتیں کرتی رہتی تھیں..... ایک دن حسینہ نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کچھ سنا تو نے شاہو۔" شاہ گل نے چونک کر حسینہ کو دیکھا اور بولا۔

"کیا۔"

"بابا نے کوئی بات تو نہیں کی ہے تم سے۔"

"بابا تو مجھ سے روزانہ ہزاروں باتیں کرتے ہیں۔"

"میرے بارے میں۔"

"تمہارے بارے میں۔"

"ہاں...... کہہ رہا تھا بابا کہ شاہو بڑا اچھا لڑکا ہے، بہت ہی اچھا...... کیوں نہ اپنی حسینہ کا نکاح اس سے کر دیا جائے۔" شاہ گل سکتے میں رہ گیا...... وہ عجیب سی نظروں سے حسینہ کو دیکھنے لگا...... حسینہ بہت اچھی لڑکی تھی...... بہت خیال رکھتی تھی شاہ گل کا...... شاہ گل نے بارہا یہ بات محسوس کی تھی کہ حسینہ اسے بہت زیادہ چاہتی ہے، لیکن ساری باتیں اپنی جگہ اس کی تو مشکل ہی دوسری تھی...... حسینہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی...... جب وہ دیر تک کچھ نہ بولا تو وہ پریشان سے لہجے میں بولی۔

"کیا سوچنے لگا شاہو۔"

"کچھ نہیں۔"

"اپنے یاد آ رہے ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"سب کچھ بھلا دوں گی تیرے دل سے سب کچھ...... اتنا پیار دوں گی تجھے...... میرا ہو جا شاہو...... میرا ہو جا۔" حسینہ بے اختیار ہو گئی، لیکن ظاہر ہے شاہ گل کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا لیکن اس رات وہ بے چینی کے عالم میں رہا...... ساری رات انتہائی بے کلی میں رہی یہ تو اچھا نہیں ہو رہا...... یہ تو اچھا نہیں ہو رہا...... دل کی بے چینی دُور نہیں ہو رہی تھی...... ایک گوشہ تلاش کیا اور بے کسی کے ساتھ سر پکڑ کر بیٹھ گیا...... بڑا پریشان تھا اور بہت دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا تھا...... پھر جب نگاہ اٹھی تو اس نے بادل کو دیکھا جو سامنے ہی کھڑا ہوا تھا۔

"رات کو تین بار آنکھ کھلی ہے میری تینوں بار تجھے اسی طرح سر پکڑے ہوئے بیٹھے دیکھا ہے...... کیا بات ہے۔"

"بادل حسینہ نے مجھ سے ایک بات کہی ہے...... بادل جو بات اس نے مجھ سے کہی ہے وہ میں نہیں کر سکتا...... بالکل نہیں کر سکتا...... بادل میں بہت پریشان ہوں...... میں حسینہ کو نہیں اپنا سکتا۔"

"مگر وہ باولی تو تیری دیوانی ہو گئی ہے اس کا کیا ہو گا۔"

"میں نہیں جانتا بادل...... میں نہیں جانتا، میں تو یہ سب کچھ کر ہی نہیں سکتا۔"

"مگر کیوں۔"

"بادل اس سے زیادہ میں تجھے کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"دیکھ مان لے ہماری بات آرام سے رہ رہا ہے تو ہم تجھے کچھ بھی نہیں کرنے دیں گے...... کھا پی عیش کر ہماری ایک ہی بہن ہے اس کا دل نہ توڑ۔" شاہ گل نے بادل کے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور بولا۔

"نہیں بادل نہیں یہ میں نہیں کر سکتا...... میں ابھی جا رہا ہوں...... میرے بھائی تیری عزت مجھے زندگی سے زیادہ پیاری ہے، ابھی حسینہ سنبھل جائے گی کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے کوئی گہرا صدمہ برداشت کرنا پڑے، بلکہ تو ایک کام کرنا بادل...... جب میں چلا جاؤں تو اس کے بعد میری تلاش ہو تو، تو کہہ دینا کہ میں تیری رقم لے کر بھاگ گیا...... میرا کردار کالا کر دینا، اس کی نگاہوں میں وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔" بادل اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مگر ایسی کون سی مجبوری ہے کیا تیری پہلے شادی ہو چکی ہے۔"

"بادل میری جو مجبوری ہے وہ میں دنیا میں کسی کو نہیں بتا سکتا...... بس جا رہا ہوں میں...... جا رہا ہوں بادل۔" اور اس کے بعد شاہ گل نے بستی چھوڑ دی...... تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا وہ بستی کے آخری مکان سے بھی گزر گیا...... آگے کھیت بکھرے ہوئے تھے...... اِکا دُکا لوگ نظر آ رہے تھے...... کسی نے توجہ نہیں دی شاہ گل نے رفتار تیز رکھی تھی...... کسی رخ کا تعین نہیں کیا تھا...... رخ کدھر کا کرتا کدھر جاتا بس چل پڑا تھا...... بہر حال کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا...... ظاہر ہے وہ ایک معصوم لڑکی کو کسی بھی طرح دھوکا نہیں دے سکتا تھا، وہ چلتا رہا کچھ نہیں سوچ رہا تھا وہ...... چلتے چلتے دوپہر ہو گئی...... اب ویران جنگلوں کے سوا کچھ نہیں تھا، درخت نظر آ رہے تھے...... پرندے پرواز کر رہے تھے...... آسمان شفاف تھا...... دھوپ پھیلی ہوئی تھی...... جب پیروں نے جواب دے دیا تو ایک درخت کے نیچے پناہ لی......

زمین پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ نیند تو نہیں آئی تھی، البتہ نقاہت نے غنودگی طاری کر دی تھی۔ بدن کو سکون ملا۔ پچھلے کچھ دن آرام سے گزرے تھے اس لئے برداشت کی قوت میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ سورج ڈھلے اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر چل پڑا۔ شام جھک آئی اور پھر اس نے سیاہ رنگ کی ایک عمارت دیکھی۔ ٹوٹی دیواریں۔ بکھری ہوئی اینٹوں کے ڈھیر ایک بڑا سا گنبد قدم اسی جانب بڑھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ یہ ایک قدیم مسجد تھی۔ سیڑھیاں تک سلامت نہیں تھیں۔ بڑا سا صحن تھا تو، اجڑا ہوا تھا۔ چاروں طرف پتے بکھرے ہوئے تھے۔ دل میں عقیدت کا ایک جذبہ اُبھر آیا، پیار سا اُبھر آیا اور وہ اپنے لئے ایک مشغلہ تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا، اس نے قمیض اتاری اور مسجد کے صحن کی صفائی میں مصروف ہو گیا۔ وسیع و عریض صحن کو صاف کرتے کرتے اتنی دیر ہو گئی کہ رات ہو گئی۔ سوکھے پتے سمیٹ کر مسجد کے پچھلے حصے میں پھینکے اور وہاں ایسے پتوں کے انبار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یوں لگا جیسے کوئی باقاعدگی سے صحن صاف کر کے یہ پتے یہاں پھینکتا ہو۔ نجانے کون ہو گا وہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ زیادہ غور بھی نہیں کیا، کوئی کام بھی نہیں تھا۔ سیڑھیوں کے پاس آکر ایک جگہ صاف کی اور لیٹ گیا۔ بھوک لگ رہی تھی۔ دن بھر پیاس کی شدت بھی رہی تھی۔ کہیں سے پانی بھی نہیں پیا تھا۔ بہر حال اسے رفع کرنے کا کوئی ذریعہ سامنے نہیں آیا۔ لیٹے لیٹے ایک بار پھر کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی اور شاید نیند آ گئی۔ نجانے کتنا وقت گزرا تھا کہ دفعتاً کچھ آہٹیں سنیں وہ ان آہٹوں سے نہیں جاگا تھا۔ بلکہ کسی نے پاؤں پکڑ کر جھنجھوڑا بھی تھا، چونک پڑا۔ ادھر اُدھر دیکھا، تین چار آدمی نزدیک کھڑے ہوئے تھے۔ چاند نکلا ہوا تھا اور مسجد کا پورا ماحول روشن تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ سونے کی جگہ نہیں ہے میاں۔ گزرگاہ ہے راستے میں نہیں سوتے۔" شاہ گل جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا، تھوڑی سی نیند بھی ذہن پر طاری تھی اور اس کے علاوہ دن میں اس ویران مسجد کا اور اس کے آس پاس کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس وقت یہاں کون ہو سکتا ہے؟

اس نے سوچا اور ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا، جن لوگوں نے اسے جگایا تھا وہ آگے بڑھ گئے۔ شاہ گل نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں سفید لباس میں ملبوس پاکیزہ نورانی چہرے والے بزرگ، نوجوان اور چھوٹی عمر کے لوگ مسجد کی جانب آرہے تھے اور اندر مسجد میں بڑی رونق ہو رہی تھی۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اچانک ہی کیسے نمودار ہوئے ہیں۔ شاہ گل نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ لوگ صفیں بنا کر بیٹھے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ سامنے ہی ایک ممبر لگا دیا گیا تھا جو پہلے سے یہاں موجود نہیں تھا۔ غالباً یہاں آنے والے اسے اپنے ساتھ لائے تھے۔ شاہ گل نے قریب بیٹھے ہوئے ایک نوجوان آدمی سے جس کی داڑھی سیاہ تھی اور رنگ سفید مدھم لہجے میں پوچھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔" اس نے چونک کر شاہ گل کو دیکھا اور بولا۔

"درس! کیا تم درس میں شرکت کے لئے نہیں آئے۔"

"نہیں میں نہیں جانتا۔" شاہ گل نے جواب دیا۔

"خاموش بیٹھو۔" وہ شخص بولا اور پھر اس معمر آدمی کو دیکھنے لگا جو ٹخنوں تک سفید چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سفید امامہ تھا۔ سفید داڑھی جو سینے پر لٹکی ہوئی تھی۔ بھنویں تک سفید تھیں۔ وہ ممبر کی طرف بڑھنے لگا اور اس کے بعد اس نے تمام موجود لوگوں کو سلام کیا۔ سب نے بلند آواز سے جواب دیا اور معمر بزرگ نے کہا۔

"اللہ کے فضل و کرم سے آج تو پوری مسجد بھری ہوئی ہے سب آگئے۔"

"جی امام صاحب۔ ایک بڑی عجیب بات ہوئی ہے۔" ایک شخص نے کہا۔

"وہ کیا۔"

"ہمارے آنے سے پہلے ہی کسی نے مسجد کا صحن صاف کر دیا ہے۔ جب ہم یہاں پہنچے تو صحن صاف ملا تھا۔"

"ہو گا کوئی بندہ خدا! خدا کے بندے کہاں موجود نہیں ہوتے۔"

"ایک اجنبی شخص کو ہم نے سیڑھیوں کے پاس پڑے پایا۔ سو رہا تھا غالباً۔ اسی نے

صحن صاف کیا ہو گا۔"

"کہاں ہے وہ......؟" بزرگ نے سوال کیا اور پھر ان کی نگاہیں شاہ گل کی جانب اُٹھ گئیں...... فاصلہ کافی تھا، لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی آنکھوں سے روشنی کی ایک لکیر نکل کر آگے بڑھی اور شاہ گل تک پہنچ گئی...... اس روشنی نے شاہ گل کے پورے جسم کا احاطہ کر لیا تھا اور اس کے بعد بزرگ کی آواز سنائی دی۔

"آگے آؤ...... کون ہو تم؟" شاہ گل کو ایسا ہی لگا تھا جیسے کسی نادیدہ ہاتھوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کیا ہو...... قدم بھی خود بخود ہی آگے بڑھے تھے...... درمیان میں آنے والوں نے اسے امام صاحب تک پہنچنے کا راستہ بھی دیا تھا اور وہ وہاں تک پہنچ گیا تھا...... امام صاحب نے گہری نگاہ سے اسے دیکھا پھر بولے۔

"تو ہم میں سے تو نہیں ہے...... تجھے اندازہ ہے کہ یہ مسجد کس کی ہے۔"

"میں ایک بے بس انسان ہوں امام صاحب! سکون کی تلاش میں در بدر بھٹک رہا ہوں...... سکون چاہئے مجھے مدد کیجئے میری۔"

"یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے...... وہی تیری مدد کر سکتا ہے...... یہاں تیری موجودگی مناسب نہیں ہے...... ہم چاہتے ہیں کہ تو چلا جائے تاکہ ہم اپنا کام شروع کریں...... ہمارے درمیان تیری موجودگی تیرے ہی لئے نقصان دہ ہوگی۔"

"مجھے سکون چاہئے صرف سکون۔"

"ملے گا...... ملے گا لیکن یہاں سے جا یہ دروازے تیرے لئے نہیں ہیں...... بے شک تو نے مسجد کی خدمت کی ہے لیکن...... لیکن تیرا یہاں رکنا مناسب نہیں ہے...... جا اس سے پہلے کہ یہ لوگ ناراض ہو جائیں اور تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر تل جائیں...... تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو جا...... تیری رہنمائی کی جا رہی ہے اور کی جاتی رہے گی...... میں اپنا فرض صرف اتنا ادا کر سکتا ہوں کہ سیدھے راستے پر چلا جا کافی دُور جا کر تجھے ایک درخت نظر آئے گا اس درخت میں پھل ہوں گے...... ان پھلوں سے تو اپنا پیٹ بھر سکتا ہے...... بس اس سے

زیادہ تیری اور کوئی مدد نہیں کی جا سکتی۔" شاہ گل نے دُکھ بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا نجانے کیسے کیسے خیالات دل میں آ رہے تھے...... بہر حال اب اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہاں سے چلا جائے، اسے بڑے احترام سے مسجد سے باہر نکال دیا گیا...... شاہ گل وہاں سے چل پڑا...... دل میں غم کا طوفان تھا، کیا برباد ہوا ہوں میں، کیسی عجیب زندگی ہے میری...... کسی سے اپنا دُکھ کہہ بھی نہیں سکتا کیا کروں...... کیا خودکشی کروں...... دریا میں کود کر جان دے دوں...... کیا فائدہ جینے سے میں تو ایک ایسا ناکارہ وجود ہوں، جسے کسی کو بھی کوئی فیض نہیں مل سکتا...... چلتا رہا نجانے کب تک چلتا رہا، پھر کسی شہری آبادی کے آثار نظر آئے...... رات کٹ گئی تھی...... اُجالا پھیل گیا تھا...... بدن تھک کر چور چور ہو گیا تھا...... بے سکونی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی...... کہیں دور سے اذان کی آواز آ رہی تھی...... بستی کے پہلے مکان کے دروازے پر رُک گیا...... آنکھوں میں اندھیرا سا چھا رہا تھا...... تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا رہا اور جب گردن گھمائی تو ایک بھاری بدن کے شخص کو دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اسے گھور رہا تھا...... شاہ گل سے نگاہ ملی تو گردن جھکا کر بولا۔

"دیکھ لے یہ ہوتی ہے اللہ کی قدرت...... صبح کو اٹھنے کے فائدے، نماز کے لئے اٹھا تو آخر تو ہاتھ آ ہی گیا...... آج پھر کامیابی نہیں ہوئی نہ تجھے۔" شاہ گل نے عجیب سی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا...... چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے...... بدن بھی خاصا تندرست و توانا تھا۔

"میں سمجھا نہیں بھائی۔" شاہ گل بولا۔

"ہائے...... ہائے...... ہائے کیا معصوم بن رہا ہے...... ارے ہمیں پتا ہے ہماری بکریاں تیری نگاہوں میں کھٹک رہی ہیں اور تو ان بکریوں کو لے جانے کے چکر میں ہے...... اس دن بھی رسی کھول لی تھی پر وہ اللہ نے مدد کر دی...... جاگ گئے ہم ورنہ گئی تھیں اپنی بکریاں۔"

شاہ گل نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا وہ شخص ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"دیکھ بھائی! دیکھ اللہ کے بندے! اللہ سے مانگ دینے والی ذات اس کی ہے جو کہتا ہے

www.paksociety.com

وہی کرتا ہے...... ارے مجھ غریب کی بکریوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا...... یہ میری زندگی کا سہارا ہیں۔"

"مگر میں آپ کو بتاؤں میں نے تو آپ کی بکریوں کو دیکھا بھی نہیں کہ وہ کہاں ہیں...... میں تو بس ایک مسافر ہوں دیکھ لیجئے...... رات بھر سفر کرنے سے میری آنکھیں سوجھ گئی ہیں...... پورے بدن پر گرد اٹی ہوئی ہے...... میں آپ کی بستی کے بارے میں جانتا بھی نہیں ہوں...... بھوکا پیاسا تھا، چل چل کر تھک گیا تھا...... یہاں تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہو گیا...... یہ سوچ کر کہ یہیں بیٹھ کر دیوار سے پیٹھ لگا کر سو جاؤں گا۔"

"ارے...... رے...... رے...... مسافر ہے تب تو ہم سے بڑی غلطی ہو گئی...... مسافر بھیا معاف کر دو ذرا ہم کو...... ابھی ایک منٹ۔" وہ تیزی سے آگے بڑھا اور دروازے سے اندر داخل ہو گیا...... پھر دوسرے لمحے وہ ایک بانوں سے بنی ہوئی چارپائی لے کر آیا تھا...... جو ٹوٹی پھوٹی تھی...... چارپائی اس نے وہاں بچھائی اور شاہ گل کو اس پر بٹھا دیا...... خود تھوڑے فاصلے پر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور مدہم لہجے میں بولا۔

"بھیا! معاف کرنا بری ہو گئی...... بس کیا بتائیں...... بکریوں کی رسی دوبارہ کھل ملی ہے اور اس طرح سے ہماری آنکھ کھل گئی اور ہماری بکریاں بچ گئیں...... بھیا! یہ چار چھے بکریاں ہی زندگی کا سہارا ہیں، ورنہ اور ہے کیا ہمارے سامنے۔" پھر اچانک ہی ایک دھاڑ سنائی دی۔

"ارے کہاں مر گئے تم...... صبح ہی صبح اور کس سے باتیں کر رہے ہو...... میں کہتی ہوں تمہاری کھوپڑی بالکل ہی خراب ہو گئی ہے کیا۔" کوئی باہر نکلا اور شاہ گل کی نگاہیں اس جانب اُٹھ گئیں...... بڑی بھیانک آواز تھی...... چہرہ تو بے شک بھیانک نہیں تھا لیکن آواز اور جسامت خوفزدہ کر دینے والی تھی...... سفید شلوار قمیض میں آنکھیں نکالے کھڑی وہ ان دونوں کو گھور رہی تھی۔

"کون ہے رے تو اور صبح ہی صبح کہاں سے آمرا...... ارے تھوڑی دیر چین بھی لینے دیا کرو، ہیں کون ہو تم اور صبح ہی صبح یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ارے وہ...... وہ مسافر ہے بیچارہ بس رات بھر کا چلا ہوا تھا...... تھک کر یہاں بیٹھ گیا ہے...... بس تھوڑی دیر بیٹھے گا اس کے بعد چلا جائے گا۔"

"میں تمہارے مسافروں کو بتاتی ہوں ابھی۔" عورت نے کہا اور ادھر اُدھر کوئی چیز تلاش کرنے لگی...... شاہ گل بدحواس ہو کر کھڑا ہو گیا تھا، لیکن وہ شخص سامنے آ گیا اور غصیلے لہجے میں بولا۔

"دیکھ بھاگوان! گھر کی بات گھر تک ہی رہنی چاہئے...... بیچارہ پردیسی ہے...... نجانے کتنا فاصلہ طے کر کے آیا ہے...... کیا سوچے گا ہمارے بارے میں...... ہیں کیا سوچے گا رے بیٹا سلام کرو، چاچی ہیں تمہاری اور میں تمہارا چاچا ہوں...... میرا نام حسین خان ہے۔"

"چاچی...... چاچا کیوں آئے ہو تم یہاں اور کون ہو...... جواب دو......؟" عورت بہت زیادہ تیز معلوم ہوتی تھی...... شاہ گل سہم سا گیا تھا، اس نے کہا۔

"شاہو ہے میرا نام۔"

"ٹھیک ہے ہو گا مجھے کیا، مگر تم یہاں آئے کیوں ہو۔"

"جان بوجھ کر نہیں آیا چاچی جی ابھی چلا جاتا ہوں...... غلطی ہو گئی۔"

"نہیں...... نہیں...... سنو...... بات سنو...... رک جاؤ ایسے نہیں جاؤ گے، اگر سچ بول رہے ہو تو۔"

"میں سچ بول رہا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے بیٹھو...... کھاؤ پیو آرام سے جانا...... اب ہم اتنے برے بھی نہیں ہیں...... وہ مڑی اور واپس چلی گئی...... وہ شخص جس نے اپنا نام حسین خان بتایا تھا...... ہنسنے لگا پھر بے تکلفی سے بولا۔"

"دیکھا...... دیکھا یہ بالکل سچ بات ہے کہ عورت کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے...... باولی ہے بالکل جو بات کہو اسے اُلٹ کرتی ہے...... پر دل کی بری نہیں ہے...... ویسے کم بخت نے جینا حرام کر دیا ہے میرا...... اب کیا کہوں تم ذرا چاچی کہہ کر پکار لینا اور خوش ہو جائے گی وہ......

www.paksociety.com

مسافر بھیا دونوں ہیں ہم اور کوئی نہیں ہے ہمارا...... جتنے دن تک دل چاہے یہاں رہو...... ساری باتیں ٹھیک ہیں، وہ دل کی بری نہیں ہے...... یہ پہلے بھی ہم تم سے کہہ چکے ہیں۔"

"جی۔"

"مگر آئے کہاں سے ہو اور جا کہاں رہے تھے...... کچھ بتاؤ گے نہیں اپنے بارے میں؟"

"بس آپ یہی سمجھ لیجئے کہ مسافر ہوں، اس بستی میں نکل آیا ہوں...... چلا جاؤں گا یہاں سے کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"یعنی...... یعنی جانے کے لئے کوئی جگہ بھی نہیں ہے...... ارے بھیا رے یہ تو بڑی اچھی بات کہی تم نے اصل میں ہم بھی بڑے دن سے یہ بات سوچ رہے تھے کہ کوئی ایسا سنگ سہارا مل جائے جو ہمارا ساتھ دے...... اصل میں ہم تو بہت اچھے آدمی ہیں لیکن عورتیں عام طور سے بری ہوتی ہیں اور بیویاں بن کر تو وہ بہت ہی بری ہو جاتی ہیں...... بس یوں سمجھ لو کہ بیوی بن کر وہ شوہر کی مالک بن جاتی ہے...... ویسے تو کوئی ایسی بات نہیں ہے، جب تک دل چاہے یہاں رہو، لیکن بس خطرہ ہے تو تمہاری چاچی سے دماغ کی جگہ بھوسا بھرا ہوا ہے...... گھڑی میں تولا گھڑی میں ماشہ، اگر اسے برداشت کر لو گے تو کوئی پریشانی نہیں رہے گی...... بس ایسی ہی بے وقوف سی عورت ہے۔" شاہ گل کو ہنسی آ گئی...... حسین خان کی باتیں بڑی مزیدار تھیں...... بیوی سے بہت ڈرتا تھا، لیکن کم از کم یہاں ایک فائدے کی بات تھی، وہ یہ کہ کوئی نوجوان لڑکی وغیرہ نہیں تھی اور ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا...... شاہ گل کا اپنا تو کوئی ٹھکانہ رہا ہی نہیں تھا...... گھر جانے کا تصور بھی کبھی دل میں نہیں آیا تھا...... وہاں سب اس کی حقیقتوں کے شناسا تھے...... بات کبھی اہمیت نہیں اختیار کر سکی تھی، لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت تھی کہ" سب اسے رحم بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے اور شاہ گل کو ان نگاہوں سے نفرت تھی......" اپنے لئے رحم کا ماحول نہیں چاہتا تھا...... اس سے اسے ایک عجیب سی گھٹن کا اندازہ ہوتا تھا وہ اسی لئے وہاں سے دور ہٹ جانا چاہتا تھا...... لوگ اس کی حقیقتوں کو جان کر کبھی کسی سوال کے جواب میں اس کے بارے میں بتا بھی سکتے تھے...... بہر حال حسین خان اس کے لئے بڑی

نعمت شخصیت کا مالک تھا...... کوئی ایسا نام نہیں تھا جسے وہ خصوصی طور پر استعمال کرتا...... بہر حال حسین خان سیدھا سچا آدمی تھا...... بکریاں چرانے کا کام شاہ گل کے سپرد کر دیا گیا اور وہ یہ کام خوشی سے کرنے لگا...... زندگی کا اور کوئی مقصد تو نہیں رہ گیا تھا...... کوئی ایسا مقصد نہیں رہ گیا تھا جسے وہ پورا کرے...... بہر حال وقت گزرتا رہا اور یہاں کا ماحول خاصا دلچسپ محسوس ہوا...... اچھے خاصے کام کرنے کو مل جاتے تھے...... پیپل کا ایک درخت تھا جو گھر کے صحن کے ایک گوشے میں تھا اور اس کے نیچے شاہ گل کی چارپائی بچھا دی گئی تھی...... بہر حال شاہ گل اپنے طور پر سارے کام کرتا رہا، گھر کی صفائی ستھرائی بھی شروع کر دی اس نے اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ چاچی جان موم بن گئیں...... ایک دن کہنے لگیں۔

"بھیا! یہ بتاؤ مہمان بن کر آئے ہو یا یہیں پڑ جانے کا ارادہ ہے۔"

"ارے...... ارے...... بکے جا رہی ہے...... بکے جا رہی ہے...... سارا کام کرتا ہے گھر کا۔ بکریاں چراتا ہے صفائی ستھرائی کرتا ہے اور اس کے بعد بھی تو سوال کر رہی ہے اس سے۔"

"سنو میں ہوں کھری عورت جو کہتی ہوں سب کے سامنے کہتی ہوں...... تم تو ویسے ہی ہڈ حرام تھے...... پہلے ہی کون سے کام کرتے تھے اور گھر میں پڑے رہتے تھے، اب یہ اور رکھ لیا اب تو بالکل ہی نکھٹو ہو کر رہ جاؤ گے۔"

"تیری زندگی میں اس کے علاوہ ہے کچھ بکواس کئے جا رہی ہے۔" بہر حال ان دونوں میں ہمیشہ ہی چلتی رہتی تھی اور دن گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا تھا...... ایک دن حسین خان کہنے لگا۔

"شاہو اتنا کام کرے گا تو مر جائے گا تو یہ آج کل کام کچھ زیادہ ہی ہونے لگا ہے اور اس کی وجہ میں جانتا ہوں تو میرا کام کرتا ہے نا اور مجھے آرام مل گیا ہے، تو وہ سوچتی ہے کہ اکیلا میں ہی آرام کیوں کروں اور سارے کام تیرے کندھے پر ڈال دیئے گئے ہیں...... تجھے اتنا کام کرتے دیکھ کر مجھے تو بڑا ہی افسوس ہوتا ہے۔"

"نہیں چاچا جی! کاموں میں تو جی لگ جاتا ہے اور دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا۔"

"مگر تھک تو جاتا ہو گا...... کچھ سوچیں گے تیرے لئے کچھ اور سوچیں گے۔" حسین

خان کچھ سوچ رہا ہو...... وہ الگ بات ہے لیکن شاہ گل کچھ نہیں سوچ رہا تھا...... ایک عجیب سا سکون ملا تھا اس کے دل و دماغ کو یہاں رہ کر، اس نے ساری سوچیں ذہن سے نکال ڈالی تھیں...... دل نے تڑپنا چھوڑ دیا تھا...... مایوسیوں کے اندھیروں نے اب اس کا پیچھا چھوڑ دیا تھا...... چچی جان سچ مچ کی مالکن بن گئی تھیں...... بات بات پر جھڑ کنا برا بھلا کہنا ان کی عادت بن گئی تھی، لیکن یہ عادت بھی شاہ گل کو ناپسند نہیں تھی...... بہر حال حسین خان ایک اچھے انسان کا کردار کر رہا تھا اور اس کا کافی ساتھ دے رہا تھا، لیکن شاہ گل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح بے مقصد سی زندگی گزارنے سے اسے کیا حاصل ہوگا...... وقت نجانے کیا چاہتا تھا...... کافی دن یہاں رہا لیکن بے کل کچھ اور ہی مانگ رہی تھی...... کوئی ایسی جگہ جہاں واقعی سکون ہو اور ایسی کوئی جگہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

توصیف نے وہاں سے واپسی کے بعد بہت دیر تک مشعل سے گفتگو کی تھی...... موٹل کا معاملہ کچھ اس طرح اُلجھا ہوا تھا کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی...... بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ توصیف اپنے طور پر موٹل کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا تھا اور کر رہا تھا...... شیراز صاحب کے کاروبار کو بھی اس نے بہت اچھی طرح دیکھا تھا...... اب شیراز صاحب جس فیلڈ کے آدمی تھے اس میں جا کر تو وہ خود بھی کام نہیں کر سکتا تھا، لیکن بہر حال یہ حقیقت تھی کہ وہ شیراز صاحب کے اثاثے سمیٹنے میں بہت معاون ثابت ہوا تھا اور شیراز صاحب کو ایک اچھی خاصی رقم مل گئی تھی...... مشعل کا معاملہ تو نمٹ گیا تھا...... ویسے باپ کے گھر سے بیٹوں کو ہمیشہ ہی بہت کچھ ملتا رہتا ہے، لیکن پھر بھی اب موٹل کا معاملہ تھا...... شیراز صاحب کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ موٹل جس نوجوان سے محبت کرتی ہے وہ لاپتہ ہو گیا ہے ایک دو بار اس موضوع پر شیراز صاحب نے مشعل سے گفتگو بھی کی تھی اور کہا۔

"مشعل مجھے ایک بات بتاؤ...... شاہ گل بے شک جیسی بھی شخصیت کا مالک ہے، لیکن کیا تم ایک ایسے آدمی سے موٹل کی شادی کر سکتی ہے جو ذہنی طور پر غیر متوازن ہو...... نجانے کہاں کہاں بھاگا بھاگا پھر رہا ہے، وہ اگر کوئی ٹھکانہ ہوتا اس کا تو میں بھی سمجھ سکتا تھا مگر اب میں بھی کیا کروں۔"

"ڈیڈی میں خود بھی بے حد پریشان ہوں...... آپ یقین کیجئے توصیف بھی بے حد پریشان ہیں۔"

"اس کا ایک ہی حل ہے ہمارے پاس کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر مومل کی شادی بھی کر دی جائے۔"

"ڈیڈی یہ شادی ناکام ہو جائے گی...... آپ لکھ لیجئے میری بات کو...... مومل جن حالات کا شکار ہو گئی ہے آپ کو تو ان سے واسطہ بھی نہیں پڑا، لیکن میں آپ سے جو کچھ کہہ رہی ہوں...... وہ ایک ٹھوس سچائی ہے...... بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے آپ ڈیڈی! میری اس بات کو لکھ لیجئے گا۔"

"مشکل میں تو میں پڑ گیا ہوں بیٹے! کیا کہوں اور کیا نہ کہوں...... اللہ سے دعا کرو کہ میری یہ مشکل حل ہو جائے۔" مشعل خاموش ہو گئی تھی...... آخر کار ساجد حیات اور توصیف کی ملاقات ہو گئی...... توصیف نے ایک الگ کمرے میں اس سے ملاقات کا بندوبست کیا تھا اور جب ساجد حیات وہاں آ گیا تو توصیف بولا۔

"ساجد ویسے تو خیر زندگی کے بہت سے معاملات میں تم سے رابطہ رہا ہے اور تم میرے ایک اچھے دوست ثابت ہوئے ہو، لیکن دوست اس وقت ایک عجیب و غریب مشکل کا شکار ہو گیا ہوں...... اس کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہاں کہو۔"

"اس دن جہاں ہماری تمہاری ملاقات ہوئی تھی...... وہاں شاہ گل رہتا تھا...... اس کی والدہ...... دادی وغیرہ۔"

"ہاں اور غلام خیر چچا۔"

"میں ان کے بارے میں نہیں جانتا، لیکن ساجد تم ان لوگوں کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"بڑی دلچسپ شخصیت کا معاملہ ہے تفصیل تمہیں بتانا بڑا ضروری ہے میرے لئے۔"

"ہاں بتاؤ۔"

"شاہ گل میرا کلاس فیلو تھا اور تم یقین کرو جب سے میری اس سے ملاقات ہوئی ہے اس کی شخصیت میں کچھ ایسی عجیب و غریب صفات تھیں، جنہیں میں ہی نہیں بلکہ کالج کا ہر شخص

یہاں تک کہ اساتذہ بھی حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے...... بڑی علمی اور ادبی حیثیت کا مالک تھا حضرت امیر خسرو پر تو اسے عبور حاصل تھا...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر وہ حضرت امیر خسرو پر کچھ لکھ کر پی ایچ ڈی بھی کرنا چاہتا تو اسے کوئی دقت نہ ہوتی...... کچھ مصنوعی سی شخصیت تھی اس کی...... بے حد حسین نوجوان لیکن انتہائی صاحب کردار، بہت سی لڑکیوں نے اس کی جانب قدم بڑھانے کی کوشش کی...... بڑی محبت اور پیار سے اس نے انہیں سمجھا دیا اور بے داغ رہا...... میں تمہیں اس کے واقعات کیا بتاؤ...... اس کی غیر متوازن شخصیت ایک بار میں اسے ایک کوٹھے پر لے گیا...... مجھے معاف کرنا...... یہ بات تو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ رقص و موسیقی سے مجھے بے حد دلچسپی ہے...... شب چراغ ایک صاحب اقتدار طوائف تھی...... اس کے ہاں دو تین لڑکیاں بھی تھیں...... جن میں سے ایک کا نام یاقوت تھا...... میرا ان لوگوں سے خاصا گہرا رابطہ تھا...... ایک بار میں اسے وہاں لے گیا اور وہاں اس نے جس فن کا مظاہرہ کیا وہ نا قابل یقین تھا۔"

"فن......؟"

"ہاں...... ایک گروہ آئے ہوئے تھے گروہ کے بارے میں تو تم سمجھتے ہی ہو...... تیسری جنس کے فرد تھے، لیکن وہ بھی بہت اعلیٰ شخصیت کے مالک، رقص و موسیقی کے دیوانے...... شاہ گل وہاں پیروں میں گھنگھرو باندھ کر ناچا اور خیر میں اور تو کیا کہوں بس سمجھ لو وہاں ایک غیر انسانی عمل ہوا تھا، کوئی انسان اس طرح اپنے وجود کو پاش پاش نہیں کر سکتا...... گروہ دانیال بھی دیوانے ہو گئے...... شب چراغ، یاقوت تو اس کے لئے پاگل ہو گئی...... بڑی عجیب کہانی سنی ہے میں نے بڑے اتفاقات کے ساتھ ہوا یوں کہ یاقوت، شب چراغ اور اس کی بہنیں شاہ پیر کے میلے میں شرکت کرنے کے لئے گئیں...... عرس شریف میں یاقوت کی ملاقات وہیں پر شاہ گل سے ہوئی اور یاقوت نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا...... سکندر نامی ایک نوجوان جو غنڈہ تھا...... وہاں پہنچ گیا، اس نے یاقوت کو لے جانا چاہا لیکن شاہ گل کی مداخلت سے یاقوت بچ گئی...... سکندر کو شکست ہوئی بعد میں اس نے بم کا دھماکہ کر کے شکست کا بدلہ لیا، لیکن اسی

دوران عرس کے خیمہ گاہ میں آگ لگ گئی...... شب چراغ اور اس کی دو بہنیں جل کر خاکستر
ہو گئیں...... یاقوت کو سکندر لے گیا اور اس کے بعد مسئلہ کافی طویل عرصے تک ٹل گیا، پھر
بعد میں پتہ یہ چلا کہ سکندر کو قتل کر دیا گیا تھا اور جب سکندر قتل ہو گیا تو یاقوت آزاد ہو گئی
اس کے بعد یاقوت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی خالہ کے پاس دوسرے شہر
چلی جائے...... اتفاق یہ ہوا کہ ایک مرتبہ میں بھی دوسرے شہر گیا...... یاقوت کے پورے
خاندان سے میری واقفیت ہو گئی تھی...... وہاں ملنے کے لئے گیا تو یاقوت مجھے نظر آ گئی، اب وہ
وہیں ہوتی ہے...... ویسے وہ بھی شاہ گل کے عشق میں گرفتار ہے، لیکن اسے شاہ گل کا پتہ نہیں
چل سکا...... یہ بات اس وقت کی ہے جب شاہ گل اپنے گھر سے غائب ہو گیا تھا اور اس کی ماں اور
دادی اسے تلاش کرتی رہ گئی تھیں...... اب ماں اور دادی کے بارے میں تمہیں تھوڑی سی
تفصیلات بتاؤں...... وہ یہ کہ ان لوگوں کا تعلق بستی خانہ خیل سے ہے...... یہ وہاں سے آئے
ہوئے تھے...... شاہ گل کی ماں بستی خانہ خیل کے سردار کی بیٹی ہے...... شاہ عامل بھی اسی بستی کا
باشندہ ہے لیکن شہر میں آ کر آباد ہو گیا تھا...... اب بعد میں مجھے یہ پتا چلا ہے کہ دونوں خواتین
میرا مطلب ہے یعنی غلام خیر اور صنوبر کیونکہ زلیخا بیگم کا تو انتقال ہو گیا تھا...... یہ لوگ یہاں
سے واپس چلے گئے ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے خانہ خیل ہی گئے ہوں گے، لیکن شاہ گل کا
آج تک کوئی پتہ نہیں ہے...... یہ ہے شاہ گل کی کہانی۔" توصیف کا سر چکرا رہا تھا...... ساجد
حیات نے جتنی تفصیلات بتائی تھیں وہ بڑی عجیب و غریب تھیں...... پھر ساجد نے پوچھا۔

"کہ یار توصیف ان لوگوں کے بارے میں تمہیں اتنا تجسس کیوں ہے۔"

"یار بس تھوڑی سی گاڑی اٹک گئی ہے، لیکن تم نے واقعی بڑی تفصیلات بتائیں
ایک بات تو اور بتاؤ کہ یہ شاہ گل آخر کس ٹائپ کا آدمی تھا...... کیا اس نے کبھی تم سے اس
اظہار نہیں کیا۔"

"میں نے کہا نا کہ گروہ دانیال نامی ایک شخصیت جس کا میں ابھی ابھی تذکرہ کر چکا ہوں
بڑی عجیب اور پراسرار شخصیت ہے اس کا دیوانہ ہو گیا ہے وہ بھی شاہ گل کے لئے غائبانہ طور

بیٹی کے حوالے سے اس نے بھی بڑی تلاش کی ہے شاہ گل کی، لیکن کچھ پتا نہیں چل سکا۔"

"واقعی تعجب کی بات ہے۔"

"میرے لائق اور کوئی خدمت دوست...... ویسے یہ حقیقت ہے کہ تم نے مجھے اپنی
بیٹی میں نہ بلا کر میرے ساتھ ظلم کیا ہے...... اب میرے لئے ایک اعلیٰ درجے کی دعوت کا
اہتمام کرو، ورنہ پھر میں ناراض ہو جاؤں گا۔" توصیف پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا تھا...... ساجد
کی ساری تفصیلات سن کر اس کا سر چکرا کر رہ گیا تھا...... مومل کا کیس واقعی بہت الجھا ہوا
تھا پھر بعد میں اس نے یہ مکمل تفصیل مشعل کو بتائی اور مشعل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اب کیا کریں توصیف بتاؤ...... ڈیڈی اپنی الجھنوں کا حل یہ سمجھ رہے ہیں کہ مومل کی
شادی کر دی جائے...... تم میرے لئے اب کائنات میں سب سے بڑی شے ہو...... میں تم سے
کوئی بات کسی قیمت پر چھپانا نہیں چاہتی توصیف...... مومل کے اندر تو روحانیت پیدا ہو گئی
ہے...... وہ خواب دیکھتی ہے جاگتی آنکھوں کے خواب اور وہ خواب اتنے حیران کن اور سچے
ہوتے ہیں کہ میں خود ان کی حقیقت نہیں پا سکی۔

"ویسے اس نے میرا مطلب ہے ساجد حیات نے جو کچھ بتایا وہ بھی بڑا حیران کن ہے، اس
میں یاقوت نامی ایک عورت کی کہانی بھی آتی ہے جو اب کسی اور شہر میں اپنے خاندان کے ساتھ
مقیم ہے...... ویسے مشعل ایک بات کہوں...... ڈیڈی کو اس بات کی اجازت نہ دو کہ وہ اپنے طور
پر یہ سب کچھ کر لیں، ان سے بات کر لو...... میں اگر ان سے بات کروں گا تو وہ کچھ شرمندگی
محسوس کریں گے...... تم خود ان سے کہو اور ایک اور مشورہ دوں تمہیں۔"

"ہاں توصیف میں نے اسی لئے تمہیں یہ ساری تفصیل بتائی ہے۔"

"خانہ خیل چلتے ہیں، ممکن ہے وہاں پہنچنے کے بعد ہمیں اور تفصیلات معلوم ہوں اور
ہو سکتا ہے وہاں ہماری مشکل کا کوئی حل نکل آئے۔"

"توصیف آپ براہ کرم اس سلسلے میں جو بھی کرنا چاہیں کر لیجئے...... ورنہ باقی ہماری
تدبیر، تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے...... ہم کوشش کریں گے کہ ہماری مشکلوں کا کوئی حل نکل

آئے، لیکن باقی سب کچھ تقدیر پر ہی چھوڑ دینا مناسب ہوگا۔" توصیف ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا...... بہت دیر تک دونوں سوچتے رہے پھر توصیف نے کہا۔

"ڈیڈی سے بات کر لیتے ہیں کیونکہ ابھی تھوڑی سی تفصیل تو انہیں بتانی ہی پڑے گی، لیکن باقی ساری باتیں بعد ہی میں بتائیں گے...... خدا کرے کوئی کام کی بات بن جائے...... ہمیں اگر شاہ گل مل جائے تو انشاء اللہ باقی سارے معاملات میں سمیٹ لوں گا...... کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" مشعل نے گردن ہلا دی تھی۔

صنوبر غلام خیر کے ساتھ خانہ خیل پہنچ گئی...... زمان ملنگی نے جس طرح خانہ خیل میں ابتداء کی تھی...... اس نے تو خانہ خیل کے لوگوں کے دلوں میں اپنے لئے نفرت کا طوفان پیدا کر دیا تھا، لیکن زمان ملنگی اس قدر ذہین اور سمجھ دار انسان تھا کہ اس نے اپنے دشمنوں کو ہمیشہ اپنے پیروں کے تلے دبا کر رکھا تھا...... انسان تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تھے، لیکن جب انسان بے بس ہو جاتے ہیں تو اللہ کی قدرت سامنے آتی ہے اور قدرت خداوندی نے زمان ملنگی کے غرور کو اس طرح زمین کی پستیوں پر لا پھینکا تھا کہ داستان عبرت بن گئی تھی...... زمان ملنگی کو جب ان پیشوں سے آشنا ہونا پڑا تو اسے اپنی ساری برائیاں یاد آ گئیں...... اپنے ذہن کے مطابق اس نے اپنی برائیوں کا جو حل نکالا وہ بالکل مختلف عمل تھا، لیکن موت کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا...... البتہ اس کی موت کے بعد اور اس کے اس عمل کے بعد جو اس نے زمینیں ان کے مالکوں کو واپس کر دی تھیں اور ان سے معذرتیں کی تھیں...... چونکہ ہی ان معصوم لوگوں کے دلوں میں زمان ملنگی کے لئے جذبہ عقیدت پیدا ہو گیا تھا اور پھر اس کی موت نے تو سارے ہی جھگڑے ختم کر دیئے اور وہ لوگ زمان ملنگی کے نام کی عزت کرنے لگے، اس کی حویلی، اس کی جائیدادیں، جوں کی توں تھیں اور ان کی پائی پائی کا حساب ہوتا تھا...... کوئی بھی ان کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرتا تھا اور یہ ساری آمدنی صنوبر کو جاتی تھی...... پھر جب صنوبر وہاں واپس پہنچی تو پوری بستی نے اس کا استقبال کیا...... زمان ملنگی سے عقیدت رکھنے والے اپنی خدمات لے کر وہاں پہنچ گئے اور صنوبر کو ایک بہت بڑی

عورت کا درجہ دیا گیا..... پرانی ملنے والیوں کے درمیان معصوم عورت بہل گئی، حالانکہ اچھی خاصی عمر رسیدہ ہو چکی تھی، لیکن زندگی کے بہت سے سال بھول گئی تھی..... ظاہر ہے نئی زندگی سے آشنا ہونا پڑا تھا اور جب وقت کی گردش نے اسے دوبارہ محبت کے اس گہوارے میں لاڈالا جہاں سے اس نے آغاز کیا تھا تو وہ بالکل پہلے جیسی بن گئی، حالانکہ اس کی سہیلیوں کے کئی کئی بچے تھے اور وہ اپنے مسائل کا شکار تھیں، لیکن صنوبر نے انہیں اپنے گرد جمع کر لیا اور اس کے بعد ان کے درمیان خوش رہنے لگی..... غلام خیر بھی خوش تھا..... یہاں آنے کے بعد صنوبر کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے..... بہر حال کبھی کبھی وہ حیران رہ جاتا تھا، کیونکہ صنوبر شاہ گل کے سلسلے میں بہت زیادہ جذباتی نہیں نظر آتی تھی، ہو سکتا ہے اس نے دل ہی دل میں اپنے اس غم کو دبا لیا ہو..... کچھ عجیب سی فطرت کی مالک تھی..... بہت عرصہ اسی طرح گزر گیا، پھر ایک دن صنوبر نے غلام خیر سے کہا۔

"غلام خیر چچا رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے..... میں اس کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں صنوبر بیٹی کہو کیا بات ہے۔"

"غلام خیر چچا رات کو شاہ گل میرے پاس آیا تھا۔"

"خواب میں؟" غلام خیر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں..... بس میں سو رہی تھی..... پتہ نہیں سو رہی تھی یا نہیں سو رہی تھی..... یہ دروازہ کھلا اور میں نے دیکھا کہ شاہ گل اندر آ گیا ہے..... آپ مجھے ایک بات بتائیے غلام خیر چچا! کیا یہاں سے کچھ فاصلے پر چاہ بابا! نامی کوئی جگہ ہے۔"

"بیٹے میں نہیں جانتا، لیکن تم کہو گی تو معلوم کر کے بتا دوں گا۔"

"ہاں مجھے ذرا اس کے بارے میں معلوم کر کے بتائیے۔"

"مگر چاہ بابا! سے تمہیں کیا کام ہے۔"

"شاہ گل مجھ سے یہ کہہ کر گیا تھا کہ وہ چاہ بابا! پر مجھ سے ملاقات کرے گا اور مجھے

بتائے گا کہ کب مجھے وہاں آنا ہے..... ویسے ایک بات بتاؤں میرا دل کہتا ہے کہ وہ وہاں مجھے ضرور ملے گا..... آپ ذرا مجھے چاہ بابا! کے بارے میں معلومات کر کے بتائیے۔" غلام خیر کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا..... بہت سے لوگوں سے شناسائی ہو گئی تھی..... بزرگ حفیظ خان نے اسے بتایا۔

"ہاں یہاں سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے، اس پہاڑ میں ایک غار ہے جو چاہ بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے..... بہت سی کہانیاں اس غار سے وابستہ ہیں..... سنا ہے وہ محبتوں کا مزار کہلاتا ہے..... وہاں ایک مزار شریف بھی ہے اور اس مزار شریف کے بارے میں بڑی عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہیں..... قرب و جوار میں جنگل ہے..... کہا جاتا ہے کوئی بابا صاحب کسی دولت مند لڑکی کے عشق میں گرفتار تھے..... ان کے ساتھ شدید زیادتیاں ہوئیں اور آخر کار وہ شہر چھوڑ کر وہاں جا بیٹھے، لیکن ان کے دشمن وہاں بھی پہنچ گئے..... تب بابا صاحب! اس غار میں اتر گئے..... اس غار کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی گہرائیاں لامحدود ہیں..... بے شک وہ اس پہاڑ میں ہے، لیکن زمین کے نیچے نیچے نجانے کہاں تک چلا گیا ہے..... ایک اور کہانی بھی مشہور ہے کہ بہت سے ایسے افراد نے جو بڑے دلیر تھے اور اپنے طور پر اپنے آپ کو بہت زیادہ بہادر سمجھتے تھے..... اس غار میں اتر کر اس کی حقیقتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن پھر وہ کبھی واپس نہیں آئے..... کہا یہی جاتا ہے کہ بہت سے محبت کرنے والے جب انہیں دنیا سے اماں نہیں ملتی، اس غار کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں..... چاہ بابا کے نام سے یہ غار بڑا مشہور ہے۔"

"کیا اس بارہ میل کے فاصلے تک کوئی سواری نہیں جاتی۔"

"نہیں وہ کوئی عام راستہ نہیں ہے، لیکن ایک بار میں ان پہاڑ کی بلندیوں تک پہنچا ہوں..... میں نے چاہ بابا کا غار بھی دیکھا ہے..... وہاں سے ہماری بستی خانہ خیل صاف نظر آتی ہے اور کبھی کبھی وہاں کچھ لوگ جاتے بھی ہیں..... منتیں مرادیں پوری کرنے کے لئے مگر اس غار میں کوئی نہیں اترتا۔"

"ہوں۔" یہ ساری تفصیل جب غلام خیر نے صنوبر کو بتائی تو صنوبر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"غلام خیر چچا آپ تیاریاں کر لیجئے...... مجھے صرف انتظار ہو گا شاہ گل کا جب وہ کہے گا ہم وہاں پہنچیں گے...... اب دیکھئے نا کم از کم ہمیں یہ تو پتا چلا کہ چاہ بابا نامی یہاں کوئی جگہ ہے...... میں تو کبھی وہاں نہیں گئی تھی اور نہ میں نے اس وقت تک اس جگہ کا نام سنا تھا...... جب تک میں یہاں رہتی تھی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا اگر آپ کہیں گی تو ہم وہاں ضرور جائیں گے۔" غلام خیر نے جواب دیا تھا۔

uploader by salimsalkhan

اور دل کی یہ بے کلی اسے دربدر کئے ہوئے تھی...... چل پڑا رات کی تاریکی میں
اموشی سے حسین خان کے گھر سے نکلا اور ناک کی سیدھ میں چل پڑا...... ذہن آزاد چھوڑ دیا
ور اپنے آپ کو خیالات کے چنگل سے نکال لیا...... روشنیاں پیچھے رہ گئیں...... اب دونوں
ت کھیت تھے اور ان کے درمیان یہ پتلی سی سڑک، جس پر اس کا سفر جاری رہا تھا، بہت دیر
ی اسی طرح چلتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ ہوش وحواس پیدا ہوتے چلے گئے، رات جیسے گزرتی
ا رہی تھی اور وہ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا...... نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں، کافی
اصلے پر درختوں کے جھنڈے نظر آئے اور ان کے درمیان مدہم مدہم سی روشنی بڑی عجیب
ی روشنی تھی، بس روشنی کیا ایک سفیدی اور نجانے کیوں قدم اس جانب اُٹھ گئے......
ھوڑی دیر کے بعد وہ درختوں کے جھنڈے کے پاس پہنچ گیا...... اسے وہاں لوگوں کی
وجودگی کا احساس ہو رہا تھا...... سفید سفید سائے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے...... وہ
رختوں کے درمیان پہنچ گیا اور پھر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ درختوں کے بیچ میں ایک صاف
تھری سرسبز جگہ پر قالین بچھے ہوئے تھے اور بہت سے لوگ سفید لبادوں میں ملبوس وہاں
آ رہے تھے...... پھر وہ ایک گول دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے، ان کی گردنیں جھکی ہوئی
تھیں...... وہ خود بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے لگا تو
اچانک ہی ایک شخص نے پیچھے سے ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا اور وہ چونک کر اس کی شکل
دیکھنے لگا۔

”یہ درویشوں کی محفل ہے تم ان کے درمیان کہاں گھس کر آرہے ہو۔“

”میں یہاں رُکنا چاہتا ہوں۔“

”پیچھے بیٹھ جاؤ، ہر شخص کا اپنا ایک مرتبہ ہوتا ہے...... چلو پیچھے بیٹھ جاؤ۔“

اور پھر وہ وہیں پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے انہی کے انداز میں گردن خم کرلی...... آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں...... یوں محسوس ہوا جیسے ان بند آنکھوں میں بہت سے مناظر روشن ہوگئے ہوں اور مدہم مدہم آوازیں کانوں میں اُبھر رہی ہیں...... آواز اُبھری۔

تم نہ قطب ہو نہ ابدال اور یہی تجویز کیا گیا ہے تمہارے لئے کہ دنیا ترک کردو، لیکن ایسے نہیں کہ دنیا سے تمہارا تعلق ہی ختم ہوجائے...... ہاں جو ذمہ داریاں سونپی جائیں ان کے انجام کے بعد ہی منزل ملتی ہے اور ذمہ داریاں نبھانے کے لئے ابھی بہت کچھ وقت ہے...... وقت مختصر نہیں ہوتا، سوچ مختصر ہوتی ہے اور عمل طویل اور اس عمل کی طوالت سے گزرے بغیر کچھ نہیں ہوتا، لیکن ترک دنیا کرنا چاہو تو آرزو کرنا اور نہ کرنا چاہو تو نقصان نہیں...... تمہارا واسطہ دنیا کے کچھ لوگوں سے ہے اور جہاں سے ابتداء ہوئی وہاں واپسی لازم ہوگی...... اس کے بعد جو فیصلہ وقت کا ہو وہ قبول کرنا تمہارے لئے جو ذمہ داریاں سونپی جارہی ہیں جاؤ ان سے آشنا ہو اور تمہیں وقت کا تعاقب کرنا ہے...... وقت کا تعاقب ضروری ہے سمجھ رہے ہونا...... تم ابھی طالب ہو اور سمندر وسیع، بس اب یہاں سے جاؤ کیونکہ یہ جگہ تمہارے لئے نہیں ہے۔“ اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم فضا میں بلند ہوگیا ہے اور پھر یہ جسم تیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا...... اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں...... تب اسے خدائی قدرت کا تماشا نظر آیا...... درحقیقت اسے چشمہ حیات کہا جاسکتا تھا...... خشک چٹانوں میں انسان کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے جیتا جاگتا ثبوت ایک چٹان سے چشمہ رس رہا تھا اور پتھریلی شفاف گہرائیوں میں ایک ننھی سی جھیل ہلکورے لے رہی تھی...... پانی اتنا شفاف تھا کہ تہہ کے پتھر تک نظر آرہے تھے...... ساتھ میں درخت اگے ہوئے تھے، جن پر پکے پکے پیلے پھل لگے ہوئے تھے اور پھلوں کی خوشبو فضا میں بکھر رہی تھی تو وہی آواز آہستہ سے اُبھری۔

”اللہ کی ملکیت ہے اور تمہیں اجازت ہے کہ پانی پیو اور پھل کھاؤ۔“ شاہ گل پر نیند جیسی کیفیت طاری تھی بس جو کچھ آنکھوں کے سامنے آتا...... دماغ اسے ہلکا سا سوچتا لیکن عقل اس کی اصلیت نہ پاسکتی تھی...... وہ غور بھی نہیں کرتا تھا، بہرحال اس نے پھل کھائے پانی پیا اور وہیں آرام کرنے لیٹ گیا، پھر دوسرے دن جب روشن صبح ہوگئی تو اس نے سامنے سے ایک اور منظر دیکھا...... ایک عجیب سا پہاڑی علاقہ تھا اور وہاں ایک پہاڑی نظر آرہی تھی جس میں ایک بڑا سوراخ تھا...... وہ آہستہ آہستہ اس جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا...... پہاڑی پتھروں کو چن کر ایک بلند کمرہ جیسا بنایا گیا تھا، جس کا دروازہ بند تھا...... انہی پتھروں کا ایک احاطہ بھی بنایا گیا تھا جس میں کسی انسان کا پتہ نہیں چلتا تھا...... البتہ کچھ اور چیزیں یہاں موجود تھیں...... مثلاً ایک سمت پتھروں ہی کو چن کر ایک چبوترا سا بنا دیا گیا تھا، دوسری طرف پانی کے مٹکے رکھے ہوئے تھے، جن میں پینے کا پانی تھا...... گلاس اور پانی نکالنے والا برتن بھی وہیں موجود تھا...... احاطہ اچھا خاصہ طویل تھا...... چند درخت بھی لگے ہوئے تھے جن کی چھاؤں زمین پر پھیلی ہوئی تھی اور کچھ جھنڈے جیسے بھی لگے ہوئے تھے جن سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ یہ کسی کا مزار بھی ہے، مگر یہاں مکمل ویرانی چھائی ہوئی تھی...... کوئی یہاں موجود نہیں تھا یا اگر ہوگا تو پھر اس وسیع وعریض کمرے کے اندر ہوگا...... بہرحال اس سے اسے کوئی غرض نہیں تھی...... تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گیا اور یہاں سے اس نے دوسری سمت دیکھا...... دوسری سمت ایک وسیع وعریض آبادی پھیلی ہوئی تھی اور اس آبادی کے ہلکے ہلکے نقوش وہاں سے نظر آرہے تھے...... بستی گہرائیوں میں آباد تھی...... بہرحال وہ وہیں پر بیٹھ گیا، اس طویل سفر سے اور ذہن کے مکمل نہ ہونے سے ایک عجیب سا ذہنی انتشار اس پر مسلط تھا...... آنکھیں بند ہو رہی تھیں...... بہت دیر اس طرح گزر گئی اور اس کے بعد وہ وہیں ایک جگہ لیٹ کر سو گیا...... پھر نجانے کتنا وقت گزرا تھا کہ اسے آہٹیں سی سنائی دیں اور وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا، اس نے دو آدمیوں کو دیکھا جو اس خانقاہ کے بغلی حصے سے ٹہلتے ہوئے باہر آئے تھے...... انہوں نے اسے بھی دیکھ لیا اور دونوں رک گئے، پھر تیز قدموں

سے چلتے ہوئے شاہ گل کے پاس آگئے...... دونوں جوان آدمی تھے اور دونوں کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آرہے تھے، ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں شاہ گل سے کہا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں۔"

"کچھ نہیں بھائی...... بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"میں پوچھتا ہوں یہاں...... کب پہنچے تم یہاں؟"

"رات کو۔"

"رات سے یہاں موجود ہو؟"

"ہاں۔"

"مگر ہو کون؟"

"مسافر۔"

"کہاں سے آرہے ہو؟"

"ایک نامعلوم منزل سے۔"

"اس خانقاہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں...... تم پہلے انسان نظر آئے ہو...... تم سے یہاں کے بارے میں میں خود پوچھنا چاہتا ہوں۔" شاہ گل نے کہا اور دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے، پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"تم نے بڑی غلطی کی ہے یہاں آکر۔"

"کیوں؟"

"یہ بہت خطرناک جگہ ہے۔"

"مگر یہ تو کسی بزرگ کا مزار ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔"

"لیکن کیا؟"

"بے وقوف یہاں مغرب کے بعد آنا منع ہے...... مغرب سے پہلے لوگ یہاں سے چلے جاتے ہیں، کیونکہ اس کے بعد یہاں خوفناک درندوں کا بسیرا ہوتا ہے۔"

"درندے؟"

"ہاں...... بزرگ کے غلام تم جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے۔"

"نہیں۔"

"بس یہ سمجھ لو یہ بہت بڑے پیر کا مزار ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہمیں یہاں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"خوش نصیب ہو جو بچ گئے ورنہ پتہ چل جاتا کہ کیا ہوتا۔"

"کیا درندے یہاں موجود لوگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"کیا لوگ یہاں قیام کرتے ہیں؟"

"تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہوتے، جب دن کی روشنی ہوتی ہے تو یہاں لوگ نئیں مرادیں مانگنے آتے ہیں اور جب دھوپ ڈھل جاتی ہے تو چلے جاتے ہیں، سمجھے۔"

"آپ لوگ کون ہیں؟"

"ہم ان بزرگ کے غلام ہیں۔"

"درندے آپ کو نقصان نہیں پہنچاتے؟"

"ہم تو اندر رہتے ہیں مگر تم بحث کیوں کر رہے ہو۔" دوسرے نے تیز لہجے میں کہا۔

"اس لئے کیونکہ مجھے تم سے اختلاف ہے۔"

"کیسا اختلاف؟"

"اگر یہ کسی بزرگ کامل کا مزار ہے تو یہاں درندے، درندے بن کر نہیں آتے ہوں گے۔"

"تم بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو...... جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں وہی

کرنا شام ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جانا۔" وہ یہ جملہ ادا کر کے وہاں سے آگے بڑھ گئے اور شاہ گل انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا...... یہ جگہ واقعی بڑی دلچسپ تھی، جیسے ہی سورج چڑھنا شروع ہوا...... عقیدت مندوں نے آنا شروع کر دیا...... پھول، ہار، چادریں، خانقاہ کا دروازہ کھل گیا اور شاہ گل نے بھی اندر موجود مزار کی زیارت کی...... ایک وسیع قبر بنی ہوئی تھی جو پھولوں اور چادروں سے ڈھکی ہوئی تھی...... دوپہر کے ساتھ ساتھ رش بڑھتا چلا گیا...... کچھ خوانچے والے بھی آگئے اور شاہ گل نے ان سے خریداری کر کے پیٹ بھرا...... پورا دن گزر گیا...... سرِ شام لوگوں نے واپسی شروع کر دی...... ان کے انداز میں کچھ گھبراہٹ سی پائی جاتی تھی...... غالباً اسی روایت کا نتیجہ تھا...... دیکھتے ہی دیکھتے انسان غائب ہو گئے...... سورج چھپ گیا اور شاہ گل نے اپنی پرانی جگہ سنبھال لی...... خانقاہ کا دروازہ بند ہو گیا...... چراغ روشن ہو گیا، اب شاہ گل اس ماحول سے پوری دلچسپی لے رہا تھا...... رات کو اچانک وہی دونوں آدمی نظر آئے...... پورے احاطے کا چکر لگاتے ہوئے ان کی نگاہ شاہ گل کی جانب پڑی تو وہ اس طرف آگئے...... ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

"ارے تم ابھی تک یہاں موجود ہو۔"

"ہاں بھائی میرا کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"یہاں کچھ وقت گزارنا ہے مجھے۔"

"اور ہم نے جو کچھ کہا تھا۔"

"اللہ مالک ہے۔" شاہ گل بولا...... دونوں کچھ دیر سوچتے رہے پھر واپس پلٹ گئے، لیکن کچھ دیر کے بعد وہ پھر آئے...... ایک کے ہاتھ میں کھانے کے برتن تھے۔

"لو کھانا کھالو خانقاہ کے مہمان ہو۔" شاہ گل نے شکریہ کے ساتھ کھانا لے لیا اور اس کے بعد وہ کھانا کھانے لگا، لیکن کھانا کھانے کے بعد پانی پیا ہی تھا کہ اچانک طبیعت پر ایک گھبراہٹ سی سوار ہو گئی اور پھر ذہن لمحوں کے اندر اندر دنیا سے بے خبر ہو گیا...... جب دنیا کی خبر ہوئی تو صبح ہو گئی تھی...... کچھ درختوں سے سورج کی لکیریں زمین پر پڑ رہی تھیں اور

دن ہونے کی وجہ سے اردگرد کا ماحول خوب روشن ہو گیا تھا...... شاہ گل کی نگاہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا...... بدن کے نیچے ایک کھردرا سنگی فرش اور بھورے رنگ کی ناہموار دیواریں تھیں، جن نخروں سے روشنی کی لکیریں جھانک رہی تھیں وہ بے ترتیب تھیں...... یعنی روشن دان نہیں تھے، بلکہ باریک باریک سوراخ نظر آرہے تھے...... صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ کوئی پہاڑی غار ہے...... نگاہوں نے اپنا کام پورا کیا تو دوسرے احساسات جاگے اور ان میں پہلا احساس یہ تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں نہایت مضبوطی سے کس کر باندھ دیئے گئے ہیں، اس طرح کے یہ بندشیں کھولی نہ جا سکیں...... وہ لمحات پر غور کرنے لگا...... وہ لوگ یاد آئے جنہوں نے کھانا دیا تھا...... وہ مشکوک لوگ تھے اور بڑی عجیب سی بات تھی...... نجانے کیا قصہ ہے اور وہ لوگ کیا چاہتے ہیں، اس سے بہر حال تھوڑی دیر کے بعد کچھ آہٹیں اُبھریں تو اس نے نگاہیں گھما کر دیکھا آنے والے دو ہی افراد تھے، لیکن یہ وہ نہیں تھے، جن سے اب تک واسطہ رہا تھا...... یہ بڑے لمبے چوڑے اور کرخت چہرے والے لوگ تھے...... دونوں نے شاہ گل کو گھور کر دیکھا اور شاہ گل آہستہ سے مسکرا دیا۔

"تم اب اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ گے کیا سمجھے؟"

"بھائی ہم تو بتا چکے ہیں تمہیں اپنے بارے میں لیکن اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہم جو کچھ چاہتے ہیں بس وہ تمہارے علم میں نہیں آنا چاہئے۔"

"اگر میرے علم میں نہیں آئے گا تو میں کر کیا سکوں گا؟"

"تم زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو...... اپنے بارے میں بتاؤ...... آخر یہاں کیوں آئے ہو...... کیا معلومات کرنا چاہتے ہو یہاں سے۔"

"بھائی اگر کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو یہ غلط فہمی دل سے نکال دو...... اگر مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہو تو بھی میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے...... پھر ایک نے دوسرے کو اشارہ کیا اور وہ واپسی کے لئے پلٹ گیا...... شاہ گل بڑے عجیب سے انداز میں اپنی جگہ پڑا رہا تھا...... بہت زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا، تھوڑی دیر کے بعد وہ

دونوں واپس آئے، جو پہلے اسے ملے تھے...... ان میں سے ایک نے شاہ گل سے کہا۔

"دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں...... اگر زندگی چاہتے ہو تو جو کچھ کہا جارہا ہے، وہ کرنا واقعی اگر مسافر ہو اور کوئی منزل نہیں ہے تو اس سے اچھی منزل اور کوئی نہیں ملے گی تمہیں...... سمجھ رہے ہونا بس یہ سمجھ لو کہ دنیادار ہیں، ہم لوگ یہ کوئی مزار نہیں ہے...... ہمارا ایک گروہ ہے...... ہم نے خود یہ مزار تخلیق کیا ہے اور یہاں ہماری روزی چلتی ہے...... اگر کوئی کسی کی روزی چھیننے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے اسے دوست نہیں سمجھا جائے گا اور دشمنوں کو نقصان پہنچانا ایک قدیم طریقہ کار ہے...... بولو کیا چاہتے ہو۔"

"بھائی میں بے ضرر آدمی ہوں...... کچھ وقت یہاں پڑا رہوں گا اس کے بعد چلا جاؤں گا۔"

"نہیں ایسے نہیں...... یہاں آنے کے بعد جانا ممکن نہیں ہے کیا سمجھے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کچھ نہیں کہہ سکتے تم یہاں رہو گے اور لوگوں کی منتیں مرادیں سنو گے اور اس کے نتیجے میں دونوں وقت کا کھانا اور تمہاری ضرورت کی تمام اشیاء تمہیں مہیا کریں گے۔" شاہ گل نے عجیب سے انداز میں گردن ہلائی تھی...... پھر دوسرے آدمی نے کسی کو آواز دی اور ایک آدمی کھانے کے برتن لے کر آگیا...... صبح کا ناشتہ تھا...... شاہ گل کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور وہ لوگ ناشتا اس کے سامنے رکھ کر چلے گئے...... شاہ گل بہت دیر تک اس ناشتے کو دیکھتا رہا تھا...... پھر اس نے بسم اللہ کہہ کر ناشتہ اپنے سامنے سرکالیا...... اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ یہاں تک آنا بے مقصد تو نہیں ہے...... دیکھوں تو سہی وقت کیا کہتا ہے...... موقع دیکھ کر یہاں سے نکل جائیں گے...... تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے آنا شروع کردیا...... یہ عجیب وغریب صورت حال تھی...... ایک ایک آدمی ایک ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر اپنی فریاد بزرگ کو سناتا تھا اور روتا جاتا تھا، ان میں سے ایک نے شاہ گل کو کاغذ اور قلم لاکر دیا اور کہا۔

"ان میں سے جو کوئی یہاں بیٹھ کر جو کچھ کہے اسے سنتے رہنا۔" شاہ گل نے گردن ہلادی تھی اور پھر اس نے اس پہلی آواز کو سنا۔

"یادرویش یا ولی اکیلا بیٹا ہے میرا...... بڑی منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا...... بچالو اسے وہ ڈائن کھا گئی اسے...... وہ ڈائن اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گی اسے بچالو...... اسے بچالو، اس کی ماں مرچکی ہے مجھ سے غلطی ہوگئی کہ میں نے دوسری شادی کرلی...... اس نے جادو کرادیا ہے میرے بیٹے پر وہ مررہا ہے اسے بچالو...... چادر چڑھاؤں گا، لنگر کروں گا مزار کے لئے دس ہزار روپے دوں گا...... میرا یہ کام کردو۔" تھوڑی دیر کے بعد ایک اور آواز آئی۔

"ہمارا نام رشیدہ ہے...... بستی کے رہنے والے ہیں ہم...... ہم کیا بتائیں تمہیں وہ کمینہ ہمارا ساتھ ہی نہیں دیتا...... دوسری اس کے پیچھے لگ گئی ہے...... جان کو اٹک گئی ہے وہ اس کی ہمارا شوہر چھین لیا ہے اس نے ہم چاہتے ہیں کہ وہ خون تھوک تھوک کر مرجائے...... ہمارا شوہر ہمیں دلوادو...... منہ مانگی دیں گے جو مانگو گے دیں گے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی، بہت سارے لوگ بہت ساری باتیں آرزوؤں کا مسکن تھا اور اس کے بعد یہ سب گنہگار جو لوگوں کے سکون سے کھیل رہے تھے، یہ احساس شاہ گل کے دل سے گزر رہا تھا کہ اس کے کانوں سے ایک آواز اُبھری۔

"یہی تو دُنیا ہے نیکی اور بدی تم اپنی چھوٹی سی اُلجھن کا شکار ہو...... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ انسان کے ساتھ لاکھوں اُلجھنیں چمٹی ہوئی ہیں...... شیطان نے اسے بے بس کردیا ہے...... بجائے اس کے کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہے...... اس کا شکر ادا کرو...... جو نہ حاصل ہو اس کا رونا روتے رہتے ہو اور یہ بات اللہ کو پسند نہیں ہے...... جاؤ بس اب یہاں سے آگے بڑھو...... منزل کی جانب ایک ایک قدم بڑھا رہے ہو...... چلتے رہو، چلتے رہو۔" اور یہاں سے جانے کی اجازت مل گئی تھی...... روکنے والا بھلا کون ہوتا...... شاہ گل وہاں سے چل پڑا، اس بلند جگہ سے نیچے اترا اور ایک جانب سفر کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا...... دُور دُور بہت دُور آہ! واقعی بہت کم سوچا میں نے اس دنیا کے بارے میں بات وہی ہوتی ہے نا کہ انسان کی عقل

www.paksociety.com

محدود اور آرزو وسیع...... مجھے یہ آرزو نہیں کرنی چاہئے تھی...... میں جس محرومی کا شکار ہوں وہ تو ایک ثانوی چیز ہے، اپنے اندر چھپا لینے والی دنیا تو لاکھوں محرومیوں کا شکار ہے...... اس جگہ تک پہنچ کر مجھے انسان کی مشکلوں سے آزاد کیا گیا ہے...... واقعی انسان کی مشکلیں تو بہت زیادہ ہیں...... میری مشکل تو ان کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے...... میں بلاوجہ اپنے آپ کو کائنات کا مظلوم ترین انسان سمجھتا ہوں...... پیدل سفر کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا نہ کوئی راستے کی رکاوٹ تھی، نہ کوئی درندہ جس کی اسے اطلاع دی گئی تھی...... لوگ کس طرح وحشتوں کو اپناتے ہیں، وہ سب کچھ کر لیتے ہیں جو انہیں نہیں کرنا چاہئے...... آہ کتنی بری ہے دنیا کتنے برے ہیں اس دنیا کے رہنے والے لوگو! اچھا نہیں کرتے تم بہت برا کرتے ہو...... بہت برا کرتے ہو...... قدرت نے تو تمہارے لئے وسیع کائنات بچھا دی ہے...... تمہاری زندگی کے جتنے لمحات ہیں ان سب کا حساب کر کے تمہارے سامنے رکھ دیا گیا ہے اور تم اس میں ترمیمیں کرنا چاہتے ہو، جو تمہارے لئے ممکن نہیں ہے...... موسل تو میری طلب ہے میری آرزو ہے...... دل کے گوشوں میں کچھ خواہشیں پلتی ہیں لیکن میں بھی تو گنہگار ہوں...... ماں ہے میری، ایک محبت کرنے والی دادی، چچا غلام خیر یہ سب تھے، لیکن میں نے اپنی آرزو میں دنیا چھوڑ دی اور صرف اپنی طلب میں گم ہو گیا...... یہ تو اچھا نہیں ہے...... آگے بڑھتا رہا، ایک بستی نظر آئی اور اس بستی میں رک کر اس نے بستی والوں کو دیکھا...... بڑی حسین بستی تھی...... جن راستوں سے گزر کر آیا تھا وہاں پھلوں کے باغات تھے...... پھل اس طرح ان درختوں پر لدے ہوئے تھے کہ مزید پھلوں کے لئے جگہ نہیں رہی تھی...... وہ قدرت کی اس فیاضی کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا...... پھر اسے آبادی کا پہلا انسان ملا تو اس نے اسے سلام کیا اور وہ شخص رک گیا۔

"جیتے رہو بیٹے! کون ہو تم؟"

"وہ بابا! آگے جو ندی نظر آ رہی ہے اس کو عبور کرنے کا کوئی راستہ ہے۔"

"ہاں وہ پل جو ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آہ او واقعی وہ تو بڑا خوبصورت پل ہے ندی سے کتنا نیچا ہے وہ۔"

"مگر یہ بستی کون سی ہے۔"

"خانہ خیل۔" اس نے جواب دیا اور شاہ گل کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے۔

"کیا نام لیا تم نے؟"

"خانہ خیل کیوں۔"

"نہیں بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" شاہ گل نے اس شخص کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا، اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے بزرگ خانہ خیل کے رہنے والے تھے...... اس کا نانا زمان ملنگی، اس کا دادا شاہ عامل اور باپ علی نواز ان سب کا تعلق خانہ خیل سے ہی تھا...... نانا، دادا، باپ ان سارے کرداروں کو اس نے نہیں دیکھا تھا، لیکن جب بچپن ہوتا ہے تو انسان کی تمام تر توجہ کا مرکز ماں اور خاص طور سے دادی اماں کی سنائی ہوئی کہانیاں ہوتی ہیں اور دادی اماں نے اسے صنوبر کی کہانی سنائی تھی...... دادی اماں نے اسے تمام تر تفصیلات بتائی تھیں...... اس شخص سے باتیں کرنے کو بڑا ہی دل چاہ رہا تھا اس نے کہا۔

"بابا! آپ کہیں جا رہے تھے؟"

"ہاں بیٹا! مگر تم...... ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔"

"ہاں مگر آپ کو تو دیر ہو رہی ہے۔"

"نہیں مجھے ایسی کوئی دیر نہیں ہو رہی، بولو کیا پوچھنا چاہتے ہو تم۔"

"کتنے عرصے سے آپ خانہ خیل میں رہتے ہیں؟"

"یہیں پیدا ہوا...... یہیں پلا بڑھا اور رہتے تھے کیا معنی اب بھی وہیں رہتا ہوں میرا پورا خاندان وہاں ہے۔"

"یہاں کبھی کوئی زمان ملنگی ہوتا تھا۔"

"ایک شیطان جو فرشتہ بن گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ میرے دور کی بات نہیں ہے..... میرا باپ مجھے بتاتا تھا کہ جب زمان ملنگی نے خانہ خیل میں قدم رکھا تھا تو خانہ خیل کا خانہ خراب کر کے رکھ دیا تھا..... تمام لوگوں سے زمینیں چھین لی تھیں..... وہ بہت طاقتور تھا اور اپنی قوت پر بے پناہ ناز کرتا تھا، لیکن اللہ کی قوت کے آگے کون اپنی قوت پر ناز کر سکتا ہے..... اللہ نے اسے سیدھا راستہ دکھایا اور راستہ دکھانے والا بھی کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔"

"کون تھا اسے راستہ دکھانے والا؟"

"خانہ خیل کا ایک معمولی سا آدمی جس کا نام شاہ عامل تھا..... شاہ عامل ایک چھوٹا سا زمیندار تھا..... خوبانیوں کے درختوں سے خوبانیاں توڑ کر بازاروں میں بھجواتا تھا..... یہاں کے سب سے خوبصورت ڈھلانوں میں اس کے خوبانیوں کے باغات تھے اور اب بھی ہیں..... شاہ عامل نے اپنی زمینیں اس کے حوالے نہیں کیں تو زمان ملنگی نے اس کا ایک ہاتھ کٹوا دیا اور ایک ہاتھ اس لئے باقی رہنے دیا کہ ان کاغذات پر دستخط کر دے، جس سے زمینیں زمان ملنگی کو منتقل ہو جائیں..... شاہ عامل نے کاغذات پر دستخط کئے اور خاموشی سے اس بستی سے باہر نکل گیا..... وہ اپنی ہی زمینوں پر ان کے رکھوالے کی حیثیت سے کام نہیں کر سکتا تھا..... اس نے ایک الگ ہی دنیا آباد کر لی، لیکن وہ بھی ذات کا کھرا تھا..... چٹان زادہ تھا، وہ چٹان زادے نے اپنے بیٹے علی نواز کو پروان چڑھایا اور شاہ عامل نے زمان ملنگی سے انتقام لینے کے لئے اس بیٹے کو مخصوص کر دیا اور پھر علی نواز جیسے بیٹے بھی تو ہوں..... جب وہ اسی ندی سے گزر کر اس بستی میں داخل ہوا تو زمان ملنگی کی بیٹی صنوبر نے اسے دیکھا، اس نے صنوبر کی جان بچائی تھی اور صنوبر کو اپنی جان بچانے والے سے محبت ہو گئی تو پھر یہ ہوا کہ علی نواز کو جانے بغیر زمان ملنگی نے اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان سے کر دی اور جب بعد میں زمان ملنگی پر یہ انکشاف ہوا کہ علی نواز اس کے دشمن شاہ عامل کا بیٹا ہے تو زمان ملنگی غصے سے دیوانہ ہو کر وہاں پہنچ گیا، لیکن بڑائی کس کے دل میں ہوتی ہے..... کون عظیم کا پہاڑ ہوتا ہے اس کا فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام ہے..... زمان ملنگی کو شاہ عامل کے سامنے جا کر یہ احساس ہو گیا کہ شاہ عامل

درحقیقت پہاڑ کا بیٹا ہے اور خود پہاڑ ہے..... زمان ملنگی کو اپنی گردن اس پہاڑ کے سامنے جھکانی پڑی اور اس نے اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں نچھاور کر دیا..... اس نے اپنی عادت بدل دی..... بستی کی رسمیں بدل دیں..... ساری زمینیں واپس کر دیں..... یہاں تک کہ اپنا ہاتھ بھی شاہ عامل کو دے دیا، کیونکہ اس نے شاہ عامل کا ہاتھ لیا تھا..... یہ قرض واپس کر کے وہ قبر کی گہرائیوں میں جا سویا..... یہ لوک کہانی ہے..... خانہ خیل کی لیکن بالکل سچی اور زیادہ پرانی بھی نہیں..... لوگ اپنے گیتوں میں زمان ملنگی، شاہ عامل اور علی نواز کی کہانیاں سناتے ہیں..... سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"ہاں!" شاہ گل کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آگئی تھی..... مسافر تھا وہ اور خانہ خیل کے لوگ مسافر نواز اس شخص نے کہا۔

"بیٹا اگر تم خانہ خیل میں جا رہے ہو تو جو پتہ میں تمہیں بتاتا ہوں وہاں چلے جانا وہ میرا گھر ہے، تمہیں وہاں آرام کی جگہ ملے گی..... اگر مجھے بہت جلدی نہ ہوتی تو میں خود تمہیں واپس چل کر لے جاتا۔"

"نہیں بابا صاحب! میں خود چلا جاؤں گا اور آپ اس کی پرواہ نہ کریں..... خانہ خیل میرے بھی باپ دادا کی بستی ہے۔" یہ الفاظ اس نے اتنی آہستگی سے کہے تھے کہ وہ شخص سن نہ سکا اور مسکرا کر بولا۔

"جاؤ اللہ تمہارا محافظ ہو۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا اور شاہ گل اس پل کی جانب جس پر سے گزرتے ہوئے اس کے باپ نے صنوبر کو دیکھا تھا اور صنوبر نے اسے اور یہاں سے خانہ خیل کی ایک نئی لوک کہانی نے جنم لیا تھا۔

مشعل اور توصیف دونوں ہی نے محسوس کیا تھا کہ جونہی انہوں نے خانہ خیل کا رخ کیا تھا...... مومل کے چہرے پر گلاب کھل اُٹھے تھے...... اس نے سرگوشی کے انداز میں مشعل سے کہا تھا۔

"باجی کیا تم اب بھی میری باتوں پر کوئی شبہ کرتی ہو...... یعنی میں جو تمہیں کہتی ہوں اسے ایک کہانی سمجھتی ہو۔" مشعل نے گہری سانس لے کر بہن کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں نہیں سمجھی مومل تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"باجی ہم خانہ خیل جا رہے ہیں نا۔"

"ہاں۔"

"کیوں باجی؟"

"بس ممکن ہے وہاں سے ہمیں شاہ گل کا پتہ مل سکے، لیکن تم جانتی ہو...... مومل کہ میں نے ڈیڈی سے کتنی مشکل کے ساتھ اجازت لی ہے...... ڈیڈی مجھ پر بھی ناراض ہو رہے تھے...... کہہ رہے تھے کہ اگر بڑی بہن کی حیثیت سے میں تمہیں سمجھاتی تو شاید تمہارے ذہن میں کوئی صحیح بات آجاتی...... انہوں نے کہا ہے مومل کہ میں نے تمہارے ان غلط جذبوں کو ہوا دی ہے۔" مشعل کی آواز بھرا گئی، مومل نے اسے دیکھا اور بولی۔

"لیکن تم دیکھ لینا ان تمام باتوں کا جو نتیجہ نکلے گا وہ سب کو مطمئن کر دے گا...... پھر تم

ڈیڈی سے پوچھنا کہ بتایئے جناب! میں نے غلط کیا تھا یا صحیح۔"

"ڈیڈی بھی پریشان ہیں، میں جانتی ہوں ان کی کیفیت کو ان کا قصور بھی نہیں ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ اپنی اُلجھنوں میں جو کچھ کہہ جاتے ہیں...... میں ان کی بات کا برا نہیں مانتی۔"

"خیر ڈیڈی نے ساری زندگی ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے بھلا ان کی باتوں کا برا ماننے کا کیا سوال ہے، مگر باجی میں جو تمہیں بتانا چاہتی ہوں، وہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں۔"

"بتاؤ۔"

"شاہ گل! خانہ خیل میں موجود ہیں ہنس رہے تھے کہہ رہے تھے آخر تم میرے راستے پر آ ہی گئیں...... یقین کرلو گی باجی اس بات پر انہوں نے مجھے اپنا پتا بھی بتایا ہے۔"

"خانہ خیل میں؟"

"ہاں۔"

"ہے! میں تو صرف یہ دعا کرتی ہوں کہ تو خیریت سے رہے اور تیرا سارا کام آسان ہو جائے۔"

"ہاں باجی میرے لئے اس سے زیادہ قیمتی دعا اور کوئی نہیں ہو سکتی...... واقعی دعاؤں کا بھی ایک انداز ہوتا ہے، میرے لئے سب سے اچھی دعا اس وقت یہی ہے کہ میرا کام آسان ہو جائے......" مومل نے کسی خاص تاثر کے ساتھ کہا اور مشعل ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی...... توصیف نے زبردست انتظامات کئے تھے...... وہ پہاڑی علاقے کی ایک بڑی آبادی میں پہنچا تھا اور یہاں اس نے اپنے تعلقات سے کام لے کر ایک بہت شاندار لینڈ کروزر حاصل کی تھی اور پھر اس لینڈ کروزر کے ذریعے خانہ خیل کے سفر کا آغاز کیا گیا تھا...... ساری تفصیلات معلوم کرلی گئی تھیں...... خانہ خیل میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ تھا، ایک بڑی ندی سے گزر ہوتا تھا جس میں جگہ جگہ پل بنے ہوئے تھے، بلکہ اب تو ایک اور پل بنایا گیا تھا، جو کافی مضبوط اور وسیع پل تھا اور اس پل کو زمان ملنگی پل سے منسوب کیا گیا تھا...... بہر حال یہ لوگ اپنا سفر جاری رکھے رہے اور پھر خانہ خیل کا سرحدی علاقہ شروع ہو گیا......

جیسے ہی یہ علاقہ شروع ہوا ٹھنڈی اور خوشبو سے لبریز ہواؤں نے ان کا استقبال کیا..... ان ہواؤں میں پھلوں اور پھولوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی اور مومل مسکراتی نگاہوں سے اس پورے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی..... اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"باجی دیکھ رہی ہو ان علاقوں کا حسن اور یہ بھی دیکھ رہی ہو کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا..... پھلوں سے لدے ہوئے یہ باغات آگے چل کر دیکھو گی تو یوں لگے گا جیسے پھلوں کو درختوں پر ٹکنے کے لئے جگہ ہی کم ہو گئی ہو۔" مشعل نے حیران نگاہوں سے بہن کو دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی..... یہ ساری کیفیت جیسی بھی تھی..... بہر حال مشعل کے لئے حیران کن تھی، کیونکہ واقعی مومل جو کچھ کہتی تھی..... وہی کچھ سچ نکلتا تھا.....

سفر کافی طویل تھا، مومل پچھلی سیٹ پر سو گئی تو مشعل شوہر کے برابر آ کر بیٹھ گئی..... جو ڈرائیونگ کر رہا تھا..... توصیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ مردوں کے کان بہت چھوٹے ہوتے ہیں، وہ جو آپس میں سرگوشیاں کرتی ہیں مرد سن ہی نہیں پاتے۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ جناب! کہ آپ کے اور آپ کی بہن کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی، وہ ہم نے سن لی ہے..... اچھا ایک بات بتاؤ مشعل! کیا واقعی تم بھی اپنے محبوب کو اسی طرح چاہ سکتی تھیں۔" مشعل نے اس جملے کو غیر سنجیدگی سے نہیں سنا، آہستہ سے بولی۔

"توصیف میں کسی بات کے لئے کبھی دعویٰ نہیں کرتی..... انسان کی گہرائیاں تو لامحدود ہیں..... عورت کی گہرائیوں کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا جاتا ہے..... ہاں اپنی گہرائیوں کے بارے میں اگر میں تم سے کچھ کہوں تو تم سے کچھ کہنا تو میرا حق بنتا ہے..... اسے سچ سمجھنا تمہارا حق ہے اور میں اس حق سے کبھی جنگ نہیں کر سکتی..... اصل میں بتانا بڑا مشکل کام ہے..... لفظوں کی تراش نے انسان کے جذبات کی ترجمانی کو آسان تو بے شک کر دیا ہے، لیکن بعض جذبے ایسے ہوتے ہیں، جن کے لئے الفاظ نہیں ملتے یا پھر یہ میری کم

ہمی ہے..... میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں توصیف کہ عورت جب کسی کو اپنا مرد مان لیتی ہے تو پھر اس سے اتنا ہی پیار کرتی ہے جتنا پیار اس کائنات میں ممکن ہو..... کسی کو زیادہ کسی کو کم سمجھنا کم از کم میرے نزدیک مناسب نہیں ہے..... ہم تو وفا کی پتلیاں ہوتی ہیں اور شاید ہماری تخلیق اسی بنیاد پر کی گئی ہے..... ہم تو تمہاری بائیں پسلی میں توصیف اور بائیں پسلی کی حیثیت ہی کیا تم نے مجھے ٹھکرا دیا تھا..... عورت کی انا پر اس سے بڑی ضرب اور کوئی نہیں ہو سکتی، مگر ایک طرف تم یعنی میرے محبوب اور دوسری طرف میری بہن میری محبتوں کا مرکز..... میری ماتا کا مرکز..... میں دونوں کی کیفیت کو محسوس کر رہی تھی..... میرے لئے تم بہت ضروری تھے کیونکہ ایک اچھا مستقبل تھے..... نا صرف میرے لئے بلکہ میری بہن اور میرے باپ کے لئے مگر اس کے بعد توصیف۔"

"ارے..... ارے ارے بھائی! تم تو سنجیدہ ہو گئیں..... ہم نے تو اس سفر کو پر مذاق بنانے کے لئے یہ بات کہی تھی..... اس لئے تو نہیں کہی تھی کہ تم جذباتی ہو جاؤ۔"

"جذبات بھی تو زندگی ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں توصیف..... جذبات نہ ہوں تو زندگی ادھوری رہ جائے۔"

"اس میں خیر کوئی شک نہیں ہے..... بہر حال مشعل مومل کا معاملہ بڑا سنسنی خیز ہے..... میری آرزو ہے کہ وہ اپنی منزل پا لے..... یقین کرو مجھے اتنی ہی خوشی ہو گی جتنی تمہیں ہو سکتی ہے۔"

"اس بات پر میں پورا پورا یقین رکھتی ہوں۔" مشعل نے مسکراتے ہوئے کہا آخر کار وہ خانہ خیل پہنچ گئے..... پل عبور کرنے کے بعد وہ اس خوبصورت بستی میں داخل ہوئے..... یہاں یہ سوچا گیا تھا کہ پہلے زمان ملنگی کی رہائش گاہ کو دیکھا جائے گا اور اگر صنوبر وغیرہ وہاں ملیں تو ان سے معلومات حاصل کی جائیں گی اور اس کے بعد مومل کی کیفیت دیکھی جائے گی کہ وہ کیا کہتی ہے..... بستی کے لوگوں نے انہیں استقبالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا اور ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"شہر سے آئے ہیں صاب! یہاں خانہ خیل میں کون ملنے والا ہے یا صرف سیر و سیاحت کرنے کے لئے آئے ہیں...... خانہ خیل کا ہر گھر آپ کو اپنا مہمان بنانے کے لئے تیار ہے، لیکن اگر آپ پہلے سے کسی کے مہمان ہیں تو ہمیں اس کے بارے میں بتایئے۔"

"بھائی! زمان ملنگی رہتے تھے کبھی یہاں اور ان کی صاحبزادی صنوبر شہر سے یہاں آئی ہوئی ہیں...... ہمیں اطلاع ملی تھی...... کیا آپ ہمیں وہاں تک پہنچا سکتے ہیں۔"

"زمان ملنگی تو خانہ خیل کا مالک تھا اور آقازادی یہاں آئی ہوئی ہیں...... آیئے ہم لوگ آپ کو لے کر چلیں، چنانچہ کچھ افراد ان کے رہنما ہوئے اور زمان ملنگی کی حویلی کے صدر دروازے پر انہیں پہنچا کر یہ بتا کر گئے کہ یہ خانم صنوبر کے مہمان ہیں...... پھر یہ بھی خوش بختی تھی ان لوگوں کی کہ غلام خیر نے انہیں سب سے پہلے دیکھا تھا اور تیزی سے اس طرف چلا آیا تھا...... پھر اس نے مسنون لہجے میں کہا۔

"ارے میری دونوں بچیاں آئی ہیں اور یہ ان سے پہلے نہیں ملا۔"

"چچا غلام خیر! یہ توصیف ہیں میرے شوہر۔"

"واہ بیٹے واہ! شادی ہو گئی تمہاری اور ہمیں پتہ تک نہیں چلا۔"

"نہیں چچا غلام خیر ہم نے تو آپ کو بڑا تلاش کیا تھا، آپ نہیں ملے گھر پر تالا ملا اور لوگوں نے بتایا کہ آپ خانہ خیل چلے گئے ہیں...... دیکھ لیجئے میں صرف آپ سے ملاقات کرنے کے لئے خانہ خیل آگئی۔"

"آؤ بیٹے! اندر آؤ...... بس تم اب اپنی یہ گاڑی چھوڑ دو بیٹے، یہاں سب تمہارے خدمت گزار موجود ہیں۔" غلام خیر درحقیقت یہاں ایک بڑی حیثیت رکھتا تھا...... وہی یہاں کے کاروبار طویل عرصے سے چلا رہا تھا اور اس نے بڑی خوش اسلوبی سے ان سارے معاملات کو سنبھال رکھا تھا...... توصیف اور دونوں لڑکیوں کو لے کر وہ اندر داخل ہوا...... صنوبر تو بالکل نوخیز نظر آ رہی تھی...... بے شک عمر چہروں پر اثر انداز ہوتی ہے، لیکن عمر تک اس کے چہرے پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ جوانی کے چند ہی لمحات تو

اسے دیئے تھے اور اس کے بعد وہ محرومیوں کی آغوش میں بسر کرتی رہی تھی، لیکن خانہ خیل آنے کے بعد اس کے وہ دن لوٹ آئے تھے...... مشعل اور موبل نے اسے دیکھا صنوبر نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے اور دونوں اس سے لپٹ گئی تھیں...... مشعل کہنے لگی۔

"آنٹی آپ کو تو باجی کہنے کو دل چاہتا ہے...... ماشاءاللہ آپ تو بہت ہی پیاری ہو گئی ہیں یہاں آکر۔"

"مشعل اپنا گھر کیا ہوتا ہے...... یہ وہی جانتے ہیں جن کا اپنا گھر ہوتا ہے...... باپ کا گھر بڑی حیثیت کا حامل ہوتا ہے...... بچپن کی ہر یاد کا امین، حالانکہ وقت مجھے بہت سوں سے محروم کر کے یہاں لایا ہے، لیکن یہاں کے در و دیوار نے مجھے وہی پیار دیا ہے جو میرے بابا مجھے دیا کرتے تھے...... میں جب کسی دیوار سے لگ کر کھڑی ہوتی ہوں تو وہ مجھے اپنے باپ کا نرم سینہ محسوس ہوتی ہے...... ہو سکتا ہے کہ یہ احساس کا کھیل ہو، لیکن بہر حال میں سچ بول رہی ہوں۔" موبل اور مشعل کے علاوہ توصیف بھی بہت زیادہ متاثر ہوا تھا...... صنوبر نے کہا۔

"یہ کون ہے؟"

"آنٹی یہ میرے شوہر توصیف ہیں۔"

"آؤ بیٹے! خدا تمہیں ہر بری نگاہ سے محفوظ رکھے...... میرا بھی ایک بیٹا ہے...... پتہ نہیں کہاں گم ہو گیا ہے آؤ بیٹھو! بات اصل میں کیا ہے موبل اور مشعل میں تمہیں بتاؤں...... میں صحیح معنوں میں اسے ماں کا پیار نہیں دے سکی، بات یہ نہیں ہے کہ کسی نے میرا راستہ روکا بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکی، اصل میں ماں بننے کے بعد اولاد سے تعارف ضروری ہے...... بس اسے چاہنے والے اتنے تھے کہ میرا اس سے تعارف نہیں ہو سکا۔" موبل کا دل عجیب سا ہو گیا...... مشعل نے بھی یاس بھری نگاہوں سے موبل کو دیکھا اور بولی۔

"آنٹی! شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"نہیں! غلام خیر چچا نے یوں سمجھ لو کہ کنوئیں میں بانس ڈلوا دیئے...... پتہ نہیں کہاں

چلا گیا..... ویسے بھی سچی بات کہو..... اللہ اسے اپنے سائے میں رکھے.....اپنی رحمت عطا کرے اس پر..... وہ بہت عجیب تھا، اپنے آپ میں گم رہنے والا اور یہ بات بعد کی نہیں ہے ابتدا ہی سے وہ ایسا تھا بس گم سم کتابوں میں ڈوبا ہوا..... سکول سے کالج تک گیا لیکن بس کبھی دونوں ہاتھ پھیلا کر اس نے میری گردن میں بانہیں نہیں ڈالیں.....ڈرا ڈرا سا سہما سہما سا اپنے آپ سے گھبرایا ہوا نجانے کیا گھبراہٹ تھی اسے نجانے کیا پریشانی تھی۔"

"آنٹی وہ آئے گا۔" مومل نے عجیب سا سوال کیا اور صنوبر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی.....دیر تک دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"جس مزاج کا وہ ہے اس کے تحت تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چلا گیا اور جب وہ چلا گیا تو واپس نہیں آئے گا۔"

"آنٹی آپ ماں ہیں کیا آپ کا دل اس کے لئے نہیں تڑپتا..... آپ اسے آواز کیوں نہیں دیتیں۔" دفعتاً ہی صنوبر کی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے اور پھر یہ آنسو جل تھل ہوگئے، اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

"میں نے جسے بھی آواز دی وہ نہیں آیا..... آوازیں دے دے کر تھک گئی..... علی نواز کو زہر دے دیا گیا.....اس کی بھابی نے زہر دیا مجھے، میں نے علی نواز سے کہا کہ علی نواز تم تو میرے لئے تھے.....میں نے تمہارے لئے کتنا ایثار کیا..... میرے بابا کی گردن جھک گئی تمہارے لئے.....علی نواز میرے بابا نے اپنا ہاتھ کاٹ کر تمہارے باپ کو دے دیا..... صرف اس لئے کہ میں نے تمہیں چاہا تھا.....میں نے تمہیں پسند کیا تھا.....یہ تو محبت نہ ہوئی علی نواز کیوں چلے گئے تم واپس آجاؤ.....وہ نہیں آیا..... نہیں آیا.....شاہ گل بھی تو اسی کا بیٹا ہے..... وہ بھی نہیں آئے گا.....میں جانتی ہوں وہ بھی نہیں آئے گا۔"

"میں اسے آواز دوں گی آنٹی وہ آجائے گا..... آپ یقین کیجئے وہ آجائے گا۔" توصیف نے درمیان میں آکر اس جذباتی ماحول کو ختم کر دیا تھا.....ماحول پر دیوانگی کا دورہ پڑ جانے کا خطرہ تھا، بہر حال وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی اور کے گھر تماشا بنے.....اس نے آہستہ سے کہا۔

"مشعل مومل کو سنبھالو.....ہم چلیں یہاں سے۔"

"کیا بات کرتے ہوئے بیٹے! خانہ خیل میں آئے ہو..... میری بچیاں ساتھ آئی ہیں.....داماد ہو تم میرے..... بہو تو میں نہیں دیکھ سکی.....داماد دیکھ رہی ہوں..... بیٹا یہاں آرام سے رہو گے تم..... میں تمہیں زندگی کی ہر خوشی مہیا کروں گی کیا سمجھے..... چچا غلام خیر کہاں ہیں..... چچا غلام خیر۔"

"میں ہوں بیٹے! آجاؤں اندر۔" باہر سے غلام خیر کی آواز سنائی دی۔

"ہاں کیوں نہیں آؤ.....اندر آجاؤ۔"

"ان لوگوں کے قیام کا بندوبست کر دیا ہے میں نے دو کمرے مہیا کئے ہیں میں نے ایک مومل کے لئے ایک مشعل اور ان کے شوہر کے لئے..... آؤ بیٹے توصیف! غسل وغیرہ کرکے سفر کی تھکن دور کر لو، اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کریں گے آؤ۔" غلام خیر نے کہا اور وہ تینوں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

❁ ❁ ❁

پہاڑی راستوں پر بارہ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد آخر کار شاہ گل جاہ بابا پہنچ گیا...... بڑی پراسرار اور بڑی عجیب جگہ تھی...... وہ پہاڑی غار منہ کھولے آنے والوں کو تک رہا تھا، باقاعدہ سیڑھیاں تراشی گئی تھیں...... وہاں تک جانے کے لئے سامنے ہی ایک پہاڑی پلیٹ فارم تھا...... اس پلیٹ فارم تک محدود رہنے میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن غار کے دہانے میں قدم رکھنا بڑا ہی سنسنی خیز عمل تھا...... جب شاہ گل وہاں پہنچا تو دور دور تک کسی انسان کا نشان نہیں تھا...... ہاں اس پہاڑی پلیٹ فارم پر زندگی گزارنے کے لوازمات موجود تھے...... پانی کے بڑے بڑے برتن بیٹھنے کے لئے پتھروں کی سلیں...... کچھ درخت بھی وہاں لگے ہوئے تھے، لیکن ایک ویران سناٹا تاحد نظر پھیلا ہوا تھا...... شاہ گل ان سیڑھیوں کو عبور کر کے اس پہاڑی پلیٹ فارم پر پہنچ گیا...... بری طرح تھک گیا تھا...... بدن ٹوٹ رہا تھا...... دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا اور بہت دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا، پھر آنکھوں میں غنودگی سی طاری ہو گئی...... یہ نیند نہیں تھی، بس ایک نیم غشی کی سی کیفیت تھی...... اس کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا...... اس نے بڑے عجیب سے انداز میں سوچا اور بند آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں، بہنیں لگیں...... زبان نے جنبش کی یہ سب نیم بے ہوشی اور نیم غشی کی کیفیت میں ہو رہا تھا، اس کے منہ سے نکلا۔

آسمان پر رات کو نظر آنے والے ستارو ہنستے ہوئے چاند کے ساتھ آسمان پر کھیلتے ہو اور پھر سورج کا اُجالا تمہاری فنا بن جاتا ہے...... اس فنا کے بعد تم نئی زندگی پاتے ہو اور ہنستے ہوئے پھر اس کائنات کے سر پر آجاتے ہو...... مجھے بتاؤ، مرجھائے ہوئے پھولوں سے خوشبو

کیسے آتی ہے...... مجھے بتاؤ دم توڑنے والے پھر سانس کیسے لیتے ہیں...... مجھے بتاؤ زمین پر بکھرا ہوا پانی فضا میں جا کر بارش کیسے بن جاتا ہے...... مجھے بتاؤ بلندیوں سے گرنے والی ندی ایک ہی سمت کیسے بہتی رہتی ہے...... مجھے اس کائنات کے بارے میں بتاؤ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا، میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا...... لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بڑی دلکش چیز ہے...... لوگ کہتے ہیں کہ محبت کے جذبے جب دلوں میں آسمان بن جاتے ہیں تو محبوب کی قربت لازمی امر بن جاتی ہے۔ آہ! اس کائنات میں کیا میرے جیسے اور بھی ہوتے ہیں جنہیں کچھ بھی نہیں ملتا، جو صرف دیکھتے اور سسکتے ہیں...... مجھے بتاؤ چمکتے دمکتے ستارو اگر تمہارے پاس میری باتوں کا جواب نہیں ہے تو میں کس سے یہ سوال کروں...... مجھے بتاؤ وہ میرے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے...... میں چاہتا تو اسے حاصل کر سکتا تھا، وہ میری محبت میں دیوانی ہو گئی تھی، مگر میں کیا تھا...... آہ! میں تو کچھ بھی نہیں تھا اور کچھ بھی نہیں ہوں...... میں اس سے کہتا کہ مومل میں بھی تو تجھے چاہتا ہوں...... مومل اتنا ہی پیار کرتا ہوں میں تجھے...... جتنا تو مجھ سے کرتی ہے، مومل میرے دل میں تیرے لئے وہ تمام جذبے موجود ہیں، جو کسی چاہنے والے کے دل میں اپنی چاہت کے لئے ہوتے ہیں، لیکن مومل جب میں تیرے سامنے مجسم ہوں گا تو تو اس پتھر کے وجود سے نفرت کرے گی...... مومل تو سوچے گی کہ کتنی بے وقوف ہوں میں نے چاہا بھی تو کسے ایک نامکمل وجود کو...... ایک ایسے شخص کو جو خود اپنی تصویر کا صحیح عکس بھی نہیں ہے...... آہ! مومل زندگی کی کچھ حقیقتیں تو تسلیم شدہ ہوتی ہیں...... بے شک آفاقی جذبے دلوں کی بہت سی طلب کو بے نیاز کر دیتے ہیں، لیکن وہ جو کسی کی امانت ہو کیسے ہضم کی جا سکتی ہے، مومل میں تجھے چاہتا ہوں...... کاش! میرے یہ الفاظ تمہارے کانوں تک پہنچ جاتے تو مجھے نہ جانتی ان لفظوں سے آشنا ہو جاتی اور پھر یہ آشنائی تجھے میری محبت سے روشناس کرا دیتی، تو مومل مطمئن ہو جاتی...... آہ اب تو نہ جانے میرے بارے میں تو نے کیا کیا سوچا ہوگا۔"

"انسان بے حد پراسرار ہے...... اس کے لئے بہت کچھ کیا گیا ہے...... وہ خود اپنی ذات کی گہرائیاں تلاش کر کے تو کائنات اس پر روشن ہو جائے۔ ایک آواز نے شاہ گل کو چونکا دیا ایک عمر رسیدہ بوڑھا اس کے کچھ فاصلے پر موجود تھا۔

"تم کون ہو..... شاہ گل نے پوچھا تو بوڑھا ہنس پڑا۔"

"کیوں ہنس رہے ہو۔"

"ابھی تم ایک جذباتی کیفیت میں ڈوبے ہوئے تھے..... مجھے دیکھتے ہی تمہاری توجہ دوسری طرف چلی گئی اور تم میرے بارے میں جاننے کی کوشش کرنے لگے۔"

"ہاں کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہی تو انسان بے حد پراسرار ہے اس کی سوچ، اس کا عمل، یہ ساری چیزیں ایک الگ ہی حیثیت رکھتی ہیں اور وہ نہیں کہہ سکتا کہ کب اور کس وقت اس کا ذہن کس سمت منتقل ہو جائے..... خیر دکھی ہو، مشکل میں گرفتار ہو، غم میں ڈوبے ہوئے ہو، کچھ بتاؤ گے اپنے بارے میں۔" "محبوب کی قربت زیادہ دلکش ہے یا زندگی سے زیادہ پیار کرتے ہو..... انسان بے حد پراسرار ہے..... عالم برزخ میں روحوں کا تصور کیا جا سکتا ہے اور روحیں دنیاوی فکروں سے بے نیاز ہوتی ہیں اور دنیا سے ان کے گہرے رابطے ٹوٹ جاتے ہیں..... سب کچھ بھول کر اس طرف آئے ہو..... محبت کی پناہ کے طلب گار ہو تو چاہ بابا کی طرف دیکھو..... بابا کی کہانی کوئی نہیں جانتا لیکن ایک بات سبھی جانتے ہیں..... ساری زندگی اپنی محبت کی کامیابی سے مایوس ہونے کے بعد یہاں اس غار کے دہانے پر انہوں نے چلہ کشی کی اور یہ وعدہ کیا کہ محبوب کی طلب بالکل نہیں کریں گے..... بس محبوب کا قرب چاہیں گے، اس کی تصویر نگاہوں کے سامنے رہے..... وہ باتیں کرے، ہنسیں بولے، بس یہی طلب تھی ان کی اور جب انہیں حکم ملا کہ زندگی ترک کر دو تو اپنے محبوب کو پا لو تو بڑی خوشی کے ساتھ انہوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا..... وہ یہاں آ گئی اور وہ اسے لے کر ان غار کی گہرائیوں میں اتر گئے..... غار کی دوسری طرف کیا ہے..... یہ راز ہے، کوئی نہیں جان سکے گا..... کوئی بھی نہیں جانتا، لیکن ادھر جو کچھ ہے بڑی سنسنی خیز کیفیت کا حامل ہے..... ذرا جھانک کر دیکھا جائے لیکن ایسے نہیں تصور کی آنکھ سے، بولو کیا چاہتے ہو؟"

"اس غار کی گہرائیوں میں کیا ہے..... معزز بزرگ۔"

"آہ..... کوششیں کی گئیں..... معلوم کر کے واپس آنے والا کوئی نہیں ہے..... خیال کیا جاتا ہے روایت ہے کہ ان گہرائیوں کی دوسری جانب ایک مکمل دنیا آباد ہے، وہاں روشنی

پہاڑ ہیں..... پانی ہے..... سرسبز و شاداب ہیں اور وہاں محبت کرنے والے رہتے ایک دوسرے کی چاہت میں مصروف، ایک دوسرے کے پیار میں ڈوبے ہوئے۔"

"میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

"تین بار کہو۔"

"میں وہاں جانا چاہتا ہوں..... میں وہاں جانا چاہتا ہوں..... میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک..... اب تم پر پابندی عائد ہو گئی..... گویا تم غار کے مکین ہو گئے..... بس انتظار ہو..... کیا سمجھے۔" وہ ادھر دیکھو انتظار کی مدت کے لئے تمہارے پاس وہ سب کچھ موجود ہے، بوڑھے نے ایک طرف اشارہ کیا اور جب شاہ گل نے ادھر دیکھا تو پتھر کی چٹان کی آڑ ں کھانے پینے کی اشیاء اور دوسری ضروریات زندگی کا سامان رکھا ہوا تھا۔"

"یہ کس نے مہیا کیا ہے..... اف کس کے لئے ہے شاہ گل نے پلٹ کر بوڑھے کو دیکھا، یکن بوڑھا اب وہاں موجود نہیں تھا..... شاہ گل دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا، مگر ب وہاں کسی کا وجود نہیں تھا..... آہ شاید..... یہ میرا تصور ہے لیکن تصور یہ اشیاء کیسے مہیا رتا ہے، اس نے سوچا اور پھر آہستہ آہستہ اس کے قدم ان اشیاء کی جانب بڑھ گئے..... ادھر ول، مشعل اور توصیف، صنوبر کے مہمان تھے..... شہری زندگی کے شناسا غلام خیر بھی بے حد خوش تھا..... غلام خیر کے ذہن میں بہت سی باتیں تھیں، اس دن اس نے توصیف سے کہا۔"

"میں بہت معمولی سا آدمی ہوں..... زندگی بہت سادگی سے گزری ہے..... بہت سی وں سے نا آشنا ہوں میں لیکن اس بچی کی آنکھوں میں ایک ایسی اداسی لکھی ہوئی ہے جو سمجھ ں نہیں آ رہی کہ کیا ہے۔"

توصیف نے ٹھنڈی سانس لے کر غلام خیر کو دیکھا اور گردن جھکالی۔"

"مسئلہ کچھ ایسا ہے غلام خیر چچا کہ میں آپ سے کیا کہوں۔"

"لیکن میں جانتا ہوں آؤ تمہیں بھی وہ منظر دکھاؤں جو میری واقفیت کا باعث بنا اور توصیف، غلام خیر کے ساتھ چل پڑا۔

موٹل اس وقت صنوبر کے کمرے میں موجود تھی اور صنوبر کے پاؤں پکڑے ہوئے

کہہ رہی تھی۔"

"ماں ہو تم ... لوگ کہتے ہیں کہ ماں کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے ... وہ تمہاری اولاد ہے تم اگر اسے آواز دو گی تو وہ تمہارے پاس دوڑا چلا آئے گا ... دل کی آواز کا ایک مقام ہوتا ہے ... کبھی اس آواز کو آزما کر تو دیکھو ... دیکھو وہ آجائے گا ... میں تم سے جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ سچ ہے ... میں تو ایک معمولی سی لڑکی ہوں تمہارا مقام تو میں کبھی حاصل نہیں کر سکتی، لیکن میں تمہیں اس تک لے جا سکتی ہوں اسے آواز دو وہ آجائے گا۔"

"میرے کہنے سے وہ کبھی نہیں آیا ... تم اگر یہ دعویٰ رکھتی ہو تو بلا لو اسے کہاں ہے وہ؟"

"میں جانتی ہوں کہ وہ کہاں ہے، رات ہی کو تو میں نے اس سے ملاقات کی ہے ... وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے ...... مجھے بلا رہا ہے، وہ ... جانتی ہیں آپ اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟"

صنوبر غم زدہ نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھنے لگی، اس کے دل کی داستان صنوبر کے علم میں آ گئی تھی ...... مشعل نے بھی اسے بتا دیا تھا کہ مومل شاہ گل کی دیوانی ہو گئی ہے اور اب اسے جذب کا درجہ حاصل ہوتا جا رہا ہے، لیکن صنوبر نے تو معصومیت سے پوری زندگی گزاری تھی ...... محبت کی تھی اس نے علی نواز سے اور اپنی محبت کو پا لیا تھا ...... یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کی تقدیر میں بہت عرصے کے لئے نہیں لکھا تھا، لیکن مومل کے الفاظ سن کر نجانے کیوں اسے اپنے دل میں ایک عجیب سی رقابت کا احساس ہوا تھا ...... شوہر چھن گیا تھا ... بیٹا بھی چھن گیا تھا، لیکن ایک غیر لڑکی اس بات کا دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ اگر اس کے بیٹے کو آواز دے گی تو وہ آجائے گا اس کے پاس ...... اس نے مومل سے کہا۔"

"دیکھو ...... میں نے کبھی زندگی میں کسی سے اختلاف نہیں کیا، لیکن اگر تم یہ کہتی ہو کہ وہ تمہاری آواز سن کر آجائے گا یا وہ تمہیں مل جائے گا تو مجھے بھی اس سے ملاؤ ...... میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ...... ٹھیک ہے تیاریاں کرو ...... میں تمہیں اس کے پاس لے کر چلوں گی ...... مومل نے پرجوش لہجے میں کہا۔"

توصیف اور غلام خیر بھی یہ الفاظ سن رہے تھے ...... توصیف آہستہ سے بولا۔"

"یہ دیوانی ہو چکی ہے۔"

"مگر نجانے کیوں مجھے اس کی آنکھوں میں ایک عزم نظر آتا ہے، ایا وہ واقعی ہمیں شاہ گل تک لے جا سکتی ہے ... "مومل نے اس سوال کے جواب میں کہا۔

"ہاں ... تیاریاں کرو میں تمہاری رہنمائی کروں گی اور ایک عجیب سفر تھا یہ ... شاہ گل کی تلاش کے لئے مومل ان لوگوں کے ساتھ جا رہی تھی ...... غلام خیر ...... صنوبر، توصیف ...... مشعل ساتھ تھے ...... دو خادموں کو بھی ساتھ لے لیا گیا تھا ...... راستے میں خوبانیوں کے باغ پڑے تو مومل نے مسکرا کر کہا۔"

"یہ دیکھو ...... یہ شاہ عالم کی خوبانیوں کے باغ ہیں اور ایک بات بتاؤں تمہیں یہاں شاہ عالم اپنے بیٹے کے ساتھ خوبانیوں کی کاشت کرتے تھے، کیوں آنٹی صنوبر میں غلط تو نہیں کہہ رہی۔"

"ہاں اور یہیں میری علی نواز سے ملاقات ہوئی تھی، مگر تم یہ بات کیسے جانتی ہو۔"

"میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ آگے چل کر ہمیں ایک پہاڑی درہ ملے گا اور اس کے بعد ایک دشوار گزار سفر جو شاید ہمیں پیدل طے کرنا پڑے۔"

"یہ لڑکی چاہ بابا کی طرف اشارہ کر رہی ہے ...... غلام خیر نے کہا۔

"یہ چاہ بابا کیا ہے" مشعل نے پوچھا۔"

"عجیب و غریب روایتوں کا حامل ایک غار، (چاہ غار کو کہتے ہیں) گڑھے اور کنوئے کو کہتے ہیں ...... سنا ہے غار کی گہرائیاں لامحدود ہیں ...... یوں سمجھو جیسے کہ تم یہاں سے دُنیا کے آخری سرے تک سفر کرو اور آخری سرے تک پہنچنے کے بعد رکو اور اس کے لئے تمہیں جتنا فاصلہ طے کرنا پڑے یہ غار اتنی ہی گہرائیوں کا حامل ہے ...... محبت کرنے والے کئی جوڑے اس میں داخل ہونے کے بعد پناہ لے چکے ہیں، لیکن ان کے بارے میں کوئی سراغ نہیں لگایا جا سکا ...... سراغ لگانے والے اگر اس غار میں داخل ہوتے ہیں تو پھر کبھی واپس نہیں آئے، کیونکہ چاہ بابا کی کہانی باہر نہیں آئے گی ...... کبھی نہیں آئے گی ...... یہی روایت ہے ......

مشعل نے پریشان نگاہوں سے توصیف کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔"

"توصیف کیا یہ ممکن ہے۔"

"انسان بے حد پراسرار ہے، اس کی کہانیاں ناقابل یقین ہیں...... بہت سے ایسے واقعات جو ہماری سمجھ میں نہیں آتے، لیکن ان کا وجود ہوتا ہے۔"

"آہ نجانے کیا ہوگا...... نجانے کیا ہوگا...... پہاڑی درے کے ڈھلان عبور کئے گئے راستے واقعی اتنے ناقابل سفر تھے کہ آخر کار انہیں ایک جگہ اپنی لینڈ کروزر روکنا پڑی اور اس کے بعد مومل ہی کی ہدایت پر وہ آگے بڑھتے رہے...... فاصلہ طے ہوتا رہا، بارہ میل کا فاصلہ طے کرنا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں تھا، لیکن جتنا سفر لینڈ کروزر سے کیا گیا تھا اس کے بعد جو پیدل سفر کیا گیا وہ کافی تھا...... شام کے جھٹ پٹے فضاؤں میں اترتے چلے آرہے تھے اور چاہ بابا کا غار نزدیک ہی تھا، لیکن یہ دیکھ کر سب کے دل دھل گئے کہ وہاں کوئی انسان بھی موجود تھا اور دوسری کیفیت مومل کی تھی...... جس کا چہرہ خوشی سے دبک اٹھا تھا، اس نے مشعل سے کہا۔"

"باجی لوگ غلط تو نہیں کہتے نا...... لوگ سچ کہتے ہیں نا باجی...... طلب اگر صادق ہو تو منزل دُور نہیں ہوتی...... دیکھو وہ کون کھڑا ہے...... کیا تم اسے پہچانتی ہو؟"

"نہیں...... مشعل کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔"

"ارے شاہ گل ہے...... شاہو...... شاہ گل...... شاہو...... مومل بے اختیار دوڑ پڑی اور ٹھوکریں کھاتی ہوئی آخر کار اس جگہ پہنچ گئی جہاں شاہ گل کھڑا ہوا تھا...... باقی لوگوں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا...... صنوبر آہستہ سے بولی۔"

"غلام خیر چچا غلطی شاید میری ہی ہے...... میں نے کبھی شاہ گل کو ماں کی مکمل شخصیت نہیں دی، اصل میں علی نواز کے بعد میں ہو ہی نامکمل گئی تھی...... دیکھو...... مومل نے اسے پکار لیا اور میں تشنہ ہی رہ گئی...... ادھر مومل شاہ گل کے پیروں سے لپٹی ہوئی کہہ رہی تھی۔"

"تیری جوگن ہوں شاہو...... تیری دیوانی ہوں...... کون کہتا ہے کہ تو اکیلا ہے...... شاہ گل میں ہونا تیری...... تیرے قدموں کی دُھول ہوں میں...... تیرے قدموں کی خاک ہوں شاہ گل...... شاہ گل نے مومل کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا، اسے دیکھتا رہا...... اس دوران باقی سارے لوگ بھی پہنچ گئے تھے...... اس نے ایک ایک کر کے سب کی صورت دیکھی...... صنوبر کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔"

"تیری دعائیں نہیں ملیں مجھے ماں...... بھٹکتا ہی رہا ہوں میں تیرے ہوتے ہوئے بھی

میرا باپ کھو گیا تھا...... میں تو تھا، میں تیری دعاؤں کے لئے تڑپتا رہا ہوں ساری زندگی...... کبھی آگے نہیں بڑھی...... کبھی آگے نہیں بڑھی...... بول محبت کس میں تلاش کروں...... صنوبر پتھرائی ہوئی کھڑی تھی...... شاہ گل اسے دیکھتا رہا پھر مومل سے بولا۔"

"مومل...... تو نے مجھ سے بہت محبت کی...... بہت چاہا مجھے...... میں بھی اب یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں بھی تجھے چاہتا تھا...... چاہتا ہوں اور چاہتا رہوں گا، مگر مومل کچھ کمی ہے میرے وجود میں۔"

"تیرے وجود کی ساری کمی میری اپنی ہے شاہو...... جوگن ہوں تیری...... خادمہ ہوں تیری...... باندی ہو تیری...... کیسے سوچا تو نے کہ تیری کوئی خامی یا تیری کوئی کمی مجھے بری لگے گی...... سارے کا سارا ہی پیارا ہے تو مجھے...... لوگ تجھے کچھ بھی کہتے رہیں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے...... میں تو تجھے کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اگر ایسا ہے تو آ میرے ساتھ، چاہ بابا کی گہرائیوں میں چل...... لوگ کہتے ہیں وہاں محبت کرنے والوں کی ایک دُنیا آباد ہے...... وہ وہاں خوش و خرم رہتے ہیں، وہاں کبھی کسی انسان میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ "لوگ ایسا ہی کہتے ہیں...... چل میرے ساتھ چل۔"

"چلو شاہ گل...... مجھے خود یہ دُنیا اچھی نہیں لگتی...... میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ابھی آخری بار جب تم مجھے ملے تھے نا، تب بھی میں نے کہا تھا نا کہ شاہ گل جہاں بھی ہو مجھے اپنے پاس بلا لو...... میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔"

"آؤ پھر چلتے ہیں...... شاہ گل نے مومل کا ہاتھ پکڑا لوگوں کے اعضاء جیسے ساکت ہوگئے، نہ کسی کی زبان ہل رہی تھی...... نہ بدن...... دونوں نے ایک نظر یہاں کھڑے ہوئے لوگوں پر ڈالی اور اس کے بعد غار کی جانب قدم بڑھا دیئے...... کچھ لمحوں کے بعد وہ غار کی گہرائیوں میں اُتر گئے...... تب مشعل کی چیخ اُبھری۔"

"مومل اندر کیا ہے...... مجھے بتاؤ مومل۔"

"میں بتاتا ہوں بچو...... اندر وہ ہے جو اس نے کہا تم میں سے کوئی اس غار کی گہرائیوں میں اترو گے تو پھر واپس نہیں آسکو گے...... بھلا کون اندر جا سکتا ہے...... کس کی مجال ہے...... ہاں یہ پاک روحوں کا مسکن ہے...... یہاں پاک رُوحیں ہی داخل ہوتی ہیں...... میں

تمہیں بتاؤں جن کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ تھوڑی دیر میں واپس آجاتے ہیں، کیونکہ انہیں آگے جانے کا راستہ نہیں ملتا...... لیکن جو محبت کی منزلوں میں عشق کی انتہا شامل کر لیتے ہیں، پھر وہ پاتال کی ان گہرائیوں میں رہتے ہیں...... یہاں پاک رُوحوں کا بسیرا ہے۔ جاؤ بچو جاؤ...... جنہیں جانا تھا وہ چلے گئے...... وہ اب کبھی نہیں آئیں گے۔"

"بابا میری بات سنو...... کچھ کرو ان کے لئے۔"

"صدیوں سے لوگ یہی کہتے چلے آئے ہیں...... جب کوئی کسی کے سامنے اندر چلا جاتا ہے تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ کچھ کرو...... لیکن اب تمہیں کرنے والا اس کائنات میں کوئی نہیں ملے گا، کیونکہ جو اندر گئے ہیں پھر واپس نہیں آئے......" مشعل روتے روتے بے ہوش ہوگئی تھی...... صنوبر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے...... غلام خیر خود سکتے کے عالم میں کھڑا ہوا تھا...... توصیف خود پتھرایا ہوا تھا، لیکن حقیقتیں، حقیقتیں ہی ہوتی ہیں...... بعض چیزیں بڑی عجیب ہوتی ہیں اور انسان بے حد پُراسرار ہے...... بھلا اپنے آپ کو بھی نہ سمجھنے والا کائنات کی نگاہوں میں کیسے کھل سکتا ہے۔" تین دن تک ان لوگوں نے وہاں بسیرا کیا تھا اور چوتھے دن مایوسی کے عالم میں پلٹ پڑے تھے، لیکن ان میں سے کون جانتا تھا کہ پاتال کی گہرائیوں میں جہاں سورج کی روشنی نہیں ہوتی بلکہ وقت اپنے ایک خاص انداز میں منور ہوتا ہے...... محبت کرنے والے جوڑے زندگی کی خوش فیلیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔" جیسے شاہ گل اور مومل" جو اس وقت بھی ایک خوبصورت چشمہ کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں...... ان کے سامنے پھلوں کے انبار ہیں اور مومل شاہ گل کو دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔"

ختم شد